فتاویٰ
علماءِ ہند
جلد-۵
تیار کردہ
منتخب علماءِ ہند
زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی
زیرِ نگرانی
حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی
باہتمام
منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی۔ الہند

فتاویٰ علماءِ ہند

جلد - ۵

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی - الہند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۵)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ مطابق جولائی ۲۰۱۵ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ و ڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی

طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے

وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلاۃ

فہرست عناوین	۵	—	۳۲
کلمۃ الشکر	۳۳	—	۳۳
تأثرات	۳۴	—	۳۶
پیش لفظ	۳۷	—	۳۷
عرض مرتب	۳۸	—	۳۸
نماز کے اوقات (۲)	۳۹	—	۲۰۶
نفل نمازوں کے اوقات	۲۰۷	—	۲۱۸
نماز کے مکروہ اوقات	۲۱۹	—	۲۸۶
اذان کے مسائل	۲۸۷	—	۳۹۲
پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ میں اذان دینا	۳۹۳	—	۴۲۴
مؤذن کے اوصاف	۴۲۵	—	۴۵۶
نابالغ کی اذان-احکام ومسائل	۴۵۷	—	۴۶۲
اذان سے متعلق پاکی وناپاکی کے مسائل	۴۶۳	—	۴۷۰
اذان کے مستحبات	۴۷۱	—	۴۸۲
اذان سے پہلے دعائیہ کلمات	۴۸۳	—	۴۹۴
اذان کے کلمات	۴۹۵	—	۵۰۴
کلمات اذان میں غلطی	۵۰۵	—	۵۲۰
کلمات اذان واقامت کی ادائیگی	۵۲۱	—	۵۶۲
کتب فتاویٰ	۵۵۹	—	۵۶۱
مصادر ومراجع	۵۶۲	—	۵۷۶

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

{وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ}

(سورة المائدة:۵۸)

اور جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ لوگ اس کو ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں،

کیوں کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔

أبو سلیمان مالک بن الحویرث رضی اللّٰہ عنہ قال:

قال لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

صلوا کما رأیتمونی أصلی، فإذا حضرت الصلاة فلیؤذن لکم

أحدکم ولیؤمکم أکبرکم۔

(مسند الإمام الشافعی، ترتیب السندی، الباب السابع فی الجماعة وأحکام الإمامة (ح: ۳۱۹)

الصحیح للبخاری، باب الأذان للمسافر (ح: ۶۳۱)/الصحیح لابن حبان، باب الأذان (ح:۱۶۵۸)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست عناوین (۳۲-۵)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(الف)	کلمۃ الشکر از انجینئر شمیم احمد صاحب خادم منظمۃ السلام العالمیۃ، موممبائی انڈیا	۳۳
(ب)	تأثرات از حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی، شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور	۳۴
(ج)	تأثرات از حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب فتحپوری	۳۵
د	تأثرات از مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، شیخ الحدیث و مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ	۳۶
(ہ)	پیش لفظ از جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی رئیس منظمۃ السلام العالمیۃ ممبئی	۳۷
(و)	عرض مرتب از مولانا انیس الرحمن قاسمی ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ	۳۸

نماز کے اوقات (۲) (۲۰۶-۳۹)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱)	نمازِ مغرب کا وقت کب سے کب تک ہے؟	۳۹
(۲)	سورج کے صرف پہاڑ کی اوٹ میں چلے جانے سے غروب متحقق نہیں ہوگا	۴۰
(۳)	طریق معرفت وقت مغرب	۴۱
(۴)	علامت غروب	۴۱
(۵)	غروب الشمس اور خیط الأسود و الأبیض کا صحیح مصداق	۴۲
(۶)	شرعی رات کی تحقیق	۴۳
(۷)	ابتداء وقت مغرب	۴۴
(۸)	وقت نماز مغرب	۴۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۹)	مغرب کا وقت	۴۵
(۱۰)	وقتِ مغرب کی توضیح	۴۵
(۱۱)	لندن میں اوقات نماز (خصوصاً مغرب)	۴۶
(۱۲)	سورج غروب نہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم	۴۷
(۱۳)	وقت مغرب کی مقدار اور اس میں لمبی قراءت	۴۷
(۱۴)	مغرب کے وقت کی ابتدا و انتہا	۴۸
(۱۵)	مغرب کا انتہائی وقت صحیح	۴۸
(۱۶)	مغرب کا کل وقت کتنا ہے	۴۹
(۱۷)	کیا مغرب اور فجر کا وقت برابر ہے؟	۴۹
(۱۸)	اذان مغرب و عشا میں فاصلہ	۴۹
(۱۹)	مغرب و عشا کے درمیان مقدارِ فاصلہ	۵۰
(۲۰)	مغرب اور عشا کے درمیانی وقفے کا دارومدار مشاہدہ پر ہے	۵۲
(۲۱)	مغرب اور عشا کا درمیانی وقت تغیر موسم سے کم وبیش ہوتا رہتا ہے	۵۲
(۲۲)	غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض میں تفاوت کی تحقیق	۵۳
(۲۳)	غیوب شفق اور اوقات کا تعین مشاہدہ سے کرنا چاہئے	۵۵
(۲۴)	نماز مغرب و عشا کا وقت	۵۶
(۲۵)	مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے	۵۸
(۲۶)	آخر وقت مغرب کے بارے میں مفتی بہ قول	۵۸
(۲۷)	عشا کا وقت غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد ہوتا ہے	۶۰
(۲۸)	عشا کا وقت سفیدی غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے	۶۱
(۲۹)	غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد عشا پڑھنے کا حکم	۶۲

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۳۰)	غروب کے بعد سوا گھنٹہ گزرنے سے قبل اذان عشا نہیں دینا چاہئے	۶۲
(۳۱)	عشا کی نماز مغرب کے ایک آدھ گھنٹے بعد نہیں ہوتی	۶۳
(۳۲)	شفق ابیض غائب ہونے کے بعد عشا پڑھنا بہتر ہے	۶۴
(۳۳)	غروب آفتاب کے بعد کتنی دیر بعد عشا کا وقت شروع ہوتا ہے	۶۴
(۳۴)	عشا کی نماز کا ٹائم ٹیبل بنانے میں احتیاط والے قول کی رعایت	۶۴
(۳۵)	نمازِ عشا کا وقت	۶۶
(۳۶)	بیانِ وقت عشا	۶۶
(۳۷)	وقتِ عشا اور تراویح	۶۷
(۳۸)	عشا کا مستحب وقت	۶۸
(۳۸)	عشا کا مسنون وقت	۶۹
(۳۹)	وقت عشا و فجر کے بارے میں	۷۳
(۴۰)	نمازِ عشا اخیر رات میں نیند کے بعد درست ہے یا نہیں	۷۳
(۴۱)	نماز عشا سونے کے بعد ادا کرنا	۷۴
(۴۲)	عشا کی نماز کا وقت	۷۴
(۴۳)	عشا میں جلدی کا حکم	۷۵
(۴۴)	نصف شب کے بعد عشا کی نماز ادا کرنے کا حکم	۷۵
(۴۵)	بارہ بجے کے بعد نمازِ عشا	۷۶
(۴۶)	عشا کی نماز رات تین بجے	۷۶
(۴۷)	عشا، سحری، تہجد وغیرہ کے آخری اوقات	۷۷
(۴۸)	رمضان میں عشا اور صبح صادق کا وقت	۷۸
(۴۹)	عشا کو کب تک مؤخر کر سکتے ہیں	۷۸

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۵۰)	قطب شمالی وجنوبی میں اوقات نماز کی پابندی کا طریقہ	۷۹
(۵۱)	لاپ لینڈ میں نماز وروزہ کیسے ادا کیا جائے	۸۰
(۵۲)	طویل النہار مقامات پر اوقات نماز وروزہ	۸۱
(۵۳)	غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم	۸۳
(۵۴)	غیر معتدل ممالک میں نماز، روزہ کے مسائل	۸۶
(۵۵)	برطانیہ میں طلوع شمس وغروب شمس کا مسئلہ	۱۰۴
(۵۶)	برطانیہ میں اوقاتِ نماز میں اختلاف کا صحیح حل	۱۱۱
(۵۷)	برطانیہ کے قدیم اوقات صلوۃ پر عمل کرنا	۱۱۱
(۵۸)	انگلینڈ کے بعض مقامات میں اوقاتِ نماز کے تعین کا طریقہ	۱۱۵
(۵۹)	برطانیہ وغیرہ میں موسم سرما میں رات مختصر ہوتی ہے، وہاں نماز، روزے وتراویح کا حکم	۱۱۸
(۶۰)	جن ملکوں میں بعض نمازوں کا وقت ہی نہیں ملتا وہاں ادائیگی کی کیا صورت ہوگی	۱۲۰
(۶۱)	مغربی ممالک میں اوقات نماز سے متعلق ایک اہم استفتا	۱۲۶
(۶۲)	جہاں چھ ماہ کا دن ہوتا ہو اور چھ ماہ کی رات ہو وہاں نماز کس طرح ادا کی جائے	۱۳۳
(۶۳)	جہاں چھ ماہ دن، چھ ماہ رات مسلسل رہتی ہے وہاں کے لوگ روزہ ونماز کس طرح ادا کریں	۱۳۴
(۶۴)	ظہر پڑھنے کے بعد ایسی جگہ پہنچنا جہاں اس کے بعد ظہر کا وقت ہوا تو کیا دوبارہ ظہر پڑھنی ہوگی	۱۳۴
(۶۵)	جہاں دن اور رات غیر معمولی طویل ہوں	۱۳۵
(۶۶)	تیز رفتار ہوائی جہازوں میں اوقات نماز وروزہ کا حکم	۱۳۶
(۶۷)	ہوائی جہازوں میں نماز کس نظام الاوقات کے مطابق ادا کی جائے	۱۳۷
(۶۸)	ہوائی سفر میں اوقات کے فرق کا نماز روزہ پر اثر	۱۴۵
(۶۹)	خروجِ دجال کے وقت نماز کس طرح پڑھی جائے گی	۱۴۵
(۷۰)	پہاڑوں کے درمیان علاقے کا طلوع وغروب	۱۴۶

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۷۱)	آفتاب کے طلوع وغروب میں ہموار زمین کا اعتبار ہے	۱۴۷
(۷۲)	کئی ماہ تک جہاں سورج طلوع یا غروب نہ ہو، وہاں نماز کے اوقات	۱۴۷
(۷۳)	طلوع وغروب وشفق وصبح صادق عرض بلد ۵۵ درجہ ۵۳ دقیقہ، طول بلد ۴ درجہ ۲۳ دقیقہ مشرق	۱۵۰
(۷۴)	جن مقام پر طلوع شمس وغروب کا علم دشوار ہو، وہاں مغرب وعشا کی نماز میں فرق کا بیان	۱۵۲
(۷۵)	وہ مقامات جہاں شفق ابیض اسی طرح شفق احمر غائب نہیں ہوں وہاں نماز وروزہ کا حکم	۱۵۴
(۷۶)	جن مقامات میں عشا کا وقت نہیں ملتا وہاں نماز پڑھنے کا طریقہ	۱۶۰
(۷۷)	شہر بلغار (میں عشا) کا حکم	۱۶۲
(۷۸)	بلغاریہ میں نماز فجر کا حکم	۱۶۳
(۷۹)	لندن میں نماز عشا اور نماز فجر کے متعلق ایک سوال	۱۶۳
(۸۰)	کینیڈا میں عصر اور عشا کے وقت کا تعین	۱۶۴
(۸۱)	نینی تال میں وقت عشا	۱۶۵
(۸۲)	دو تقویموں میں تقابل سے صبح صادق، طلوع وغروب اور شفق میں فرق کی بنیاد	۱۶۵
(۸۳)	دار العلوم کراچی کے نقشۂ اوقات نماز میں صبح صادق کے وقت پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۷۵
(۸۴)	تخریج اوقات وسمت قبلہ کے قواعد اور قطبین کے قریب اوقات نماز کی تعیین کا ضابطہ	۱۸۰
(۸۵)	ہوسٹن کا نقشہ اوقات نماز	۱۹۰
(۸۶)	اوقات نماز کے نقشے	۱۹۲
(۸۷)	اوقات الصلاۃ کے نقشہ کا ضابطہ	۱۹۲
(۸۸)	گھڑی کے لحاظ سے اوقات نماز	۱۹۳
(۸۹)	اوقات نماز کی تعیین گھنٹوں سے ممکن نہیں	۱۹۴
(۹۰)	اوقات میں حساب کا اعتبار	۱۹۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۹۱)	سوال مثل بالا	۱۹۵
(۹۲)	جنتریوں سے اوقات نماز کی تعیین	۱۹۶
(۹۳)	جہاں سورج کے طلوع وغروب کا پتہ نہ چلے، وہاں جنتریوں سے نماز ادا کریں	۱۹۸
(۹۴)	جہاں سورج کے طلوع وغروب کا پتہ نہ چلے، وہاں جنتریوں سے نماز ادا کریں	۱۹۸
(۹۵)	طلوع وغرب کے اوقات میں ریڈیو اور جنتری میں فرق	۱۹۸
(۹۶)	جنتری اور اخبار کے وقت میں فرق	۱۹۹
(۹۷)	جنتریوں میں فرق	۱۹۹
(۹۸)	سوال مثل بالا	۱۹۹
(۹۹)	ایک وطن میں نماز پڑھ کر دوسری جگہ پہنچ کر وقت داخل نہیں ہوا ہے کیا کرے	۲۰۰
(۱۰۰)	ظہر کی نماز ادا کی پھر جہاز کے ذریعے سفر کر کے دوسرے مقام میں وقت ظہر داخل ہوا تو نماز کا کیا حکم ہے	۲۰۱
(۱۰۱)	نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا تو کیا دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے	۲۰۲

نوافل نماز کے اوقات (۲۱۸-۲۰۷)

(۱۰۲)	اشراق کی نماز کا وقت	۲۰۷
(۱۰۳)	نماز اشراق اور نمازِ چاشت کے اوقات	۲۰۷
(۱۰۴)	چاشت کی نماز کا وقت اور اس کی رکعتیں	۲۰۹
(۱۰۵)	نماز چاشت واشراق کا وقت اور ضحوہ کبریٰ وصغریٰ کا مطلب	۲۱۰
(۱۰۶)	زوال اور وقت چاشت کے بارے میں دوبارہ استفسار	۲۱۱
(۱۰۷)	ضحوۂ کبریٰ کیا ہے	۲۱۲
(۱۰۸)	اشراق، چاشت اور زوال کے اوقات	۲۱۲
(۱۰۹)	تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کے اوقات	۲۱۳

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۱۱۰) اوابین کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے ۲۱۴
(۱۱۱) تہجد کا وقت کیا ہے ۲۱۵
(۱۱۲) نماز تہجد کا وقت ۲۱۶
(۱۱۳) نماز تہجد کا وقت اور اس کی تعداد رکعات ۲۱۷

مکروہ اوقات کا بیان (۲۱۹-۲۸۶)

(۱۱۴) نماز کس کس وقت منع ہے ۲۱۹
(۱۱۵) نماز پڑھنا کس وقت میں مکروہ ہے ۲۲۱
(۱۱۶) کیا دو نمازوں کے درمیان مکروہ وقت بھی ہے ۲۲۳
(۱۱۷) کیا مکروہ اوقات میں نماز ادا کرنے والے کی نماز ہوتی ہے ۲۲۵
(۱۱۸) وقتِ مکروہ میں سجدۂ دعا اور سجدۂ شکر ۲۲۶
(۱۱۹) مکروہ اوقات کا اعلان ۲۲۶
(۱۲۰) طلوع وغروب اور زوال کی اطلاع کے لیے گھنٹہ بجانے کا حکم ۲۲۶
(۱۲۱) صبح صادق کے بعد سوائے سنت فجر کسی نفل کی اجازت نہیں ۲۲۸
(۱۲۲) صبح صادق سے طلوع آفتاب تک نفل نماز ممنوع ہے ۲۲۹
(۱۲۳) صبح صادق کے بعد تہجد کی نماز پڑھنا مکروہ ہے ۲۲۹
(۱۲۴) عشا کی نماز رہ جائے، تو فجر کی اذان کے بعد پڑھ لیں ۲۳۱
(۱۲۵) طلوع فجر کے بعد سنت کے علاوہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے ۲۳۲
(۱۲۶) صبح صادق کے بعد دو رکعت نفل ۲۳۲
(۱۲۷) فجر کے وقت میں سنتِ فجر، شبہ کی وجہ سے، دہرانے کی ضرورت نہیں اور جائز بھی نہیں ۲۳۳
(۱۲۸) فجر کی سنتیں قبل طلوع آفتاب ادا کرنا ۲۳۳

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۲۹)	فجر کی سنت کی قضا	۲۳۴
(۱۳۰)	فجر کی نماز کے بعد سنت کیوں نہیں	۲۳۵
(۱۳۱)	سنت فجر وظہر کی قضا میں فرق کیوں	۲۳۶
(۱۳۲)	فجر سے متعلق چند متفرق سوالات	۲۳۷
(۱۳۳)	صبح وعصر کی نماز کے بعد سجدہ ونوافل	۲۳۸
(۱۳۴)	نماز فجر اور عصر کے بعد نوافل کا حکم	۲۳۸
(۱۳۵)	کیا بعد الظہر کا وقت بھی مثل بعد العصر والفجر ہے	۲۳۹
(۱۳۶)	طلوع وغروب کے وقت نماز کی ممانعت کی وجہ	۲۴۰
(۱۳۷)	طلوع وغروب کے وقت نماز نہ پڑھنے کی وجہ	۲۴۰
(۱۳۸)	طلوع کے بعد اور غروب سے قبل نماز کے جواز کا حد کیا ہے	۲۴۳
(۱۳۹)	طلوع کے بعد اور غروب سے قبل مکروہ وقت مقدار	۲۴۴
(۱۴۰)	طلوع آفتاب، زوال اور غروب کے وقت کوئی نماز جائز نہیں۔ جواب دیگر	۲۴۶
(۱۴۱)	آفتاب کے طلوع واستوا وغروب کے وقت سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ کا حکم	۲۴۷
(۱۴۲)	آفتاب طلوع ہونے کے فوراً بعد نماز درست نہیں	۲۴۸
(۱۴۳)	اوقات ممنوعہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم	۲۴۹
(۱۴۴)	بوقت طلوع سجدۂ تلاوت	۲۴۹
(۱۴۵)	اوقات منہیہ میں تلاوت کا حکم	۲۵۳
(۱۴۶)	اوقات مکروہ میں قضا نماز کا حکم	۲۵۴
(۱۴۷)	قضا نمازوں کے لئے مکروہ اوقات	۲۵۵
(۱۴۸)	اوقات مکروہہ میں صلوٰۃ جنازہ	۲۵۵

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۴۹)	نصف النہار شرعی وعرفی کی پہچان اوران کے احکام	۲۵۶
(۱۵۰)	نصف النہار سے کیا مراد ہے	۲۵۸
(۱۵۱)	نصف النہار سے کیا مراد ہے	۲۵۸
(۱۵۲)	استواءِ شمس معلوم کرنے کا طریقہ	۲۶۲
(۱۵۳)	زوال کے وقت کی تعریف	۲۶۳
(۱۵۴)	مکروہ وقت زوال ہے یا استواء	۲۶۳
(۱۵۵)	زوال کا وقت کتنی دیر رہتا ہے	۲۶۴
(۱۵۶)	وقت استوا	۲۶۵
(۱۵۷)	ضحوۂ کبریٰ سے لیکر زوال تک نماز نہ پڑھی جائے	۲۶۶
(۱۵۸)	استواءِ شمس کے وقت نماز درست نہیں	۲۶۶
(۱۵۹)	زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا	۲۶۷
(۱۶۰)	صلوٰہ جنازہ بوقتِ استوا	۲۶۷
(۱۶۱)	ظہر کا ابتدائی وقت کیا ہے اور گیارہ بجے نماز ہوگی یا نہیں	۲۶۸
(۱۶۲)	جمعہ کے دن دوپہر میں نفل درست ہے یا نہیں	۲۶۹
(۱۶۳)	جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا	۲۷۰
(۱۶۴)	جمعہ کے دن بوقتِ زوال تلاوت اور نفل کا کیا حکم ہے	۲۷۱
(۱۶۵)	جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو نماز تسبیح پڑھنے کا حکم	۲۷۱
(۱۶۶)	جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم	۲۷۳
(۱۶۷)	مکہ مکرمہ میں اور جمعہ کے دن بھی زوال کا وقت ہوتا ہے	۲۷۳
(۱۶۸)	عصر کے فرض کے بعد کوئی سنت نفل نہیں ہے	۲۷۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۶۹)	عصر و مغرب کے درمیان نماز وغیرہ کا حکم	۲۷۴
(۱۷۰)	نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے	۲۷۵
(۱۷۱)	عصر کی فرض نماز کے بعد نوافل یا قضا نمازوں کا پڑھنا کیسا ہے	۲۷۵
(۱۷۲)	بعد نماز عصر سجدۂ تلاوت جائز ہے	۲۷۶
(۱۷۳)	عصر کے بعد قضا نماز	۲۷۷
(۱۷۴)	عصر اور مغرب کے درمیان کونسی نماز درست ہے	۲۷۸
(۱۷۵)	کیا عصر کے بعد نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے	۲۷۸
(۱۷۶)	عصر کے بعد نماز طواف	۲۷۹
(۱۷۷)	بعد عصر اور فجر طواف کے بعد نفلوں کا وقت	۲۷۹
(۱۷۸)	توضیح وقت کراہتِ عصر	۲۸۰
(۱۷۹)	آخر عصر میں اسی روز کی عصر ادا کرنا	۲۸۱
(۱۸۰)	جس نے نماز عصر نہ پڑھی ہو، اس کے لئے عصر سے پہلے نفل پڑھنا، قابل اعتراض نہیں	۲۸۱
(۱۸۱)	نماز عصر نصف غروب آفتاب کے وقت جائز ہے یا نہیں	۲۸۲
(۱۸۲)	سورج غروب ہونے سے پہلے مغرب کی نماز صحیح نہیں	۲۸۳
(۱۸۳)	بوقت غروب سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ	۲۸۳
(۱۸۴)	غروب کے وقت سجودِ شمس	۲۸۴
(۱۸۵)	نصف شب کے بعد نماز مکروہ تحریمی ہے یا نہیں	۲۸۵
(۱۸۶)	کیا دن کی طرح آدھی رات کو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے	۲۸۵
(۱۸۷)	رات کے بارہ بجے زوال کا تصور غلط ہے	۲۸۶

نمبر شمار	عناوین	صفحات

اذان کے مسائل (۲۸۷-۳۹۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۱۸۸)	خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینا ثابت ہے یا نہیں	۲۸۷
(۱۸۹)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینے کا ثبوت	۲۸۸
(۱۹۰)	اذان کا شرعی حکم	۲۸۹
(۱۹۱)	اذان اور اقامت کی اہمیت	۲۹۰
(۱۹۲)	اذان کی بے ادبی کا حکم	۲۹۱
(۱۹۳)	بدون اذان کے جماعت کرنا	۲۹۲
(۱۹۴)	اذان کے بغیر نماز	۲۹۳
(۱۹۵)	سوال مثل بالا	۲۹۳
(۱۹۶)	مسجد میں مؤذّن نہ ہو، تب بھی اذان کا اہتمام کریں	۲۹۴
(۱۹۷)	زیر تعمیر مسجد میں بھی اذان دی جائے	۲۹۴
(۱۹۸)	جس مسجد میں پنج گانہ نماز نہ ہوتی ہو، اس میں بلا اذان نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۵
(۱۹۹)	میدان یا جنگل میں تنہا ہونے کی صورت میں بغیر اذان واقامت نماز پڑھنے کا حکم	۲۹۶
(۲۰۰)	بغیر اذان دیئے تنہا نماز پڑھ لینے کا حکم	۲۹۶
(۲۰۱)	مسجد سے باہر اکیلا نماز پڑھنے والا اذان کہے یا نہ کہے	۲۹۷
(۲۰۲)	کیا اذان واقامت کی ولایت بانئ مسجد کو حاصل ہے	۲۹۷
(۲۰۳)	بہت سی مساجد کی اذانوں سے راحت یا تکلیف	۲۹۸
(۲۰۴)	نماز کے لئے مواقع اذان واقامت کی تفصیل	۲۹۸
(۲۰۵)	ریل گاڑی میں اذان کہنا	۳۰۰
(۲۰۶)	اذان میں گھڑی کا اعتبار رہے یا علامات سماویہ کا	۳۰۱

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۲۰۷) مطلع ابر آلود ہو تو اذان میں تاخیر کا حکم ۳۰۱

(۲۰۸) اذان سن کر کتے کا رونا ۳۰۲

(۲۰۹) اذان مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا ۳۰۳

(۲۱۰) فرض نماز کے لئے اذان سنت مؤکدہ ہے ۳۰۴

(۲۱۱) نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم ۳۰۴

(۲۱۲) کلمات اذان کی بیل ۳۰۵

(۲۱۳) بلا وقت ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اذان کا شرعی حکم ۳۰۵

(۲۱۴) ٹیپ ریکارڈ سے دی ہوئی اذان صحیح ہوگی یا نہیں ۳۰۶

(۲۱۵) ٹیپ ریکارڈر سے یا جوتے پہن کر اذان دینا ۳۰۶

(۲۱۶) ٹیپ کی اذان ناکافی ہے ۳۰۷

(۲۱۷) ریڈیو وغیرہ سے اذان کا حکم ۳۰۹

(۲۱۸) اذان کا ضد کی وجہ سے نہ دینا ۳۰۹

(۲۱۹) جماعت میں عدم حاضری کی وجہ سے گھر میں اذان کہنا کیسا ہے ۳۰۹

(۲۲۰) گھر پر نماز کے لئے اذان واقامت ۳۱۰

(۲۲۱) گھر کے اندر اذان وجماعت ۳۱۱

(۲۲۲) گھر میں جماعت کرنے سے مسجد کی جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں ۳۱۱

(۲۲۳) اگر گھر میں اذان بچوں کو عادی بنانے کے لیے دی جائے تو کیا حکم ہے ۳۱۱

(۲۲۴) مکان کے لیے مکان ودوکان یا جنگل میں اذان کہے یا نہیں ۳۱۲

(۲۲۵) مدرسہ میں اذان وجماعت ۳۱۳

(۲۲۶) جیل میں اذان دی جائے یا نہیں ۳۱۴

صفحات	عناوین	نمبر شمار

(۲۲۷) جیل میں قیدیوں کے لیے اذان کا مسئلہ　۳۱۴
(۲۲۸) مجبوری کی صورت میں بغیر اذان کے نماز درست ہے　۳۱۵
(۲۲۹) غیر مسلموں کی بستی میں اذان کا حکم　۳۱۶
(۲۳۰) قریب قریب دو مسجدوں میں اذان کہنا　۳۱۶
(۲۳۱) قریب قریب میں واقع دو مسجدوں میں آگے پیچھے اذان دینے کا حکم　۳۱۷
(۲۳۲) ایک مسجد کی اذان دوسری متصل مسجد کے لئے کافی نہیں　۳۱۸
(۲۳۳) بیک وقت دو لوگوں کی اذان　۳۱۸
(۲۳۴) اذان سے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتا　۳۱۸
(۲۳۵) اذان و مؤذن سے متعلق چند مسائل　۳۲۰
(۲۳۶) اذان دینے کا حق مؤذن کو ہے　۳۲۱
(۲۳۷) کیا اذان دینا امام کی ذمہ داری ہے　۳۲۲
(۲۳۸) کیا امام اذان دے سکتا ہے　۳۲۲
(۲۳۹) مؤذن کے لئے خاص مصلیٰ　۳۲۳
(۲۴۰) مؤذن کو چھٹی کا استحقاق　۳۲۳
(۲۴۱) مؤذن کی تنخواہ سے متعلق ایک سوال　۳۲۴
(۲۴۲) اجرت پر اذان و امامت کا ثواب ملے گا یا نہیں　۳۲۵
(۲۴۳) اذان پر اجرت لے سکتا ہے یا نہیں　۳۲۵
(۲۴۴) مؤذن کی کوتاہی سے متعلق ایک سوال　۳۲۶
(۲۴۵) مؤذن کو کرایہ مکان و بجلی کی سہولت　۳۲۶
(۲۴۶) فائتہ نمازوں کیلئے اذان گھر میں اور صحرا میں　۳۲۷
(۲۴۷) قضا نمازوں کے لئے تکبیر و اذان کا کیا حکم ہے اور مرد و عورت کا ایک حکم ہے یا الگ الگ　۳۲۷

صفحات	عناوین	نمبر شمار
۳۲۸	جس مسجد کے لئے امام ومؤذن مقرر نہ ہوتو واردین کے لئے اذان واقامت افضل ہے	(۲۴۸)
۳۲۸	قضا نماز کے لئے اذان	(۲۴۹)
۳۲۹	قضا نماز کے لئے اذان واقامت کا حکم	(۲۵۰)
۳۲۹	نماز کا اعادہ جب کئی روز بعد ہو، کیا اس میں اذان واقامت دوبارہ کہی جائے	(۲۵۱)
۳۳۰	بھول کر دوبارہ دی جانے والی اذان کا حکم	(۲۵۲)
۳۳۱	منفرد کے لئے اذان واقامت	(۲۵۳)
۳۳۱	بعد نماز جمعہ ظہر کی نماز کے لئے اذان دینا کیسا ہے	(۲۵۴)
۳۳۲	کیا محلہ کی اذان کافی ہے	(۲۵۵)
۳۳۳	جہاں محلہ کی اذان پہنچتی ہو، وہاں اذان دینا کیسا ہے	(۲۵۶)
۳۳۳	کیا منیٰ میں ہر خیمے میں اذان دی جائے	(۲۵۷)
۳۳۴	اذان کے الفاظ نامکمل سنائی دیں	(۲۵۸)
۳۳۵	اذان کے لئے اسپیکر کا استعمال مباح ہے	(۲۵۹)
۳۳۵	لاؤڈاسپیکر سے اذان	(۲۶۰)
۳۳۶	لاؤڈاسپیکر پر اذان کے جواز کی دلیل	(۲۶۱)
۳۳۷	لاؤڈاسپیکر پر اذان کی تحقیق	(۲۶۲)
۳۳۹	لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ مسجد کے اندر سے اذان دینا مکروہ نہیں	(۲۶۳)
۳۴۰	مائک اذان کے لیے خارج مسجد رکھنے کا حکم	(۲۶۴)
۳۴۱	مسجد کی زمین پر بذریعہ لاؤڈاسپیکر اذان دینا بدعت نہیں	(۲۶۵)
۳۴۲	مائک سے اذان دینا	(۲۶۶)
۳۴۲	جدید آلات کا استعمال	(۲۶۷)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۶۸)	مائک پر اذان وغیرہ کا حکم	۳۴۲
(۲۶۹)	نماز جمعہ کے لئے مدرسہ کے اسپیکر سے اذان دینا	۳۴۴
(۲۷۰)	اذان مائک سے ایک جگہ پر، جماعت دوسری جگہ پر	۳۴۴
(۲۷۱)	اذان گاہ پر گھنٹہ بجانا	۳۴۵
(۲۷۲)	اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹہ بجانا	۳۴۵
(۲۷۳)	اذان سے قبل یا بعد میں گھنٹہ بجانا	۳۴۶
(۲۷۴)	اذان سے پہلے یا بعد میں نقارہ بجانا درست نہیں	۳۴۶
(۲۷۵)	اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹی بجانے کا حکم	۳۴۷
(۲۷۶)	اذان کے بعد کسی اور طریقہ سے اطلاع کا حکم	۳۴۷
(۲۷۷)	متعین امام کی بغیر اجازت امامت و اذان درست ہے یا نہیں	۳۴۸
(۲۷۸)	امام و مؤذن نہ ہونے کی صورت میں اذان و اقامت کا حکم	۳۴۸
(۲۷۹)	صبح کی اذان کس وقت کہی جاوے	۳۴۹
(۲۸۰)	صبح صادق سے پہلے اذان اور بعد میں فوراً جماعت	۳۵۰
(۲۸۱)	جمعہ کی اذان کا وقت	۳۵۰
(۲۸۲)	اذان جمعہ سے قبل گھنٹہ بجانا کیسا ہے	۳۵۱
(۲۸۳)	جمعہ کی اذان نصف النہار کے وقت درست ہے یا نہیں	۳۵۱
(۲۸۴)	زوال سے قبل جمعہ کی اذان وسنت کی ادائیگی	۳۵۱
(۲۸۵)	جمعہ کی اذان وقت معینہ سے قبل دینے کا حکم	۳۵۲
(۲۸۶)	وقت سے پہلے اذان سے متعلق چند سوالات	۳۵۳
(۲۸۷)	اذان دیئے بغیر نماز پڑھنا کیسا ہے	۳۵۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۸۸)	وقت سے پہلے اذان کا حکم	۳۵۴
(۲۸۹)	رمضان میں اذان کے اوقات	۳۵۵
(۲۹۰)	اذان کہاں دی جائے	۳۵۵
(۲۹۱)	مسجد کی چھت پر اذان کہنا سنت ہے یا واجب، اور بلندی پر اذان کہنے سے بے پردگی ہو، تو کیا حکم ہے	۳۵۶
(۲۹۲)	اذان کے بہتر دینے کیلئے بہتر جگہ کونسی ہے	۳۵۷
(۲۹۳)	اذان مسجد سے باہر اونچی جگہ پر دینا بہتر ہے	۳۵۸
(۲۹۴)	مسجد سے دور اذان دینا	۳۵۹
(۲۹۵)	دروازہ پر نماز ہو، تو اذان کہاں دی جائے	۳۵۹
(۲۹۶)	کیا اذان کے لئے کوئی سمت متعین ہے	۳۵۹
(۲۹۷)	اذان کیلئے مخصوص جگہ کا ثبوت	۳۶۰
(۲۹۸)	فرش مسجد پر اذان جائز ہے یا نہیں	۳۶۱
(۲۹۹)	اذان مسجد کے اندر ہو یا باہر	۳۶۱
(۳۰۰)	مسجد میں اذان جائز ہے یا نہیں	۳۶۲
(۳۰۱)	اندرون مسجد اذان دینا	۳۶۲
(۳۰۲)	مسجد کے اندر اذان دینا کیسا ہے	۳۶۴
(۳۰۳)	مسجد میں اذان کا حکم	۳۶۴
(۳۰۴)	مسجد کے اندر اذان دینا	۳۶۵
(۳۰۵)	محراب میں کھڑے ہو کر اذان دینا	۳۶۶
(۳۰۶)	مسجد میں اذان کس طرف سے دی جائے	۳۶۷
(۳۰۷)	برآمدۂ مسجد میں اذان	۳۶۷

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۳۰۸) اذان جمعہ مسجد سے باہر دی جائے یا اندر ۳۶۸

(۳۰۹) جمعہ کی اذان دوم دروازۂ مسجد پر ہو یا کہاں ۳۶۹

(۳۱۰) جمعہ میں اذان ثانی اور اس کی جگہ ۳۶۹

(۳۱۱) جمعہ کی اذان ثانی کا صحیح محل ۳۷۰

(۳۱۲) جمعہ کی اذان ثانی کا مقام ۳۷۲

(۳۱۳) جمعہ کی اذان ثانی کہاں پر دی جائے ۳۷۳

(۳۱۴) اذان خطبہ کہاں دی جائے ۳۷۴

(۳۱۵) ''اذان کس جگہ دی جائے؟'' پر علمی بحث ۳۷۵

(۳۱۶) مسجد کی بائیں جانب اذان دینے کا رواج کیسا ہے ۳۷۸

(۳۱۷) مسجد کی مرمت کے وقت اذان کہاں سے دی جائے ۳۷۹

(۳۱۸) سہارا لیکر اذان اور بیٹھ کر اقامت مکروہ ہے ۳۸۰

(۳۱۹) بیٹھ کر اذان مکروہ تحریمی ہے ۳۸۰

(۳۲۰) بلاضرورت بیٹھ کر اذان دینا ۳۸۱

(۳۲۱) جوتے پہن کر اذان دینا کیسا ہے ۳۸۲

(۳۲۲) اذان کے بعد مسجد سے نکلنا ۳۸۲

(۳۲۳) مؤذن کا اذان کے بعد مسجد سے باہر جانا ۳۸۳

(۳۲۴) اذان دے کر مسجد سے نکلنے کا حکم ۳۸۴

(۳۲۵) اذان دے کسی مسجد میں اور نماز پڑھے کسی مسجد میں یہ فعل کیسا ہے ۳۸۴

(۳۲۶) دوسرے محلے سے آکر صبح کی اذان مسجد میں دینا ۳۸۴

(۳۲۷) ایک مسجد میں اذان دے، دوسری میں امامت کرے یہ فعل درست ہے یا نہیں ۳۸۵

(۳۲۸) بوقت ضرورت ایک آدمی دو مسجد میں اذان دے سکتا ہے ۳۸۵

صفحات	عناوین	نمبر شمار
۳۸۵	ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے	(۳۲۹)
۳۸۶	ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا	(۳۳۰)
۳۸۷	ایک ہی وقت میں ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینے کا حکم	(۳۳۱)
۳۸۷	ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا	(۳۳۲)
۳۸۷	ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے	(۳۳۳)
۳۸۸	ایک شخص کا ایک مسجد میں اذان کے بعد دوسری مسجد میں مائک پر اذان	(۳۳۴)
۳۸۸	دو مسجدوں میں اذان دینے والا نماز کہاں ادا کرے	(۳۳۵)
۳۸۹	متعدد آدمیوں کا اذان دینا	(۳۳۶)
۳۹۰	ایک ہی وقت میں کئی اذانوں کا حکم	(۳۳۷)
۳۹۰	جاہل جمع ہو کر تنہا تنہا نماز پڑھیں، تو کیا اذان نہیں ہے	(۳۳۸)
۳۹۱	اذان کے وقت اور اذان دینے کے درمیانی وقفہ کے دوران دنیا کی بات چیت کرنا	(۳۳۹)
۳۹۱	مؤذن کی موجودگی میں دوسرے شخص کا اذان کہنا	(۳۴۰)

پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ میں اذان دینا (۴۲۴-۳۹۳)

صفحات	عناوین	نمبر شمار
۳۹۳	صبح صادق سے پہلے سحری کے لیے اذان دینا متروک ہے	(۳۴۱)
۳۹۳	تہجد کی نماز کے لیے اذان واقامت	(۳۴۲)
۳۹۴	اذان تہجد کا حکم	(۳۴۳)
۳۹۴	تہجد کے لئے اذان منسوخ ہے	(۳۴۴)
۳۹۵	تہجد کیلئے اذان خلاف سنت ہے	(۳۴۵)
۳۹۷	مواقع مشروعیت اذان	(۳۴۶)
۳۹۸	دفن اور قحط ووبا میں اذان ثابت ہے یا نہیں	(۳۴۷)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۳۴۸)	خشک سالی اور طاعون کے موقع پر اذان ثابت ہے یا نہیں	۳۹۸
(۳۴۹)	مرض طاعون میں اذان دینا مشروع ہے یا نہیں	۳۹۹
(۳۵۰)	رفع طاعون کے لئے اذانیں دینا مشروع ہے یا نہیں	۴۰۰
(۳۵۱)	دفع وبا کے لئے اذان کہنا مباح ہے	۴۰۱
(۳۵۲)	رفع وبا کے لئے اذان	۴۰۱
(۳۵۳)	ہیضہ کی حالت میں اذانیں دینا بدعت ہے	۴۰۲
(۳۵۴)	دفع بلا کے لئے مخصوص اوقات میں اذان دینے کا حکم	۴۰۲
(۳۵۵)	مغموم کا اذان کہلوا کر سُننا کیسا ہے	۴۰۴
(۳۵۶)	مغموم کے کان میں اذان کہلوانے کا حکم	۴۰۵
(۳۵۷)	آندھی کے دن اذان	۴۰۵
(۳۵۸)	کسی ناگہانی مصیبت کے وقت اذان	۴۰۶
(۳۵۹)	کثرت بارش کے وقت اذان دینا	۴۰۷
(۳۶۰)	سیاسی مقاصد کے لئے اذان دینے کا حکم	۴۰۷
(۳۶۱)	نماز کے علاوہ کن مواقع پر اذان کہنا جائز ہے	۴۰۸
(۳۶۲)	قبر پر اذان دینا ثابت نہیں	۴۰۸
(۳۶۳)	قبر پر اذان کی شرعی حیثیت	۴۱۰
(۳۶۴)	سات اذانوں کی شرعی حیثیت	۴۱۱
(۳۶۵)	عشا میں قبل اقامت سات اذانیں دینے کا حکم	۴۱۲
(۳۶۶)	امام اور نمازیوں کا جماعت سے پہلے اذان کے کلمات کہنا	۴۱۲
(۳۶۷)	بچے کے کان میں اذان کا حکم	۴۱۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۳٦۸) بچے کے کان میں اذان واقامت کا حکم ۴۱۵

(۳٦۹) بچہ کے کان میں سراًاذان دینی چاہئے یا جہراً ۴۱۵

(۳۷۰) بچہ کے کان میں اذان کا طریقہ ۴۱٦

(۳۷۱) نومولود کے کان میں اذان دینے کا طریقہ اوراس کا فائدہ ۴۱۷

(۳۷۲) اذان نومولود میں بھی استقبال قبلہ اوردائیں بائیں التفات سنت ہے ۴۱۷

(۳۷۳) بچہ کے کان میں اذان واقامت کتنی بار دی جائے اوراس کی شرعی حیثیت کیا ہے ۴۱۸

(۳۷۴) فون کے ذریعہ نومولود کے کان میں اذان ۴۱۹

(۳۷۵) بچے کے کان میں اذان کا وقت ۴۱۹

(۳۷٦) بچہ کے کان میں کئی روز بعد اذان دینا ۴۲۰

(۳۷۷) بچہ کے کان میں اذان اس کوغسل دیکر کہی جائے ۴۲۱

(۳۷۸) زچہ خانہ میں بچی یا عورت کا کان میں اذان دینا ۴۲۱

(۳۷۹) عورت کا بچے کے کان میں اذان دینے کا حکم ۴۲۲

مؤذن کے اوصاف (۴۲۵-۴۵٦)

(۳۸۰) معذور کی اذان وامامت ۴۲۵

(۳۸۱) مؤذن کیسا ہو ۴۲۵

(۳۸۲) مؤذن کو دیندار ہونا چاہئے ۴۲٦

(۳۸۳) اس مؤذن کا کیا حکم ہے جسے پاکی کی احتیاط نہ ہو اور نہ تلفظ کی ۴۲٦

(۳۸۴) جاہل کی اذان ۴۲۷

(۳۸۵) اذان واقامت میں جاہلانہ رویہ پراصرار جائز نہیں ۴۲۷

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۳۸۶)	بے نمازی اور غلیظ شخص کو مؤذن بنانا درست نہیں	۴۲۸
(۳۸۷)	صوفی جاہل کی بنسبت عالم فاسق کی اذان اولیٰ ہے	۴۲۸
(۳۸۸)	فاسق کی اذان، اقامت مکروہ تحریمی ہے	۴۲۹
(۳۸۹)	فاسق کی اذان واقامت	۴۲۹
(۳۹۰)	فاسق کی اذان کا اعادہ کیا جائے	۴۳۰
(۳۹۱)	اپنے آپ کو گناہگار سمجھنے والے کی اذان	۴۳۰
(۳۹۲)	غلام احمد قادیانی کو نیک اور صالح ماننے والے کی اذان واقامت	۴۳۱
(۳۹۳)	غلط عقائد رکھنے والے کی اذان کا حکم	۴۳۲
(۳۹۴)	غلط عقائد کے حامل شخص کو مؤذن مقرر کرنا	۴۳۳
(۳۹۵)	بدعتی کی اذان وامامت کا حکم	۴۳۵
(۳۹۶)	نشہ باز مؤذن	۴۳۵
(۳۹۷)	نشہ کے عادی شخص کو مؤذن مقرر کرنا	۴۳۶
(۳۹۸)	نشہ کرنے والے کو مؤذن بنانا کیسا ہے	۴۳۷
(۳۹۹)	نشہ کی حالت میں اذان کا حکم	۴۳۸
(۴۰۰)	شرابی کی اذان کا حکم	۴۳۹
(۴۰۱)	بیڑی سگریٹ پینے والے کی اذان	۴۳۹
(۴۰۲)	جھوٹی گواہی دینے والے کی اذان کا حکم	۴۴۰
(۴۰۳)	چوری کرنے والے شخص کی اذان	۴۴۰
(۴۰۴)	مسجد کی رقم چوری کرنے والے مؤذّن کی اذان واقامت اور امامت	۴۴۱

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۰۵)	سودخور اور ڈاڑھی منڈا اذان نہیں دے سکتا	۴۴۱
(۴۰۶)	داڑھی منڈے کی اذان	۴۴۳
(۴۰۷)	داڑھی مونڈوانے والے کی اذان مکروہ ہے	۴۴۳
(۴۰۸)	ڈاڑھی کٹانے والے کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے	۴۴۴
(۴۰۹)	داڑھی نہ رکھنے والے کی اذان واقامت کا حکم	۴۴۴
(۴۱۰)	داڑھی چھلوانے والے کی اذان کا حکم	۴۴۵
(۴۱۱)	داڑھی منڈے کی اذان کا اعادہ احوط ہے	۴۴۵
(۴۱۲)	داڑھی منڈے کو اذان واقامت سے منع نہ کریں	۴۴۶
(۴۱۳)	شطرنج کھیلنے والے کی اذان	۴۴۶
(۴۱۴)	ظالم کی اذان کا حکم	۴۴۸
(۴۱۵)	مؤذن کے ساتھ ظلم وزیادتی	۴۴۹
(۴۱۶)	زنخے کی اذان واقامت کیسی ہے	۴۴۹
(۴۱۷)	مرتکب کبائر کا اذان دینا	۴۵۰
(۴۱۸)	جس نے نسبندی کرالی ہو اس کو مؤذن رکھنا	۴۵۰
(۴۱۹)	نسبندی کرانے والے کی اذان	۴۵۱
(۴۲۰)	نسبندی کرانے والے شخص کی اذان	۴۵۲
(۴۲۱)	ولدالزنا کی اذان	۴۵۴
(۴۲۲)	فوٹو گرافر کے اذان یا تکبیر کہنے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی	۴۵۴
(۴۲۳)	سنیما دیکھنے اور قوالی سننے والے کی اذان واقامت	۴۵۵
(۴۲۴)	پینٹ شرٹ پہن کر اذان دینا	۴۵۵

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نابالغ کی اذان-احکام ومسائل (۴۵۷-۴۶۲)

(۴۲۵) نابالغ لڑکے کی اذان جائز ہے ۴۵۷

(۴۲۶) نابالغ اذان دے سکتا ہے یانہیں ۴۵۷

(۴۲۷) نابالغ کی اذان ۴۵۸

(۴۲۸) بالغ نہ ہوتو نابالغ کی اذان درست ہے یانہیں ۴۵۸

(۴۲۹) بالغ لوگوں کی موجودگی میں نابالغ کی اذان ۴۵۹

(۴۳۰) نابالغ لڑکے کی اذان کاحکم ۴۵۹

(۴۳۱) نابالغ بچے کی اذان کاحکم ۴۶۰

(۴۳۲) آٹھ سالہ لڑکے کی اذان کا کیاحکم ہے ۴۶۰

(۴۳۳) بارہ برس کے لڑکے کی اذان درست ہے ۴۶۱

(۴۳۴) تیرہ برس کالڑکا اذان واقامت کہہ سکتا ہے یانہیں ۴۶۲

اذان کے لئے پاکی ناپاکی کے مسائل (۴۶۳-۴۷۰)

(۴۳۵) بے وضواذان دینادرست ہے یانہیں ۴۶۳

(۴۳۶) بے وضواذان ۴۶۴

(۴۳۷) اذان دینے کے لئے وضوضروری نہیں ۴۶۵

(۴۳۸) بلاوضواذان دینا کیسا ہے ۴۶۵

(۴۳۹) کیابغیروضواذان دینے سے نحوست برستی ہے ۴۶۶

(۴۴۰) بلاوضواذان کی وعید ۴۶۷

(۴۴۱) بلاوضواذان دینے سے قوم کی خواری وپستی موضوعی وعید ہے ۴۶۸

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۴۲)	اذان کے درمیان اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے	۴۶۸
(۴۴۳)	جنبی کا اذان دینا	۴۶۸
(۴۴۴)	جنبی کا اذان دینا مکروہ ہے	۴۶۹
(۴۴۵)	ناپاکی کی حالت میں اذان دینا	۴۶۹

اذان کے مستحبات (۴۸۲-۴۷۱)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۴۶)	اذان قبلہ رخ ہو کر پڑھنے کا حکم	۴۷۱
(۴۴۷)	ننگے سر اذان دینے کا حکم	۴۷۲
(۴۴۸)	ننگے سر اذان درست ہے یا نہیں	۴۷۲
(۴۴۹)	کھلے سر نماز درست ہے یا نہیں	۴۷۲
(۴۵۰)	کیا برہنہ سر اذان و نماز روافض کا طریقہ ہے	۴۷۲
(۴۵۱)	بلند آواز آدمی نہ ہو تو پست آواز والا اذان دے سکتا ہے یا نہیں	۴۷۳
(۴۵۲)	ضعیف آواز کے باوجود شوقِ اذان ہو تو کیا صورت ہوگی	۴۷۳
(۴۵۳)	اذان پست آواز سے کہنا	۴۷۵
(۴۵۴)	اذان کے لیے خوش الحانی ضروری نہیں	۴۷۶
(۴۵۵)	اذان ترنم کے ساتھ	۴۷۶
(۴۵۶)	اذان بلند آواز سے کہنا سنت ہے	۴۷۷
(۴۵۷)	اذان میں روانی سنت ہے	۴۷۸
(۴۵۸)	بوقت اذان کانوں کے سوراخ میں انگلی ڈالنا سنت ہے	۴۷۹
(۴۵۹)	اذان کے دوران انگلیوں کا کانوں کے سوراخ میں رکھنے کا حکم	۴۷۹

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۶۰)	بوقتِ اذان کانوں میں انگلی ڈالنا ہر اذان کے لئے ہے یا صرف مسجد کی اذان کے لئے	۴۸۰
(۴۶۱)	بوقت اذان کانوں میں انگلیاں نہ دینے میں مضائقہ نہیں	۴۸۱

اذان سے پہلے دعائیہ کلمات (۴۸۳-۴۹۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۴۶۲)	اذان سے قبل تعوذ وتسمیہ کا حکم	۴۸۳
(۴۶۳)	اذان واقامت سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا	۴۸۳
(۴۶۴)	اذان سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم نہ پڑھے	۴۸۴
(۴۶۵)	اذان سے قبل تعوذ وتسمیہ جہر سے پڑھنا	۴۸۴
(۴۶۶)	اذان سے پہلے بسم اللہ اور درود وغیرہ پڑھنا	۴۸۵
(۴۶۷)	اذان سے پہلے بسم اللہ اور بعد میں دعا	۴۸۵
(۴۶۸)	اذان سے پہلے "الصلوٰۃ والسلام" کی رسم درست ہے یا نہیں	۴۸۶
(۴۶۹)	اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنے کا حکم	۴۸۶
(۴۷۰)	اذان سے پہلے بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا	۴۸۷
(۴۷۱)	اذان سے پہلے صلاۃ وسلام کا اضافہ کرنا	۴۸۷
(۴۷۲)	صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ	۴۸۸
(۴۷۳)	اذان کے ساتھ "صلاۃ وسلام" پڑھنے کا رواج کب سے ہے	۴۸۹
(۴۷۴)	اذان کے وقت اہل بدع کے شعار اور التزام مالا یلزم سے اجتناب ضروری ہے	۴۹۰
(۴۷۵)	کسی امر کی مقدار شرعی سے زائد اہتمام کرنا یا اپنی طرف سے تخصیص کرنا جائز نہیں ہے	۴۹۰
(۴۷۶)	قبل اذان صبح کچھ سورت وکلمہ ودرود پڑھنا کیسا ہے	۴۹۱

صفحات	عناوین	نمبرشمار

(۴۷۷) بلالی اذان یا بدعتی اذان ۴۹۲

(۴۷۸) اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت ۴۹۳

اذان کے کلمات (۴۹۵-۵۰۴)

(۴۷۹) تعداد کلمات اذان ۴۹۵

(۴۸۰) کلمات اذان میں کمی بیشی ۴۹۶

(۴۸۱) اذان میں اضافہ ۴۹۷

(۴۸۲) شیعہ کی اذان میں اضافہ اور اس کی حیثیت ۴۹۸

(۴۸۳) اذان میں روافض کی طرف سے کیا گیا اضافہ ثابت نہیں ۴۹۹

(۴۸۴) اذان میں ''حیّ علی الفلاح'' کی جگہ ''حیّ علیٰ خیر العمل'' کہنا کیسا ہے ۴۹۹

(۴۸۵) اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کا اضافہ اہل تشیع کی بدعت ہے ۵۰۰

(۴۸۶) شیعوں کی اذان کافی ہے یا نہیں ۵۰۲

(۴۸۷) اہل تشیع کی اذان کا جواب نہ دیا جائے ۵۰۳

(۴۸۸) اذان واقامت کے اختتام پر محمد رسول اللہ کا اضافہ ۵۰۳

کلمات اذان میں غلطی (۵۰۵-۵۲۰)

(۴۸۹) اذان میں تجوید کی غلطی کا حکم ۵۰۵

(۴۹۰) اذان میں تجوید کی غلطی کرنا ۵۰۵

(۴۹۱) اذان واقامت کے کلمات بھی تجوید کے قواعد سے ادا کئے جائیں گے ۵۰۶

نمبر شمار	عناوین	صفحات

(۴۹۲)	اذان میں تجوید کی رعایت	۵۰۷
(۴۹۳)	قراءت کے ساتھ اذان دینا	۵۰۸
(۴۹۴)	صحیح تلفظ ادا نہ کر سکنے والے کی اذان واقامت وامامت	۵۰۸
(۴۹۵)	کیا حضرت بلال اذان میں شین کو سین پڑھتے تھے	۵۰۹
(۴۹۶)	اذان میں لفظ اکبر کو بالمد پڑھنا جائز نہیں	۵۰۹
(۴۹۷)	اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو لمبا کر کے پڑھنا	۵۱۰
(۴۹۸)	اللہ اکبر میں واو کا اضافہ غلط ہے	۵۱۱
(۴۹۹)	اذان واقامت کی تکبیر میں رآء پر پیش پڑھنا غلط ہے	۵۱۱
(۵۰۰)	"اللّٰہ أکبر" کی راء پر ضمہ پڑھنا	۵۱۱
(۵۰۱)	اذان میں 'را' کا غلط تلفظ	۵۱۳
(۵۰۲)	اذان میں 'را' کا صحیح تلفظ	۵۱۳
(۵۰۳)	"اللّٰہ أکبر" میں راء کی حرکت	۵۱۴
(۵۰۴)	"اللّٰہ أکبر" کے 'را' کا تلفظ	۵۱۴
(۵۰۵)	اذان اور اقامت میں جزم اور ہر کلمہ پر وقف کا مسنون ہونا	۵۱۵
(۵۰۶)	تکبیر کے ہر کلمہ کے آخر میں جزم پڑھی جائے	۵۱۵
(۵۰۷)	کلماتِ اذان میں فصل وصل	۵۱۶
(۵۰۸)	سوال مثل بالا	۵۱۶
(۵۰۹)	اذان میں کلمات تکبیر دو دو کلمات ملا کر کہے جائیں گے	۵۱۸

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۵۱۰)	کلمات اذان میں وقفہ کی مقدار	۵۱۸
(۵۱۱)	اذان کے فقرے میں سانس لینا	۵۱۹
(۵۱۲)	اذان واقامت میں فرق کیا ہے	۵۱۹

کلمات اذان اقامت کی ادائیگی (۵۶۲-۵۲۱)

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۵۱۳)	استفتا متعلق ادائیگی کلمات اذان واقامت	۵۲۱
(۵۱۴)	کلمات اذان واقامت کی ادائیگی کا صحیح طریقہ	۵۲۱
(۵۱۵)	اذان میں ''اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر'' پڑھنے کا طریقہ	۵۳۲
(۵۱۶)	اذان واقامت کا صحیح طریقہ	۵۳۲
(۵۱۷)	اذان دینے کا مسنون طریقہ	۵۳۳
(۵۱۸)	اذان اور اقامت میں ''أکبر'' کی ''راء'' کو ''اللّٰہ'' کے ''لام'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا	۵۳۴
(۵۱۹)	اذان میں کلمات کو کھینچنا	۵۳۵
(۵۲۰)	کیا اذان میں ''مد'' کرنا جائز ہے	۵۳۷
(۵۲۱)	اذان کے کلمات میں کتنا ''مد'' کیا جائے	۵۳۷
(۵۲۲)	کلمات اذان میں مد کا مسئلہ	۵۴۲
(۵۲۳)	اذان میں لفظ ''اللّٰہ'' کے ''لام'' کو کھینچنا	۵۵۳
(۵۲۴)	اذان میں اللہ کو زیادہ کھینچنا غلط ہے	۵۵۳
(۵۲۵)	کلمات اذان میں اللہ کے لام پر مد کرنا	۵۵۴
(۵۲۶)	کلمہ میں ''محمدٌ'' اور اذان میں ''محمدًا'' کیوں ہے	۵۵۵

کلمۃ الشکر

الحمدللہ و کفی و الصلاۃ و السلام علی النبی المصطفیٰ و علی آلہ و صحبہ و من اھتدیٰ و بعد!

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان وشکر ہے کہ اس نے ہر دور میں امت کی دین سے غفلت اور لا پرواہی کے باوجود امت کے ایک مختصر مگر دردمند طبقے کو دین اور شعائر دین کی خدمت کی نعمت سے نوازا؛ اور وہ طبقہ حضرت علماء کرام و بزرگان دین کا طبقہ رہا ہے، جنہوں نے ہر دور میں دین کی حفاظت ونشر واشاعت کا اہم ترین فریضہ انجام دیا اور ہر قسم کے ذاتی مفادات سے بلاتر ہوکر مادی اسباب کے قلت کے باوجود دین کی صحیح اور مکمل شکل کو امت کے سامنے پیش کیا۔

انہیں برزگوں کی علمی جدوجہد، جانفشانی، اخلاص وللّٰہیت کے نتیجے میں فقہ وفتاویٰ کا یہ عظیم علمی ذخیرہ دستیاب ہو پارہا ہے اور اس کی تدوین ونشر واشاعت کی سعادت ہمیں حاصل ہورہی ہے۔

اللہ پاک محض اپنے کرم سے قبول فرمانے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

منظمۃ السلام العالمیہ کے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ اس کے زیر اہتمام فتاویٰ علماء ہند کی پہلی تین جلدیں کتاب الطہارۃ کے عنوان سے منصۂ شہود پر آئیں اور علمی حلقے میں خوب مقبول ہوئیں اور اب کتاب الصلاۃ کی پانچ جلدیں تیار ہورہی ہیں، کتاب الصلاۃ کی دوسری اور فتاویٰ علماء ہند کی پانچویں جلد کی اشاعت پر منظمۃ کے احباب کو بہت مسرت ہورہی ہے۔

اللہ پاک جزائے خیر دے ہمارے عزیز محب ومحترم مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی صاحب اور عزیزم مولانا محمد اسامہ شمیم الندوی سلمہ کو کہ ان کی فکر ومحنت سے کام کافی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اللہ پاک ان کی اس فکر ومحنت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

بتاریخ: ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۵ء

بندہ شمیم احمد
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ
ناشر: فتاویٰ علماء ہند

باسمہ تعالیٰ شانہ

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا و بعد!

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ گذشتہ دوسو سال کے دوران ہندو پاک کے مستند اور اکابر مفتیان کرام نے جو قیمتی فتاویٰ تحریر فرمائے ہیں، ان کے شائع شدہ مجموعوں کا ایک عظیم مجموعہ تیار ہو رہا ہے، بلکہ اس کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے، جس کی دو جلدیں مسائل طہارت پر مشتمل ''فتاویٰ علماء ہند'' کے نام سے ہمیں موصول ہو چکی ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا اور نازک کام ہے؛ کیوں کہ اس میں شبہ نہیں کہ حضرات مفتیان کرام کے درمیان بعض مسائل شرعیہ میں اختلافات کا ہونا ناگزیر ہے، ان مختلف آراء کو ایک جگہ جمع کرنا اور پھر راجح کی نشاندہی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ جوکھم بھرا کام انجام دے رہے ہیں جناب مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی مدظلہ ناظم امارت شرعیہ پٹنہ؛ جو علمی حلقوں میں معروف و مشہور ہیں اور اس کام کے انتظام و نگرانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں؛ جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب مدظلہ، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مدد فرمائے اور امت کے لیے اس کام کو نفع بخش بنائے، بندہ اس کام کی صحت و درستگی نیز عند اللہ و عند الناس مقبولیت کی دعا کرتا ہی ـــــــ فقط

بندہ

محمد طلحہ کاندھلوی

(شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

بقلم: عبداللہ معروفی

۲۳ / رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین، أما بعد!

قرآن وحدیث کی روشنی میں دینی رہنمائی کا نام فتویٰ ہے۔فتویٰ دینا ایک بہت ہی اہم و نازک امر ہے، اسی لیے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مفتی اللہ کی طرف سے دستخط کرنے والا ہوتا ہے۔(اعلام الموقعین: ۶/۴)

اس مہتم بالشان امر کو شروع دور سے ہی علماء کرام نے انتہائی دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ انجام دیا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام میں اہل علم حضرات کی ایک جماعت تھی؛ جو اس فریضے کو انجام دیتی تھی، اس کے بعد تابعین، تبع تابعین اور آج تک ماہر علماء کرام کی ایک جماعت اس منصب افتا کی ذمہ داری کو انجام دیتی آرہی ہے۔

حالات وزمانے کے مطابق چونکہ مسائل بھی بدلتے رہتے ہیں، اس لیے ہر دور کے علماء فتاویٰ میں نئے مسائل کا ایک ذخیرہ موجود ہوتا ہے، قدیم وجدید فتاویٰ یکساں طور پر پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے مفید ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار کی شرح؛ ردالمحتار اس انداز میں تصنیف کی کہ علما کا تجزیہ ہے کہ یہ کتاب تقریباً ۵۰۰؍فقہی کتابوں سے بے نیاز کردیتی ہے۔ظاہر ہے کہ پانچ سو کتابوں تک رسائی انتہائی مشکل امر تھا،لیکن انہوں نے اسے آسان بنادیا، اسی طریقے سے اور بھی ایسی کوششیں ہوتی رہی ہیں کہ مختلف علمی ذخائر کو یکجا کردیا جائے تاکہ ان سے استفادہ آسان ہو، چنانچہ ہندوستان میں حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عالمگیریہ کی تصنیف اس نہج سے کروائی کہ اس میں بھی سینکڑوں کتابوں کا نچوڑ پیش کیا گیا۔آج سے چندسال قبل حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی نے قرآن کریم کی مختلف اور معتبر تفسیروں کو جمع کرکے ''گلدستۂ تفاسیر'' کے نام سے ایک بہترین علمی ذخیرہ امت کے سامنے پیش کیا تھا۔

اس طرح کی علمی کوشش آج سے کچھ عرصہ قبل حضرت مفتی مہربان صاحب بڑوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی تھی کہ ہندوستان و پاکستان کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کو ایک ساتھ جمع کردیا جائے،لیکن چندجلدیں منظرعام پرآنے کے بعدان کی زندگی نے وفانہیں کی اور وہ کام پایۂ تکمیل کونہیں پہونچ سکا۔مفتی انیس الرحمن قاسمی صاحب ناظم امارت شرعیہ پٹنہ نے اسی سلسلے کو ازسرنو جامع انداز میں شروع کیا ہے اور مختلف معتبر فقہی مجموعوں کو ایک ساتھ ''فتاویٰ علماء ہند'' کے نام سے ترتیب دینے کا فیصلہ کیا ہے، جس کی چندجلدیں منظرعام پرآبھی چکی ہیں، مرتب موصوف اور عزیز گرامی مولانا محمد اسامہ ندوی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ایک اہم علمی کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمیں یہ بھی اطلاع دی گئی ہے کہ یہ فقہی مجموعہ عربی اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہورہا ہے، اگر یہ کام اللہ تعالیٰ کی توفیق وکرم سے پایۂ تکمیل کو پہونچ جاتا ہے تو ایک بہت بڑی علمی و دینی خدمت ہوگی اور اہل علم متعدد کتابوں میں پھیلے ہوئے ایک موضوع سے متعلق فتاویٰ کو ایک ساتھ سہولت سے دیکھ سکیں گے۔اللہ تعالیٰ مرتب، منتظم اور معاونین کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرما کر عوام وخواص کے لیے اسے مفید سے مفیدتر بنائے۔(آمین) والسلام

حررہ العبد عزیز الرحمن عفی عنہ فتحپوری

۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أما بعد!

منظمۃ السلام العالمیہ ''فتاویٰ علماء ہند'' کے نام سے فتاویٰ کا ایک مجموعہ تیار کر رہا ہے، جس میں گذشتہ دوسو سال کے علمائے دیوبند کے فتاویٰ شامل ہیں، اس مجموعہ کا تخمینہ ۳۰/ ہزار صفحات اور ۶۰/ جلدوں تک ہے، جس میں علمائے دیوبند کے مختلف مرتب شدہ فتاویٰ شامل ہیں۔ منظمۃ السلام العالمیہ نے ماشاء اللہ اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھایا ہے، یہ کام بہت اہم اور عظیم الشان ہے، اس سے فتاویٰ کی دنیا میں بہت بڑے خلا کے پر ہونے کی امید ہے، ہم سے اکثر فارغ التحصیل علما اور دوسرے اہل علم دریافت کرتے تھے کہ اردو فتاویٰ میں کس کتاب کو زیر مطالعہ رکھا جائے، اس کے جواب میں حیرانگی کے سوا کچھ نہیں بتایا جاتا، اس لیے کہ صاحب فتاویٰ جتنا بھی فقیہ النفس اور بڑے مفتی ہوں، لیکن ان کے فتاویٰ میں استیعاب تو کیا بلکہ اکثر مسائل کا جواب بھی نہیں ہوتا، بلکہ محدود دریافت شدہ سوالات کے جوابات ہوتے ہیں، اب ان شاء اللہ جب یہ فتاویٰ مرتب ہو جائے تو اس میں اکثر سوالات اور واقعات کے جوابات آجائیں گے۔ مزید برآں اس میں اکابر علمائے دیوبند کے قلم سے نکلے ہوئے انوار کی کرنیں اور برکات بھی موجزن ہوں گی۔

اس فتاویٰ کے معرض وجود میں آنے کے بعد اگر کوئی ہم سے سوال کرے گا کہ کون سے فتاویٰ کا مطالعہ کرلیا جائے تو بے تأمل یہ جواب ہوگا کہ ''فتاویٰ علماء ہند'' سے استفادہ کرلیا کریں، یہ فتاویٰ پنساری کا ایسا دواخانہ ہوگا؛ جس میں ان شاء اللہ ہر مرض کی دوا ہوگی اور عطار کی ایسی دکان ہوگی جس میں دوسوسالہ باغ کے مختلف پھولوں سے کشید شدہ عطر اور مشک وعود کی خوشبو انشاء اللہ تعالیٰ اہل شوق کو میسر ہوگی ـــــــ فقط والسلام

کتبہ: (حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب حفظہ اللہ ورعاہ)

شیخ الحدیث ومفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

مورخہ ۲۰/ شوال المکرم ۱۴۳۶ھ بہ مطابق ۶/ اگست ۲۰۱۵ء

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

قرآن کریم میں توحید، معاد، رسالت کے ذکر کے بعد جس قدر تذکرہ نماز کا ہے، کسی دوسری عبادت کا نہیں۔ اجمالی طور پر اور عبادات واطاعت کے ضمن میں تو سیکڑوں دفع سے بھی زیادہ ذکر نماز کا ہے، لیکن صراحۃً تو تقریباً ایک سو نو مرتبہ قرآن مجید میں نماز کا ذکر ہے، اس میں نماز کی فرضیت، اہمیت اور حکمت کے علاوہ نماز کے احکام ومسائل، اس کے شرائط، مبادی وارکان اور مستحبات تک کا تذکرہ موجود ہے، اس کا اجر وثواب اور اس کے دنیوی واخروی فوائد بھی مذکور ہیں۔ عقیدہ اور فکر کی اصلاح کے بعد تمام عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے۔ ماشاء اللہ **"فتاویٰ علماء ہند"** کی یہ جلد بھی اوقات الصلاۃ اور اذان کے مسائل کے باب میں ہے۔

مولائے کریم کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے فتاویٰ علماء ہند جلد خامس کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی مفتی بہ مسائل کا مدلل احاطہ کیا گیا ہے۔ الحمد للہ یہ اطلاعات باعث شکر ومسرت ہیں کہ کتاب علمی حلقے میں خوب مقبول ہو رہی ہے؛ بالخصوص وہ طلباء وعلمائے کرام جن کا تعلق علم فقہ وفتاویٰ سے ہے، بہت نفع محسوس کر رہے ہیں۔ اللہ پاک اس مجموعے کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے حضرت ماموں جان اور والد محترم مدظلہم اور اس نکارہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور احقر کو مزید دینی وعلمی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

میں شکر گزار ہوں اپنے ان تمام بزرگوں کا جنھوں نے اس کتاب پر اپنے تأثرات ودعائیہ کلمات تحریر فرمائے اور ہماری ہمت افزائی فرمائی اور اسی طرح اپنے ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں حصہ لیا۔ اللہ پاک ان کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی ان کے طفیل سے نواز دے۔ (آمین)

محمد اسامہ شمیم الندوی
رئیس المجلس العلمی للفقہ الاسلامی

بتاریخ: ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الواحد القہار والصلوٰۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

وقت پیمائشی نظام کا ایک ایسا حصہ ہے، جس سے دو واقعات کا درمیانی وقفہ معلوم کیا جاتا ہے۔ گھنٹہ دن، ہفتہ، مہینہ اور سال اس کی بڑی اکائیاں ہیں۔ شریعت محمدیہ میں عبادتوں میں وقت کی بڑی اہمیت ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ یہ ساری عبادتیں کسی نہ کسی درجہ میں وقت کے ساتھ مقید ہیں۔ جہاں پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر فرض ہیں، وہیں مؤذن کے شرائظ میں یہ شرط سب سے اہم ہے کہ وہ اوقات نماز کا جانکار ہو۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ''**فتاویٰ علماء ہند**'' کی نماز کے مسائل سے متعلق جلد چہارم کے بعد جلد پنجم کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، فتاویٰ کی اہمیت وافادیت دین اسلام میں قرن اول سے آج تک برقرار ہے، انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔ جلد چہارم میں نماز کی اہمیت وافادیت اور اوقات سے متعلق مسائل کا احاطہ کیا گیا تھا، اس جلد میں اوقات نماز کے علاوہ اذان سے متعلق مسائل کو شامل کیا گیا ہے۔ حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے نماز کے باب میں جدید اور قدیم تمام اہم مسائل شامل ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔ (والحمد للہ علی ذٰلک)

میں شکر گذار ہوں اپنے احباب ومعاونین کا جو میرے ساتھ صبح وشام فتاویٰ کی ترتیب میں ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے تحت شریک ہیں، خصوصی طور پر مفتی امتیاز احمد قاسمی، مفتی محمد رضاء اللہ قاسمی، مفتی عبداللہ محی الدین قاسمی، مفتی ابونصر ہاشم ندوی اور مولوی محمد قیصر ندوی کا۔ اسی طرح شکر گذار ہوں اپنے بزرگ الحاج شمیم احمد صاحب (انجینئر) اور عزیز گرامی مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی زید مجدہم کا، جن کی خصوصی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے اور ان فتاویٰ کی عربی وانگریزی ترجمہ کا کام بھی ان کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ اللہ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

(انیس الرحمن قاسمی)
ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ
صدر: ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پٹنہ

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ
۸ جولائی ۲۰۱۵ء

نماز کے اوقات

نمازِ مغرب کا وقت کب سے کب تک ہے:

سوال: مغرب کا وقت رمضان شریف وغیرہ میں بمجرد غروب آفتاب کے ہوجاتا ہے، یا نصف آسمان تک اندھیرا ضروری ہے؟

الجواب

وقت نماز مغرب کا ہمیشہ مجرد غروب شمس سے ہوتا ہے۔(۱)

(۱) عن سلمة بن الأكوع أنن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى المغرب إذا غربت الشمس وتوارت الحجاب۔(الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب بيان أن أول وقت المغرب عند غروب الشمس (ح: ۶۳۶)/سنن الترمذى (ح: ۱۶۴)/سنن ابن ماجة، كتاب الصلوٰة (ح: ۶۸۸)

وفى صحيح البخارى كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت المغرب (ح: ۵۶۱) بلفظ: كنا نصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم المغرب إذا توارت بالحجاب۔انیس)

مغرب کا وقت:

احتیاطاً مغرب کی نماز سرخی ختم ہونے سے پہلے پڑھ لے اور اس کے بعد اس سرخی کی جگہ جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اور کچھ دیر بعد ختم ہوجاتی ہے اس سفیدی کے غائب ہونے کے بعد عشا کی نماز پڑھے۔(عالمگیری: ۱/۵۱)

یہ سفیدی سرخی کے ۱۲/منٹ بعد تک (عام طور پر ہندوستان میں) رہتی ہے۔ہر زمانہ میں مغرب کی نماز جلدی پڑھنا مستحب ہے۔(عالمگیری)

اذان کے بعد تین آیتیں پڑھی جانے کی مقدار دیر کر کے اقامت کہی جائے اذان کے فوراً بعد اقامت کہنا مکروہِ تنزیہی ہے۔(عالمگیری)

بعد اذان اس کی دعاء ماثورہ پڑھ کر اذان کی جگہ سے اقامت کی جگہ، مؤذن آجائے پھر اقامت کہی جائے، یہی کافی ہے یعنی تقریباً نصف منٹ۔

نماز مغرب اتنی تاخیر سے پڑھنا کہ اس درمیان دو رکعت نماز پڑھی جاسکے یا ستارے جگمگانے لگیں یعنی چھوٹے بڑے ہر قسم کے تارے نظر آنے لگیں مکروہ تنزیہی ہے۔(شامی: ۱/۲۴۶)

اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(شامی: ۱/۲۴۷)

کسی عذر مثلاً سفر یا مرض یا بادل کی وجہ سے اس قدر تاخیر ہو تو مکروہ نہیں ہے،(درمختار بر شامی: ۱/۲۴۶)

بادل کے دن اتنی تاخیر سے پڑھے کہ وقت ہونے کا یقین ہوجائے۔(شامی: ۱/۲۴۷)

افطار کی وجہ سے مغرب میں کچھ دیر کرنا جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔اطمینان سے روزہ افطار کر کے اور پانی پی کر اور کچھ کھا کر جو موجود ہو نماز پڑھنی چاہئے۔ ۱۵، ۲۰ منٹ تاخیر کی اجازت ہے۔(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ۱۷۵-۱۷۶ (انیس)

اور روزہ کے افطار کا وقت رمضان شریف وغیرہ میں بھی مجرد غروب شمس سے ہو جاتا ہے۔

درمختار کتاب الصوم میں ہے:

"هو إمساك عن المفطرات، الخ، في وقت مخصوص وهو اليوم، (درمختار) أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب، الخ، والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة الشرق، الخ. (ردالمحتار: ۲/ ۸۰) (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۳۵)

سورج کے صرف پہاڑ کی اوٹ میں چلے جانے سے غروب متحقق نہیں ہوگا:

سوال: اس علاقہ میں آبادی سے سات آٹھ میل دور مغرب میں ایک پہاڑ ہے، سورج جب اس پہاڑ کے پیچھے چھپ جاتا ہے، تو پندرہ بیس منٹ بعد مشرق میں رات ظاہر ہوتی ہے، آیا جب رات ہوتی ہے تو اس وقت صحیح وقت ہوتا ہے یا مغرب کا وقت پہاڑ کے پیچھے سورج چھپ جانے سے شروع ہو جاتا ہے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں صرف سورج کے پہاڑ کی اوٹ میں آجانے سے نماز مغرب یا افطار کا وقت شروع نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بعد جب مشرق کی طرف سے سیاہی اور اندھیرا پھیلنا شروع ہو جائے، اس وقت غروب شمس کا تحقق ہوگا اور اس وقت سے نماز مغرب کے وقت کی ابتدا سمجھی جائے گی۔

لہذا اگر مذکورہ وقت سے قبل مغرب کی نماز پڑھ لی گئی، تو وہ ادا نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنی چاہئے۔

كما يظهر من الشامي: ۲/ ۱۱۰: والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة الشرق، قال عليه السلام: إذا أقبل الليل من ههنا، الخ، أي إذا وجدت الظلمة حسًا في جهة المشرق، آه. وأيضًا هكذا يظهر من كلام الحافظ في شرح قوله عليه الصلوٰة والسلام: إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر النهار من ههنا وغابت الشمس فقد أفطر الصائم. (۲) فقط والله أعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء - ۳/ ۲/ ۱۳۷۹ھ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۱۸۵-۱۸۶)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصوم: ۲/ ۱۱۰/ صفحات کا یہ حوالہ شامی مطبوعہ "مجتبائی دہلی" کا ہے اور حاشیہ میں شامی مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ دارالخلافۃ کا۔ ظفیر

(۲) عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر النهار من هٰهنا وغربت الشمس فقد أفطر الصائم. (الصحيح للبخاري، باب متى يحل فطر الصائم (ح: ۱۹۵٤) انیس)

طریق معرفت وقت مغرب:

سوال: جب بادل نہ ہوتو سورج غروب ہونے کے بعد بہت تھوڑی دیر تک ایک صاف روشنی (اجالا) رہتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سورج ابھی غروب ہوا ہے، سنا ہے کہ گرمیوں میں تو یہاں سورج غروب ہونے کے بعد گھنٹوں تک ایسا اجالا رہتا ہے، جیسے دن ہو، تو آیا اس حالت میں مغرب کی نماز کا وقت اس حد تک رہے گا، جب تک دھندلے کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ سورج غروب ہونے کے بعد کس حد معین تک وقت شمار کیا جائے گا، اور عشا کا وقت کس لحاظ سے شمار ہوگا۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد گھنٹوں کے خیال سے یا اجالے کے زائل ہونے کے بعد؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اول یہ سمجھئے کہ غروب آفتاب اور ابتداء وقت عشا میں اتنا فصل ہوتا ہے جتنا طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب میں، اب میں صبح صادق کا قاعدہ بتلاتا ہوں، اس کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ قاعدہ اکثر یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ۲۶/ شب کو طلوع قمر کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ اسی طرح ۱۲/ شب کو غروب کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ ان دو شبوں میں سے جس شب میں دل چاہے صبح صادق کا وقت دیکھ کر گھڑی سے طلوع شمس تک کا فاصلہ دیکھ لیجئے، اتنا ہی فاصلہ اس روز غروب شمس اور ابتداء وقت عشا میں ہوگا، اس کو بھی ہر مہینہ میں دیکھ کر ضبط کر لیجئے۔ اور اس قاعدہ سے جو اوقات منضبط ہوں ان میں تھوڑی سی احتیاط کر لیجئے۔ یعنی عصر (۱) بھی اور عشا بھی عین اول وقت سے دس پندرہ منٹ بعد میں پڑھ لیا کیجئے اور روزہ میں اسی قدر پہلے سحری چھوڑ دیجئے اور بارہویں اور چھبیسویں شب سے مراد وہ ہے جس کی صبح کو بارہویں اور چھبیسویں تاریخ ہوتی ہے۔ میں نے بہت آسان کر کے لکھ دیا ہے، پھر بھی ذرا غور سے پڑھ لیجئے۔

(تتمہ خامسہ، ص: ۴۲۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۵۴)

علامت غروب:

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ جب مشرق کی طرف افق پر سیاہی آجاتی ہے تو اس کو غروب آفتاب کی علامت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ غروب آفتاب سے کچھ قبل ہی مشرق کی طرف سیاہی نظر آنے لگتی ہے، اس کے بارے میں تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

غروب آفتاب کی یہ علامت حدیث میں بھی مذکور ہے۔

(۱) اصل میں یہی ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کی غلطی ہو، صحیح یہ ہے کہ یہاں ''مغرب'' ہونا چاہیے۔ انیس

”إذا اقبل الليل من هٰهنا“.(الحديث)(۱)

اس کی شرح میں حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں:

والعبرة إنما هو لارتفاع الظلام من المشرق إلٰى حيث يوارى رأس الرائى.(لامع الدرارى، ص: ۳۸۱)

یعنی مشرق کی جانب ظلمت کا محض ظہور کافی نہیں، بلکہ یہ شرط ہے کہ افق سے بلند ہوکر قامت رائی(۲) سے برابر ہوجائے۔ بندہ نے ایک اور عالم کو بھی ساتھ لیکر اس کا مشاہدہ کیا، تو اس کو بالکل صحیح پایا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲/رمضان ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ج۲ص۱۴۵،۱۴۶)

غروب الشمس اور خيط الأسود والأبيض کا صحیح مصداق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) ایک شخص کہتا ہے کہ مغرب کا وقت سورج غروب ہوتے ہی شروع ہوجاتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ مشرق کی جانب آسمان کے کنارے پر سیاہی اٹھنی شروع ہوجائے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ مغرب کی جانب آسمان پر سرخی آجانا سورج غروب ہونے کی علامت ہے۔ صحیح صورت کیا ہے؟

(۲) سحری کا وقت ختم ہونے اور فجر کا وقت شروع ہونے کی علامت یعنی ”خيط الأسود اور خيط الأبيض کے بارے میں ایک شخص کہتا ہے کہ ”خيط الأسود والأبيض“ بھی مشرق کی جانب آسمان کے کنارے پر سیاہی کے نیچے کی سفیدی کے اٹھنے کو کہتے ہیں اور یہ بھی مشرق کی جانب سے نمودار ہوتی ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ خیط الأبیض تمام آسمان پر ہوتا ہے اس کی بھی صحیح صورت کیا ہے اور کس طرف دیکھنا چاہئے؟

(۳) مغرب کا وقت شروع ہونے سے عشا کے وقت شروع ہونے تک گھڑی کے حساب سے کتنا وقفہ ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ایوب خان محلّہ شیام گنج مردان......۱۰/صفر/۱۳۹۲ھ)

---

(۱) عن عاصم بن عمربن الخطاب عن أبيه رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا اقبل الليل من ههنا وأدبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد أفطر الصائم. (الصحيح للبخارى، باب متى يحل فطر الصائم، كتاب الصوم (ح: ۱۹۵٤)/مسند الحميدى، أحاديث عمربن الخطاب (ح: ۲۰)/مسند البزار، عاصم بن عمرعن أبيه (ح: ۲٦۰)/مستخرج أبى عوانة، باب الدليل على أن الصائم إذا واصل كان (ح: ۲۸۰۳)/ المسند المستخرج على صحيح مسلم لأبى نعيم، باب فى الحث على تعجيل الفطر (ح: ۲٤۷۲) انيس)

(۲) یعنی دیکھنے والے کے برابر۔ انیس

الجواب

(۱-۲) فقہ اور حدیث کی رو سے پہلے شخص کا قول درست ہے۔(۱)

(۳) کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ وقفہ کرنا چاہئے۔(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۴۴-۱۴۵)

شرعی رات کی تحقیق:

سوال: شامی کتاب الصوم:۲/۸۸، میں ہے کہ النہار الشرعی صبح صادق سے غروب تک ہے باقی رات ہے، بخلاف عرفی نہار کے۔ یہاں رات شرعی مراد ہے یا عرفی؟

الجواب

غروب کے ساتھ ہی شرعی رات شروع ہو جاتی ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿أَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾. (سورة البقرة:۱۸۷)(۳)

ولما فی رد المحتار: والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة فی جهة الشرق قال صلی الله عليه وسلم: "إذا أقبل الليل من ههُنا فقدأفطر الصائم" أی إذا وجدت الظلمة حسًّا فی جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر أو صار مفطرًا فی الحكم، لأن الليل ليس ظرفا للصوم. (ردالمحتار: ۲/۸۰، أول كتاب الصوم)(۴) **والله أعلم**

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۲۳/۱/۱۳۹۷ھ۔ (فتویٰ نمبر:۱۵۳/۲۸-الف) (فتاویٰ عثمانی:۱/۳۹۳)

---

(۱) قال العلامة ابن الهمام: (أول المغرب حين تغرب الشمس وآخره حين يغيب الشفق وما رواه) من امامة جبريل عليه السلام فی اليومين فی وقت واحد (كان للتحرز عن الكراهة) لأن تأخير المغرب الیٰ آخر الوقت مكروه (ثم) اختلف العلماء فی (الشفق) فقال أبوحنيفة رحمه اللّٰه (هو البياض فی الأفق بعد الحمرة). (فتح القدير، باب المواقيت: ۱/۱۹۵)

قال ابن الهمام: وأول وقتها اذا طلع الفجر الثانی أی الفجر الصادق وهو البياض المعترض فی الأفق واحترز به عن الفجر الكاذب وهو البياض الذی يبدو فی السماء ويعقبه ظلام و تسمی العرب ذنب السرحان. (فتح القدير، باب المواقيت: ۱/۱۹۲)

(۲) قلت وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد فی ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن: ج۲ ص ۱۰، باب مواقيت الصلاة)

(۳) أی أديموا الإمساک عن المباشرة والأكل والشرب فی جميع أجزاء النهار إلى غاية الليل وهو دخول الليل وذاک بغروب الشمس والإتمام أداءه على التمام. (روح المعانی، تفسير سورة البقرة: ۱/۳۰۰. انيس)

(۴) ردالمحتار: ۲/۳۷۱ (طبع ایچ، ایم سعید) محمد زبیر حق نواز

ابتداء وقت مغرب:

سوال: اول وقت مغرب کا غروب شمس سے شروع ہوتا ہے یا کب، اس بارے میں قول فیصل کیا ہے؟

الجواب

اول وقت مغرب غروب شمس کے بعد شروع ہوجاتا ہے باتفاق۔

كما نقل فى السوال من الدلائل وهذا لا خفاء فيه و لا خلاف. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۵۳-۵۴)

وقت نماز مغرب:

سوال: آیا بمجرد ظلمت شرقی وقت مغرب می شود یا بہ زوال حمرت شرقی ودر بلاد مایاں بہ فاصلہ شش کردہ جبل از جانب مغرب بلند واقع است پس در ینجا چگونہ وقت مغرب متحقق شود۔ (۲)

الجواب

وقت مغرب بغروب آفتاب شروع می شود، وبمجرد غروب ظلمت شرقی محسوس می شود، وبر ہمیں مدار افطار روزہ ونماز مغرب از شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت شدہ است، ونقشہ طلوع وغروب کہ مجرب اکثر بلاد است بایدداشت ہرگاہ موافق آں نقشہ غروب معلوم شود، وآثار آں مثل ظلمت شرقی محسوس شود نماز مغرب ادا باید کرد، وانتظار زوال حمرۃ نباید کرد۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۹)

---

(۱) **عن سلمة بن الأكوع رضى الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى المغرب إذا غربت الشمس وتوارت بالحجاب. (الصحيح للبخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة (ح: ٥٦١)/الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواقيت الصلاة (ح: ٦٣٦) انيس)**

(و) وقت (المغرب منه) أى بعد الغروب (إلىٰ) غروب (الشفق). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب فى الصلاة الوسطىٰ: ١/٣٣٤، ظفير)

(۲) ترجمہ سوال: کیا مغرب کا وقت محض مشرق میں تاریکی کی بنا پر ہوتا ہے، یا مشرق کی سرخی دور ہونے پر، اور ہمارے اس علاقہ میں جو مغربی جانب سے چھ پہاڑ کے برابر بلند واقع ہے، تو اس جگہ مغرب کا وقت کس طرح متحقق ہوگا؟ انیس

(۲) ترجمہ جواب: مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور محض آفتاب کے غروب ہونے سے مشرقی تاریکی محسوس ہوتی ہے، اور اسی پر روزہ افطار اور نماز مغرب کا مدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور طلوع وغروب کا نقشہ جس کا اکثر شہروں میں تجربہ ہو چکا ہے اس کو رکھنا چاہئے، اس نقشہ کے موافق جب غروب معلوم ہوجائے اور اس کی علامات مثلاً مشرقی تاریکی محسوس ہوجائے تو مغرب کی نماز ادا کرنی چاہئے اور سرخی کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ جیسا کہ غنیۃ المستملی کی عبارت سے واضح ہے۔ (كذافى البخارى (ح: ٥٦١)/الصحيح لمسلم (ح: ٦٣٦) انيس)

وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس بالإجماع. (غنية المستملى: ٢٢٦، ظفير مفتاحى)

مغرب کا وقت:

سوال: غروب آفتاب کے بعد کب تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے؟ (عبداللہ، ٹولی چوکی)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

سورج ڈوبنے کے بعد آسمان کے کنارہ پر سرخی سی چھائی رہتی ہے، اس کے ختم ہونے کے بعد سفیدی آتی ہے، اس کو "شفق" کہتے ہیں، جب تک شفق ڈوب نہ جائے مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔(۱)

کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جب تک شفق ڈوب نہ جائے؛ مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔

"وقت المغرب مالم يغب الشفق". (۲)

صحیح وقت کا اندازہ کرنے کے لئے آپ مطبوعہ اوقات نماز، چارٹ یا ایسے کیلنڈر سے رجوع کریں؛ جس میں اوقات نماز کی صراحت کی گئی ہو، بلکہ اب تو بعض اخبارات بھی اوقات نماز شائع کرتے ہیں، ان کی رہنمائی پر عمل کر لینا کافی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۲۰)

وقتِ مغرب کی توضیح:

سوال: مغرب کی نماز کا وقت سورج کے غروب ہونے کے بعد فوراً شروع ہوجاتا ہے، یا کچھ دیر بعد شروع ہوتا ہے، اور کب تک رہتا ہے؟ غفلت کر کے نماز کے وقت کو باطل کر دیا، تو اب نماز ادا ہوگی یا قضا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

سورج غروب ہوتے ہی فوراً مغرب کا وقت شروع ہوجاتا ہے، (۳) جب بادل ہو تو کسی قدر احتیاط کر لی جائے، تاکہ غروب کا یقین ہوجائے۔ (۴)

غروب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک آسمان پر سرخی رہتی ہے، پھر کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے، مغرب کی نماز

---

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع : ۱/ ۳۲۰۔

(۲) الصحيح لمسلم ،باب أوقات الصلوات الخمس، ح: ٦١٢/مسند الإمام أحمد،مسندعبداللّٰه بن عمروبن العاص (ح :٧٠٧٧)انيس

(۳) الصحيح للبخاری، كتاب مواقيت الصلوٰة (ح: ٥٦١)انيس

(۴) " وفي يوم الغيم المستحب تأخير الفجر والظهر والمغرب ويؤخر المغرب لكيلايقع قبل غروب الشمس". (المبسوط،باب مواقيت الصلوٰة: ١/ ٣٠٠ ،المكتبة الغفارية، كوئٹه)وكذافی ذخيرة العقبى فی شرح صدرالشريعةالعظمىٰ، كتاب الصلوٰة: ٧٤،نول كشورلكناؤ. انيس)

کا وقت سفیدی ختم ہونے پر ختم ہوجاتا ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ سرخی ختم ہونے سے پہلے ہی نماز مغرب سے فراغت کرلی جائے۔(۱)

دیر کرنے سے نماز مکروہ ہوگی، قضا ہوجانے کا بھی اندیشہ ہے۔(۲)

نماز کو قضا کرنا، وقت پر ادانہ کرنا کبیرہ گناہ ہے، اس پر سخت وعید آئی ہے۔ **کذا فی الزواجر عن اقتراف الکبائر.** (۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۴/۵۔۳۴۵)

لندن میں اوقات نماز (خصوصاً مغرب):

سوال: جس جگہ تین بجے دن نکلے اور نو بجے دن چھپے یعنی لندن میں ایسا وقت ہے تو اس حساب سے ۱۸ رگھنٹہ کا دن اور ۶ رگھنٹہ کی رات ہوتی ہے تو نماز مغرب بعد غروب ہی پڑھے یا کہ بارہ گھنٹہ کے حساب سے پڑھی جاوے اور اسی طرح عشا کی نماز کس طرح پر اور کس وقت پڑھی جاوے۔

الجواب

نمازِ مغرب بعد غروب کے پڑھے، (۴) اسی طرح سب نمازیں وہاں کے حساب سے پڑھے۔ (۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۴۴/۲)

---

(۱) "ووقت المغرب منه إلٰى غيبوبة الشفق و هو الحمرة عندهما، وبه يفتىٰ، هكذا فى شرح الوقاية، وعند أبى حنيفة الشفق هو البياض الذى يلى الحمرة، هكذا فى القدورى، وقولهما أوسع للناس، وقول أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ أحوط". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلوٰة، الفصل الأول فى أوقات الصلوٰة: ۱/ ۵۲، ۵۳، رشيدية)

(۲) "ويكره تأخيرها إلٰى اشتباك النجوم لرواية أحمد: "لاتزال أمتى بخير ما لم يؤخروا المغرب حتى تشتبك النجوم". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة: ۱/ ۴۳۱، رشيدية)

(۳) " قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ، فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا، اِلَّا مَنْ تَابَ﴾. (سورة مريم: ۵۹)

قال ابن مسعود رضى اللّٰه تعالىٰ عنه: ليس معنى" أضاعوها" تركوها بالكلية، ولكن أخروها من أوقاتها ".

(تنبيهات) "منها: عد ما ذكر من أن كلاً من ترك الصلوٰة وتقديمها علىٰ وقتها وتأخيرها عنه بلاعذر كبيرة". (الزواجر عن اقتراف الكبائر لابن حجر المكى الهيثمى: ۱/ ۱۳۳، ۱۳۷، بحث: الكبيرة السابعة والسبعون، تأخير الصلوٰة عن وقتها، دار المعرفة، بيروت)

(۴) الصحيح للبخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت المغرب (ح: ۵۶۱) کے حوالہ سے حدیث گذر چکی ہے۔ انیس

(۵) ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾. (سورة النساء: ۱۰۳۔ انیس)

سورج غروب نہ ہونے کی حالت میں نماز کا حکم:

سوال: بعض اوقات مغرب کی جانب سفر کرتے وقت سورج غروب ہوتا نظر نہیں آتا، ایسی حالت یا ایسے ممالک میں جہاں پر سورج غروب نہیں ہوتا، نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جہاں پر سورج کے غروب نہ ہونے کی وجہ سے رات ودن کا امتیاز ناممکن ہوتو قریبی ممالک کے اوقات کو اعتبار دے کر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے، تاہم اگر کہیں سفر کی حالت میں وقت ممتد نہ ہو، لیکن سورج کا غروب ممکن ہوتو پھر سورج کے غروب میں تاخیر سے نماز کے اوقات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصكفي: (وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينية الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما) ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير، و اختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه فزعم المصنف أنه المذهب. (الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۳۶۲/۱) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳۷/۳)

وقت مغرب کی مقدار اور اس میں لمبی قراءت:

سوال: امام بوقت مغرب نماز میں لمبی سورۃ کہ جس سے وقت تنگ ہوجاوے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

غروب سے شفق ابیض کے غائب ہونے تک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقت مغرب کا رہتا ہے، جس کی مقدار تقریباً سوا گھنٹہ یا کچھ منٹ زیادہ ہے۔ (۲)

اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق احمر کے غائب ہونے تک وقت مغرب کا رہتا ہے جو پہلی مقدار سے کم ہے۔ (۳)

---

(۱) لما أخرجه الإمام مسلم بن حجاج القشيري. عن النواس بن سمعان حديثاً طويلاً ... مالبثه في الأرض؟ قال: أربعون يومًا، يوم كسنة، ويوم كشهر، ويوم كجمعة، وسائر أيامه كأيامكم، قلنا: يا رسول الله! فذلك اليوم الذي كسنة أتكفينا فيه صلوٰة يوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره. (الصحيح لمسلم: ۴۰/۲، باب ذكر الدجال)

(۲) ثم الشفق هو البياض الذي في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة، وعندهما هو الحمرة. (الهداية، باب المواقيت: ۷۸/۱، ظفير)

(۳) (و) وقت (المغرب منه إلىٰ) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب في الصلاة الوسطىٰ: ۳۳۴/۱، ظفير)

اور مغرب میں قصارِ مفصل یعنی ''لم یکن'' سے آخر قرآن شریف تک سورۃ کا پڑھنا مستحب ہے۔ پس بہت لمبی سورۃ مغرب میں پڑھنا اچھا نہیں ہے اور خلاف سنت ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۴۷)

مغرب کے وقت کی ابتدا و انتہا:

سوال: غروب آفتاب سے کتنی دیر بعد عشا کی اذان ہونی چاہئے اور مغرب کی نماز کتنی دیر بعد تک اور رہتی ہے اور کتنی دیر بعد قضا ہو جاتی ہے؟ (مقصود حسن۔ امام نئی مسجد موضع بھجڑی ضلع مظفر نگر)

الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

عشا کی اذان دینے میں احتیاط یہ ہے کہ غروب سے سوا گھنٹہ کے بعد ہی ہو، اگر کسی معذوری سے نماز مغرب شفق احمر کے غروب ہونے سے پہلے نہ پڑھ سکا تھا تو شفق ابیض کے غروب ہونے تک پڑھ لے تو قضا نہ کہیں گے، (۲) اور شفق ابیض کی مقدار عموماً سوا گھنٹہ تک بعد غروب رہتی ہے، اس کے بعد پڑھنا قضا شمار ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ ۱/۸/۱۴۰۴ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۰۱)

مغرب کا انتہائی وقت صحیح:

سوال: شفق سفید تک وقت مغرب کا رہتا ہے یا نہیں؟ اکثر فقہاء حنفیہ تو فرماتے ہیں کہ شفق سفید تک مغرب کا وقت ہے۔ اس کے بعد عشاء کا وقت ہے اور حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعد شفق سرخ کے عشاء کا وقت ہو جاتا ہے قول اصح یہی ہے، اب تردد یہ ہے کہ شفق سفید مغرب میں داخل ہے یا عشاء میں اور علمائے حنفیہ کے نزدیک قول مفتی بہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــ

یہ مسئلہ امام صاحب اور ان کے صاحبین میں مختلف ہے۔(۳) احوط یہ ہے کہ دونوں کی رعایت رکھے، اور بعض نے فتویٰ صاحبین کے قول پر لکھا ہے، جیسا شاہ عبد العزیز صاحب نے لکھا۔ شرح وقایہ میں بھی سرخ پر فتویٰ دیا ہے۔(۴)

(تالیفات رشیدیہ: ص ۲۵۷)

---

(۱) (و) یسن (فی الحضر) لإمام ومنفرد ۔۔۔ والناس عنه غافلون (طوال المفصل) من الحجرات إلی أخر البروج (فی الفجر والظهر و) منها إلیٰ أخر لم یکن (أو ساطه فی العصر والعشاء و) باقیه (قصاره فی المغرب) أی فی کل رکعة سورة مما ذکر، الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، کتاب الصلوٰة، فصل فی القراءة: ۱/۵۰۳، ظفیر)

(۲-۳) کیوں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شفق ابیض کے غروب تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔

ثم الشفق هو البیاض الذی فی الأفق بعد الحمرة عند أبی حنیفة، وعندهما هو الحمرة۔ (الهدایة شرح بدایة المبتدی، باب المواقیت، انیس)

(۴) والمغرب منه إلیٰ غیبة الشفق وهو الحمرة وبه یفتیٰ۔ (مختصر الوقایة، کتاب الصلوٰة: ۱۱، المطبوع فی الهند۔ انیس)

مغرب کا کل وقت کتنا ہے:

سوال: مغرب کا وقت اذانِ مغرب کے بعد کتنے گھنٹے رہتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

مغرب کا وقت عامۃً ہمارے اطراف میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم رہتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ یکم رجب ۸۸ ۱۳ ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲/ ۷/ ۸۸ ۱۳ ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۳۴۵۔۳۴۶)

کیا مغرب اور فجر کا وقت برابر ہے:

سوال: نقشۂ دائمی (جو سید طاہر حسین صاحب کا تیار کردہ اور مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب، مولوی حاجی کرامت اللہ صاحب، مفتی نور الدین صاحب کا تصدیق شدہ ہے) میں تحریر ہے کہ مغرب کا وقت بھی فجر کے برابر ہے، یعنی ایک گھنٹہ بیس منٹ ہے، مگر ایک صاحب فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت تارے چمکنے پر ختم ہوجاتا ہے، صرف آدھ گھنٹہ ہے۔ کونسا قول صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

فجر کا وقت اور مغرب کا وقت تقریباً برابر ہیں، محض تارے چمکنے پر مفتیٰ بہ قول کے موافق ختم نہیں ہوتا۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱/ ۸/ ۹۰ ۱۳ ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۳۴۴)

اذان مغرب وعشا میں فاصلہ:

سوال: اذان مغرب وعشا میں کس قدر فاصلہ درکار ہے، کیا جس جگہ بحساب دھوپ گھڑی قریب سوا سات بجے شام کے اذان مغرب ہوتی ہو وہاں اسی گھڑی سے ۸ بجے اذان عشاء ہوکر فرض ادا کرسکتے ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ایک گھنٹہ پچیس منٹ کا فاصلہ اذانِ مغرب وعشاء میں ہونا چاہئے، اس کا کیا حکم ہے؟

(۱۔۲) وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس و آخر وقتها ما لم يغب الشفق۔۔۔ ثم الشفق هو البياض الذي في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة، وعندهما هو الحمرة "۔(الهداية، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت: ۱/ ۸۱۔۸۲، مكتبة شركة علمية، ملتان)

الجواب

غروب کے بعد عشا کا وقت عند الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہوجاوے۔(۱) اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔(۲) پس مغرب وعشا میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ احتیاطاً پونے دو گھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہئے اور جنتری طلوع وغروبِ آفتاب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہوسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۴۲-۴۳)

مغرب وعشا کے درمیان مقدارِ فاصلہ:

سوال: مذہبِ حنفی میں غروب آفتاب یعنی مغرب کی نماز کے بعد اور اوّل وقت عشاء میں کس قدر فصل متفق علیہ احناف ہونا ضروری ہے۔ دوم یہ کہ ایام صیف وشتاء میں مابین مغرب وعشاء وقت کی ایک ہی مقدار معین ہے یا کچھ کمی وبیشی گھنٹہ اور منٹ میں ہوتی رہتی ہے؟

الجواب

عشا کا وقت غیبوبۃ شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے(۳) اور شفق کے بارہ میں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک شفق احمر کی غیبوبۃ پر عشاء کا وقت ہوتا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک شفق ابیض کی غیبوبۃ پر عشا کا وقت شروع ہوتا ہے۔(۴)

اور ظاہر ہے کہ قول امام اعظمؒ پر عمل کرنا احوط ہے۔ **کما فی الشامی: وقوله أحوط۔**(۵)

---

(۱) وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس وأخر وقتها مالم يغب الشفق، الخ، ثم الشفق هو البياض الذى فى الأفق بعد الحمرة عند أبى حنيفة وعندهما هو الحمرة۔ (الهداية: كتاب الصلوٰة، باب المواقيت: ۱/۷۷-۷۸)

(۲) غيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد فى ديارنا قدر ساعة وربع ساعة۔ (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب مواقيت الصلاة: ۲/۱۰۱-انیس)

(۳) عن ابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: أمنى جبرئيل عند البيت مرتين ... ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ... ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين أسفرت الأرض ثم التفت إلّى جبرئيل فقال: يا محمد! هذا وقت الأنبياء من قبلك والوقت فيما بين هٰذين الوقتين۔ (سنن الترمذى، باب ماجاء فى مواقيت الصلوة عن النبى صلى الله عليه وسلم، أبواب الصلوة (ح: ۱۴۹)/سنن أبى داؤد، باب المواقيت (ح: ۳۹۳) انیس)

(۴) ثم الشفق هو البياض الذى فى الأفق بعد الحمرة عند أبى حنيفة، وعند هما هو الحمرة۔ (الهداية، باب المواقيت: ۱/۷۸، ظفیر)

(۵) ردالمحتار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳۳۵، ظفیر

اس کے بعد واضح ہو کہ شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا اور اس میں صیفاً وشتاءً چند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ جنتری طلوع وغروب آفتاب سے جس میں وقت مغرب ووقت عشا حسب مذہب امام اعظمؒ درج ہے، واضح ہوتا ہے کہ یکم اگست ۱۹۲۱ء کو غروب آفتاب ۷/بجکر ۱۷/منٹ پر ہے۔ اور وقت عشا موافق مذہب امام اعظم ۸/بجکر ۷ ۴/منٹ پر ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ تفاوت مابین مغرب وعشا ایک گھنٹہ تیس منٹ ہے اور ۳۱/اگست ۱۹۲۱ء کو غروب آفتاب ۶/بجکر ۴۸/منٹ پر ہے اور وقت عشا ۸/بجکر ۱۳/منٹ پر ہے۔۔۔ اس وقت تفاوت مابین مغرب وعشا ایک گھنٹہ پچیس منٹ ہے۔

الغرض ہمیشہ مابین غروب آفتاب وغروب شفق میں تقریباً اسی قدر فاصلہ رہتا ہے۔ پس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غروب آفتاب سے عشا کا وقت ہوجاتا ہے اور صاحبینؒ کے مذہب کے موافق بارہ منٹ پہلے وقت عشا کا ہوتا ہے، کیونکہ تفاوت مابین شفق احمر وابیض بارہ منٹ کا ہے۔

کمافی الشامی: ذکره العلامة المرحوم الشيخ خليل الكاملي، الخ، إن التفاوت بين الفجرين وكذا بين الشفقين الأحمر والأبيض إنما هو بثلث درج، الخ۔(۱)

اور ایک ایک درجہ ۴ منٹ کا ہے۔ پس تین درجے ۱۲/منٹ کے مساوی ہوئے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۶/۲)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوٰة: ۳۳۲/۱، ظفیر (کذافی اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الصلوٰة: ۵۶/۱۔انیس)

☆ مغرب اور عشا کے درمیان وقت کی کوئی تحدید نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مغرب سے عشاء تک کتنا وقت ہوجانا چاہئے، ہمارے ہاں علماء کرام بعض کہتے ہیں کم سے کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ پر عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ پر عشا کا وقت ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں ایک گھنٹہ ۲۰ منٹ پر عشا کا وقت ہوتا ہے۔ برائے کرم مفتی بہ قول ذکر فرمائیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مغرب اور عشا کے درمیان خط استواء کے مقام پر معتدل ایام میں کم از کم وقت ۵۷ منٹ ہے، اس وقت سفید شفق غروب ہوتی ہے۔ سرخ شفق اس سے بھی بارہ منٹ پہلے غروب ہوجاتی ہے، اس کے مطابق غروب آفتاب سے ۴۵ منٹ کے بعد وقت عشا شروع ہوجائے گا، یہ قول ارجح ہے اور قول اول احوط۔ دوسرے ایام اور دوسرے مقامات میں اس سے زیادہ وقت ہوتا ہے اور زیادتی کی کوئی تحدید نہیں، حتی کہ بلغار میں موسم گرما میں عشا کا وقت آتا ہی نہیں، اس وقت کی مقدار ہر شہر میں اور ہر موسم میں مختلف ہے، تفصیل کے لئے بندہ کی کتاب۔ صبح صادق، دیکھیں۔ (یہ رسالہ احسن الفتاویٰ: ۱۵۹/۲، مطبوعہ دارالکتاب دیوبند میں شامل ہے۔انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴/ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۴۶/۲)

مغرب اور عشا کے درمیانی وقفے کا دار و مدار مشاہدہ پر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) نماز کے بعض نقشوں میں عشا اور مغرب کا درمیانی وقفہ تقریباً ایک گھنٹہ لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جن حضرات نے ڈیڑھ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ بیس منٹ میں لکھا ہے، ان کو طول بلد اور عرض بلد سے پوری واقفیت نہیں ہے، لہٰذا انہوں نے تخمیناً حساب لگایا ہے، آپ صاحبان اپنی تحقیق سے نوازیں۔

(۲) ماہ ذی قعدہ کی مختلف تاریخوں میں صبح صادق کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو وہ بھی نوٹ فرما کر ممنون فرماویں؟

بینوا توجروا۔

(المستفتی: بدر منیر تبلیغی صاحب، افغان آٹو اسٹو، بٹ خیلہ ملاکنڈ ایجنسی...... ۴/ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ)

الجواب

ریاضی کے اصول پر یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵×۴=۶۰ منٹ ہے، مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اس مقدار سے زائد نہیں ہے، ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ کے اوائل میں چار بجکر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے۔ (۲) ھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۵۲/۲-۱۵۳)

مغرب اور عشا کا درمیانی وقت تغیر موسم سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے:

سوال: نماز مغرب کا کتنا وقت ہوتا ہے اور کس وقت تک نماز کا صحیح وقت رہتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ ڈیرھ گھنٹہ ہے، کوئی کہتا ہے کہ جب اندھیرا چھا جائے، اس وقت تک نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

مغرب کی نماز کا وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سورج کے غروب ہونے سے لے کر شفق ابیض کے غائب ہونے تک رہتا ہے اور شفق کے غائب ہونے تک کا درمیانی فاصلہ موسم کے تغیر سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے جو کہ طلوع وغروب بتانے والی جنتریوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ فاصلہ کسی بھی موسم میں سوا گھنٹہ سے کم نہیں ہوتا اور بعض موسموں میں ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

(۲) قلت وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، والمشاهد فى ديارنا قدرساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب مواقيت الصلاة: ۱۰/۲)

"(و)وقت (المغرب منه إلٰی) غروب (الشفق وهوالحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما فی شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب،آه.(الدرالمختار)

(قوله وإليه رجع الإمام):أی إلٰی قولهما الذی هورواية عنه أيضًا وصرح فی المجمع بأن عليها الفتوی ورده المحقق فی الفتح بأنه لايساعده رواية ولادراية،الخ.

وقال تلميذه العلامة قاسم فی تصحيح القدوری:إن رجوعه لم يثبت لما نقله الكافة من لدن الأئمة الثلاثة إلی اليوم من حكاية القولين ودعوی عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول.

قال فی الاختيار:الشفق البياض وهومذهب الصديق ومعاذ بن جبل وعائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم قلت ورواه عبد الرزاق عن أبی هريرة وعن عمربن عبد العزيزولم يروالبيهقی الشفق الأحمرإلاعن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما وتمامه فيه وإذا تعارضت الأخباروالاٰثارفلايخرج وقت المغرب بالشک كما فی الهداية وغيرها،قال العلامة قاسم:فثبت أن قول الإمام هو الأصح،آه.(ردالمحتار:۲۶۵/۱،مطلب فی الصلاة الوسطیٰ)(۱) فقط واللّٰہ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔۹/۸/۱۳۹۸ھ۔(خیر الفتاویٰ:۱۸۶/۲۔۱۸۷)

غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض میں تفاوت کی تحقیق:

سوال: قابل گذارش یہ ہے کہ مولوی عبدالکریم کا جواب ملا، میں نے چاہا تھا کہ ان کے ارشاد کے مطابق بتادوں، اور ببرکت آں قبلۂ دو جہاں بنالوں گا، مشکل یہ پیش آئی کہ اہل ہندسہ نے ابیض واحمر کی تفریق نہیں کی، صرف ۱۸/درجہ انعکاس سورج رکھے ہیں، میں نے اس سے پہلے بھی چار سال ہوئے کوشش کی تھی، اور اب پھر کوشش کی، مجھے خیال یہ آیا کہ اہل ہندسہ نے مشاہدات کرکے اصول بنائے ہیں، میں خود کیوں نہ تجربہ کروں ومشاہدہ کروں، اور ٹھیک

(۱) ومن المشايخ من اختارالفتویٰ علی رواية أسد بن عمروعن أبی حنيفة كقولهما،ولاتساعده روايةً ولادرايةً أما الأول: فلأنه خلاف الرواية الظاهرة عنه ، وأما الثانی: فلما قدمنا فی حديث ابن فضيل وأن آخروقتهاحين يغيب الأفق.(فتح القدير،باب المواقيت:۲۲۲/۱.انيس)

قلت:ما ذكر من الرجوع فشاذ لم يثبت ، لما نقله الكافة عن الكافة من لدن الأئمة الثلاثة إلی الآن من حكاية القولين ودعوی عمل عامة الصحابة خلاف المنقول.(كتاب التصحيح والترجيح علی مختصرالقدوری:۱۵۵/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

وكان أبوحنيفة يقول:لايفوت المغرب حتی يغيب الشفق الأبيض، ==

پتہ لگاؤں، چنانچہ بربرکت آں قبلہ میں نے مولوی شمشیر علی، ممتاز علی حافظ بشیر احمد صاحبان کو ساتھ لے کر روزانہ غروب سے ۸ بجے تک بیٹھنا اور مشاہدہ کرنا شروع کیا، اور نظر سے جو فرق پیدا ہوسکتا تھا اس کا حساب کیا۔

جو جو شفق کی شکلیں آسمان پر پیدا ہوتی ہیں ان کے مسودے اور چلتے ہوئے سرسری نقشے بنا کر پیش کررہا ہوں۔

صورت یہ پیدا ہوتی ہے کہ غروب کے ساتھ ہی ساتھ کوئی سرخی نہیں رہتی، اس کے بعد تقریباً ۱۵ منٹ کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ چوتھائی افق پر سرخی چھا جاتی ہے، پھر یہ سرخی طول میں گھٹتی جاتی ہے، اور اونچائی میں زیادہ ہوتی جاتی ہے اور اس کے اوپر خفیف سیاہ ڈورا آجاتا ہے، پھر یہ سرخی سمٹتی ہے اور ایک جگہ آجاتی ہے اور اس کے اوپر سفیدی پھیلنا شروع ہوتی ہے، اوپر سفیدی ہوتی ہے، اور نیچے سرخی کم کم، پھر یہ سرخی غائب ہوجاتی ہے، اس کے غائب ہوتے ہی دو ایک منٹ تک سناٹا ہوجاتا ہے، بعض دفعہ تو نہایت بھیانک نظر آتا ہے، اور ڈر سا لگتا ہے، اب سفیدی کا دور دورہ ہوجاتا ہے اور مقام غروب سے سورج سے شمالاً وجنوباً سفیدی پھیل جاتی ہے جو دودھ کی طرح سفید ہوتی ہے، پھر یہ سفیدی طول میں گھٹتی ہے، مگر چوڑائی میں زیادہ اور صاف ہوتی ہے اس کے بعد طول اور گھٹتا ہے، مگر اب اوپر ایک چھوٹی سی محراب پیدا ہوجاتی ہے اور بعدہ سفیدی خوب روشن ہوجاتی ہے، چوڑان میں زیادہ ہوتی ہے، اور اس جگہ جہاں سورج ڈوبا تھا محراب پیدا ہوتی ہے، اور وہ سفیدی جو طول میں مقام غروب سے شمالا وجنوبا پھیلی تھی دھیرے دھیرے غائب ہوجاتی ہے اور صرف محراب جو ایک لمبی ستون کی طرح ہوتی ہے باقی رہ جاتی ہے، یہی وہ وقت ہے جس کو ہندسہ والے غروب شفق بتاتے ہیں اور اس کے اختتام پر کل حضرات نے اپنی اپنی جنتریوں میں غروب شفق ابیض بتایا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طولاً از شمال تا جنوب شفق نہ ابیض رہا نہ احمر، مگر یہ محرابی ستون اس ابیض کے سمٹنے سے ہی تو پیدا ہوتا ہے، اس کو کیوں چھوڑ دیا جائے، یہ اگر شفق ابیض کا حصہ نہیں تو کیا ہے، یہ حصہ بہت دیر میں تقریبا ۳۵ منٹ میں موسم اعتدال میں غائب ہوجاتا ہے، خادم نے جو مشاہدہ کیا اور بار بار دیکھا ہے اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ ابیض کا حصہ ہے، مگر انہوں نے اس کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے نمودار تمام آسمان پر محیط صورت ختم ہوگئی، صرف مقام غروب آفتاب پر ایک ستون رہ گیا جس کا تمام افق پر کوئی اثر نہیں، جس طرح ریاضی میں اوسط میں کرتے ہیں یا کسرات کو چھوڑ جاتے ہیں، اگر اس ستون کو خارج کردیا جاوے تب تو ہندسی اعداد ٹھیک ہیں، اور اگر اس کو شامل کیا جائے تو ۲۵ منٹ بعد غروب ابیض ہوگا۔

اب بندگان عالی بتائیں کہ خادم اس کو اسی طرح ترک اور نظر انداز کردے جس طرح جدید انگریزی ہندسہ نے نظر انداز کیا ہے، یا شامل کیا جائے گا تو ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگا، میری اول کی جنتریاں سب قابل ترمیم ہیں۔

== ولكنه كان يكره تأخيرها إذا غاب الشفق الأحمر، ويقول: وقتها حتى يغيب الشفق الأبيض. (الحجة على أهل المدينة، اختلاف أهل الكوفة وأهل المدينة في صلوات: ۱/ ۸. انيس)

الجواب

گذارش آنکہ آپ کی تحریر میں غور کیا، نیز حضرت والا سے اس باب میں مراجعت کی، بالآخر یہ طے ہوا کہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض میں اتنا ہی تفاوت ہوتا ہے، جتنا کہ صبح کا ذب اور طلوع آفتاب میں ہوتا ہے، یعنی ۱۸/درجے اور جتنا تفاوت صبح کا ذب وصادق میں ہوتا ہے، اتنا ہی تفاوت شفق احمر وابیض کے غروب میں ہوتا ہے۔ یعنی: ۳/درجے، کتابوں میں بھی یہی ملا، چنانچہ جزواول شرح چغمینی (ص:۱۲۷) میں اور جزودوم ردالمحتار میں مصرح ہے،(۱) اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے، پس اصل سوال کا جواب تو ہو چکا، یعنی بیاض مستطیر کے غروب پر شفق کا غروب مانا گیا ہے اور وہ سفیدی جو بشکل ستون ۱۸/درجہ کے بعد آپ نے مشاہدہ کی ہے، نظر انداز کرنے کے قابل ہے، جیسا کہ سب جنتریوں میں کی گئی۔ باقی رہا یہ سوال کہ باوجود بعد شمس عن الافق اس بیاض مستطیر کے رہنے کی کیا وجہ ہے، سو یہ علم ہیئت کی بحث سے خارج ہے، ممکن ہے کہ علم طبعیات میں اس کی کوئی وجہ مل جاوے، تلاش کی ضرورت نہیں سمجھی، کہ اس پر کوئی حکم شرعی مرتب نہیں۔ فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ مورخہ ۲/ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

چونکہ یہ جواب میری مشارکت اور مشاورت سے لکھا گیا ہے، اس لئے میں اس میں متفق ہوں اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فجر سے قبل بیاض مستطیل بالیقین عشا کا وقت ہے، اقرب الی القیاس یہ ہے کہ اسی طرح بیاض مستطیل بعد غروب بھی عشا کا وقت ہو۔ واللہ اعلم

البتہ اگر کوئی نقل صحیح اس قیاس کے معارض ہوتی ...... تو یہ قیاس مؤثر نہ ہوتا اور ایسی نقل مفقود ہے اور گو یہ دلیل قطعی نہ ہو لیکن مقنع ضرور ہے۔ کمالا یخفی

اشرف علی ۔۲/ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۸-۳۰)

غیوب شفق اور اوقات کا تعین مشاہدہ سے کرنا چاہیے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں برطانیہ میں مدت سے یہ بات مشہور ہے کہ شفق اور صبح صادق کا مشاہدہ کرنا مشکل ہے، لہٰذا کسی نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی، سردیوں کے موسم میں تو کسی حد تک بات صحیح ہوسکتی ہے مگر دیگر مہینوں کے لئے یقیناً ایسا نہیں ہے، بہر حال مشاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر محض محکمۂ موسمیات سے حاصل کردہ اوقات غروب شفق اور طلوع صبح صادق پر اکتفا کرتے چلے آرہے ہیں، دراصل انگلینڈ

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی تعبده علیه الصلاۃ والسلام قبل البعثة: ۱/۳۵۹-دار الفکر بیروت. انیس

میں بسنے والے مسلمانوں نے ابتدا میں عشا کی نماز اور صبح صادق کے لئے اپنے ہاں اپنی رصدگاہوں سے تعین اوقات کے نقشے منگوائے تھے تو رصدگاہوں نے بارہ درجہ کے مطابق وقت نکال کر بھیجا تھا، پھر آہستہ آہستہ تمام انگلینڈ میں بارہ درجہ والے ٹائم پر عمل شروع ہو چکا، پھر مفتیان شرع کو رجوع کیا تو انہوں نے سوا گھنٹہ بعد نماز کے متعلق کہا، اب شرعی حکم کیا ہے تاکہ ہم اس پر عمل کریں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حزب العلماء، یوکے انگلینڈ......۱۵/۱۲/۱۹۸۷ء)

الجواب

آپ سال کے ہر ماہ میں دو یا تین بار غیوب شفق احمر اور شفق ابیض کا وقت مشاہدہ سے معلوم کریں اور آئندہ کے لئے اس کو لائحہ عمل بنائیں۔(۱)

محکمۂ موسمیات اور درجات کو بالائے طاق رکھیں۔(۲)

ان کا اندازہ یہاں بھی مشاہدہ کے مخالف ہے اور واضح رہے کہ دفع حرج کے واسطے احتیاط کو ترک کرنا خلاف شرع اقدام نہیں ہے۔ھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۵۱/۲-۱۵۲)

نماز مغرب وعشا کا وقت:

سوال: مغرب کا وقت کس وقت ہوتا ہے اور عشا کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عشا کا وقت نو بجے ہوتا ہے اور ایک صاحب کہتے ہیں کہ ساڑھے آٹھ بجے ہوجاتا ہے۔(سوال موسم گرما جون وجولائی سے متعلق ہے)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: وحاصله: أنا لا نسلم لزوم وجود السبب حقيقة بل يكفي تقديره كما في أيام الدجال ويحتمل أن المراد بالتقدير المذكور هو ماقاله الشافعية من أنه يكون وقت العشاء في حقهم بقدرما يغيب فيه الشفق أقرب البلاد إليهم ... فتعين ما قلنا في معنى التقدير ما لم يوجد نقل صريح بخلافه وأما مذهب الشافعية فلا يقضي على مذهبنا ... قال في إمداد الفتاح: قلت: وكذٰلك يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكوٰة والحج والعدة و آجال البيع و السلم والإجارة و ينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من فصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة والنقص كذا في كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعاً في الصلوات . (رد المحتار علٰى هامش الدر المختار، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار: ۲٦٦/۱-۲٦۸)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: ووجه ما قلناه أن الشارع لم يعتمد الحساب بل ألغاه بالكلية بقوله: نحن أمة أمية لانكتب ولانحسب الشهر هكذا وهكذا وقال ابن دقيق العيد: الحساب لا يجوز الاعتماد عليه في الصلاة، انتهىٰ. (رد المحتار علٰى هامش الدر المختار، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۱۰۰/۲)

الجواب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب درباره وقت عشا کے یہ ہے کہ سفیدی کے غائب ہونے کے بعد عشا کا وقت ہوتا ہے اور سفیدی بعد سرخی کے ہوتی ہے۔ سفیدی غائب ہونا آج کل قریب نو بجے کے ہے، پس جبکہ مغرب کا وقت ساڑھے سات بجے ہو تو عشا کا وقت نو بجے کے قریب ہوگا کیونکہ آج کل فصل مابین وقت مغرب وعشا قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے ہے، پس جو کہتے ہیں وقت عشا کا نو بجے ہوتا ہے وہ صحیح ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے آج کل وقت عشا کا موافق مذہب صحیح امام ابوحنیفہؒ کے نہیں ہوتا۔ البتہ صاحبین جو سرخی کو شفق فرماتے ہیں؛ ان کے مذہب کے موافق ساڑھے آٹھ بجے ہوتا ہے، مگر امام صاحبؒ کے اصل مذہب کے موافق نہیں ہوتا۔ گو روایات امام صاحب سے یہ بھی ہیں جو صاحبین کا قول ہے، مگر صحیح قول یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شفق سفیدی ہے جو بعد سرخی کے ہے اس کے موافق وقت عشا کا اس وقت ہوتا ہے کہ سفیدی غائب ہوجاوے اور وہ قریب نو بجے کے یعنی نو بجے سے چار منٹ پہلے ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مغرب اور عشا کے وقت کے درمیان کوئی دوسرا وقت نہیں ہے مگر جب کہ مغرب کا وقت سفیدی کے غائب ہونے تک رہے گا اور عشا کا وقت بعد سفیدی کے ہوتا ہے تو پھر کچھ اشکال نہیں رہا۔ (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۵۴-۵۵)

(۱) درمختار میں ہے: (و) وقت (المغرب منه إلىٰ) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة ... (و) وقت (العشاء والوتر منه إلى الصبح). (الدر المختار على هامش رد المحتار، مطلب فى الصلاة الوسطىٰ: ۱/ ۳۷۳)

ردالمحتار میں ہے: قال فى الاختيار: الشفق البياض وهو مذهب الصديق ومعاذ بن جبل و عائشة رضى الله عنهم.

آگے لکھتے ہیں: قال العلامة قاسم: فثبت أن قول الإمام هو الأصح. (ردالمحتار: ۱/ ۳۷۶)

و أول وقت صلوة المغرب إذا غربت الشمس بالاجماع، أيضاً (وآخر وقتها مالم يغب الشفق) أى الجزء الكائن قبيل غيبوبة الشفق من الزمان (وهو) أى المراد بالشفق هو (البياض الذى فى الأفق) الكائن (بعد الحمرة) التى تكون فى الأفق عند أبى حنيفةؒ، (وقالا) أى أبو يوسف ومحمد وهو قول الأئمة الثلاثة ورواية أسد بن عمرو عن أبى حنيفة أيضاً، المراد بـ (الشفق هو الحمرة) نفسها لا البياض الذى بعدها، الخ، ولا وقت مهمل بينهما فبخروج وقت المغرب يدخل وقت العشاء اتفاقاً. (غنية المستملى: ۲۲۶-۲۲۷، ظفير)

(وآخر وقتها مالم يغب الشفق) أى الجزء الذى يعقبه غيبوبة الشفق (وهو) أى الشفق المذكور (البياض الذى فى الأفق) الكائن (بعد الحمرة) التى تكون فى الأفق عند أبى حنيفة رحمه الله (وقالا) أى أبو يوسف ومحمد رحمهما الله وهو قول الأئمة الثلاثة ورواية أسد بن عمرو عن أبى حنيفة رحمه الله أيضاً (الشفق) المذكور (هو الحمرة) نفسها لا البياض الذى بعدها والدليل فى الشرح ومن المشايخ من أفتى برواية أسد بن عمرو والموافقة لقولهما، قال ابن همام: ولا تساعده رواية ولا دراية وتمام هذا فى الشرح أيضاً. (الحلبى الصغير شرح منية المصلى: ۱۱۶-۱۱۷، المطبوع بالسنده. انيس)

مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے:

سوال: اگر چھ بج کر پندرہ منٹ پر مغرب کی نماز ہوتی ہے، تو مغرب کی نماز کب تک پڑھ سکتے ہیں، اور عشا کی نماز کا وقت کس وقت سے شروع ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی نمبر: ۲۸۰۸، نعمت اللہ بارکپور، ۲۵ رصفر ۱۳۶۵ھ)

الجواب

مغرب کا وقت غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے، ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں ہے اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے۔(۱) فقط (کفایت المفتی: ۶۸/۳)

آخر وقت مغرب کے بارے میں مفتی بہ قول:

سوال: ہمارے علاقہ میں عشا کے وقت میں علما کا اختلاف ہے، بعض علما غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ کے بعد نماز عشا پڑھتے ہیں اور دلیل ''احسن الفتاویٰ: ج ۲ ص ۱۲۹'' کی عبارت سے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ''قول مفتی بہ کے مطابق غروب شفق احمر کا وقت ختم ہو کر عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے''

اور بعض علما غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد نماز عشا پڑھتے ہیں جو کہ دلیل میں ''امداد الفتاویٰ: ج ۱ ص ۹۵'' کی عبارت پیش کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ''غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشا کا وقت آجاتا ہے''

(المستفتی: عبداللہ، ضلع لورالائی بلوچستان)

الجواب

مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے، شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں صاحبین کا مذہب اور امام صاحبؒ کی ایک روایت شفق احمر کی ہے، امام صاحب کا مذہب شفق ابیض کا ہے، اگرچہ بعض فقہا نے امام صاحبؒ کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف نقل کیا ہے اور صاحبینؒ والے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، لیکن صاحب ہدایہ کے طرز بیان سے امام صاحبؒ کے قول کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ امام صاحبؒ کی دلیل کو موخر کر کے صاحبین کی دلیل کا جواب دیا ہے۔ (ہدایہ: ۶۹/۱)(۲)

---

(۱) ووقت المغرب منه إلیٰ غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه یفتیٰ ...(الفتاویٰ الهندیة، الفصل الأول فی الأوقات: ۵۱/۱، ط: ماجدیة، کوئٹه)

عموماً یہ وقت ایک گھنٹہ سے زائد ہوتا ہے۔

(۲) ثم الشفق هو البیاض الذی فی الأفق بعد الحمرة عند أبی حنیفة وقالا: هو الحمرة ==

علامہ ابن ہمامؒ نے ان حضرات کی تردید کی ہے جنہوں نے صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا تھا۔

”ورده المحقق فی الفتح بأنه لایساعده روایة ولادرایة “.(ردالمحتار: ۲٤۱/۱)

علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ نے رجوع کے دعوی کو غلط اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔

إن رجوعه لم يثبت لما نقله الكافة من لدن الأئمة الثلاثة إلى اليوم من حكاية القولين،الخ، قال العلامة قاسم فثبت أن قول الإمام هو الأصح ومشى عليه فی البحر.(ردالمحتار: ۲٤۱/۱)(۱)

الحاصل: شفق ابیض کے غروب ہونے سے قبل عشا کی نماز نہ پڑھی جائے۔(۲)فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء۔(خیر الفتاویٰ:۱۸۸/۲-۱۸۹)

== وهوروایة عن أبی حنیفة وهوقول الشافعی،لقوله علیه السلام:الشفق الحمرة،ولأبی حنیفة قوله علیه السلام:وآخروقت المغرب إذااسودالأفق،ومارواه موقوف علی ابن عمر،ذکره مالک فی الموطأ،وفیه اختلاف الصحابة.(الهدایة شرح بدایة المبتدی،باب المواقیت.انیس)

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلاة،مطلب فی تعبده علیه الصلاةوالسلام قبل البعثة: ۳۵۹/۱،دارالفکربیروت

قال المحقق ابن الهمام:

”ومن المشایخ من اختارالفتویٰ علی روایة أسدبن عمروعن أبی حنیفة رحمه اللّٰه،کقولهماولاتساعده روایةً ولادرایةً ، أماالأول: فلأنه خلاف الروایة الظاهرة عنه ، وأماالثانی: فلما قدمنا فی حدیث ابن فضیل وأن آخر وقتها حین یغیب الأفق.(فتح القدیر،باب المواقیت: ۲۲۲/۱.انیس)

قال القاسم بن قطلوبغا:

قلت:ماذکرمن الرجوع فشاذلم یثبت لمانقله الکافة من لدن الأئمة الثلاثة وإلی الآن من حکایة القولین ودعوی حمل عامة الصحابة خلاف المنقول.(کتاب التصحیح والترجیح علی مختصرالقدوری،أول کتاب الصلاة: ۱۵۵/۱،دارالکتب العلمیة.انیس)

(۲) (والمغرب به)أی یدخل المغرب بغروب الشمس اتفاقاً،ویمتدعندنا(إلی غیبوبةالشفق ،وهوالبیاض)الذی یعقب الحمرة عندأبی حنیفة (وقالا:الحمرة وهی روایة)عن أبی حنیفة(وعلیهاالفتویٰ)قیل:قول أبی حنیفة أحوط وقولهماأوسع.(مجمع البحرین وملتقی النیرین مع شرح ابن الملک،أول کتاب الصلاة: ۱۰۷/۱،دارالکتب العلمیة.انیس)

وفی التجنیس:قول الإمام أوسع،وقولهماأحوط.(النهرالفائق شرح کنزالدقائق،کتاب الصلاة،وقت المغرب: ۱٦۰/۱.انیس)

وفی السراج:قولهماأوسع،وقوله أحوط.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،مطلب فی الصلوٰةالوسطی: ۳٦۱/۱، دارالفکربیروت/کذافی الجوهرةالنیرة شرح القدروی،کتاب الصلاة: ٤۲/۱.انیس)

عشا کا وقت غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد ہوتا ہے:

سوال: عشا کا وقت کتنی دیر کے بعد ہوتا ہے اور فقہ کی کونسی کتاب میں اس کا تخمین وقت حنفیوں کے موافق لکھا ہوا ہے کہ مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ میں آتا ہے، بعض لوگ اتنی تاخیر کا انکار کرتے ہیں؟

الجواب

کتب فقہ میں اسی قدر لکھتے ہیں شفق ابیض کے غائب ہونے پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشا کا وقت ہوتا ہے۔(۱)

(۱) وأول وقت العشاء إذاغاب الشفق وآخر وقتها مالم يطلع الفجر الثانی،الخ،ثم الشفق هو البياض الذی فی الأفق بعد الحمرة عندأبی حنيفة،وعندهماهو الحمرة.(الهداية،باب المواقيت: ۷۸/۱،ظفير)

عشا کا وقت:

عشاء کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق ہونے سے پہلے تک رہتا ہے۔

شفق کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد آسمان کے پچھم کنارہ میں مسلسل تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں (۱) سرخی (۲) سفیدی (۳) (سیاہی)، جب سفیدی چھپ جائے عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(الفقہ علی المذاہب الأربعہ:۱/۱۸۴)

عشا اور وتر دونوں کا وقت ایک ہے لیکن عشا کی نماز سے پہلے وتر صحیح نہیں ہے۔(درمختار برشامی:۱/۲۴۱) یعنی عشا پڑھ کر وتر پڑھے۔

لیکن کوئی بھول کر عشاء پڑھنے سے پہلے وتر پڑھ لے تو وتر کی نماز ہوجائے گی۔(عالمگیری:۱/۵۱)

عشا کی نماز پڑھنے کے بعد وتر کی نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ عشا کی نماز نہ ہوئی تو صرف عشا لوٹائے وتر نہیں (عالمگیری:۱/۵۱)

جہاں عشا اور فجر کا وقت نہ آئے جیسے یورپ کے بہت سے ممالک میں ایسا ہوتا ہے، وہاں بھی یہ دونوں نمازیں پڑھی جائیں گی اور ان دونوں وقتوں کو اندازہ سے متعین کیا جائے گا۔(درمختار برشامی:۱/۲۴۲)

عشا کی نماز ایک تہائی رات تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔(عالمگیری:۱/۵۲)

بلکہ آدھی رات تک تاخیر کرکے پڑھنا مستحب ہے جب کہ جماعت میں نمازیوں کے کم ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔(شامی:۱/۲۴۲)

عشا تنہا پڑھنے والے کو نصف رات تک تاخیر کرکے پڑھنا مستحب ہے۔(شامی:۱/۳٦۸،بیروت)

جس کو جماعت فوت ہونے کا خوف ہو، اس کو عشا سے پہلے سونا مکروہ ہے اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو، اس کو مکروہ نہیں ہے۔(شامی:۱/۲۴٦)

عشا کی نماز کے بعد بات کرنا یا قصہ وغیرہ کہنا اس کے لئے مکروہ ہے، جو اس کی وجہ سے لغو اور بیکار چیزوں میں پڑ جائے یا جس کی صبح کی نماز فوت ہوجائے، یا جس کو تہجد وغیرہ رات میں پڑھنے کی عادت ہو اور وہ چھوٹ جائے۔(شامی:۱/۲۴٦)

جس کو عشا کی نماز کے بعد بات کرنا ضروری ہو اس کے لئے بات چیت جائز ہے گرچہ صبح کی نماز چھوٹنے کا اندیشہ ہو، لیکن غالب گمان چھوٹنے کا ہو تو اس کو بھی ایسی باتوں میں مشغول رہنا جائز نہیں ہے۔(شامی:۱/۲۴٦)

عشا کے بعد قرآن کریم کی تلاوت، ذکر، تسبیح، نیک لوگوں کی حکایتیں، فقہ اور مہمان کے ساتھ بات کرنا جائز ہے۔(شامی:۱/۲۴٦)

عشا کی نماز نصف رات سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔(شامی وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۴۷)

==

گھنٹہ اور گھڑی کا حساب کتب فقہ میں نہیں ہے، یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے کہ غروب آفتاب کے بعد کتنی دیر کے بعد سپیدی شفق کی غائب ہوتی ہے سواس کی مقدار اہل تجربہ کے لکھنے کے موافق اس ماہ دسمبر وجنوری وفروری میں قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے ہے۔ گرمیوں میں بعض اوقات ڈیڑھ گھنٹہ سے دو چار منٹ زائد ہوجاتے ہیں اور بعض موسم میں کم ہوجاتے ہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۶۳-۶۴)

عشا کا وقت سفیدی غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے:

سوال: بہشتی زیور میں ہے کہ جب سورج ڈوب گیا تو مغرب کا وقت آ گیا۔ پھر جب تک پچھم کی طرف آسمان کے کنارے پر سرخی باقی رہے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے لیکن مغرب کی نماز میں اتنی دیر نہ کرے کہ تارے خوب چٹک جائیں کہ اتنی دیر کرنا مکروہ ہے۔ پھر جب وہ سرخی جاتی رہے تو عشاء کا وقت شروع ہوگیا اور صبح ہونے تک باقی رہتا ہے۔ لیکن آدھی رات کے بعد عشا کا وقت مکروہ ہوجاتا ہے۔ اور ثواب کم ملتا ہے اس لئے اتنی دیر کرکے نماز نہ پڑھے۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہائی رات جانے سے پہلے ہی پڑھ لیوے۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

احتیاط یہ ہے کہ جب سرخی کے بعد والی سفیدی سی بھی جاتی رہے تب عشا کی نماز ادا کی جائے اور مساجد میں مؤذن بھی اس سفیدی کے غروب پر ہی اذان کہیں۔ حاصل یہ ہے کہ احتیاط امام ابوحنیفہؒ کے قول میں ہے۔

قال العلامة قاسم: فثبت أن قول الإمام هو الأصح، آه، وقوله أحوط، آه، كذا في الشامية مختصرًا. (۱) **فقط واللّٰه أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مرتب خیر الفتاویٰ، خیر المدارس، ملتان / بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۱۹۰-۱۹۱)

==　بادل کے دنوں میں عشا کو جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ (درمختار بر شامی:۱:۲۴۷)

وتر کی نماز اس کو رات کے اخیر حصہ میں پڑھنا مستحب ہے، جس کو بیدار ہونے کا یقین اور اعتماد ہو اور جس کو نہ ہو اس کو سونے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔ (درمختار بر شامی:۱:۲۴۷)

سونے سے پہلے وتر پڑھ لی پھر اخیر رات میں بیدار ہوا اور نفلیں پڑھیں تو وتر کی افضلیت ختم ہوگئی۔ (درمختار بر شامی:۱:۲۴۷)

اوقات نماز میں شرعی طور پر بہت وسعت (اور گنجائش) ہے، اس لئے گھنٹہ اور گھڑی سے کوئی خاص وقت مقرر کرنا ضروری نہیں ہے (یعنی جماعت کے لیے) اور نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے کہ اس قدر گھنٹہ اور منٹ ہونے پر فلاں نماز پڑھی جائے، شرعاً یہ حکم ہے کہ اس قدر تاخیر نہ ہو کہ مکروہ وقت آجائے اور وقت مستحب کا خیال رکھا جائے۔ (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۱۷۷-۱۷۹۔ انیس)

(۱)　(و) وقت (المغرب منه إلى) غروب (الشفق وهو الحمرة) عند هما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما في شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب، آه. (الدر المختار)　==

غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد عشا پڑھنے کا حکم:

سوال: حضور اقدس نے امداد الفتاویٰ جلد اول میں وقت عشا غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد تحریر فرمایا ہے، بادی النظر میں شبہ سا ہوتا ہے، خوب سمجھ میں نہیں آتا، اس فرمان واجب الاذعان کے موافق اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے گھنٹہ یا سوا گھنٹہ کے بعد مغرب پڑھے تو درست ہونا چاہئے، مگر مشاہدہ نہیں مانتا، براہ کرم ذرا مکرر تفصیل فرمادی جاوے، غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مدت بہت زیادہ سی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب

اس کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عشا کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ گذرنے پر پڑھنا چاہئے، عشا اس سے پہلے نہ پڑھے، یہ مطلب نہیں کہ مغرب کی نماز اتنی دیر تک درست ہے، چنانچہ عبارت سوال کو دیکھ کر (کہ سائل نماز عشا پڑھنے کے لئے وقت عشا دریافت کررہا ہے۔ص:۶۴) یہ مطلب ظاہر ہے جو ہم نے بیان کیا۔

(امداد الاحکام:۲/۲۱)

غروب کے بعد سوا گھنٹہ گزرنے سے قبل اذان عشا نہیں دینا چاہئے:

سوال: ہمارے گاؤں میں چھ مساجد ہیں، ہر مسجد میں ساڑھے آٹھ بجے اذان ہوتی ہے اور ایک مسجد میں آٹھ بجے، اور ساڑھے آٹھ بجے تراویح شروع ہوجاتی ہے، تو ان اوقات میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق تراویح اور نماز کا صحیح وقت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حکیم مولوی عبد الغفور، غفوری دواخانہ، ڈھیری کلپانی مردان......۲۶/۷/۱۴۰۱ھ)

== (قوله: وإليه رجع الإمام): أى إلىٰ قولهما الذى هو رواية عنه أيضًا وصرح فى المجمع بأن عليها الفتوىٰ ورده المحقق فى الفتح بأنه لايساعده رواية ولادراية، الخ، وقال تلميذه العلامة قاسم فى تصحيح القدورى: إن رجوعه لم يثبت لما نقله الكافة من لدن الأئمة الثلاثة إلى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول، قال فى الاختيار: الشفق البياض، وهو مذهب الصديق ومعاذ وعائشة رضى الله عنهم قلت: ورواه عبد الرزاق عن أبى هريرة وعن عمر بن عبد العزيز ولم يرو البيهقى الشفق الأحمر إلا عن ابن عمر رضى الله عنهما وتمامه فيه، وإذا تعارضت الأخبار والآثار فلايخرج وقت المغرب بالشك كما فى الهداية وغيرها. قال العلامة قاسم: فثبت أن قول الإمام هو الأصح، ومشى عليه فى البحر مؤيدًا له بما قدمناه عنه من أنه لايعدل عن قول الإمام إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة لكن تعامل الناس اليوم فى عامة البلاد علىٰ قولهما وقد أيده فى النهر تبعاً للنقاية والوقاية والدرر والإصلاح ودرر البحار والإمداد والمواهب وشرحه البرهان وغيرهم مصرحين بأن عليه الفتوىٰ وفى السراج: قولهما أوسع وقوله أحوط، والله أعلم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى الصلاة الوسطىٰ: ١/٢٦٥)

الجواب

تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ غروب کے سوا گھنٹہ گزرنے کے بعد عشا کا وقت داخل ہوتا ہے اور سفیدی غائب ہوجاتی ہے۔

پس ائمہ مسجد حضرات پر ضروری ہے کہ سوا گھنٹہ گزرنے سے قبل اذانیں نہ دیویں۔(۱) وھو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۰۵)

عشا کی نماز مغرب کے ایک آدھ گھنٹے بعد نہیں ہوتی:

سوال: عشا کی نماز بحالت مجبوری اگر کوئی کام ہو تو مغرب کے ایک یا آدھ گھنٹے بعد ادا کی جاسکتی ہے؟ کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب

مغرب کے ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ بعد عشا کا وقت نہیں ہوتا، اور وقت سے پہلے نماز جائز نہیں، یعنی نماز ادا نہ ہوگی۔ غروب کے بعد مغرب کی جانب جب تک سرخی باقی ہو تب تک مغرب کا وقت ہے، اس میں عشا کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور جب سرخی ختم ہوجائے، لیکن اُفق مغرب میں سفیدی باقی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس وقت بھی عشا کی نماز صحیح نہیں، بلکہ سفیدی کے غائب ہونے کا انتظار ضروری ہے، اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمدؒ) کے نزدیک اُفق کی سرخی ختم ہوجانے کے بعد عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

اس لیے احتیاط کی بات تو یہ ہے کہ عشا کی نماز سفیدی ختم ہونے کے بعد پڑھی جائے، تاہم سرخی ختم ہونے کے بعد بھی صاحبین کے قول پر گنجائش ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۱۱-۲۱۲)

---

(۱)　وفی المنھاج: قلت و صرح به المشائخ بتفاوت الوقت بین طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وکذا بین غروب الشمس وغیوب البیاض بتفاوت المواسم والبلاد والمشاھد فی دیارنا قدر ساعة وربع ساعة۔ (منھاج السنن شرح جامع السنن، باب مواقیت الصلاة: ۲/۱۰)

(۲)　ووقت المغرب منه (أی من غروب الشمس) إلٰی غیبوبة الشفق وھو الحمرة عندھما وبه یفتیٰ، ھٰکذا فی شرح الوقایة، وعند أبی حنیفة الشفق ھو البیاض الذی یلی الحمرة، ھٰکذا فی القدوری، وقولھما أوسع للناس، وقول أبی حنیفة رحمه اللّٰہ أحوط، لأن الأصل فی باب الصلاة أن لا یثبت فیھا رکن ولا شرط إلاّ بما فیه یقین، کذا فی النھایة ناقلاً عن الأسرار ومبسوط شیخ الإسلام۔ (الفتاویٰ الھندیة: ۱/۵۱، کتاب الصلاة، الباب الأوّل فی المواقیت وما یتصل بھا)

کذا فی ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلوٰة الوسطی: ۱/۳۶۱، دار الفکر بیروت / الجوھرة النیرة شرح القدروی، کتاب الصلاة: ۱/۴۲۔ انیس

شفق ابیض غائب ہونے کے بعد عشا پڑھنا بہتر ہے:

سوال: آپ تعلیم الاسلام میں شفق ابیض کے غائب ہوجانے سے مغرب کا اخیر وقت بتلاتے ہیں حالانکہ شامی وغیرہ کتابوں میں شفق احمر کے غائب ہوجانے سے اخیر وقت بتاتے ہیں (بنابر مذہب مفتی بہ) اس میں محقق قول کیا ہے؟

(المستفتی: نمبر ۱۱۸۷، پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم اے (ضلع میمن سنگھ) ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ/ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

شفق ابیض غائب ہونے کے بعد عشا پڑھنا احوط ہے، اس احتیاط کے پیش نظر یہ قول اختیار کیا گیا ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۶۵)

غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد عشا کا وقت شروع ہوتا ہے:

سوال: غروب آفتاب کے بعد کتنی دیر تک شفق باقی رہتی ہے، یعنی کب غائب ہوکر عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے؟

الجواب

یہ وقفہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا، ماہ بماہ یعنی تھوڑے تھوڑے دن میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، مگر یہ وقفہ ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ سے کبھی زائد نہیں ہوتا، اور ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کبھی کم نہیں ہوتا، جون کے مہینے میں وہ سب سے زائد یعنی ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ کا ہوتا ہے اور ستمبر میں سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے۔ (۲) عام طور پر یہ وقت ایک گھنٹہ بیس منٹ رہتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۷)

عشا کی نماز کا ٹائم ٹیبل بنانے میں احتیاط والے قول کی رعایت:

سوال: جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی! مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات شریعت محمدی کی روشنی میں فقہ حنفی کے مطابق جوابات دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں؟ ہم کو ممنون و مشکور فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱-۲) ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما به يفتى۔ وعند أبي حنيفة الشفق هو البياض الذي يلي الحمرة۔ قول أبي حنيفة أحوط، لأن الأصل في باب الصلاة أن لايثبت فيها ركن ولاشرط إلا بما فيه يقين۔ (الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول في أوقات الصلاة: ۱/ ۵۱، ماجديه، كوئٹه)

"قوله: وهو البياض أي الشفق هو البياض عند الإمام وهو مذهب أبي بكر الصديق وعمر ومعاذ وعائشة رضي الله عنهم وعندهما وهو رواية عنه هو الحمرة وهو قول ابن عباس وابن عمر ۔۔۔ وفي فتح القدير ۔۔۔ فثبت أن قول الإمام هو الأصح ۔۔۔ وفي السراج الوهاج: فقولهما أوسع للناس وقول أبي حنيفة أحوط۔ (البحر الرائق: ۱/ ۲۴۷)

(الف) ہمارے یہاں عشا کا وقت علماء یوکے کے فتویٰ کے مطابق مئی، جون، جولائی، ان تین مہینوں میں غروب کے ایک گھنٹہ بعد شروع ہوجاتا ہے۔

(ب) اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر، جنوری، فروری، مارچ، اپریل کے مہینوں میں رات کے ساتویں حصہ کے بعد شروع عشا کا وقت شمار کریں تو کیا یہ صحیح وقت شمار ہوگا؟

ساتواں حصہ رات کا غروب شمس سے طلوع آفتاب کا جتنا وقت ہے، اس میں سے ساتواں حصہ اوراس کے مطابق پورے سال کا ٹائم ٹیبل بنایا جائے تو صحیح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

عشا کا وقت مغرب کے بعد شروع ہوتا ہے اور مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے۔(۱)

شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں:

اول یہ کہ اس سے مراد سرخی ہے۔ اسی کو نور الایضاح: ص ۵۸، اور شرح وقایہ: ۱/۱۳۰، اور در مختار (علیٰ ھامش الشامی): ۱/۲۴۱، میں مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، یہی صاحبینؒ کا قول ہے۔

دوم یہ ہے کہ اس سے مراد سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور یہ امام صاحبؒ کا قول ہے اور علامہ ابن ہمامؒ نے اسی کو قوی بتلایا ہے۔ (فتح القدیر: ۱/۲۲۲-۲۲۳)

علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق: ۱/۲۵۹، میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۲)

احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں کی رعایت کی جائے، جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ: ۱/۳۸، میں تحریر فرمایا ہے:

غروب شفق کا یہ وقت اختلافات زمان ومکان کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے، آپ اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر ٹائم ٹیبل تیار فرما سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۱۰/صفر المظفر ۱۴۰۲ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/۴۰۲-۴۰۳)

---

(۱) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن للصلاة أولاً وآخرًا ۔۔۔ وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس وإن آخر وقتها حين يغيب الأفق"۔ (سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی مواقيت الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب منه (ح: ۱۵۱) انیس)

(۲) قوله: (يغيب الأفق) ظاهره يؤيد مذهب أبی حنيفة فإن غيبوبة الأفق بغيبوبة الشفق الأبيض۔ (العرف الشذی شرح جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب منه، باب ماجاء فی مواقيت الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۱۵۱) ج: ۱/ص: ۱۷۲، دار إحياء التراث الإسلامی بيروت۔ انیس)

نمازِ عشا کا وقت:

سوال: آج کل رمضان مبارک میں اکثر لوگ نماز عشا میں بہت جلدی کرتے ہیں، عام طور سے ساڑھے آٹھ بجے ریلوے گھڑی سے کہ شفق سرخ غائب نہیں ہوتی اذان کہہ کر ۹ بجے سے قبل نماز پڑھ لیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امور ہیں کہ کیا عشا کی اذان قبل از وقت جائز ہے؟ مغرب وعشا کی اذان کے درمیان کم از کم انتہائی مع احتیاط ضروری کتنا فاصلہ ہونا چاہئے مذہب حنفیہ میں؟ جس گھڑی میں مغرب کی اذان ساڑھے سات بجے ہوتی ہو عشا کی اذان کس وقت ہونی چاہئے؟

الجواب

۱۹/و۲۰/جون کو مثلاً غروب آفتاب ۷ بجکر ۲۷ منٹ پر ہے اور وقت عشا موافق قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۹/بجکر ۴ منٹ پر ہے۔ پس تفاوت مابین غروب آفتاب وغروب شفق ابیض یعنی وقت عشا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ کا ہے۔ تاریخہائے مذکورہ پر ۹ بجے سے قبل اذان ونماز موافق قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ درست نہیں ہے، البتہ صاحبین کے قول کے موافق صحیح ہے اور یہ ایک قول امام صاحب کا بھی لکھا ہے، مگر شامی میں کہا کہ احتیاط یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر عمل کیا جاوے اور شفق ابیض کے غروب سے پہلے عشا کی نماز نہ پڑھی جائے، (۱) اور عشا کی اذان کسی کے نزدیک قبل از وقت صحیح نہیں ہے، (۲) انتہائی وقت تاریخہائے مذکورہ میں تقریباً پونے نو بجے ریلوے ٹائم سے ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۳۹-۴۰)

بیانِ وقت عشا:

سوال: کس قدر حصّہ رات کا گزرنے سے وقت نماز عشا شروع ہوتا ہے؟

الجواب

غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشا کا وقت آجاتا ہے۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۶۴)۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۴۹)

---

(۱) فثبت أن قول الإمام هو الأصح ومشى عليه في البحر. (ردالمحتار: كتاب الصلوٰة: ۱/ ۳۳۵، ظفير)

(۲) فيعاد أذان وقع قبله كالاقامة خلافاً للثاني في الفجر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۵۸، ظفير)

(۳) اس فتویٰ میں غیبوبت شفق ابیض کا اعتبار کیا گیا ہے اور بہشتی زیور میں غروب شفق احمر کا، پس وجہ تطبیق یہ ہے کہ بہشتی زیور میں حکم تحقیق کا بیان ہے اور یہاں حکم احتیاطی کا، لیکن اس میں شبہ یہ ہے کہ اس سے عشا میں تو احتیاط ہوگئی، لیکن مغرب میں احتیاط نہ رہی۔ ==

وقتِ عشا اور تراویح:

سوال: نقشۂ سحر وافطار کے حساب سے ۲۰/رمضان المبارک کو افطار ریواڑی کا ٦/بجکر ۲۹/منٹ پر تھا، شبینہ کی وجہ سے عشا کی اذان ۷/بجکر ۳۰/منٹ پر دی گئی اور ۵/منٹ بعد یعنی ۳۵/پر جماعت کردی گئی۔ لہٰذا اذان و جماعت ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو فرض ادا ہوا یا نہیں اور تراویح ہوئیں یا نہیں اور اس میں جو قرآن شریف پڑھا گیا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

عشا کا وقت مغرب کے وقت کے بعد شروع ہوتا ہے اور مغرب کا وقت غروبِ شفق تک رہتا ہے۔ شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد حُمرۃ ہے، اسی کو مراقی الفلاح، ص: ۵۹ میں مفتیٰ بہ کہا گیا ہے، (۱) یہی صاحبین کا قول ہے۔ (۲)

دوم یہ کہ اس سے مراد بیاض ہے جو کہ حمرۃ کے بعد ہوتی ہے اور یہ امام صاحب کا قول ہے اور شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقویت کی ہے۔ بحر میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۳)

لہٰذا اگر اس روز ۷/بجکر ۳۰/منٹ پر شفقِ احمر غائب ہو چکی تھی، مگر شفقِ ابیض غائب نہیں ہوئی تھی، تو قولِ اول پر نماز واذان درست ہوگی، اور قولِ ثانی پر نہیں درست ہوئی، احتیاطاً فرضِ عشا کا اعادہ کرلیا جائے اور بس۔ (۴)

== اس لئے عبارت میں یوں تغیر ہونی چاہئے: ’’عشا کا اتفاقی وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے، اس لئے عشا کی نماز واذان ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے‘‘۔ یہ مضمون تصحیح الاغلاط، صفحہ: ۹، سے لکھا گیا) (تمام سال کے لئے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ موسم کے اختلاف سے کم وبیش ہوتا ہے، اس سلسلہ میں بعنوان ’’طریق معرفت وقت مغرب‘‘ سوال کا جواب بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔ (سعید پالنپوری)

(۱) و المغرب منه إلى غيبة الشفق و هو الحمرة وبه يفتىٰ. (مختصر الوقاية متن شرح الوقاية، كتاب الصلوٰة: ۱۱، المطبوع بالهند. انيس)

(۲) ’’وأول وقت المغرب منه: أى غروب الشمس إلىٰ قبيل غروب الشفق الأحمر على المفتىٰ به، وهو رواية عن الإمام، و عليها الفتوىٰ، وبها قالا، لقول ابن عمر: ’’ الشفق الحمرة‘‘. وهو مروى عن أكابر الصحابة، وعليه إطباق أهل اللسان، ونقل رجوع الإمام إليه‘‘ (حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح، كتاب الصلوٰة: ۱۷۷-۱۷۸، قديمى)

(۳) ’’ قوله: وهو البياض): أى الشفق هو البياض عند الإمام وهو مذهب أبى بكر الصديق، وعمر ومعاذ وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم ... وقال فى آخره: فثبت أن قول الإمام هو الأصح الخ، و بهذا ظهر أنه لا يفتىٰ ويعمل إلا بقول الإمام الأعظم‘‘. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة: ۴۲۷/۱، رشيديه)

(۴) ’’ وأول وقت العشاء حين يغيب الشفق، واختلفوا فى تفسير الشفق: فعند أبى حنيفة: هو البياض، وهو قول أبى بكر الصديق، وعمر ومعاذ و عائشة (رضى الله تعالىٰ عنهم) وعند أبى يوسف ومحمد وزفر والشافعى رحمهم الله تعالىٰ: هو الحمرة، وهو قول عبدالله بن عباس وعبد الله بن عمر (رضى الله تعالىٰ عنهم)‘‘ (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان شرائط الأركان: ۵٦۹/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

اور اگر شفقِ ابیض بھی غائب ہو چکی تھی تو دونوں قول پر نماز صحیح ہو گئی۔ اگر شفقِ احمر بھی غائب نہیں ہوئی تھی تو کسی کے قول پر بھی صحیح نہیں ہوئی، فرض نماز کا اعادہ ضروری ہے۔(۱)

سنن وتراویح کا اعادہ نہیں، نماز وتر تو بعد تراویح جب پڑھی تب تو وقت میں کوئی تردد نہیں رہا ہوگا۔(۲) اس کا بھی اعادہ نہیں۔(۳)

تنبیہ: غروبِ شفق کا وقت اختلافاتِ زمان ومکان سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۶/۵-۳۴۸)

عشا کا مستحب وقت:

سوال: عشا کی نماز کا بہتر وقت کونسا ہے جس میں عوام کو تکلیف نہ ہو؟

الجواب

عشا کی نماز ایک ثلث شب ہونے پر مستحب ہے اور اگر بضرورت کچھ پہلے پڑھ لیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔(۵)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱/۲)

---

(۱) " قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَاباً مَّوْقُوْتاً﴾. (سورة النساء: ۱۰۳)

أی فرضاً مؤقتاً، حتی لایجوز أداء الفرض قبل وقته إلا صلاة العصر یوم عرفة علیٰ مایذکر". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان شرائط الأرکان: ۵۵۸/۱، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"ومن الشرط الوقت للفرائض الخمس بالکتاب والسنة والإجماع علی اشتراط فی عدة من المعتمدات ... و یشترط اعتقاد دخوله لتکون عبادة بینة جازمة، لأن الشک لیس بجازم، حتی لوصلی وعنده أن الوقت لم یدخل فظهر أنه کان قد دخل، لاتجزیه، لأنه لما حکم بفساد صلاته بناه علیٰ دلیل شرعی وهوتحریه لاینقلب جائزاً إذا ظهر خلافه، ویخاف علیه فی دینه". (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰة، باب شروط الصلوٰة وأرکانها: ۲۱۵/۱، قدیمی)

(۲) "ووقت العشاء والوترمنه إلی الصبح، ولکن لایصح أن یقدم علیها الوترإلا ناسیاً لوجوب الترتیب". (الدرالمختار، کتاب الصلوٰة: ۳۶۱/۱، سعید)

(۳) "وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة (لف ونشر مرتب) آه". (الدرالمختار، کتاب الصلوٰة، باب الوتروالنوافل: ۶۶/۲، سعید)

(۴) " تنبیه: قال فی الفیض: "ومن کان علیٰ مکان مرتفع کمنارة إسکندریة، لایفطرما لم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطرإن غربت عندهم قبله، وکذا العبرة فی الطلوع فی حق صلاة الفجرأوالسحور" (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالایفسده: ۴۲۰/۲، سعید)

(۵) عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لو لا أن أشق علی أمتی لأمرتهم أن یؤخروا العشاء إلی ثلث اللیل أو نصفه. (سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی تاخیرالعشاء الآخرة (ح: ۱۶۷) ==

عشا کا مسنون وقت:

سوال: حنفیہ کے نزدیک عشا کا مسنون وقت کیا ہے اور اس کو کس وقت پڑھنا افضل ہے، کیا مسنون وقت تیسری رات کے چاند ڈوبتے وقت ہے؟ جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے:

عن النعمان بن بشير قال:أنا أعلم بوقت هذه الصلوة صلوةالعشاء الآخرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليها لسقوط القمر لثالثةٍ،رواه أبو داؤد والدارمى. (مشكوة المصابيح: ٦١/١)(١)

کیا اس روایت سے ثلث کی تعیین ہوتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حنفیہ کے نزدیک عشا کا مسنون وقت رات کا ثلث اول ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بادل نہ ہو اور سردی کا زمانہ ہو تو عشا کی نماز ثلث اول کے آخر میں اس وقت پڑھنا مستحب ہے کہ ثلث اول کے ختم سے ذرا پہلے نماز سے فارغ ہو جائے، اگر بادل ہو یا گرمی کا زمانہ ہو تو جلدی کرنا مستحب ہے۔

(و) يستحب (تأخير العشاء إلى ما قبل ثلث الليل) الأول، فى غير وقت الغيم،فيندب تعجيله فيه. (اللباب فى شرح الكتاب: ٥٨/١)(٢)

"**الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح**" میں ہے:

(ويستحب تأخير صلوةالعشاء إلى ثلث الليل) قيده فى الخانية والتحفة والمحيط الرضوى والبدائع بالشتاء أما فى الصيف فيستحب التعجيل، نهر، لئلاّ تقلّ الجماعة لقصر الليل فيه ... (قوله قال صلى الله عليه وسلم،الخ) ورد فى التأخير أخبار كثيرة صحاح وهو مذهب أكثر أهل

== /الاوسط فى السنن والإجماع والاختلاف لابن المنذر: ٣٤٤/٢(ح:٩٧٥)/ صحيح ابن حبان: ٣٩٩/٤ (ح: ١٥٣١)/مسند الإمام أحمد (ح: ٧٤٠٦)/مصنف ابن أبى شيبة (ح: ٣٣٤٥)/مصنف عبدالرزاق (ح: ٢١٠٦)/ سنن أبوداؤد، باب فى وقت العشاء الآخرة (ح: ٤٢٢)انيس)

وتأخير عشاء إلى ثلث الليل قيده فى الخانية وغيرها بالشتاء أماالصيف فيندب تعجيلها.(الدرالمختار) (قيده فى الخانية) وفى الهداية:وقيل فى الصيف يعجل كيلا تتقلل الجماعة.(رد المحتار: كتاب الصلوٰة: ٣٤١/١)

ويستحب تعجيل المغرب فى كل زمان كذافى الكافى وكذا تأخير العشاء إلى ثلث الليل الخ وفى يوم الغيم ينور الفجر الخ ويعجل العشاء كيلايمنع مطر أوثلج عن الجماعة هكذافى محيط السرخسى هذافى الأزمنة كلها.(الفتاوىٰ الهندية،ط: مصر،الباب الأول فى المواقيت ،الفصل الثانى: ٤٨/١،ظفير)

(١) سنن أبى داؤد،باب فى وقت العشاء الآخرة (ح: ٤١٩)/سنن الدارمى،باب مايستحب من تأخير العشاء (ح: ١٣٤٥)/مسندأبى داؤدالطيالسى،النعمان بن بشير (ح: ٨٣٤)انيس

(٢) اللباب فى شرح الكتاب،باب مواقيت الصلاة،قبيل باب الأذان.انيس

العلم من الصحابة والتابعين وفی تأخيرها قطع السمر المنهی عنه علی ما رواه الإمام أحمد والجماعة من حديث أبی بردة أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان يستحب أن يؤخّر العشاء وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها. (الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۹۹)

کبیری میں ہے:

(وتأخير) صلوة (العشاء الی ما قبل ثلث الليل مستحب) لما فی البخاری من حديث عائشة رضی اللّٰه عنها كانوا يصلّون العتمة فيما بين أن يغيب الشفق إلی ثلث الليل الأول.

وروی الترمذی(۱) عن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لو لا أن أشقّ علی أمتی لأمرتهم أن يؤخّروا العشاء إلی ثلث الليل أو نصفه وقال حسن صحيح. (الكبيری: ۲۳٤)

عشا کی نماز کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عشا کی نماز شفق ڈوبنے کے بعد رات کے ثلث اول تک پڑھتے تھے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو عشا کی نماز کو رات کے ثلث اول تک یا نصف تک مؤخر کرنے کا (وجوبی) حکم دے دیتا اور اگر ''أونصفه'' راوی کا شک ہے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ عشا کی نماز کو رات کے ثلث اول تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا یا فرمایا نصف تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا، اور شک راوی اور تنویع دونوں کا احتمال رکھتا ہے، ظاہر یہی ہے کہ تنویع کا ہو۔

مرقات میں ہے:

(لأمرتهم) أی وجوبًا (أن يؤخروا العشاء إلی ثلث الليل) أی فی الصيف (أو نصفه) أی فی الشتاء، قال ميرک: أويحتمل التنويع وهو الأظهر ويحتمل الشک من الراوی''. (مرقاة المفاتيح، باب تعجيل الصلوة، الفصل الثانی: ۱/٤۰٦)

(ولنا): ماروی أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أخّر العشاء إلی ثلث الليل ثم خرج فوجد أصحابه فی المسجد ينتظرونه فقال أما أنه لا ينتظر هذه الصلاة فی هذا الوقت أحد غيركم ولولا سقم السقيم وضعف الضعيف لأخّرت العشاء إلی هذا الوقت وفی حديث آخر: لولا أن أشقّ علی أمتی لأخّرت العشاء إلی ثلث الليل (وكتب) عمررضی اللّٰه تعالی عنه إلی أبی موسی الأشعری رضی اللّٰه تعالی عنه أن صلّ العشاء حين يذهب ثلث الليل فإن أبيت فإلی نصف الليل فإن نمت فلا نامت عيناک وفی رواية فلا تكن من الغافلين''. (المبسوط للسرخسی: ۱/۱٤۸)(۲)

---

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء فی تأخير العشاء الآخرة (ح: ۱٦۷) انيس

(۲) المبسوط للسرخسی، باب مواقيت الصلاة: ۱/۱٤۸. انيس

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو سوال میں مذکور ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا وقت تیسری رات کے چاند ڈوبتے وقت تھا، اس کے سوا اس وقت نماز پڑھنے کی فضیلت نہیں معلوم ہوتی ہے، جب کہ اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشا کو ثلث اول کے آخر تک مؤخر کرنا ہے جیسا کہ مبسوط سرخسی اور کبیری کے حوالہ میں حدیث کا ذکر آچکا ہے، اس کے سوا اور بہت سی احادیث ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک نماز عشا کا وقت ثلث اول ہے، اس کے بعد ان کے یہاں عشا کی نماز قضا ہوگی ادا نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''کتاب الأم'' میں ہے:

''وقت العشاء: وأوّل وقتها حين يغيب الشفق والشفق الحمرة التي في المغرب ... وآخر وقتها إلى أن يمضي ثلث الليل فإذا مضى ثلث الليل الأول فلا أراها إلا فائتةً لأنه آخر وقتها، الخ''۔ (کتاب الأم، وقت العشاء: ۱/۷۴)

اور تمام نمازوں کی طرح ان کے یہاں عشا کی نماز بھی جلدی پڑھ لینا افضل ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی اس روایت سے انہوں نے تعجیل عشا پر استدلال کیا ہے جو بہر صورت ثلث کے اندر ہوگا، ثلث نہ ہوگا۔

ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت علامہ ابن حجر مکی شافعی کی یہ عبارت نقل کی ہے:

''قال ابن حجر: والقمر غالبًا يسقط في تلك الليلة قرب غيبوبة الشفق الأحمر وفيه أصرح دليل لمذهب الشافعي أن الأفضل تعجيل الصلوة لأول وقتها حتى العشاء، اهـ''۔ (مرقاة المفاتيح، باب تعجيل الصلوة، الفصل الثاني: ۱/۴۰۶)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث تعیین ثلث کے لئے نہیں ہے، اگر اس سے تعیین ثلث ہوتی تو حنفیہ اس سے استدلال کرتے، چونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ عشا کی نماز ثلث اول کے آخر میں پڑھنا افضل ہے، اس حدیث کو مخالف سمجھ کر جواب نہ دیتے۔

بدائع میں ہے:

(وأما) العشاء فالمستحب فيها التأخير إلى ثلث الليل في الشتاء ... وعند الشافعي المستحب تعجيلها بعد غيبوبة الشفق لما ذكر، وعن النعمان بن بشير أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلّي العشاء حين يسقط القمر في الليلة الثالثة وذلك عند غيبوبة الشفق يكون ولنا ما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم أخّر العشاء إلى ثلث الليل ثم خرج فوجد أصحابه في المسجد ينتظرونه فقال أما أنه لا ينتظر هذه الصلوة في هذا الوقت أحد غيركم ولو لا سقم السقيم وضعف الضعيف لأخّرت العشاء إلى هذا

السقيم وضعف الضعيف لأخّرت العشاء إلى هذا الوقت وفى حديث أخر قال: لو لا أن أشقّ على أمتى لأخّرت العشاء إلى ثلث الليل (إلى أن قال) والحديث محمول على زمان الصيف أوعلى حال العذر. (بدائع الصنائع: ۳۵۸/۱-۳۵۹)(۱)

اس عبارت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہے، اگر یہ حدیث مستحب وقت کی تعیین کرتی جو حنفیہ کے یہاں ثلث اول ہے تو پھر اس کو مخالف سمجھ کر جواب کیوں دیا جاتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے تعیین ثلث نہیں ہوتی ہے، اگر کوئی ثلث اول کی تعیین پر اس سے استدلال کرتا ہے تو علاوہ اس کے یہ استدلال ثلث کے لفظ کے خلاف ہوگا، خود احناف وشوافع بھی اس کے ساتھ اس استدلال میں نہ ہوں گے۔

اس تفصیلی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عشا کا مسنون وقت ثلث اول ہے، اور ثلث اول کے بعد نصف تک مباح بغیر کراہت ہے، اور نصف کے بعد آخر شب تک مکروہ تحریمی ہے، (۲) اور جاڑے کے زمانہ میں جب راتیں لمبی ہوتی ہیں ثلث اول کے آخر میں پڑھنا افضل ہے، تاکہ اس کے بعد آدمی سوجائے اور سمر (قصہ گوئی) منہی عنہ (۳) کے ارتکاب سے بچے اور گرمی کے زمانہ میں ثلث اول کے اندر جلدی نماز پڑھنا چاہئے تاکہ تاخیر سے جماعت کم نہ ہوجائے اور لوگ سونہ جائیں، پھر تاخیر سے نماز فجر کے چھوٹنے کا بھی خطرہ ہے، اس لئے کہ گرمی کی راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد یحییٰ قاسمی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۶۰/۲-۳۶۴)

---

(۱) عن أبی سعيد رضی الله عنه قال: انتظرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة لصلوٰة العشاء حتى ذهب نحو من شطر الليل، قال فجاء فصلى بنا، ثم قال: خذوا مقاعدكم، فإن الناس قد أخذوا مضاجعهم، وإنكم لم تزالوا فى صلاة منذ انتظرتموها، ولو لا ضعف الضعيف وسقم السقيم وحاجة ذى الحاجة لأخرت هذه الصلوٰة إلى شطر الليل. (صحيح ابن خزيمة، باب استحباب تأخير العشاء إذا لم يخف: ۱۷۷/۱ (ح: ۳٤٥)/مسند الإمام أحمد، مسند أبی سعيد الخدری (ح: ۱۱۰۲۸)/سنن أبی داؤد، باب فی وقت العشاء الآخرة (ح: ٤۲۲) سنن النسائی كتاب المواقيت (ح: ٦۹۳) انيس)

(۲) ثم تأخير العشاء إلى ثلث الليل مندوب وإلى نصفه جائز بلاكراهة وإلى النصف الأخير مكروه لأنه خلاف السنة. (رسائل الأركان، فصل فى المواقيت، ص: ٥۹، المطبع اليوسفى لكناؤ. انيس)

(۳) عن أبی برزة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكره النوم قبل العشاء و الحديث بعدها. (الصحيح للبخارى، باب ما يكره من النوم قبل العشاء (ح: ٥٦۸)/ سنن الترمذى، باب ما جاء فى كراهية النوم قبل العشاء و السمر بعدها (ح: ۱٦۸)/سنن الدارمى، باب النهى عن النوم قبل العشاء (ح: ۱٥۷۱) انيس)

وقت عشا و فجر کے بارے میں:

سوال: آیا جناب کے علم میں گھڑی کے حساب سے کچھ وقت مقرر ہے کہ آجکل رمضان میں غروب شمس سے کتنی دیر کے بعد وقت عشا کا شروع ہو جاتا ہے اور مختلف فیہ کب سے اور متفق علیہ کب سے اور ایسے ہی صبح صادق سے طلوع شمس تک کتنا وقت ہے؟

الجواب

ہر موسم میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے، مابین غروب و وقت عشا اور مابین فجر و طلوع بھی اور ہر زمانہ میں جو قدرے تفاوت ہوتا ہے، وہ مظاہر حق سے یا اسلامی جنتری سے جو سہارنپور میں ملتی ہے، معلوم کریں۔

کتبہ: احقر عبد الکریم۔ ۱۵؍ رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲؍۲۳-۲۴)

نمازِ عشا اخیر رات میں نیند کے بعد درست ہے یا نہیں:

سوال: عشا کی نماز ایک شخص صبح کو دو یا تین بجے نیند کر کے ادا کرتا ہے، یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب

حدیث شریف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز سے پہلے سونے کو مکروہ سمجھتے تھے، (۱) اور کتب فقہ میں تصریح ہے کہ نصف شب کے بعد عشا کی نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ پس یہ طریق اس شخص کا اچھا نہیں ہے، بلکہ اس کی عادت کر لینا مکروہ و ممنوع ہے اور سونے سے بہتر یہ ہے کہ نمازِ عشا سونے سے پہلے ادا کر لیوے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲؍۵۱)

---

(۱) عن سعيد بن المسيب كان يقول: يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها. (موطأ الإمام مالک، ماجاء فی صلاة الليل (ح: ۳۹۰) انیس)

(۲) ويستحب تعجيل المغرب الخ وتأخير العشاء إلٰى ما قبل ثلث الليل، الخ، والتأخير إلٰى نصف الليل مباح لأن دليل الكراهة وهو تقليل الجماعة عارضه دليل الندب وهو قطع السمر بواحد فيثبت الإباحة إلى النصف وإلى النصف الأخير مكروه. (الهداية، باب المواقيت: ۷۹/۱)

وتأخيرها إلىٰ مابعده أى بعد نصف الليل إلى طلوع الفجر مكروه إذا كان بغير عذر، الخ، أما إذا كان بعذر فالضرورات تبيح المحظورات. (غنية المستملی: ۲۳۳، ظفير)

ذكر الطحاوى بأن تأخير العشاء إلى ثلث الليل مستحب وبعده إلى نصف الليل مباح غير مكروه، قال الطحاوى: وبعد نصف إلى طلوع الفجر مكروه إذا كان بغير عذر. (المحيط البرهانی، الفصل الثانی فی بيان فضيلة الأوقات: ۲۷۵/۱. انيس)

نماز عشا سونے کے بعد ادا کرنا:

سوال: میری امی صبح بہت جلدی اٹھتی ہیں، اس وجہ سے رات جلدی آنکھ لگ جاتی ہے، اور اکثر وہ عشا کی نماز ایک نیند پوری کر کے دس گیارہ بجے تک پڑھتی ہیں، جب کہ سنا ہے کہ اگر عشا کی نماز سے پہلے نیند آ جائے اور پھر سو کر اٹھ کر نماز پڑھی جائے تو نماز قبول نہیں ہوتی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

عشا کی نماز پڑھے بغیر سو جانا مکروہ ہے اور حدیث میں اس پر بد دعا آئی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"**فمن نام فلا نامت عينه،فمن نام فلا نامت عينه،فمن نام فلا نامت عينه**". (مشکوٰۃ: ٦٠)(١)

ترجمہ: پس جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو جائے اللہ کرے اس کی آنکھیں سونہ سکیں (تین بار یہ بد عا فرمائی)۔

تاہم اگر آدمی سو جائے اور اٹھ کر نماز پڑھ لے، تب بھی نماز ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۱۲/۳-۲۱۳)

عشا کی نماز کا وقت:

سوال: بارہ بجے شب کے بعد عشا کی نماز بہ نیت قضا پڑھنی چاہئے یا بلا نیت قضا، کیا نماز ہو جائے گی؟ رات کے وقت زوال ہوتا ہے کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

عشا کی نماز ایک تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور آدھی رات تک ادا کر لینا بلا کراہت جائز ہے، آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن نماز ادا ہوگی، قضا نہیں۔ اس لئے کہ اصلاً عشا کا وقت طلوع صبح صادق تک ہے۔(۲) رات میں زوال کا وقت نہیں ہوتا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۳۰/۵/۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۱۰/۲)

---

(١) موطا الإمام مالك ، كتاب وقوت الصلاة (ح: ٦)انيس)

وكان ابن عمر يسب من ينام قبله. (أوجز المسالك إلى موطا الإمام مالك: ٢٨٥/١، دار القلم، دمشق. انيس)

(٢) (و) وقت(العشاء والوتر منه إلى الصبح. (الدر المختار)

(قوله منه)أى من غروب الشفق. (ردالمحتار: ١٨/٢)

(والمستحب للرجل(الإبتداء فى الفجر (بإسفار والختم به)...(و)تأخير(عشاء إلٰى ثلث الليل)...فإن أخرهاأى ما زاد على النصف كره لتقليل الجماعة. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة: ٢٤/٢-٢٦)

(۳) کیوں کہ رات میں سورج طلوع ہی نہیں ہوتا ہے۔ انیس

عشا میں جلدی کا حکم:

سوال: عشا کی اذان اور نماز میں اکثر مسجدوں میں اتنی جلدی کرتے ہیں کہ مغرب کی اذان سے عشا کی جماعت تک ڈیڑھ گھنٹہ بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا تو کیا ایسی صورت میں اذان اور نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب

ہر موسم میں مغرب اور عشا کے درمیان فاصلہ الگ ہوتا ہے، اس کام کیلئے نقشے چھپے ہوئے ہیں، حافظ فرید الدین صاحب وکٹوریہ روڈ والے اوقات نماز کا جو نقشہ چھاپتے ہیں، اس کے مطابق عمل کریں۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۰/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۳۹۳/۱)

نصف شب کے بعد عشا کی نماز ادا کرنے کا حکم:

سوال: مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ نصف شب کے بعد اگر کوئی عشاء کی نماز پڑھے تو اس کا اعادہ صبح کو واجب ہے۔ اور حضرت والا بہشتی زیور میں تحریر فرماتے ہیں کہ مغرب کے بعد سرخی مٹ جانے کے بعد سے صبح صادق تک عشا کا وقت باقی رہتا ہے۔

یہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر اتفاقاً کبھی نصف شب کے بعد عشا پڑھی جائے تو صبح کو پھر اعادہ کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب

بعد نصف شب کے عشا کی نماز درست تو ہے اور وہ ادا صحیح ہو جاتی ہے، مگر بلا عذر اتنی تاخیر کرنا مکروہ ہے، (۱) باقی اعادہ کا واجب ہونا یہ غلط ہے، کیونکہ اعادہ اس جگہ واجب ہوتا ہے، جہاں صلوٰۃ معادۃ صلوٰۃ اولیٰ سے اکمل ہوسکتی ہو اور یہاں صلوٰۃ معادۃ بعد الفجر صلوٰۃ اولیٰ سے انقص ہوگی، کیونکہ اولیٰ ادا ہے اور ثانیہ قضا، **وشتان بینهما**، اس تاخیر سے استغفار کرنا چاہئے، اگر بلا عذر ہو، اور عذر سے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام: ۲/۲۰-۲۱)

---

(۱) **ثم تأخير العشاء إلى ثلث الليل مندوب وإلى نصفه جائز بلا كراهة وإلى النصف الأخير مكروه لأنه خلاف السنة. (رسائل الأركان، فصل في المواقيت، ص: ۵۹، المطبع اليوسفي لكهنؤ. انيس)**

فأما صلاة العشاء فالمستحب عندنا تأخيرها إلى ثلث الليل ويجوز التأخير بعد ذلك إلى نصف الليل ويكره التأخير بعد ذلك. (المبسوط للسرخسي، باب مواقيت الصلاة: ۱۴۷/۱. انيس)

تأخير العشاء إلى ما زاد على نصف الليل والعصر إلى وقت اصفرار الشمس والمغرب إلى اشتباك النجوم يكره كراهة تحريم. (قنية المنية لتتميم الغنية، باب مواقيت الصلاة: ۱۲، مخطوطة. انيس)

بارہ بجے کے بعد نمازِ عشا:

سوال: کیا بارہ بجے کے بعد عشا کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نصف شب کے بعد تک نمازِ عشا کو مؤخر کرنا مکروہ ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۴۹/۵)

عشا کی نماز رات تین بجے:

سوال: عشا کی نماز اگر ایک یا دو یا تین بجے رات میں پڑھی جائے تو یہ ادا ہوگی یا قضا؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس وقت پڑھنے سے بھی نماز ادا ہی ہوگی، قضا نہیں ہوگی، (۲) مگر اتنی دیر تک مؤخر نہ کریں، جماعت کے ساتھ وقت مقررہ پر ادا کریں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔۱۵/۹/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔۱۵/۹/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۴۸/۵)

---

(۱) عن عبدالله بن عمر قال: مكثنا ذات ليلة ننتظر رسول الله صلى الله عليه وسلم لصلاة العشاء الآخرة فخرج إلينا حين ذهب ثلث الليل أو بعده فلا ندري أشيء شغله في أهله أو غير ذلک فقال حين خرج: إنكم لتنتظرون صلاة ما ينتظرها أهل دين غيركم ولولا أن يثقل على أمتي لصليت بهم هذه الساعة ثم أمر المؤذن فأقام الصلاة وصلى. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيرها (ح: ١٤٤٤)/الصحيح للبخاري كتاب مواقيت الصلاة، باب النوم قبل العشاء لمن غلب (ح: ٥٧٠)/سنن النسائي، كتاب المواقيت، باب آخر وقت العشاء (ح: ٥٣٨)/سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في وقت العشاء الآخرة (ح: ٤٢٠) انيس)

"(فإن أخرها إلىٰ ما زاد على النصف)، كره لتقليل الجماعة، أما إليه فمباح". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، قبيل مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ٣٦٨/١، سعيد)

(۲) سألوا أنسا عن خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أخر رسول الله صلى الله عليه وسلم العشاء ذات ليلة إلى شطر الليل أو كاد يذهب شطر الليل ثم جاء فقال: إن الناس قد صلوا وناموا وإنكم لم تزلوا في صلاة ما انتظرتم الصلاة، قال أنس: كأني انظر إلى وبيص خاتمه ورفع إصبعه اليسرىٰ بالخنصر. (الصحيح لمسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيرها (ح: ١٤٤٦) انيس)

(۳) وتأخير العشاء إلىٰ ثلث الليل، قيده في الخانية بالشتاء، أما الصيف فيندب تعجيلها، فإن أخرها إلىٰ ما زاد على النصف، كره لتقليل الجماعة، أما إليه فمباح. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، قبيل مطلب يشترط العلم...: ٣٦٨/١، سعيد)

عشا، سحری، تہجد وغیرہ کے اوقات:

سوال: کیا نماز عشا اور نمازِ تہجد اور سحری کھانے کے وقت کی انتہا ایک ہے، یعنی صبح صادق کے اندر تک ان تینوں کی انتہا ہے اور تہجد کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور اس کی انتہا کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ان سب کا انتہائی وقت ایک ہے۔ طلوع صبحِ صادق سے کچھ دیر پہلے سحری کھانا افضل ہے، سحری میں دیر چاہئے، مگر نہ اس قدر کہ صبح صادق ہوجانے کا شک ہوجائے، بلکہ اس سے پہلے پہلے ختم ہونی چاہئے۔(۱)

اور تہجد کا وقت بھی عشا کے بعد تمام رات ہے، لیکن سو کر اٹھ کر پڑھنا زیادہ موجب ثواب ہے اور سب سے آخر میں پڑھنا افضل ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۲/۱۷/۱۳۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف۔ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۳۴۹-۳۵۰)

---

(۱) " وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق على القولين،وآخره ما لم يطلع الفجر:أى الجزء الذى قبيل طلوع الفجرمن الزمان". (الحلبى الكبير،كتاب الصلوٰة،بحث:فروع فى شرح الطحاوى،ص:۲۲۹،سهيل اكيڈمى، لاهور)

"التسحرمستحب،ووقته آخرالليل،قال الفقيه أبو الليث:وهوالسدس الأخير،هكذا فى السراج الوهاج،ثم تأخيرالسحور مستحب،كذا فى النهاية،ويكره تأخيرالسحورإلىٰ وقت يقع فيه الشك،هكذا فى السراج الوهاج".(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره:۱/۲۰۰، رشيدية)

(۲) " و صلاة الليل و أقلها (علىٰ ما فى الجوهرة) ثمان، و لو جعله أثلاثاً ، فالأوسط أفضل ، و لو أنصافاً فالأخيرأفضل".(الدر المختار)

" وقد ذكرالقاضى حسين من الشافعية أنه فى الاصطلاح التطوع بعد النوم،وأيد بما فى معجم الطبرانى من حديث الحجاج بن عمررضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال:" يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلى حتى يصبح أنه قد تهجد،إنما التهجد:المرأ يصلى الصلاة بعد رقدة "غيرأنه فى سنده ابن لهيعة،وفيه مقال ... أقول:الظاهرأن حديث الطبرانى الأول بيان لكون وقت بعد صلوٰة العشاء،حتى لونام،ثم تطوع قبلها،لايحصل السنة،فيكون حديث الطبرانى الثانى مفسراً للأول،وهوأولىٰ من إثبات التعارض والترجيح".الخ" ولو أراد أن يقوم نصفه وينام نصفه،فقيام نصفه الأخيرأفضل لقلة المعاصى فيه غالباً،و للحديث الصحيح:"ينزل ربنا إلى السماء الدنيا فى كل ليلة حين يبقى ثلث الليل الأخير، فيقول: "من يدعونى فأستجيب له ؟ومن يسألنى فأعطيه؟من يستغفرنى فأغفرله".(رد المحتار،كتاب الصلوٰة،باب الوتروالنوافل:۲/۲۴-۲۵،سعيد)

الحديث الأول فى المعجم الكبيرللطبرانى،حجاج بن عمروبن غزيةالأنصارى (ح:۳۲۱۶)انيس
والحديث الثانى فى سنن الدارمى،باب ماينزل اللّٰه إلى السماء الدنيا (ح:۱۶۲۳)انيس

رمضان میں عشا اور صبح صادق کا وقت:

سوال: رمضان المبارک میں عشا کی نماز کا ابتدائی وقت (یعنی اذان کا وقت) کتنے بجے شروع ہوتا ہے؟ اور صبح صادق کا وقت کب تک رہتا ہے؟ اس مسئلہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کئی مساجد میں اوقات نماز کے دو مختلف نقشے آویزاں ہیں ان میں تقریباً اوقات صبح صادق اور وقت عشا میں ۲۰/۲۵ منٹ کا فرق ہے اور نقشے کے نیچے یہ درج ہے کہ اس میں اوقات صبح صادق وعشا کی تصحیح کی گئی ہے، اس میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا بھی نام ہے جبکہ عمل عملا اس کے خلاف ہے، اب ہم کس نقشے کے مطابق اذانوں کا وقت متعین کریں، اور سحری کا وقت کس نقشے کے مطابق ہو؟ مفتی صاحب کا جس نقشہ میں نام ہے اس میں اختتام سحری ۴ بجکر انسٹھ منٹ لکھا ہے دوسرے نقشہ میں وقت سحری چار بجکر بیالیس منٹ لکھا ہے؟

الجواب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو شروع میں اوقات فجر وعشا کے بارے میں کچھ تردد ہو گیا تھا، لیکن آخر میں ان کا فتویٰ یہی تھا کہ قدیم نقشے درست ہیں، چنانچہ گزشتہ رمضان میں خود انہوں نے جو نقشہ شائع کروایا، وہ قدیم نقشوں کے مطابق تھا۔ اب آپ کو دیکھنا ہو تو دارالعلوم نانک واڑہ سے نقشہ حاصل کر لیجئے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۱۲/۹/ ۷ ۱۳۹ھ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۹۴۳۔ ج) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۹۴)

عشا کو کب تک مؤخر کر سکتے ہیں:

سوال: مسجد کے باہر کوئی پچاس فٹ پر وعظ ہو رہا تھا، اتنے میں نماز عشاء کے لئے اذان ہوئی جس کو لوگوں نے بخوبی سنا، یہاں کی مسجد میں اذان ہوا کرتی ہے جس کی آواز عام طور سے دو ڈھائی سو گز کے فاصلے سے سنی جاتی ہے، کیا بعد اذان وعظ یا کسی دنیاوی اغراض کے لئے نماز میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔

(المستفتی نمبر: ۱۱۳۱۔ نصیر الدین صاحب (ضلع رنگپور) ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ۔ ۱۵/ اگست ۱۹۳۶ء)

الجواب

اذان سننے کے بعد جماعت میں شرکت بہتر تھی۔ لیکن اگر اہل جلسہ اس مسجد کے نمازی نہ تھے اور جلسہ بھی کسی صحیح شرعی غرض کے لئے تھا اور انہوں نے ختم جلسہ کے بعد کسی دوسری مسجد یا دوسری جگہ میں جماعت سے نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا تھا تو وقت مستحب تک نماز کی تاخیر کا مضائقہ نہ تھا۔ (۱) فقط (کفایت المفتی: ۳/۶۴)

---

(۱) إلى ثلث الليل. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲، ماجدية، كوئٹه)

قطب شمالی وجنوبی میں اوقات نماز کی پابندی کا طریقہ:

سوال: اوقاتِ نماز کی پابندی ممالک قطب شمالی اور قطب جنوبی میں کس طرح ہوسکتی ہے، ان ممالک میں تین تین مہینہ تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا علی ہذا تین ماہ تک غروب نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات میں نماز کس طرح ادا کی جاوے؟

الجواب

ایسے مواقع کا حکم بھی فقہا نے لکھ دیا ہے کہ وہاں اندازہ کرکے نمازیں ادا کریں۔(۱)

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دجّال کے ظہور کے وقت ایک دن سال بھر کا ہوگا، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجواب صحابہ نمازوں کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ اندازہ کرکے نمازیں ادا کرو۔(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں پڑھو، اسی قدر فصل سے جیسے عام بلاد میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ پس یہی حکم عندالمحققین ان مواقع کا ہے، جہاں چھ چھ مہینہ یا کم وبیش دن اور رات رہتے ہیں۔(۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۳۰-۳۱)☆

---

(۱) (وفاقد وقتهما) كبلغارفان فيها يطلع الفجرقبل غروب الشفق فى أربعينية الشتاء (مكلف بهما) فيقدر لهما ولاينوى القضاء،الخ.(الدرالمختار)

انتفاء الدليل على الشيء لايستلزم انتفاء ه لجوازدليل آخر وقد وجد وهوماتواطئت عليه أخبارالإسراء من فرض اللّٰه تعالٰى الصلوات خمساً بعد ما أمرأولاً بخمسين ثم استقرالأمرعلى الخمس شرعاً عاماً لأهل الأفاق لاتفصيل بين قطروقطر.وماروى روى أنه صلى اللّٰه عليه وسلم ذكرالدجال ... قلنا:مالبثه فى الأرض؟قال:أربعون يوماً،يوم كسنة و يوم كشهرويوم كجمعة وسائرأيامه كأيامكم"،قلنا:فذلك اليوم الذى كسنة أتكفينا فيه صلاة يوم،قال: لا، اقدروا له قدره.رواه مسلم.(رد المحتار،كتاب الصلوٰة،مطلب فى فاقد وقت العشاء : ۱/۳۳۵-۳۳۷)

(۲) عن النواس بن سمعان الكلابى قال:ذكررسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الدجال فقال:إن يخرج وأنا فيكم، فأنا حجيجه دونكم،وإن يخرج ولست فيكم فامرؤحجيج نفسه واللّٰه خليفتى علٰى كل مسلم،فمن أدركه منكم فليقرأ عليه فواتح سورة الكهف فإنهاجواركم من فتنته، قلنا،ومالبثه فى الأرض؟قال: أربعون يوما،يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعةوسائرأيامه كأيامكم، فقلنا: يارسول اللّٰه! هذااليوم الذى كسنة أتكفينافيه صلاة يوم وليلة؟ قال:لا،اقدرواله قدره.(سنن أبى داؤد،كتاب الملاحم باب خروج الدجال(ح: ۴۳۲۱)/الصحيح لمسلم،كتاب الفتن وأشراط الساعة،باب ذكرالدجال وصفته ومامعه (ح:۲۹۳۷)/سنن ابن ماجة،كتاب الفتن (ح:۴۰۷۵)انيس)

(۳) قال الرملى فى شرح المنهاج:ويجرى ذلک فيما لومكثت الشمس عند قوم مدة، آه،ح ، قال فى إمداد الفتاح: قلت:وكذلک يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكوٰة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب مايكون كل يوم من الزيادة والنقص كذافى كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله اذأصل التقديرمقول به إجماعاً فى الصلوات.(ردالمحتار،كتاب الصلوٰة:۱/۳۳۸)

واعلم أن محل كونها خمساً فى اليوم والليلة فى غيرأيام الدجال ،أمافيها فقدورد أن أولها كسنة وثانيها كشهر ==

لاپ لینڈ میں نماز وروزہ کیسے ادا کیا جائے:

سوال: جزیرہ لاپ لینڈ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے رات رہتی ہے، وہاں نماز پنجوقتہ کس طرح پڑھے؟ اور رمضان شریف میں روزے کس طرح رکھے؟ وہاں روزے رکھنے میں رمضان شریف کے مہینے کی شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو رمضان شریف کا مہینہ کس طرح معلوم کیا جاوے؟

الجواب

نمازوں کے اوقات کا اندازہ کر کے ادا کی جاویں۔ مثلاً چوبیس گھنٹے کے دن رات ہوتے ہیں؛ اس میں پانچ

== وثالثها كجمعة، والأمر في اليوم الأول بالتقدير ويقاس به الأخيران، بأن يحرر قدر أوقات الصلوات وتصلى، وكذا الصوم وسائر العبادات الزمانية وغير العبادات كحلول الآجال ويجري ذٰلك فيما لو مكثت الشمس عند قوم مدة. (نهاية المحتاج في شرح المنهاج، كتاب الصلاة: ٣٦٢/١/ تحفة المحتاج في شرح المنهاج، كتاب الصلاة: ٤٢٨/١. انيس)

☆ قطب جنوبی وشمالی میں نماز وروزہ کس طرح ہے:

سوال: قطب شمالی وجنوبی کے مسلمان جہاں چھ مہینہ رات اور چھ مہینہ دن رہتا ہے، وہاں کے لوگ روزہ، نماز کس طرح پورا کرتے ہیں؟ گھڑی گھنٹہ کے اعتبار سے یا دن رات کے اعتبار سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

قطب شمالی اور قطب جنوبی میں کیا ہوتا ہے، وہ لوگ کس طرح روزہ نماز ادا کرتے ہیں، اس کا جواب ان سے ہی حاصل کیجئے، پھر میرے پاس بھی بھیج دیجئے، اس کے بعد دیکھ لیا جائے گا کہ ان کا عمل موافق شرع ہے یا نہیں۔ (ایسے مقامات میں نمازیں اندازہ سے ادا کی جائیں گی۔

”روى مسلم عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الدجال .... قلنا يارسول الله! وما لبثه في الأرض؟ قال: أربعون يوماً، يوم كسنة، ويوم كشهر، ويوم كجمعة، وسائر أيامه كأيامكم، قلنا: فذلك اليوم الذي كسنة أتكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: ”لا، اقدروا له قدره“ آه. (الصحيح لمسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذكر الدجال وصفته ومامعه (ح: ٢٩٣٧)/ سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم باب خروج الدجال (ح: ٤٣٢١)/ سنن ابن ماجة، كتاب الفتن (ح: ٤٠٧٥) انيس)

قال الإسنوي: ويقاس عليه اليومان التاليان، والشهر الكمال وجوب القضاء استدلالاً بحديث الدجال، وتبعه ابن الشحنة فصحح في ألغازه، وذكر في المنح أنه المذهب، ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء“. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، ص: ١٧٨، قديمي) (كذا في أسنى المطالب في شرح روض الطالب، أول وقت الفجر: ١١٧/١. وكذا في تحفة المحتاج، كتاب الصلاة: ٤٢٨/١. انيس)

(وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينية الشتاء (مكلف بهما، فيقدر لهما) ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، مطلب في فاقد وقت العشاء: ٣٦٢/١، سعيد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۳/۵-۳۵۴)

نمازیں بفصل معہود پوری کرلیوے اور روزے میں اقرب بلاد کا لحاظ کرلیوے اور اسی سے روزے کا مہینہ بھی معلوم ہوجاوے گا۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۶۷۔۶۸)

طویل النہار مقامات پر اوقات نماز وروزہ:

سوال: یوروپ کے بعض مقامات پر سال میں چھ مہینے تک صرف نصف گھنٹے کا دن اور ۲۳۔۱/۲ گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور باقی چھ مہینوں میں اس کے برعکس، ایسے مقامات پر صبح صادق، نصف النہار، روزہ اور نمازوں کے اوقات کا تعین کس طرح ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

دن چھوٹا (۲) ہونے سے نماز، روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، دن بڑا ہونے کی صورت میں اگر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب کے بعد بقدر ضرورت کچھ کھانے پینے کا وقت مل جاتا ہوتو غروب تک روزہ رکھنا فرض ہے، البتہ اس کا تحمل نہ ہوتو چھوٹے دنوں میں قضا رکھے اور اگر غروب کے بعد بقدر ضرورت کھانے کا وقت نہ ہو یا چوبیس گھنٹے کے اندر غروب ہی نہ ہوتا ہوتو اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

(۱) قول شافعی رحمہ اللہ کے مطابق قریب تر علاقہ میں جہاں غروب آفتاب کے بعد بقدر ضرورت کھانے پینے کا وقت مل جاتا ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

(۲) ہر چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے قبل صرف اتنے وقت کے لئے روزہ چھوڑا جائے، جس میں بقدر ضرورت کچھ کھایا جاسکے۔ نتیجۃً ان دونوں اقوال میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) دوسرے معمولی ایام میں روزے قضا رکھے۔

(۴) چوبیس گھنٹے کے اندر غروب والے ایام میں سب سے آخری دن میں ابتداء وقت عصر سے جتنی دیر بعد غروب ہوا تھا۔ عصر سے اتنی دیر کے بعد افطار کرے۔ یہ قول موافق استصحاب حال وحدیث دجال واقرب الی قول الشافعی ہونے کے علاوہ اسہل بھی ہے۔

---

(۱) (وفاقد وقتهما كبلغار)الخ (مكلف بهما فيقدر لهما)الخ. (الدر المختار)

قال الرملي في شرح المنهاج: ويجري ذلک فيما لو مكثت الشمس عند قوم مدة ،آه،قال في إمداد الفتاح: قلت: وكذلک يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكوٰة و الحج و العدة ، الخ، وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة و النقص ، كذا في كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعاً في الصلوات،آه.(ردالمحتار، كتاب الصلوٰة،مطلب في فاقد وقت العشاء: ۱/۳۳۵۔۳۳۸،ظفير)

(۲) بہت زیادہ چھوٹے دن میں نماز ظہر وعصر کا حکم آئندہ سوال کے جواب میں ہے۔

قطبین کے قریب سال بھر میں کبھی بھی عام معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے میں شب و روز پورے نہیں ہوتے ،اس مقام میں آخری دو اقوال پر عمل نہیں ہوسکتا، لہذا وہاں قول اول یا ثانی ہی عمل کے لئے متعین ہوگا، اگر اس کا تحمل نہ ہوتو بمقتضائے قول شافعی اقرب البلاد کے چھوٹے دنوں میں ان کی مقدار کے مطابق روزے رکھے۔

نمازوں کا حکم یہ ہے کہ جہاں شفق ابیض مستطیر غروب نہ ہوتی ہو؛ یعنی آفتاب ۱۵ ازیر افق نہ جاتا ہو وہاں شفق احمر غروب ہونے پر عشا کی نماز پڑھ لی جائے ،اس وقت آفتاب ۱۲ ازیر افق ہوتا ہے اور جہاں شفق احمر بھی غروب نہ ہو، وہاں عشا کی نماز عندالبعض معاف ہے اور بعض کے نزدیک فرض ہے،قول ثانی ارجح واحوط ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ بعد بحث طويل من الجانبين: والحاصل أنهما قولان مصححان ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعي رحمه الله تعالىٰ كما نقله في الحلية عن المتولي عنه. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ،قبیل مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۳۳۸/۱)

ان حضرات نے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ عشا کی نماز کس وقت پڑھے،اصولاً یہ امر ظاہر ہے کہ نصف شب سے قبل کی شفق مغرب میں داخل ہے اور اس سے بعد کی فجر میں ،اس اصول اور حدیث دجال کے پیش نظر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں جن ایام میں شفق احمر غائب ہوتی تھی ،ان میں سے سب سے آخری دن میں غروب آفتاب کے جتنی دیر بعد عشا کا وقت شروع ہوا تھا،اب بھی اتنی ہی دیر کے بعد وقت عشا کی ابتدا فرض کی جائے گی اور اس کی انتہا نصف شب پر ہوگی۔

منتہائے سحر اور ابتداء فجر سے متعلق یہ اصول سمجھ لیا جائے کہ جس علاقہ میں شفق ابیض معترض (۱۵/زیر افق) غروب ہوکر شفق ابیض مستطیل پیدا ہوتی ہو اگر چہ یہ مستطیل بیاض غروب نہ ہوتی ہو وہاں دوبارہ بیاض معترض ظاہر ہونے کے وقت سحر کی انتہا اور فجر کی ابتدا ہوگی اور جہاں بیاض معترض غروب نہ ہوتی ہو وہاں غروب آفتاب سے لیکر طلوع آفتاب تک کے پورے وقت کی تنصیف کی جائے گی ۔نصف اول لیل میں داخل ہوگا اور نصف ثانی صبح صادق میں، جہاں شفق احمر غروب نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر چوبیس گھنٹے کے اندر آفتاب غروب نہ ہوتو عندالبعض شب و روز خواہ کتنے طویل ہوں حتی کہ چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہوتو بھی پورے سال میں صرف پانچ ہی نمازیں ان کے اصل اوقات میں فرض ہیں ۔مگر ارجح واحوط قول یہ ہے کہ ہر چوبیس گھنٹے میں اندازے سے پانچ نمازیں ادا کرے۔تنویر الابصار میں اس کو تقدیر وقت سے تعبیر کیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ۔ایک یہ کہ قول شوافع کے مطابق اس علاقہ کے اوقات کی تقدیر یعنی تعیین ایسے قریب ترین علاقہ کے اوقات سے کی جائے جہاں چوبیس گھنٹے میں اوقات خمسہ پائے

جاتے ہوں، علامہ شامی نے اس مطلب کو بچند وجوہ غیر صحیح قرار دیکر دوسرا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں تقدیر بمعنی فرض ہے یعنی نماز کا وقت اگر چہ حقیقۃً موجود نہیں مگر اس کو حکماً موجود فرض کرلیا جاتا ہے، پھر اس کی بھی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ معتدل ایام فرض کر کے ان کے حساب سے اوقات خمسہ متعین کئے جائیں، یعنی معتدل ایام میں اوقات نماز کے درمیان جتنا وقت ہے وہ ملحوظ رکھا جائے اور دوسری صورت یہ کہ اس علاقہ میں جن ایام میں اوقات خمسہ پائے جاتے ہیں ان میں سے سب سے آخری دن کو معیار بنایا جائے اور اس کے مطابق اوقات متعین کئے جائیں، عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں یہ تصریح نہیں ملی کہ ان دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت معتبر ہے، البتہ عبارات سے بظاہر دوسری صورت مفہوم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ صورت قول شافعی، استصحاب حال اور حدیث دجال سے بھی مؤید ہے۔ اس لئے کہ ایام دجال میں بظاہر انہی ایام سے تقدیر کا حکم ہے جو یوم طویل سے قبل تھے، نہ کہ معتدل ایام سے تقدیر۔

جہاں کبھی بھی چوبیس گھنٹے میں شب و روز پیدا نہیں ہوتے وہاں قول شافعی کے مطابق اقرب البلاد کا حساب ہی متعین ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۱۱۳-۱۱۵)

غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:

سوال: طویل الایام ممالک میں یا تو شفق غروب نہیں ہوتا ہے یا وقت ہی نہیں ملتا تو نماز، روزہ اور عید کا کیا حکم ہے؟

الجواب

غیر معتدل ایام ممالک تین قسم پر ہیں:

(۱) دن رات تو چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں، لیکن دن کے بعض اجزا مفقود ہوتے ہیں، (مثلاً شفق غروب نہیں ہوتا تو رات نہیں ہوتی یا شفق تو ظاہر ہوتا ہے لیکن سورج طلوع نہیں ہوتا) اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اوقات کا اندازہ لگا کر نماز پڑھیں گے، اور اندازہ لگانے کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ سال بھر میں معتدل ایام کے آخری دن کا حساب غیر معتدل ایام کی پوری مدت پر لگا کر نماز وغیرہ ادا کریں گے (لیکن یہ بہت مشکل ہے، مثلاً آخری دن جب شفق غروب ہوا اور پھر صبح طلوع ہوئی اس میں ۸/ منٹ کا فاصلہ تھا تو ۸/ منٹ کے انتظار میں بیٹھنا اور نماز ادا کرنا بہت مشکل ہے)

۲۔ قریب ترین علاقے کا اعتبار کیا جائے جہاں باقاعدے شفق غروب ہوتا ہے۔

۳۔ شفق جب غروب کی طرف مائل ہوتو وہ مغرب وعشا کا وقت ہوگا، اس طور پر کہ نصف اول مغرب کے لئے اورنصف ثانی عشا کے لئے۔اور جب شفق طلوع شمس کی طرف مائل ہوتو وہ فجر کا وقت ہوگا۔

(ان تینوں میں سے جو بھی آسان ہواس پر عمل کر سکتے ہیں)

(۲) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں اور تمام اوقات بھی پائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات بہت ہی مختصر ہوتے ہیں، ایسے علاقوں میں نماز اپنے معروف اوقات ہی میں ادا کی جائے گی، اگر چہ وقت بہت کم ہو، ہاں سنن اورنوافل کا موقع نہ ملے تو صرف فرض پر اکتفا کرلے پھر دوسرے وقت میں چھوٹی ہوئی سنتوں کے بقدرنوافل پڑھ لے، لیکن وقت اتنا مختصر ہے کہ چار رکعات فرض بھی ادانہیں کر سکتے ہیں تو دو احتمال ہیں:

۱۔ اسی وقت میں نماز پڑھے اگر چہ وقت نکل جانے کے بعد پوری ہو۔

۲۔ اندازہ لگا کر نماز پڑھے۔

(۳) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے نہیں ہوتے بلکہ کبھی رات چھ مہینے کی ہوتی ہے اور کبھی دن چھ مہینے کا ہوتا ہے، ایسے ممالک میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

حکم الصوم:

جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں، لیکن رات بہت ہی مختصر ہوتی ہے تو اگر روزہ قابل تحمل ہے تو پورے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اور اگر قابل تحمل نہیں ہے، مثلا! کھانے پینے کے لئے وقت کافی نہیں ہے یا چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھانا کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے۔

نیز جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں بھی قریبی ممالک کا اعتبار کرتے ہوئے اندازہ لگا کر روزہ رکھے اور افطار کرے۔

عید منانے کا طریقہ:

رمضان اور عید منانے کا طریقہ چاند ہی سے معلوم ہوگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته‘‘.(سنن الترمذی،باب ماجاء لاتتقدموا الشهربصوم: ١٤٧/١)(١)

اور اگر چاند نظر نہیں آتا تو تیس دن کا مہینہ شمار کریں گے۔

---

(١) عن ابن عباس قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:لاتصوموا قبل رمضان صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن حالت دونه غيابة فأكملوا العدة ثلاثين يوماً.(سنن الترمذی،باب ماجاء أن الصوم لرؤيةالهلال (ح:٦٨٨)انيس)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"فإن حالت دونه غيابة فأكملوا ثلثين يوماً". (سنن الترمذی،باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطارله: ۱/۱۴۸)

یہ حکم پہلی دو قسموں کے لئے ہے جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں۔

رہی آخری قسمیں جہاں مسلسل رات یا مسلسل دن ہوتا ہے وہاں اندازہ لگائیں گے اور اندازہ لگانے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) چوبیس گھنٹوں کو ایک دن شمار کریں اور مہینہ تیس دن کا شمار کریں۔

(۲) قریب ملک کی پیروی کریں جہاں دن رات معتدل ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ کی دلیل حدیث دجال ہے، ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف میں ہے۔

"عن النواس بن سمعان قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الدجال... فقال: "إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم" (إلىٰ قوله) قلنا: يارسول الله! ومالبثه فى الأرض؟ قال: "أربعون يومًا يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم"، قلنا: فذلك اليوم الذى كسنة أتكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره". (مشكوٰة المصابيح،باب العلامات بين يدى الساعة وذكر الدجال: ۲/۴۷۳)(۱)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

((وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى أربعينة الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما): اعلم أن التقدير له معنيان، أحدهما: ماسيأتى تقريره فى مسئلة الدجال، والثانى: فيه طريقتان: الأولىٰ: أن يعتبر بأقرب البلاد إليهم كما ذكره الشافعية......والثانية: أن ينظر إلىٰ وقت العشاء فى القريبة منها ماذا يكون من ليلهم فبقدر هذه النسبة يفعل فى هؤلاء، فإن كان السدس جعلنا لهؤلاء سدسه وقت المغرب وبقيته وقت العشاء وإن قصر جدًا، وكذا يقدرون فى الصوم ليلهم بأقرب بلديهم......(قوله واختاره الكمال) حيث قال: ومن لم يوجد عندهم وقت العشاء أفتى البقال بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين ولايرتاب متأمل فى ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلى الذى جعل علامة على الوجوب الخفى الثابت فى نفس الأمر لجواز تعدد المعرفات

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذكر الدجال وصفته ومامعه (ح: ۲۹۳۷)/سنن أبى داؤد، كتاب الملاحم باب خروج الدجال (ح: ۴۳۲۱)/سنن ابن ماجة، كتاب الفتن (ح: ۴۰۷۵) انيس

للشيء فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدليل على الشيء لايستلزم انتفائه لجوازدليل آخر.

وقد وجد وهوماتواطئت عليه أخبارالإسراء من فرض اللّٰه تعالىٰ الصلوات خمسًا بعد أمر اللّٰه تعالىٰ أولاً بخمسين ثم استقرالأمرعلى الخمس شرعًا عامًا لأهل الآفاق لا تفصيل فيه بين قطروقطر.

وما روى أنه صلى اللّٰه عليه وسلم ذكرالدجال ... قلنا:يارسول اللّٰه! ومالبثه في الأرض قال: أربعون يومًا يوم كسنة ويوم كشهر ... فقد أوجب أكثرمن ثلثمأة عصرقبل صيرورة الظل مثلاً أومثلين،وقس عليه،فاستفدنا أن الواجب في نفس الأمرخمس على العموم غيرأن توزيعها علىٰ تلك الأوقات عند وجودها ولايسقط بعدمها الوجوب ولذا قال صلى اللّٰه عليه وسلم خمس صلوات كتبهن اللّٰه على العباد،آه. (الطحطاوى على الدرالمختار: ۱۷۵/۱، ۱۷۶/ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں! **تكملة فتح الملهم:** ۳۷۳/۶، ۳۸۲) **واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم** (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۴۷/۲-۵۰)

غیر معتدل ممالک میں نماز، روزہ کے مسائل:

جناب پروفیسر عبد اللطیف صاحب صدر شعبۂ جغرافیہ، گورنمنٹ کالج، ناظم آباد، کراچی نے صبح صادق اور صبح کاذب کی پہچان کے سلسلے میں ایک رسالہ شائع کرنے کے بعد ساری دنیا کی اوقات نماز کے لئے چارٹ مرتب کئے ہیں، موصوف نے علمی جنتری کے علاوہ الحمد للہ اب مختلف ممالک کے لئے بھی کمپیوٹر کے ذریعہ نماز کی جنتریاں مرتب کرلی ہیں، اسی سلسلہ کے پیش نظر موصوف نے غیر معتدل ایام اور غیر متعدل ممالک کے مسائل کے بارہ میں ایک تفصیلی استفتا مرتب کیا، جس پر دوسرے علمی مراکز کے علاوہ ''مظاہر علوم سہارنپور''، انڈیا، سے بھی ایک فتویٰ حاصل کیا گیا ہے، جو اپنی اہمیت و جامعیت کے پیش نظر نذر ناظرین ہے۔ (ادارہ)

مخدوم ومحترم جناب حضرت مفتی صاحب مدفیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداوند کریم سے امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے!

ایک بہت اہم مسئلہ کے حل کے لئے یہ سطور تحریر خدمت ہیں۔ ساڑھے اڑتالیس درجہ عرض البلد شمالی اور جنوبی کے درمیانی حصہ میں تمام سال مکمل رات اور دن وقت کی کمی بیشی کے ساتھ جاری رہتے ہیں، لیکن اس سے اوپر کے درجات میں سال کے بعض ایام میں مکمل رات نہیں ہوتی، یعنی شفق غائب نہیں ہوتی۔ اس صورت میں نماز مغرب وعشا اور سحور میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی ممالک چونکہ ساڑھے اڑتالیس درجہ عرض البلد شمالی اور جنوبی کے درمیان واقع ہیں۔ اس لئے پہلے عام

مسلمانوں کو اس سلسلے میں کسی عملی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، عملی طور پر یا بعض شاذ صورتوں میں عمل کے لئے فقہائے کرام نے رہبری فرمائی تھی۔لیکن امت کو عمومی طور پر اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔اس وقت صورت حال کافی مختلف ہے۔مغربی ممالک میں بعض شہروں ہی میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، قصبات میں ان کی تعداد ہزاروں کو پہنچتی ہے۔اور مجموعی طور سے ایسے علاقوں میں جا کر آباد ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بلا مبالغہ کروڑوں میں ہے، اب جبکہ رمضان المبارک جولائی کے مہینہ میں آرہا ہے اور الحمد للہ عام مسلمانوں میں رمضان المبارک میں دینی اعمال سے شغف بڑھ جاتا ہے، ان علاقوں میں بہت مشکل پیش آرہی ہے جہاں رات ایسی ہوتی ہے کہ اس میں شفق غروب ہی نہیں ہوتی۔عشا اور فجر کے وقت کے تعین میں بہت زیادہ اختلافات ہیں، ایک ہی شہر کی مختلف مساجد میں بہت مختلف اوقات پر عمل ہوتا ہے۔جو سہولت پسند اور دین سے فرار کا بہانہ ڈھونڈھنے والی طبائع کے لئے سہل عذر بن جاتا ہے، اس سلسلے میں جو مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں، وہ تفصیلاً درج ذیل ہیں۔آپ کے علم میں ان کے علاوہ اور بھی شکلیں ہوسکتی ہیں، درخواست ہے کہ ایسے بنیادی اصولوں کی طرف رہبری فرمائی جائے جو شرعی اعتبار سے صحیح ہوں اور جن پر اکثر طبقات امت کا اتفاق ہو۔فقط والسلام (عبد اللطیف عفی عنہ، ۳۰؍محرم الحرام ۱۴۰۲ھ)

چند اہم مسائل:

جن مقامات پر شفق غروب ہی نہیں ہوتی، یا جن مقامات پر مسلسل رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا ہے، اور کئی کئی ماہ تک یا تو سورج طلوع ہی نہیں ہوتا، یا غروب ہی نہیں ہوتا، ایسے مقامات پر بسنے والے مسلمانوں کے لئے اوقات نماز اور سحر کا تعین کرنا ایک اہم مسئلہ ہے، ایسے علاقوں میں اب لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، وہ یا تو مقامی مسلم ہیں، یا ایسے افراد ہیں جو دیگر ممالک سے آکر ان خطوں میں مقیم ہو گئے ہیں، ان علاقوں میں نماز روزہ کے مسائل میں مختلف مسائل کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کی اجمالی تصویر حسب ذیل ہے۔

(۱) جن راتوں میں شفق سرے سے غروب ہی نہیں ہوتی:

ساڑھے اڑتالیس درجہ شمالی عرض البلد سے قطب شمالی تک اور ساڑھے اڑتالیس درجہ جنوبی عرض البلد سے قطب جنوبی تک وہ علاقے ہیں جہاں موسم گرما میں بعد غروب آفتاب، شفق سرے سے غائب نہیں ہوتی اور ساری رات آسمان پر سرخی وسفیدی نمایاں طور پر نظر آتی رہتی ہے۔جن ایام میں اور جن مقامات پر شفق غروب ہی نہیں ہوتی، ان کی نشان دہی جدول نمبر ایک پر کی گئی ہے۔ان مقامات پر سوال یہ ہے کہ!

الف: عشا کی نماز کا وقت کس طرح مقرر کیا جائے گا؟

ب:　　صبح صادق، وقت ختم سحور یا ابتداء وقت صلاۃ الفجر کس طرح متعین کیا جائے گا؟

(۲) وہ ایام جن میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا: (دن ہی دن رہتا ہے):

شمالی نصف کرہ میں ۶۶/درجہ پر۱۲/جون کو سورج طلوع ہونے کے بعد ۱۹/دن کی طویل مدت تک غروب ہی نہیں ہوتا، گویا مسلسل دن ہی رہتا ہے، ۶۶/درجہ سے اوپر دن کی مدت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ۷۵/درجہ پر سورج ۲۸/اپریل کو طلوع ہوکر ۱۵/اگست کو تین ماہ ۱۹/دن کی طویل مدت کے بعد غروب ہوتا ہے (جدول نمبر۲) اس کے اوپر کے درجات پر شمالی نصف کرہ میں قطب شمالی تک اور جنوبی نصف کرہ میں موسم گرما میں قطب جنوبی تک چھ چھ ماہ کا دن ہوتا ہے، جس کی تفصیل جدول نمبر۴/ پر موجود ہے۔ ان مقامات پر سوال یہ ہے کہ!

سوال نمبر۲:　　(الف) پانچوں نمازوں کے اوقات کس طرح متعین کئے جائیں گے؟

(ب)　سحر وافطار کے اوقات کا کس طرح اندازہ کیا جائے گا؟

(۳) وہ ایام جن میں سورج طلوع ہی نہیں ہوتا: (رات ہی رات رہتی ہے):

۶۸/درجہ شمالی عرض البلد پر ۸/دسمبر کو جب دن کے بارہ بجکر پندرہ (۱۲/۱۵) منٹ پر سورج غروب ہوتا ہے، تو ۳/جنوری کو دن کے گیارہ بجکر پچپن منٹ (۱۱/۵۵) پر پچیس دن کی طویل مدت کے بعد طلوع ہوتا ہے، گویا اس دوران رات ہی رات رہتی ہے، رات کی مدت ۶۸/درجہ سے اوپر اور بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، ۷۵/درجہ پر شمالی قطب نصف کرہ میں ۶/نومبر سے ۵/فروری تک تین ماہ کی طویل رات ہوتی ہے اور آگے قطب شمالی اور قطب جنوبی کی جانب موسم سرما میں تو چھ چھ ماہ تک رات ہوتی ہے (تفصیلات جدول نمبر۳/ پر ملاحظہ فرمائیں) ان مقامات پر سوال یہ ہے کہ!

سوال نمبر۳:　　(الف) پانچوں نمازوں کے اوقات کس طرح متعین کئے جائیں گے؟

(ب)　روزہ کے لئے سحر وافطار کے اوقات کا کس طرح اندازہ کیا جائے گا؟

(۴) قطبین کے قریب طویل شب میں شفق کا ظہور:

جن ایام میں رات ہی رات ہوتی ہے، قطبین کے قریب سورج کی انعکاسی، شفق کی روشنی، افق پر کئی کئی گھنٹے تک ہر روز نظر آتی ہے۔ یہ شفق کی روشنی افق پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ سورج افق سے ۱۸/درجہ نیچے ہوتا ہے۔ یہ شفق کی روشنی ہر آن ہر گھڑی دم بہ دم بڑھتی ہی رہتی ہے، ظاہر ہوکر یہ شفق کی روشنی نہ نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے اور نہ غائب ہوتی ہے۔ یہ عرضاً پھیلاؤ کے ساتھ شمالاً وجنوباً کئی گھنٹے تک نظر آتی ہے اور ان ایام میں طویل شب میں مسلسل کئی کئی گھنٹے تک نظر آتی ہے، جن کی تفصیل جدول نمبر۳، ۴/ صفحہ نمبر پر موجود ہے۔ ۱۸/درجہ سے ۷۵/درجہ شمالی عرض البلد پر جتنے گھنٹے تک شفق آتی ہے۔ اس کی تفصیل جدول نمبر۵/ پر ملاحظہ فرمائے ہیں۔ ان مقامات پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ!

سوال نمبر۴: (الف) کیا اس شفق کی روشنی ہی کے ظاہر ہونے کو ابتداء فجر اور سحر کا وقت ختم تصور کیا جائے گا؟

(ب) سورج تو ان ایام میں طلوع وغروب ہوتا ہی نہیں۔ اس شفق کے طلوع وغروب کے زمانہ کو کیا تصور کیا جائے گا؟ آیا یہ وقت یہ زمانہ رات کا حصہ ہے، یا دن کا حصہ شمار کیا جائے گا؟

(ج) ان ایام میں نمازوں کے اوقات کس طرح متعین ہوں گے؟

(۵) مختصرترین دن......اوراس دن کی طویل ترین رات:

موسم سرما میں خصوصاً ۱۲/دسمبر کو ۶۰/درجہ شمالی عرض البلد سے ۶۷/درجہ شمالی عرض البلد تک دن مختصر سے مختصر ہوتا چلا جاتا ہے، گویا ۶۶/درجہ پر دن اگر صرف پونے تین گھنٹہ کا تھا، تو اگلے درجہ یعنی ۶۷/درجہ پر دن صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا رہ جاتا ہے اور رات طویل ترین یعنی ساڑھے بائیس گھنٹے کی ہوتی ہے، خیال فرمائیے! ڈیڑھ گھنٹہ کے اس مختصرترین دن میں ۶۷/درجہ شمالی عرض البلد پر

طلوع آفتاب کا وقت ——————— دن کے ۱۱/بج کر ۱۳/منٹ۔

(نصف النہار) وقت زوال ——————— دن کے ۱۱/بج کر ۵۸/منٹ۔

غروب آفتاب کا وقت ——————— دن کے ۱۲/بج کر ۴۳/منٹ۔

وقت صبح صادق وختم سحر ——————— ۶/بج کر ۳۴/منٹ

ابتدائے وقت عشا ——————— شام کے پانچ بج کر ۲۲/منٹ۔

سوال یہ ہے کہ اس مختصرترین ڈیڑھ گھنٹہ کے دن میں!

سوال نمبر۵: (الف) طلوع آفتاب کے ۴۵/منٹ یعنی پون گھنٹہ کے بعد زوال (نصف النہار) کا وقت ہوتا ہے۔ تو کیا زوال کے فوراً بعد نماز ظہر ادا کی جائے گی؟ اور چونکہ

(ب) زوال کے بعد غروب آفتاب تک کا کل وقت ۴۵/منٹ یعنی پون گھنٹہ کا ہے، تو کیا اس عرصہ میں عصر کی نماز بھی ادا کی جائے گی؟

(ج) طلوع آفتاب اور غروب میں چونکہ صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا فصل ہے، تو کیا ڈیڑھ گھنٹہ کے اختتام پر بعد غروب آفتاب نماز مغرب بھی ادا کی جائے گی۔

(د) دریافت طلب امر یہ ہے کہ......حالاں کہ وقت مختصرترین ہاتھ آیا ہے، کیا اوقات نماز جس ترتیب سے اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح سے ان اوقات میں نمازیں ادا کی جائیں گی۔ یا اس مختصرترین دن کے لئے بھی اندازہ لگانا ہوگا۔ جیسا کہ ان علاقوں میں اور ایام کے لئے لگایا جائے گا۔ جہاں وقت ہاتھ ہی نہیں آتا؟

(٦) طویل ترین دن ...... اور اس دن کی مختصر ترین رات:

موسم سرما میں ۲۱/دسمبر کو شمالی نصف کرہ میں مختصر ترین دن تھا۔اس کے مقابلہ میں موسم گرما میں ۲۱/جون کو شمالی نصف کرہ میں طویل ترین دن ہوتا ہے۔اس طویل ترین دن کی مدت ۲۱/جون کو ٦۰/درجہ عرض البلد شمالی پر تقریباً ۱۹/ گھنٹہ کی ہوتی ہے،شمالی علاقوں کی طرف اس دن کی مدت بڑھتی رہتی ہے،اور بڑھتے بڑھتے اسی تاریخ کو یہ دن ٦۵/ درجہ عرض البلد تقریباً بائیس گھنٹہ ہوتا ہے،اوراس دن کی شب بمشکل دو گھنٹے کی رہ جاتی ہے،اگلے درجہ یعنی ٦٦/درجہ اور اس کے اوپر کے درجات پر اس تاریخ کو اوراس کے بعد کے ایام میں تو سورج غروب ہی نہیں ہوتا،اور مسلسل دن ہی دن رہتا ہے،اس عرض البلد یعنی ٦٦/درجہ پر شفق بھی مسلسل پانچ ماہ ایک دن تک سورج غروب نہیں ہوتا،خیال فرمائیے!اس طویل ترین دن کی مختصر ترین دو گھنٹے کی رات کو ٦۵/درجہ عرض البلد شمالی پر ۲۱/جون کو

غروب آفتاب کا وقت ______ رات کو ۱۱/بج کر ۳ منٹ۔

طلوع آفتاب کا وقت ______ رات کو ایک بجے۔

صبح صادق کا وقت ______ شفق ساری رات غروب نہیں ہوتی۔

(نصف النہار) وقت زوال ______ دن کے بارہ ۱۲/بج کر ۲/منٹ۔

وقت عشا ______ شفق ساری رات غروب نہیں ہوتی۔

گویا اس عرض البلد پر رہنے بسنے والے مسلمانوں کو بعد غروب آفتاب صرف ۲/گھنٹے کی رات ملی،اوراس مختصر ترین رات میں شفق بھی غروب نہیں ہوئی اور ان دونوں گھنٹوں کی مختصر ترین رات میں بعد غروب آفتاب:

(الف) روزہ بھی افطار کرنا ہے۔

(ب) مغرب کی نماز ادا کرنی ہے۔

(ج) رمضان شریف کا اگر مبارک مہینہ ہے تو تراویح بھی پڑھنی ہے۔

(د) سحری کا بھی اہتمام کرنا ہے۔

(ہ) صبح صادق کے وقت سحری ختم کر کے طلوع آفتاب سے پہلے پہلے فجر کی نماز بھی ادا کرنی ہے،خیال رہے کہ اس طویل ترین دن کی مختصر شب میں جو وقت ہاتھ آیا ہے،اس کی مدت صرف دو گھنٹہ ہے،سوال یہ ہے:

سوال نمبر ٦: (الف) اس مختصر ترین شب میں وقت ہاتھ آجانے سے اوقات کی تقسیم اسی طرح سے ہوگی جو تقسیم کا عام قاعدہ کلیہ ہے؟

یا (ب) یہاں کے لئے بھی کوئی ایسا قاعدہ کلیہ ترتیب دیا جائے گا۔ جیسا کہ ان علاقوں کے بارے میں کیا جاتا ہے جہاں سورج قطعی طلوع یا غروب ہی نہیں ہوتا۔

(ج) اوقات نماز فجر وغیرہ اور ختم سحور کا اندازہ کس طرح مقرر کیا جائے گا؟

(۷) لندن سے شائع ہونے والی اوقات نماز کی جنتری:

لندن کا شہر ساڑھے اکاون درجہ عرض البلد شمالی پر واقع ہے، جہاں سے صفر درجہ گرین وچ گزرتا ہے، اس شہر میں لاکھوں مسلمان مختلف ممالک کے آباد ہیں، اس شہر کے محل وقوع یعنی عرض البلد شمالی کی وجہ سے یہ شہر ایسے علاقہ میں آباد ہے، جہاں ۲۳/مئی سے ۱۹/جولائی تک گویا ایک ماہ اٹھائیس دن یعنی تقریباً ۲/ماہ تک شفق غروب ہی نہیں ہوتی، اس ہی عرض البلد پر برسٹل کارڈف، کینیڈا کے مشہور شہر کنڈر سلے ...... سکیچو ان کے دیگر علاقے ، نیدرلینڈ کے اینڈ وہو دین، دال کیل، نورڈ ھنڈر، گلزے ریجن وغیرہ، جرمنی کے ایسن، ویرل، گوٹن جن، لار برش وغیرہ، پولینڈ کے پل آوے، ڈبلن ، ارینا، ریڈم، دلاڈ وراوغیرہ اور بہت سے چھوٹے اور بڑے شہر آباد ہیں، جہاں ان ایام میں لندن کی طرح ۲/ماہ تک شفق غروب نہیں ہوتی۔ لندن شہر سے شائع ہونے والی اوقات نماز کی ایک جنتری میں ۲۳/مئی سے ۱۵/جولائی تک عشا کا وقت ہر روز مغرب کے پورے ایک گھنٹہ کے بعد لکھا ہوا ہے اور فجر کے اوقات ۲۳/مئی سے ۱۵/جولائی تک کم وبیش ہر روز طلوع آفتاب سے دو گھنٹے پہلے درج کئے ہوئے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ!

سوال نمبر ۷: (الف) جن مقامات پر شفق غروب ہی نہیں ہوتی، کیا وہاں اسی طرح سے مغرب کے ایک گھنٹہ کے بعد عشا کی نماز پڑھنا درست ہے؟

(ب) جن علاقوں میں شفق غروب ہی نہیں ہوتی، ان علاقوں میں مذکورہ ایام میں کیا طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ پہلے فجر کی نماز درست ہے؟

(ج) کیا ایسے علاقوں میں سحری کا اختتام بھی آفتاب سے دو گھنٹے پہلے کرنا درست ہے؟

(د) یا یہ کہ لندن سے شائع ہونے والی یہ جنتری غلط ہے؟

(ہ) ایسے ایام کے لئے اوقات نماز واوقات سحر وافطار کس طرح متعین کئے جائیں گے؟

ذیل میں ترتیب وار جدول پیش کی جارہی ہیں:

وہ مقامات جہاں موسم گرما میں شفق غروب ہی نہیں ہوتی:

شمالی عرض البلد	وہ ایام جن میں شفق غروب ہی نہیں ہوتی ہے	مدت ایسی راتوں کی تعداد جن میں شفق غروب ہی نہیں ہوتی	جب شفق غروب ہی نہیں ہوتی دن اور رات کی مدت مختصر رات	طول دن	مشہور ممالک، شہر اور جزائر جہاں ان ایام میں شفق غروب نہیں ہوتی
۴۹°	۱۱؍جون تا یکم جولائی	۲۱؍دن	۷:۴۷	۱۶:۱۳	پیرس (فرانس)، مغربی جرمنی، لکسم برگ، زیکوسلاویکیا، برونو، مزن، برگ، ڈیرلیگ برنسٹن، ونکور برٹش، کولمبیا، کینڈا، روس
۵۰°	یکم جون تا ۱۱؍جولائی	ایک ماہ گیارہ دن	۷:۳۷	۱۶:۲۳	پلائی ماؤتھ، برطانیہ، منگولیا، شیلو، آرام آسٹرانک، میڈلن، ویمی پیک، کینڈا (اوکاسا) سون اسٹونز، یوکے، فرینک فرٹ بلجیم، جرمنی، براہایوکوپن
۵۱°	۲۵؍مئی تا ۱۷؍جولائی	ایک ماہ ۲۳؍دن	۷:۲۷	۱۶:۳۳	گورین، روس، بل ہار بر، کینڈا ریڈلیگ، ارنٹاریو، مینی ٹوبا، برسیلز، لندن، کارڈن، برسٹل، اینڈوہووین، ہالینڈ، نیدرلینڈ، برلن۔
۵۲°	۲۱؍مئی تا ۲۱؍جولائی	دو ماہ ایک دن	۷:۱۶	۱۶:۴۴	ریڈڈیر کاروینش، بیٹل،، ہاربر، پورناف، وارسا، پولینڈ پوزان

۵۳°	۱۵/مئی تا ۲۷/جولائی	۲/ماہ ۱۳/دن	۷:۰۴	۱۶:۵۶	وابش لیگ، ہڈسن بے، پرنس البرٹ (فورا، روس) اینگا، بیجا روس، مڈل اسن برف لی منگ، فیلم برف ہسیڈ
۵۴°	۱۱/مئی تا ۳۱/جولائی	۲/ماہ ۲۱/دن	۶:۵۱	۱۷:۵۹	لنگارا، برنس ریو برٹ، برٹش کولمبیا، ٹاف کلف (یوکے) ہمیبرگ
۵۵°	۹/مئی تا ۳/اگست	۲/ماہ ۲۶/دن	۶:۳۷	۱۷:۳۳	اسنی فیل یوکے، نیو کیسل، کیوبک، نیوفاؤنڈ لینڈ، منی، ٹویا کینڈا
۵۶°	۵/مئی تا ۷/اگست	۳/ماہ ۳/دن	۶:۲۲	۱۷:۳۸	ایڈنبرگ، گلاسکو، ڈنمارک، ماسکو، ولاڈی بیر، کازان، ڈنڈی، کلن،
۵۷°	یکم مئی تا ۱۱/اگست	۳/ماہ ۱۱/دن	۶:۰۶	۱۷:۵۴	اروئن، ای دانو، اگلیگ، کیلے نین، سبھا (روس)
۵۸°	۲۷/اپریل تا ۱۳/اگست	۳/ماہ ۱۸/دن	۵:۴۹	۱۸:۱۱	رائے نیک، کوٹل نیک، نج سکنجا (روس)
۵۹°	۲۵/اپریل تا ۱۷/اگست	۳/ماہ ۲۴/دن	۵:۲۹	۱۸:۳۱	اوہونے، مسولی گیلک، کریپو یک، بابا ائے وہ، ٹوٹما (روس)
۶۰°	۲۱/اپریل تا ۱۹/اگست	۴/ماہ	۵:۰۷	۱۸:۵۳	لینن گریڈ بل سکنی، اوسٹو، یارکٹو، برگن (الاسکا یو ایس اے) گرین لینڈ، بےفن جزائر، فریڈک فن

۶۱°	۱۹/اپریل تا ۲۵/اگست	۴/ماہ ۹/دن	۴:۱۵	۱۹:۴۵	ناروے، سوئڈن، فن لینڈ، روس، الاسکا یوایس اے کینڈا، یوکان
۶۲°	۱۷/اپریل تا ۲۵/اگست	۴/ماہ ۹/دن	۴:۱۵	۱۹:۴۵	ایضاً
۶۳°	۱۳/اپریل تا ۲۹/اگست	۴/ماہ ۱۷/دن	۳:۴۱	۲۰:۱۹	ایضاً
۶۴°	۱۱/اپریل تا کیم ستمبر	۴/ماہ ۲۲/دن	۲:۵۸	۲۱:۰۳	ناروے، سوئڈن، فن لینڈ، اونیگا، اومیا، آئس لینڈ، سنازس (یوکان کا علاقہ)
۶۵°	۱۷/اپریل تا ۳/ستمبر	۴، ماہ ۲۸/دن	۱:۵۷	۲۲:۰۳	ارکنجل (شمالی روس) آئیس لینڈ، ناروے، سوئڈن، فن لینڈ، یوکان
۶۶°	۵/اپریل تا ۵/ستمبر	۵/ماہ ایک دن	سورج غروب ہی نہیں ہوتا		آئس لینڈ، ناروے، سوئڈن، شمالی روس، جزائر، فن لینڈ، یوکان
۶۷°	۳/اپریل تا ۹ ستمبر	۵/ماہ ۷ دن	ایضاً		گرین لینڈ بے فن جزائر، وکٹوریہ، کینڈا، ناروے، سوئڈن، فن لینڈ
۶۸°	۳۱/مارچ تا ۱۱/ستمبر	۵/ماہ ۱۲/دن	ایضاً		شمالی ناروے، سوئڈن، گرین لینڈ
۶۹°	۲۹/مارچ تا ۱۳ ستمبر	۵/ماہ ۱۶/دن	ایضاً		ایضاً
۷۰°	۲۵/مارچ تا ۱۷/ستمبر	۵/ماہ ۲۴/دن	ایضاً		اسٹاپورٹ، بیٹس، بیلجیم، نیدرلینڈ،

۷۱°	۲۳/ مارچ تا۱۹/ستمبر	۵/ ماہ ۲۸/ دن	ایضاً		شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ جزائر سائبرس سی، کینڈا
۷۲°	۲۱/ مارچ تا ۲۱/ستمبر	۶/ ماہ ایک دن	ایضاً		ایضاً
۷۳°	۱۹/ مارچ تا۲۳/ستمبر	۶/ ماہ ۵/ دن	ایضاً		ایضاً
۷۴°	۱۵/ مارچ تا ۲۷ ستمبر	۶/ ماہ ۱۳/ دن	ایضاً		ایضاً
۷۵°	۱۳/ مارچ ۲۹/ستمبر	۶/ ماہ ۱۷/ دن	ایضاً		ایضاً

وہ ایام جن میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا مسلسل دن ہی دن رہتا ہے:

شمالی عرض البلد	جن ایام میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا مسلسل دن ہی دن رہتا ہے	مسلسل دن کی مدت	مشہور شہر، مما لک، جزائر
۶۶°	۲۲/ جون تا ۳۰/ جون	۱۹/ دن	ناروے، سوئڈن، فن لینڈ، روس
۶۷°	۳/ جون تا ۱۱/ جولائی	ایک ماہ دس دن	ایضاً
۶۸°	۲۶/ مئی تا ۱۷/ جولائی	ایک ماہ ۲۲/ دن	ایضاً
۶۹°	۲۱/ مئی تا ۲۳/ جولائی	۲/ ماہ ۳/ دن	ایضاً
۷۰°	۱۶/ مئی تا ۲۷/ جولائی	۲/ ماہ ۱۲/ دن	الاسکا (یو ایس اے) شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ

۷۱°	۱۲/مئی تا ۳۱/جولاء	۲/ماہ ۲۰/ دن	(یوایس اے) شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ
۷۲°	۸/مئی تا ۴/اگست	۲/ماہ ۲۸/دن	(یوایس اے) شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ
۷۳°	۵/مئی تا ۸/اگست	۳/ماہ ۴/دن	(یوایس اے) شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ
۷۴°	یکم مئی تا ۱۱/اگست	۳/ماہ ۱۱/دن	(یوایس اے) شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ
۷۵°	۲/اپریل تا ۱۵/اگست	۳/ماہ ۱۹/دن	(یوایس اے) شمالی روس، گرین لینڈ، جزائر کوین الزبتھ

وہ ایام جن میں سورج طلوع ہی نہیں ہوتا مسلسل رات ہی رات رہتی ہے:

شمالی عرض البلد	جن ایام میں سورج طلوع ہی نہیں ہوتا مسلسل رات ہی رات رہتی ہے	مدت (تقریباً)	شفق کتنے گھنٹے تک نظر آتی رہتی ہے؟ مختلف ایام میں اوقات مختلف ہیں	
	سورج غروب ہونے کے بعد کب طلوع ہوتا ہے	مسلسل رات کتنے عرصہ رہتی ہے	کم سے کم کتنے گھنٹے تک نظر آتی ہے	زیادہ سے زیادہ کتنے گھنٹے تک نظر آتی ہے
٦٨°	۸/دسمبر تا ۳/جنوری	۲٦/دن	۵:۲۰	۵:۲٦
٦۹°	یکم دسمبر تا ۱۱/جنوری	ایک ماہ ۱۱/دن	۵:۱٦	۵:۲۰

۷۰°	۲۶/نومبر تا ۱۷/جنوری	ایک ماہ ۲۳/دن	۵:۱۳	۵:۳۸
۷۱°	۲۱/نومبر تا ۲۲/جنوری	۲/ماہ ۲/دن	۵:۰۸	۵:۵۱
۷۲°	۱۷/نومبر تا ۲۲/جنوری	۲/ماہ ۱۰/دن	۵:۰۳	۶:۰۱
۷۳°	۱۴/نومبر تا ۳۰/جنوری	۲/ماہ ۱۸/دن	۴:۵۸	۶:۱۲
۷۴°	۹/نومبر تا ۲/فروری	۲/ماہ ۲۵/دن	۴:۵۳	۶:۲۵
۷۵°	۶/نومبر تا ۶/فروری	۳/ماہ ایک دن	۴:۴۶	۶:۴۲

چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات طویل شب کی تاریکی میں شفق کا ظہور:

شمالی عرض البلد	وہ ایام جن میں شفق کی روشنی مسلسل رہتی ہے یا مسلسل سورج کی روشنی یا اجالا رہتا ہے	وہ ایام جن میں مسلسل رات ہی رات رہتی ہے مگر ان ایام میں شفق کی روشنی ہر روز طلوع وغروب ہوتی ہے	جن ایام میں رات ہی رات رہتی ہے، شفق کی روشنی (فلکی فلق) کتنی دیر تک ہر روز نظر آتی ہے
۷۶°	۸/مارچ تا ۲/اکتوبر	۳/اکتوبر تا ۸/۱۰/مارچ	۷۶/سے ۸۷/تک چھ گھنٹے تک شفق غروب نہیں ہوتی (ماہ جنوری)
۷۷°	۷/مارچ تا ۴/اکتوبر	۵/اکتوبر تا ۶، ۸/مارچ	ہر روز ۷۶° سے ۸۰° درجات تک ۴/سے ۵/گھنٹے تک شفق غروب نہیں ہوتی (ماہ جنوری)
۷۸°	۴/مارچ تا ۸/اکتوبر	۸/اکتوبر تا ۳، ۵، مارچ	ایضاً
۷۹°	۲/مارچ تا ۹/اکتوبر	۱۰/اکتوبر تا ۱، ۳/مارچ	
۸۰°	یکم مارچ تا ۱۵/اکتوبر	۱۶/اکتوبر تا ۲۸/فروری	۸°/درجہ یکم مارچ سے دن نکلنا شروع ہوتا ہے
۸۱°	۲۵/فروری تا ۱۵/اکتوبر	۱۶/اکتوبر تا ۲۴/فروری	۷۶ درجہ یکم اکتوبر سے رات نکلنی شروع ہوتی ہے۔
۸۲°	۲۳/فروری تا ۱۸/اکتوبر	۱۹/اکتوبر تا ۲۲/فروری	۷۶°/تا ۸۱، ۱۶/اکتوبر کو ۵/سے ۹/گھنٹے تک شفق غروب نہیں ہوتی

۸۳°	۲۰رفروری تا ۲۰را کتوبر	۲۱را کتوبر تا ۱۰رفروری	۱۶رنومبر سے ۷۵° سے ۸۵ردرجات ہرجگہ
۸۴°	۱۶رفروری تا ۲۴را کتوبر	۲۵را کتوبر تا ۱۷رفروری	۶رگھنٹے تک شفق غروب نہیں ہوتی
۸۵°	۱۴رفروری تا ۲۶را کتوبر	۲۷را کتوبر تا ۱۲رفروری	۱۰رجنوری ۷۵ سے ۸۰° درجات تک
۸۶°	۱۰رفروری تا ۲۹را کتوبر	۳۰را کتوبر تا ۹رفروری	۴رگھنٹے تک شفق غروب نہیں ہوتی
۸۷° تا ۹۰	ان ایام میں دن اور بھی طویل ہوجاتا ہے	ان ایام میں رات اور بھی طویل ہوتی ہے	

جن ایام میں رات ہی رات رہتی ہے، شفق کئی گھنٹے تک نظر آتی ہے:

تاریخ وماہ	۶۸°	۶۹°	۷۰°	۷۱°	۷۲°	۷۳°	۷۴°	۷۵°
۷رنومبر								۶:۳۴
۹رنومبر							۶:۲۵	۶:۲۵
۱۳رنومبر						۶:۱۰	۶:۱۰	۶:۰۹
۱۷رنومبر					۵:۵۹	۵:۵۷	۵:۵۶	۵:۵۴
۲۱رنومبر				۵:۴۹	۵:۴۷	۵:۴۵	۵:۴۲	۵:۴۰
۲۷رنومبر			۵:۳۸	۵:۳۵	۵:۳۲	۵:۲۹	۵:۲۶	۵:۲۲
یکم دسمبر			۵:۳۱	۵:۲۷	۵:۲۴	۵:۲۰	۵:۱۶	۵:۱۲
۲ردسمبر		۵:۲۸	۵:۲۷	۵:۲۴	۵:۲۰	۵:۱۶	۵:۱۲	۵:۰۷
۹ردسمبر	۵:۲۶	۵:۲۳	۵:۱۹	۵:۱۵	۵:۱۱	۵:۰۷	۵:۰۲	۴:۵۶
۱۵ردسمبر	۵:۲۲	۵:۱۸	۵:۱۴	۵:۱۰	۵:۰۵	۵:۰۱	۴:۵۵	۴:۴۹
۲۳ردسمبر	۵:۲۰	۵:۱۶	۵:۱۳	۵:۰۸	۵:۰۴	۴:۵۸	۴:۵۳	۴:۴۶

یکم جنوری	۵:۲۵	۵:۲۱	۵:۱۸	۵:۱۴	۵:۱۰	۵:۰۵	۴:۵۹	۴:۵۴
۷/جنوری		۵:۲۸	۵:۲۵	۵:۲۲	۵:۱۸	۵:۱۴	۵:۰۹	۵:۰۴
۹/جنوری		۵:۳۱	۵:۲۸	۵:۲۵	۵:۲۱	۵:۱۷	۵:۱۳	۵:۰۸
۱۵/جنوری			۵:۳۹	۵:۳۷	۵:۳۴	۵:۳۱	۵:۲۷	۵:۲۴
۲۱/جنوری				۵:۵۱	۵:۴۹	۵:۴۷	۵:۴۵	۵:۴۲
۲۵/جنوری					۶:۰۱	۶:۰۰	۵:۵۸	۵:۵۷
۲۹/جنوری						۶:۱۳	۶:۱۳	۶:۱۳
یکم فروری							۶:۲۴	۶:۲۵
۵/فروی								۶:۴۲

الجواب ـــــــــــــــــــ باسمہ تعالیٰ

(۱) ساری رات شفق کے غروب نہ ہونے کی صورت میں عشا کی نماز مغرب کی نماز کے ایک گھنٹہ بعد پڑھ سکتے ہیں۔

”**وفي شرح المنية: أنه لو كان إمام محلته يصلي العشاء قبل غياب الشفق الأبيض فالأفضل أن يصلي وحده بعد الغياب**“الخ. (شرح المنية – لم نطلع علىٰ طبع جديد)(۱)

اس کا کھلا ہوا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شفق ابیض کے غروب سے قبل ہی اس جماعت میں شریک ہو کر پڑھ لے تو بلا کراہت نماز ادا ہو جائے گی اور محل طعن و تشنیع نہ بنے گا، پس جب بغیر کسی مجبوری و عارض کے اس کی گنجائش ہے، اور محل طعن نہیں ہے، تو مذکورہ عوارض و مجبوری کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ مورد طعن و مستوجب کراہت نہ ہوگا، بلکہ ائمۂ مساجد کو خود اس کا لحاظ کرنا انسب ہوگا۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے، اتنا غروب شمس سے عشا تک ہو، اگر پہلا فصل معلوم ہو جائے، تو اتنا ہی دوسرا بھی سمجھا جائے گا۔

صبح صادق کی شناخت یہ ہے کہ ایک روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے، یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے، یہ صبح کاذب ہے، بعد ازاں یہ روشنی تقریباً غائب ہو کر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ: ۳۵۹/۱، دار الفکر بیروت. انیس

وجنوباً پھیلتی ہے۔اس کی ابتدا سے قبل سحری موقوف کر دینا لازم ہے اوراس کے پھیل جانے پر فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے،اوراس مذکورہ روشنی کے پھیلنے سے پیشتر اسی طرح ایسی سفید روشنی جب تک غروب کے بعد رہے،وہ شفق ابیض ہے،اس وقت تک عشا کی نماز نہ پڑھی جائے،جب یہ روشنی غائب ہوجائے،تو عشا کی نماز پڑھ لی جائے،صبح صادق اور شفق ابیض کا معلوم ہونا کوئی مشکل نہیں ہے،کیونکہ اس کی خاص پہچان ہے،یعنی رات تاریکی تو ممتاز چیز ہے۔تو جو روشنی مشرق یا مغرب میں اس کے خلاف ہوگی،وہ بھی ممتاز ہے۔سو یہ روشنی جب تک مغرب کی جانب ہے،وہ مغرب کا وقت ہے،اور جب یہ غائب ہوجائے وہ عشا کا وقت ہے اور ایسی ہی روشنی جب تک مشرق میں نمودار نہ ہو وہ رات ہے۔اور جب مشرق میں نمودار ہوجائے،وہ صبح صادق ہوگی،صبح صادق اور طلوع شمس کے مابین وقت فجر ہے،لہٰذا نماز فجر اس میں ادا کریں صبح صادق سے قبل سحری سے فارغ ہوجائیں،صبح صادق کے بعد سحری نہ کریں اور اگر مذکورہ بالا صورت دشوار ہو تو طلوع شمس سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل نماز فجر ادا کریں اور دو گھنٹہ قبل سحری سے فارغ ہوجائیں اور نماز مغرب کے ایک گھنٹہ بعد ادا کریں۔

(۲) جن مقامات میں شمس کا غروب وطلوع روزانہ نہ ہوتا ہو،بلکہ کئی دن یا کئی ماہ مسلسل آفتاب طلوع یا غروب رہتا ہو،جیسے ارض تسعین اور اس کے قرب وجوار کے مقامات میں،تو وہاں پر بھی چونکہ آفتاب ہر چوبیس گھنٹہ میں اپنا چکر پورا کر لیتا ہے،یعنی جس وقت جس نقطہ سے چلتا ہے،پورے چوبیس گھنٹہ میں اسی نقطہ پر تقریباً پہنچ جاتا ہے اور یہ پورا ایک چکر شمار ہوتا ہے،جو لیل ونہار کا مجموعہ اور ایک دن رات کے برابر کہا جاسکتا ہے،پس اس پر ایک دن رات میں (جو چوبیس گھنٹے کی مقدار کے برابر ہوگا) پانچوں نمازوں کے وقت کا تعین اور اندازہ کر کے برابر ان کو ادا کریں گے،اور اس لیل ونہار کے مجموعہ کی ابتدا اس قریبی مقام کے غروب شمس کے وقت سے کرلیا کریں،جہاں پر آفتاب غروب ہوتے ہی طلوع ہوجاتا ہے،اس طرح غروب شمس سے غروب شمس تک کا وقت لیل ونہار کا ایک مجموعہ شمار کر کے نصف اول (غروب شمس سے بارہ گھنٹے تک) رات کا حصہ شمار کیا جائے اور رات کا حصہ شروع ہوتے ہی نماز مغرب پڑھ لی جائے،پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشا کا وقت شمار کیا جائے،اور جہاں تک جلد ہوسکے نماز عشا کی ادائیگی کر لی جایا کرے،پھر نصف اول (جو رات کا حصہ شمار ہے) ختم ہونے سے آدھ گھنٹہ قبل نماز فجر سے فارغ ہو جائیں،پھر نصف ثانی (جو دن کا حصہ شمار ہے) کا نصف اول گزرتے ہی یعنی لیل ونہار کے پورے مجموعہ (۲۴ر گھنٹے) کا ربع ثالث شروع ہونے کے بعد سے نماز ظہر کا وقت قرار دیا جائے اور جہاں تک جلد ہوسکے،نماز ظہر سے فراغت کر لی جائے،پھر اس مجموعہ لیل ونہار مکمل ہونے یعنی غروب شمس ہونے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ قبل نماز عصر کا وقت شمار کرلیا جائے،پھر غروب شمس سے دوسرا مجموعہ لیل ونہار شمار کر کے دوسرے دن کی مغرب،شمس کے غروب ہوتے ہی پڑھ لی

جائے، پھر عشا وفجر ساری نمازیں لیل ونہار کے اول مجموعہ کے حساب سے ادا کر لی جائیں، پھر اس طرح ہر روز کی نمازوں کا معمول رکھا جائے، اور اگر یہ صورت دشوار ہو تو ایسا کرنا بہر حال آسان ہے کہ جس دن آفتاب طلوع ہو کر غروب نہ ہونا شروع ہو جائے، اور مسلسل طلوع رہے، اس دن کے طلوع سے ۲۴ر گھنٹے کی مقدار پورے ایک دن رات کی مقدار شمار کر کے اس میں حسب تصریح تفصیل مذکورہ پانچوں نمازیں ادا کرتے جائیں، اور پھر اس ۲۴ر گھنٹے کے ختم ہونے پر دوسرا ۲۴ر گھنٹہ، اسی طرح دن ورات کی نمازیں ادا کریں۔

جن مقامات میں شمس کی عام گردش یومیہ کے اعتبار سے روزانہ طلوع غروب نہ پایا جاتا ہو، بلکہ کئی کئی دن یا کئی کئی ماہ تک مسلسل آفتاب طلوع ہی رہتا ہو، یا غروب ہو کر زمین کی اوٹ میں غائب ہی رہتا ہو، جیسا کہ ارض تسعین اور اس کے اطراف میں تو ان مقامات میں آفتاب کا ایک پورا دورہ (۲۴ر گھنٹہ کا) جو ایک لیل ونہار کا مجموعہ شمار ہوتا ہے، اور اس کے نصف آخر کو دن کا حصہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں روزہ رکھیں، اور اس نصف کے شروع ہونے سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ہی سحری کھانا بند کر کے روزہ کی نیت کر کے روزہ رکھ لیا کریں، اور نصف اول جو رات کا حصہ شمار ہوتا ہے، اس میں مغرب وعشا وتراویح وفجر سب نمازیں پڑھ لیا کریں۔ اور پھر جب یہ مجموعہ لیل ونہار پورا ہو کر دوسرے روز کا آغاز ہو، فوراً نماز مغرب پڑھنے کی طرح افطار بھی کر لیا کریں اور پھر اس دوسرے روز کے نصف اول میں جو رات کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں کھانا پینا وغیرہ اور رات کی سب فرض نمازوں سے فراغت کر لیا کریں، اور نصف ثانی میں جو دن کا حصہ شمار ہوتا ہے، اس کے شروع سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل سحری کھا لیا کریں، اور روزہ کی نیت کر لیا کریں۔ پھر اس طرح ہمیشہ کیا کریں، تا آنکہ یہ طلوع چوبیس گھنٹہ کا نہ ہونے لگے۔

(۳) جب روزانہ طلوع آفتاب نہ ہو، کئی کئی ماہ مسلسل آفتاب طلوع نہ ہوتا ہو، بلکہ غروب ہی رہتا ہو، جیسا کہ ارض تسعین اور اس کے مضافات میں ہو سکتا ہے، تو اس زمانہ کا ہر چوبیس گھنٹہ لیل ونہار کا مجموعہ ایک دن اور ایک رات کے برابر قرار دیا جائے گا، اور نصف اول کو رات کا حصہ شمار کیا جائے گا، اور نصف آخر کو دن کا حصہ شمار کیا جائے گا، بشرطیکہ جس دن آفتاب غروب ہو کر طلوع نہ ہونا شروع ہو جائے، اور مسلسل غروب رہے، تو اس صورت میں پانچوں نمازیں مسئلہ نمبر ۲ر کی طرح ادا کریں گے، یا اس لیل ونہار کے مجموعہ کی ابتدا اس قریبی مقام کے طلوع شمس کے وقت سے کر لیا کریں جہاں پر آفتاب طلوع ہوتے ہی غروب ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں نصف اول کو دن کا حصہ شمار کیا جائے گا، اور نصف ثانی کو رات کا حصہ شمار کیا جائے گا، مذکورہ بالا صورتوں میں مسئلہ نمبر ۲ر کی طرح عمل کیا جائے گا، یہاں تک کہ غروب مسلسل کا یہ دور ختم نہ ہو جائے، روزہ کا مسئلہ صورت اولیٰ میں جس طرح رہا، صورتِ ثانیہ میں بھی ہوگا۔

(۴) مسلسل رات ہونے کی وجہ سے اس زمانہ کا ہر چوبیس گھنٹہ لیل ونہار کا مجموعہ ایک دن ورات کے برابر

قرار دیا جائے گا، نصف اول کو رات کا حصہ شمار کیا جائے گا، اور نصف ثانی کو دن کا حصہ شمار کیا جائے گا۔ شفق کی روشنی میں جو کچھ نمودار ہوتی ہے، اس کو دیکھیں گے، کہ کون سی سمت نمودار ہوتی ہے، اگر وہ مغرب کی جانب نمودار ہو تو اس کو شفق احمر یا ابیض کے ساتھ تعبیر کریں گے، اور اگر یہ روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے، یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے، صبح کاذب ہے، بعد ازاں یہ روشنی تقریباً غائب ہو کر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً وجنوباً پھیلتی ہے، اور اس کے پھیل جانے پر فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے، اس کو صبح صادق سے تعبیر کرتے ہیں، اگر مذکورہ بالا باتیں اس شفق میں معلوم ہوئیں، تو اس شفق کو مذکورہ بالا شرائط کے مطابق یا تو اس کو شفق احمر یا ابیض یا صبح صادق سے تعبیر کریں گے، ورنہ پھر ہر چوبیس گھنٹہ کا مجموعہ ایک دن ورات کے برابر قرار دے کر پانچوں وقت کی نمازیں مسئلہ نمبر ۳ر کی طرح ادا کریں گے۔

(۵) جب دن چھوٹا ہونے لگے، کہ مثل اور مثلین کا تعین وتمیز نہ ہو سکے، تو زوال شمس کے بعد جہاں تک جلد ہو سکے، نماز ظہر پڑھ لی جائے اور اصفرار شفق سے کچھ قبل نماز عصر پڑھ لیں، جب دن اتنا چھوٹا ہونے لگے کہ زوال شمس بھی متمیز ومتحقق نہ ہو سکے، تو اندازہ سے دن کی نصف مقدار گزارنے کے بعد نماز ظہر پڑھ لی جائے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل بہت تھوڑا رہے، یا بالکل نہ رہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۶) جب تک رات چھوٹی ہو، اور دن بڑا ہو اور آفتاب روزانہ طلوع وغروب ہوتا ہو، اس وقت تک زوال شمس اور وقت ظہر وعصر الگ الگ متحقق ومتمیز ہوں گے، اور ہر وقت کی نماز اس کے اصل وقت میں پڑھنی ضروری ہوگی۔ البتہ عصر کی نماز اصفرار شمس سے قبل ادا کر لینا ضروری ہے، ورنہ نماز مکروہ ہوگی، رات صرف دو گھنٹے کی ہو تو سورج کے غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز پڑھیں گے، آدھ گھنٹہ کے بعد عشا کی نماز پڑھیں گے، سورج کے طلوع سے آدھ گھنٹہ قبل فجر کی نماز پڑھیں گے، مابین وقت عشا وفجر ایک گھنٹہ باقی رہتا ہے، اس میں تراویح اور سحری آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں، جن مقامات میں طلوع وغروب شمس تو روزانہ پورے سال پایا جاتا ہو، لیکن غروب شمس کے بعد سے فجر صادق طلوع ہونے کے قبل تک اتنا موقع نہ ملتا ہو کہ (بایماء آیت کریمہ ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ (۱) کھایا پیا جا سکے، پھر اس کے بعد غروب تک روزہ پورا کیا جا سکے، تو ان مقامات میں روزہ کی مقدار ساعات سے متعین نہیں کریں گے، بلکہ اس ماہ کے بعینہ یہی دن روزوں کے لئے متعین رہیں گے، لیکن چونکہ اس طرح بغیر آسودگی سے کھائے پیئے پورے ماہ صوم پر عادۃً عموماً قدرت نہیں ہو سکتی، اس لئے ناغہ دے کر حسب قدر واستطاعت روزہ رکھا کریں گے اور

(۱) سورة البقرة: ۱۸۷. انیس

جن دنوں میں افطار کریں گے ان دنوں میں صوم کے عوض میں دوسرے ماہ کے دنوں میں حسب قدرت ناغہ دے دے کرادا کرتے رہیں گے، لیکن اگر جسمانی کمزری کی وجہ سے اس پر قدرت نہ ہو، تو ان لوگوں کا فدیہ فی صوم ایک صدقہ کے برابر ہمیشہ ادا کرتے رہیں گے، اور اگر بوجہ غربت فدیہ نہ دے سکتے ہوں، تو استغفار کرتے رہیں گے، مگر وہاں سے جلد از جلد ترک سکونت کر لینے کی کوشش کریں گے:

”وكذا لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة، له أن يفطر ويطعم؛ لأنه استيقن أن لا يقدر علىٰ قضائه فإن لم يقدر على الإطعام لعسرته يستغفر الله ويستقيله وإن لم يقدر لشدة الحر كان له أن يفطر ويقضيه في الشتاء إذا لم يكن نذروا لأبد. (فتح القدير–فصل ومن كا ن مريضاً في رمضان فخاف إن صام ازداد–۸۳/۲–ط: مكتبة بولاق مصر)

جن مقامات میں طلوع وغروب شمس روزانہ پایا جاتا ہو، اور غروب کے بعد سے فجر صادق سے طلوع ہونے کے پیشتر پورے سال اتنا وقت ملتا ہے، جس میں صلاۃ ہائے مفروضہ واجبہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اطمینان سے کھانے پینے اور کچھ آرام سکون لینے کا وقت مل جاتا ہو، تو ان مقامات کے لوگوں پر ماہ رمضان میں ہی ہمیشہ ادائیگی صوم واجب و ضروری ہوگی اور فجر صادق طلوع ہونے سے بھی روزہ شروع کر دینا لازم ہوگا، اور وقت فجر کی مقدار طویل ہونے کی وجہ سے صوم کی مقدار اگر چہ طویل ہو جائے، لیکن سرد ملک ہونے کی وجہ سے قدرت علی الصوم رہے گی، اور وجوب صوم متوجہ رہے گا، ساقط نہیں ہوگا۔

(۷) صورتِ مسئولہ میں عشا کی نماز مغرب کی نماز کے ایک گھنٹہ بعد پڑھنا درست ہے، نیز طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل نماز فجر ادا کریں، سحری وغیرہ احتیاطاً طلوع شمس سے دو گھنٹے پہلے ختم کر دیں، بقیہ نمازیں وقت مقررہ پر ادا کریں۔ ان دنوں میں اگر رمضان کا مہینہ آجائے، تو روزہ رکھنا فرض ہوگا۔ فرضیت ساقط نہیں ہوگی، کیونکہ ان دنوں میں ۱۶، ۱۷ رگھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنا تحمل سے باہر نہیں ہے۔

نوٹ:

مذکورہ سوالات کے جوابات ظاہر ہیں کہ کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور نہیں ہیں، جو کچھ علما نے اپنے فتاویٰ، جیسے منتخبات نظام الفتاویٰ اور احسن الفتاویٰ اور امداد الفتاویٰ وغیرہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ لکھ دیا ہے، ممکن ہے کوئی متبحر عالم اختلاف کرے۔ اس لئے دوسرے علما کو دکھا لیا جائے، ہم نے حضرت مفتی محمود گنگوہی دام مجدہم کو سنا کر نقل کرایا ہے۔

کتبہ: العبد یحیٰ غفرلہ (نقلاً فتاویٰ الاکابر) مظاہر العلوم سہارنپور، بینات–جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۲۱۲-۲۳۰)

(۱) كذا في غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر، كتاب الصوم: ۶۵/۲. انيس

برطانیہ میں طلوع شمس وغروب شمس کا مسئلہ:

سوال: یہاں برطانیہ میں مدت سے یہ بات مشہور ہے کہ شفق اور صبح صادق کا مشاہدہ کرنا مشکل ہے، لہذا کسی نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی اور اب بھی یہی حال ہے، سردیوں کے موسم میں یعنی نومبر، دسمبر اور جنوری میں تو کسی حد تک یہ بات صحیح ہوسکتی ہے، مگر اور مہینوں کے لئے یقیناً ایسا نہیں ہے، بہر حال مشاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر محض محکمۂ موسمیات کے حاصل کردہ اوقات غروب وشفق (ٹوینکل اور اسٹرائیکل ٹوائی لائٹ) اور طلوع صبح صادق (ٹوینکل اینڈ اسٹرانائیکل ٹوائی لائٹ) پر اکتفا کرتے چلے آرہے ہیں، یعنی محکمہ موسمیات والوں سے غروب آفتاب کے بعد یا طلوع آفتاب سے پہلے سورج کے زیر افق اٹھارہ درجہ جانے کے بعد یا طلوع سے اٹھارہ درجہ پہلے کے اوقات منگوائے ہیں اور اس کے مطابق عشا اور فجر پر عمل کرتے ہیں، برطانیہ میں زیادہ تر مسجدوں میں بارہ درجہ کے مطابق نوٹیکل نوائی لائٹ اوقات منگوا کر وقت عشا اور فجر کی ابتدا مان کر عمل کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ برطانیہ میں عمومی طور پر مشاہدہ کرنے کے بجائے محکمۂ موسمیات کے تخریج کردہ اوقات غروب وطلوعِ شفق بارہ یا اٹھارہ درجہ کے مطابق وقت عشا وطلوع فجر کی ابتداء مانتے ہیں، دراصل انگلینڈ میں بسنے والے مسلمانوں نے ابتدا میں عشا کی نماز اور صبح صادق کے لئے اپنے یہاں کے لئے رصدگاہوں سے وقت منگائے تھے، تو رصدگاہوں نے بارہ درجہ کے مطابق وقت نکال کر بھیجا تھا، پھر ایک دوسرے کے نقش قدم پر عمل کرتے ہوئے آہستہ آہستہ بعد میں آنے والے تمام مسلمان عشا کی نماز ادا کرنے میں ۱۲/درجہ والے ٹائم پر مکمل عمل پیرا ہوگئے اور پورے انگلینڈ میں ۱۲/درجہ کا ٹائم رائج ہوگیا، مگر جن مہینوں میں ۱۲/درجہ کے حساب سے بھی سورج غروب ہونے کے بعد بہت ہی دیر سے عشا کا وقت ہوتا تھا اور عشا کی نماز کے لئے بہت ہی انظار کرنا پڑتا تھا، جس میں لوگ بے پناہ حرج میں مبتلا ہوتے تھے، لوگوں نے مفتیان کرام کی طرف رجوع کیا تو حضرات مفتیان کرام نے دفع حرج کی خاطر شفق احمر غائب ہونے کے ایک گھنٹہ کے بعد عشا کی نماز ادا کرنے کا فتوی دیا جس کی وجہ سے ایک یا سوا گھنٹہ پر عشا کی نماز ادا کرتے رہے۔

مگر ۱۹۸۲ء میں پھر یہ بات چلی کہ نماز عشا اور صبح صادق کے لئے ۱۲/درجہ کا ٹائم غلط ہے، اور ۱۸/درجہ کا ٹائم صحیح ہے، پھر تمام مسلمانوں نے اپنی اپنی جگہوں کے لئے ۱۸/درجہ کا ٹائم منگوا کر اس کے مطابق عشا اور فجر کے لئے عمل شروع کردیا، اس لئے کہ ۱۸/درجہ کے حساب سے عشا کی نماز کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دوڈھائی اور تین ساڑھے تین گھنٹوں تک کا بھی انتظار کرنا پڑتا تھا اور یہ انتظار عوام کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا تھا، اس لئے ایک

سال عمل کرنے کے بعد پھر سے ۱۲/درجہ پر عمل کرنا شروع کر دیا، اس لئے کہ اٹھارہ درجہ کے حساب سے پورے سال عشا کی نماز سورج غروب ہونے کے دوڈھائی گھنٹوں کے بعد پڑھنی پڑتی تھی، اوراسی طرح ان دنوں میں روزہ رکھنے کے لئے سورج کے طلوع ہونے سے دوڈھائی گھنٹہ قبل ہی سحری بندی کرنی پڑتی تھی، بلکہ بعض مہینوں میں تو وقت عشااور صبح صادق کے درمیان بہت ہی تنگ وقت رہتا ہے، ان تمام دشواریوں کے پیش نظر اٹھارہ درجہ پر ایک دوسال عمل کرنے کے بعد اکثریت بارہ درجہ پر عمل پیرا ہوگئی، مگر چند جگہوں کے مسلمان اب بھی اٹھارہ درجہ کے مطابق عشا کی نماز ادا کرتے ہیں اور انتظار کی ساری صعوبتیں برداشت کرتے چلے آرہے ہیں، مگران کے لئے سب سے بڑی ناقابل برداشت دشواری یہ کھڑی ہوگئی ہے کہ مساجد کے چند مصلی بارہ درجہ پر عمل کرنے پر مصر ہیں، اور یہ لوگ اٹھارہ درجہ پر عمل کرتے ہیں، تو آپس میں تناؤ شروع ہوگیا، چونکہ جولوگ بارہ درجہ پر عشا کی نماز ادا کرتے ہیں وہ بہت جلد عشا کی نماز سے فارغ ہوجاتے ہیں، اوران کوانتظار میں رہنا پڑتا ہے، یہ ان کے لئے بڑی آزمائش ہے، اس لئے آپس میں لڑائی جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں، حتی کہ بعض جگہوں پر ایک ہی مسجد میں دودو جماعتیں شروع ہوگئی ہیں، اور یہ بڑاالمیہ ہے، جس طرح بحمداللہ چاند کے بارے میں صحیح العقائد میں باہم اتفاق ہوگیا ہے، اسی طرح عشا کی نماز اور صبح صادق میں بھی باہم اتفاق ہوجائے، تو بہت ہی بہتر ہوگا، مگر ہماری یہ تمنااسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب حضرات مفتیان کرام اس معاملے میں جلدازجلد رہنمائی فرمائیں۔

ہمارے ملک میں تو اٹھارہ درجے پر عشااور صبح صادق سوا گھنٹے پر ہوتی ہے، جب کہ انگلینڈ میں ہمیشہ دوتین بلکہ بعض مہینوں میں غروب سے ساڑھے تین چار گھنٹوں کے بعد عشا کا وقت ہوتا ہے، اور طلوع آفتاب سے ساڑھے تین چار گھنٹہ قبل صبح صادق ہوتی ہے۔

(محکمۂ موسمیات سے اٹھارہ ڈگری کے مطابق وقت معلوم کرنے پر) جب کہ بعض مہینوں میں رات بھی مشکل سے آٹھ ساڑھے آٹھ گھنٹے کی ہوتی ہے، اس طرح سے عشا کی نماز پڑھنے اور سحری بند کرنے میں بہت ساری دشواریاں درپیش ہیں، البتہ جن راتوں میں شفق بالکل غائب نہیں ہوتی ہے ایسے ڈھائی مہینوں میں سوا گھنٹے پر عمل کرنے کی حضرات مفتیان کرام کی طرف سے سہولت دی گئی ہے، مگران ڈھائی مہینوں کے علاوہ پورے سال اٹھارہ درجے پر عمل کرنے میں بہت دقت اور پریشانیاں تھیں، بنابریں مسلمانوں نے اٹھارہ درجے پر عمل ترک کرکے بارہ درجے پر پھراپنا عمل شروع کر دیا، تعجب ہے کہ ہمارے ملکوں میں اٹھارہ درجے کے حساب سے سورج کے غروب سے عشا کا وقت سوا گھنٹہ بعد اور صبح صادق کا وقت طلوع آفتاب سے سوا گھنٹہ پہلے ہوتا ہے، اور یہاں انگلینڈ اٹھارہ درجہ کے مطابق اتنا زیادہ وقت کیوں؟

یہ بات ہمارے لیے باعث حیرت ہے کہ سورج کو تین سو ساٹھ درجہ چوبیس گھنٹوں میں عبور کرنے میں فی درجہ چار منٹ لگتے ہیں ، اب عشا کی نماز کے اٹھارہ درجہ اور صبح صادق کے اٹھارہ درجہ کل چھتیس درجوں کے لئے ۴/۵/۶/۷/۸/ر گھنٹے خرچ ہوجاتے ہیں، تو پھر بقیہ ۳۲۴/ر درجوں کے لئے تو صرف سولہ سے بڑھ کر بیس گھنٹے ہی باقی رہ جاتے ہیں، اتنے سارے درجوں کو عبور کرنے کے لئے سورج کو مذکور تفصیل کے مطابق تو صرف فی درجہ چار منٹ سے کم وقت ملتا ہے، تو پھر اتنے کم گھنٹوں میں ۳۲۴/ر درجہ کس طرح عبور ہوتے ہوں گے، یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

مشاہدہ:

امسال ہم نے ستمبر اور اکتوبر کی چند تاریخوں میں مشاہدہ کیا، تو ایک گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ دس منٹ پر غروب آفتاب کے بعد شفق احمر غائب ہوئی ، اور ایک گھنٹہ بیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پچیس منٹ پر شفق ابیض کے غروب کا مشاہدہ کیا، اور جتنا وقت شفق ابیض کے غروب میں لگا، بعینہٖ اتنا ہی وقت سورج طلوع ہونے سے قبل صبح صادق ہونے میں لگا ، یعنی ایک گھنٹہ بیس پچیس منٹ ، جب ہم نے یہ مشاہدہ کیا تو ان تاریخوں میں محکمۂ موسمیات والوں نے زیادہ درجہ کے وقت سے جو وقت بارہ درجہ کے مطابق یا اٹھارہ درجہ کے وقت سے دیا تھا، وہ غلط ثابت ہوا، یعنی اٹھارہ درجہ کے وقت سے شفق احمر کم سے کم دس منٹ پہلے اور شفق ابیض ۳۱/ر منٹ پہلے غروب ہو چکی ، اور اسی طرح صبح صادق ۳۰/ر منٹ بعد طلوع ہوئی۔ اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ!

(۱) آیا بارہ درجے کے اختتام پر یا اٹھارہ درجے کے اختتام پر وقت عشا کی ابتدا مانی جائے یا مشاہدہ کو اولیت دی جائے؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ مشاہدہ اور مذکورہ درجوں میں اوقات کے اندر تعارض ہوجائے تو مشاہدہ کو صحیح مانا جائے یا محکمۂ موسمیات کے تخریج کردہ اوقات کو؟

(۳) شفق احمر کی غیبوبت پر وقت عشا کی ابتدا مان کر عمل کیا جائے تو کوئی حرج ہے؟

(۴) غروب آفتاب کے بعد شفق احمر اور شفق احمر کے بعد شفق ابیض عمومی طور پر کتنے کتنے وقفہ سے غائب ہوتی ہے؟ ہر ایک کا فاصلہ الگ الگ تحریر کیا جائے۔

(۵) اگر کوئی عالم دین یا دیندار شخص اپنے مشاہدہ کی شہادت دے تو ان کی شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟

(۶) بعینہٖ درجوں کے مطابق یا مشاہدہ کے مطابق عشا کی نماز کا وقت شروع کرنے میں اور اس طرح فجر کی ابتدا ماننے میں حرج درپیش ہو، تو پورے سال غروب آفتاب کے سوا گھنٹے بعد اور طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے عشا اور فجر کی ابتدا مان کر عمل کیے جانے میں شرعی طور پر کوئی ممانعت تو نہیں؟ جب کہ ہمارے ملکوں میں عشا کی ابتدا کے اوقات گھنٹہ سوا گھنٹہ اور فجر کی ابتدا طلوع آفتاب سے سوا گھنٹہ پہلے ہوجاتی ہے، نیز ہم نے اپنا مشاہدہ بھی اوپر ذکر کردیا ہے۔

حرج کی صورتیں:

عشا دیر سے پڑھنے میں اور صبح صادق جلدی ماننے سے وقت کی تنگی کے سبب نہ تو سونے کے لئے پورا وقت ملتا ہے، اور نہ آرام ملتا ہے، جس کی وجہ سے نیند تو خراب ہوگی ہی، صحت پر بھی اثر پڑے گا، اور عبادات میں کوتاہی اور کاہلی پیدا ہوگی، نیز عشا اور فجر کی نماز کی قضا کا بھی احتمال ہے، جماعت میں لوگ کم آتے ہیں، اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی بڑی دقت درپیش ہوتی ہے، مثلاً وقت پر کام پر جانے میں حرج ہوتا ہے، اور بھی دیگر باتیں ہیں، اب یا تو رزق حلال حاصل کرے یا نمازیں قضا کرے، رہی یہ بات کہ نیند نماز فجر کے بعد پوری کر لے تو یہ حل ان لوگوں کے لئے تو ہوگا جو بے روزگار ہیں، ورنہ اکثریت جو کام سے لگے ہوئے ہیں ان کے لیے مسئلے کا یہ حل نہیں، لوگ سستی کی وجہ سے بغیر نماز پڑھے ہی سو جائیں گے اور نماز کے لئے اٹھ نہ سکیں گے۔

عشا اور فجر کی ابتدا میں درجات کے اعتبار سے اختلافات:

اسماء	صبح صادق	صبح کاذب	اسماء	صبح صادق	شفق
شرح چغمینی	۱۵	۱۸	ابن شاطر	۱۹	۱۷
	۱۸	۱۸	ابوعلی مراکشی	۲۰	۱۶
حل العقدۃ من مقاصد العمدۃ: ص ۱۷	۱۹		ابوعبداللہ	۱۹	۱۸
مفتی رشید احمد لدھیانوی	۱۵		ابن رقام	۱۹	۱۹
			قاضی زادہ موسیٰ بن محمد	۱۸	۱۸

علماء عرب ومراکش وقت صبح صادق ۱۸/۱۹/۲۰/ درجہ پر مانتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۶۱)

مزید تفصیل احسن الفتاویٰ: ۲/۱۶۴، سے آگے تک۔

نوٹ: جب درجات میں اختلاف ہو تو درجوں کو معیار وقت بنانا صحیح ہے؟

دین میں آسانی ہے:

(القرآن):

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفاً ﴾. (۲)

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾. (۲)

---

(۱)　سورة النساء: ۲۸. انیس

(۲)　سورة البقرة: ۱۸۵. انیس

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ﴾.(۱)
﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡساً اِلَّا وُسۡعَهَا ﴾.(۲)

(الأحاديث):

عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:"إن الدين يسر".

قال النبى صلى الله عليه وسلم:" أحب الدين إلى الله الحنيفية السمحة"، (۳)"يسروا ولاتعسروا بشروا ولا تنفروا". (البخارى)(۴)

يباح الجمع لمن خاف علىٰ نفسه وماله أوعرضه ومن خاف ضررًا يلحقه بتركه فى معيشته. (الفقه على المذاهب: ۴۸۷/۱)

(مسلمات فقهية):

"الحرج مدفوع"، (۵)" إذا ضاق الأمراتسع"، (۶)" الضرورات تبيح المحظورات"، (۷) "المشقة تجلب التيسير"،(۸)" الضرر يزال مهما أمكن". (۹)

شفق احمر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

(و)وقت(المغرب منه إلىٰ)غروب(الشفق هو الحمرة)عندهماوبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام ... وفى ردالمحتار:لكن تعامل الناس اليوم فى عامة البلاد علىٰ قولهما،وقد أيده فى النهرتبعًا للنقاية والوقاية و الدررو الإصلاح ودررالبحاروالمواهب وشرح البرهان وغيرهم مصرحين بأن عليه الفتوىٰ وفى السراج:قولهما أوسع،وقوله أحوط. (الدرالمختار،مطلب فى الصلاة الوسطىٰ: ۲۴۱/۱)

---

(۱) سورةالحج:۷۸.انيس

(۲) سورةالبقرة:۲۸۶.انيس

(۳) الصحيح للبخارى،باب الدين يسر،وقال النبى صلى الله عليه وسلم أحب الدين إلى الله الحنيفية السمحة (ح:۳۹)/السنن الكبرىٰ للبيهقى،كتاب الصلاة (ح:۴۶۲۶)/سنن النسائى (ح:۵۰۳۴)وأخرجه الإمام أحمد فى مسنده عن ابن عباس موصولاً (ح:۲۱۰۷) بلفظ:أى الأديان أحب إلى الله؟قال:الحنيفية السمحة/والحديث الثانى أخرجه البخارى فى باب ماكان النبى صلى الله عليه وسلم (ح:۶۹)/ومسلم،باب فى الأمربالتيسير (ح:۱۷۳۲)انيس)

(۴) الصحيح للبخارى،كتاب العلم،باب ماكان يتخولهم بالموعظة والعلم كى لاينفروا،عن أنس بن مالك رضى الله عنه (ح:۶۹-۶۱۲۵)انيس)

(۵) كشف الأسرارشرح أصول البزدوى،باب تقسيم الشرط:۲۰۲/۴.انيس

(۶) الأشباه والنظائرللسيوطى،القاعدةالرابعة: الضرريزال:۸۳/۱.انيس

(۷) التحبيرشرح التحرير،لاضررولاضرار:۳۸۴۷/۸.انيس

(۸) الأشباه والنظائرلابن نجيم،القاعدةالرابعة:۶۴/۱.انيس

(۹) الأشباه والنظائرلابن نجيم،القاعدةالخامسة:۷۲/۱.انيس

(روايات):

روى عن الزهرى أنه بلغنى أن أباهريرة قال:من خشى أن ينام قبل صلاة العشاء فلا بأس أن يصلى قبل أن يغيب الشفق.(مصنف عبد الرزاق)(۱)

وروى ابن جريج أن عطاء بن أبى رباح كان يقول:صلى العشاء قبل أن يغيب الشفق وقال عطاء إنى لأطوف أحيانا سبعاً بعد المغرب ثم أصلى العشاء.(مصنف عبد الرزاق)(۲)

حكى أن ظهير الدين المرغينانى لما قدم من فرغانة راى كسالى نجارة يصلون العشاء قبل أن يغيب الشفق فأراد منعهم عن ذلك ثم لقى شمس الأئمة السرخسى وشاوره فى قصده فقال: لا تفعل فإنك إن منعتهم عن ذلك تركوها بالكلية وأما الأن فإنهم يؤدونها فى وقت يجيزه بعض الأئمة.(ناظورة الحق،قلمى:۸۲)

وفى رواية عن مالك والشافعى إن وقت المغرب مقدارمايتوضأ ويصلى خمس ركعات: لأن جبرئيل عليه السلام أم فى المغرب فى يومين فى وقت واحد.(شرح النقاية:۵۲/۱)

وذهب الأوزاعى وابن المبارك والشافعى فى قوله الحديث ومالك فى رواية إلىٰ أنه قدر مايصلى خمس ركعات ... بوضوء وأذان وإقامة فحسب ويدخل وقت العشاء بعد.

(ناظورة الحق،قلمى:۶۹)

وروى عن سفيان عن مكحول أنه قال:إذا ذهبت الحمرة فصل قال سفيان:والحواجب إلينا وذلك أشفق عندنا:لأن البياض لايذهب حتى يمضى الليل قال الشيخ:والذى رواه سليمان بن موسىٰ عن عطاء بن أبى رباح عن جابرعن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى أوقات الصلاة:ثم صلى العشاء قبل غيبوبة الشفق رواه أبوطاهر الفقيه لذلك.(السنن الكبرى للبيهقى،كتاب الصلاة:۳۷۳)

كفاية الأخبارفى حل غاية الاختبار:۱۶۰/۱، پرعلامہ تقی الدین دمشقی فرماتے ہیں:

متى يخرج وقت المغرب الخ فيه قولان،الجديد الأظهرأنه يخرج بمقدارطهارة وسترعورة وأذان وإقامة وخمس ركعات،والاعتبارفى ذلك الأوسط المعتدل.

حضرات مفتیان کرام سے گذارش ہے کہ جواب جلد از جلد مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں؛ کیوں کہ اس سلسلے میں یہاں برطانیہ میں نومبر ۱۹۸۷ء کے اخیر میں علماء برطانیہ کا اجلاس ہو رہا ہے۔فقط والسلام

(یعقوب احمد مفتاحی ناظم حزب العلماء (یو۔کے) ۲۸/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۱/اکتوبر ۱۹۸۷ء بروز بدھ)

---

(۱) باب النوم قبلهاوالسهربعدها (ح:۲۱۵۰)انيس

(۲) باب وقت العشاء الآخرة (ح:۲۱۲۶)انيس

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

(۱) مشاہدہ کو اولیت دی جائے اور اسی کا اعتبار کیا جائے۔

(۲) محکمہ موسمیات کے تخریج کردہ اوقات اگر اصول شرعیہ کے مطابق ہوں، تو اس کے اعتبار میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس کو مؤید کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے، بنیادواصول کے درجہ میں نہیں، یہودیوں نے اپنی خفیہ محنتوں کے ذریعہ آج پوری امت کو شکار کرہی لیا ہے، رہی سہی عبادات پر بھی وہ ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں، اس لئے امت کے خواص کو چوکنا و ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

(۳) شفق احمر کی غیوبیت پر ضرورتاً وقت عشا کی ابتدا ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں، **کمافی کتب الفقه**۔(۱)

(۴) شفق احمر کے بعد شفق ابیض کے غروب کے سلسلے میں آپ کا مشاہدہ تقریبا درست ہے، اس لئے اس کے اعتبار میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) اگر عالم دین اور دیندار شخص کی شہادت مقبول نہ ہوگی تو پھر کس کی ہوگی؟

کیا محکمۂ موسمیات کے فساق وفجار کی بات مقبول ہوگی؟ جن حضرات کے نزدیک علما و دیندار کی شہادت غیر معتبر ہے، وہ اپنا احتساب کریں۔

۶۔ ضرورت کے تحت ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وقت بھی ہوجائے، چاہے صاحبین ہی کے مسلک کے مطابق ہوتا ہو۔

الحاصل شرعی اصول مدنظر رہے، محکمہ موسمیات کوئی قانون شرعی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ ۱۶/ ۴/ ۱۴۰۸۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۲۷۱-۲۸۱)

---

(۱) فی أحسن الفتاویٰ: مفتی بہ قول کے مطابق غروب شفق احمر پر مغرب کا وقت ختم ہوکر عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے، حضرت امام صاحب کا بھی آخری قول یہی ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (احسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ: ۲/ ۱۳۰، زکریا، دیوبند)

(۲) وفی الدر: (و) وقت (المغرب منه إلى) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كمافی شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب (و) وقت (العشاء والوتر منه إلى الصبح)۔

وفی الرد: (قوله: وإليه رجع الإمام) أی إلى قولهما الذی هو رواية عنه أيضًا، وصرح فی المجمع بأن عليها الفتوىٰ، ورده المحقق فی الفتح بأنه لايساعده رواية ولا دراية الخ وقال تلميذه العلامة قاسم فی تصحيح القدوری: إن رجوعه لم يثبت لما نقله الكافة من لدن الأئمة الثلاثة إلى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول، ـــ لكن تعامل الناس اليوم فی عامة البلاد على قولهما وقد أيده فی النهر تبعًا للنقاية والوقاية والدرر والإصلاح ودرر البحار والإمداد والمواهب وشرحه البرهان وغيرهم مصرحين بأن عليه الفتوىٰ، وفی السراج: قولهما أوسع وقوله أحوط۔ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/ ۲۴۱، نعمانيه، ديوبند)

برطانیہ میں اوقاتِ نماز میں اختلاف کا صحیح حل:

سوال: آپ موصوف کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ برطانیہ میں یہاں کے موسم اور (Weather) ویدھر کی خرابی کی وجہ سے یہاں کے علماء کرام میں وقت عشا اور وقتِ نماز فجر کے بارے اختلافات ہیں، نماز عشا قبل از وقت پڑھی جائے، تو نماز نہیں ہوتی اور اگر تاخیر کی جائے تو مختصر راتوں میں لوگ برداشت نہیں کرتے جو تقلیل جماعت کا باعث ہوتا ہے اور نماز فجر کا مسئلہ بہت زیادہ اہم ہے خصوصاً رمضان المبارک میں روزے کو اس کے وقت صحیح پر بند کرنا اور نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا ہوتا ہے ہم اس وقت آپ کی خدمت میں ٹائم ٹیبل ارسال کر رہے ہیں، آپ اس کا مطالعہ فرما کر ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیًا و مسلماً

علاقۂ برطانیہ میں وقت عشا اور وقت نماز فجر کا مسئلہ نیا نہیں ہے، ایک مدت سے اہل علم اور ارباب فتاویٰ کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا ہے اور یہ حضرات اس کے حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، قرآنی آیات، حدیثی روایات، فقہی عبارات، مشائخ کے اقوال اور قواعد ہیئت سے استنباط اور استشہاد بھی فرماتے ہیں، لیکن کسی ایک بات پر اتفاق نہیں ہو پایا اور متفق ہونا بظاہر دشوار ہونے کے ساتھ ضروری بھی نہیں ہے۔

اس لیے کہ اہل علم اور دلائل سے واقف حضرات کے لئے دیانۃً یہ ضروری ہے کہ جس دلیل کو قوی اور راجح قرار دیں اسی پر عمل کریں اور عوام اپنے علما کی اتباع کریں، اور اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہو، اس کی اتباع کریں، ایک بات یاد رہے کہ اہل علم اپنے اختیار کردہ قول و عمل کو دوسرے اہل علم پر زبردستی چپکانے کی کوشش نہ کریں، اور ان کے قول کو باطلِ محض قرار دے کر نزاع پیدا نہ کریں اور عوام پر لازم ہے کہ اہل علم کے اختلاف میں دخل دے کر اس کو باعث نزاع اور فساد ہرگز نہ بنائیں۔ **فقط و اللّٰہ تعالیٰ أعلم**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رشوال ۱۴۱۱ھ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/ ۴۰۹، ۴۱۰)

برطانیہ کے قدیم اوقات صلوۃ پر عمل کرنا:

سوال: برطانیہ میں قدیم تقویم اٹھارہ یا بارہ ۱۲ ر ڈگری وغیرہ حساب و کتاب سے جو جنتری تیار ہوتی ہے، اس پر اجماع عملی ہے جو منجملہ حجت شرعیہ سے احقر نے ابتداء وقت عصر کے متعلق گذشتہ سال مشاہدہ کیا اور اس کا غلط ہونا مشاہدہ سے ثابت ہوا اور تقریباً تمام مواضع میں اس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔

تاریخ	وقت عصر پرانی تقویم میں	صحیح وقت عصر	فرق
یکم جنوری	۲_۵۰	۲_۹	۴۱
یکم اپریل	۵_۵۳	۵_۳۵	۱۸
یکم جولائی	۷_۱۸	۶_۵۲	۲۶منٹ
یکم اکتوبر	۵_۹	۴_۴۷	۲۲منٹ

اسی طرح ابتداء فجر وانتہاء شفق کے متعلق بھی بعض علماء دین نے تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ مروجہ وقت قدیم تقویم میں غلط ہیں، بلکہ یہ تو داخل فجر کا وقت ابتداء فجر نہیں اور تقریباً تمام علما اس کے قائل ہیں اب سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ جب قدیم اوقات صلوۃ کا غلط ہونا ثابت ہو گیا مشاہدہ سے، تو کیا اس تعامل پر عمل درست ہے؟

اجماع عمل کے حجت شرعیہ ہونے میں کس کو انکار ہوسکتا ہے لیکن تعامل اگر غلط بنیاد پر ہو اور اس کا واقعی طور پر غلط ہونا ثابت ہو جائے تو اس پر کس طرح عمل جائز ہے جیسا کہ مواجہہ قبلہ میں تو اختلاف قابل برداشت ہے باعتبار اجماع عملی کے مگر صریح انحراف ہو تو اس کی اصلاح واجب ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

البتہ اگر کسی بلد کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جاتا ہے کہ وہ سمت قبلہ سے اس درجہ منحرف ہیں کہ نمازیں درست نہ ہوں گی تو ایسی صورت میں اس کا اتباع نہ کیا جائے۔(۱)

اسی طرح یہاں بھی اب جب قطعی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ پرانے وقت میں اور تحقیق کے بعد کے وقت میں کافی فرق ہے تو عمل کس طرح اس تعامل پر درست ہے؟

دوسری بات قطع نظر درجات کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ برطانیہ میں بعض ایام ایسے ہیں جن میں شفق ابیض غائب نہیں ہوتی ہے یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ تمام فقہاء احناف ایک زبان ہیں جہاں شفق غائب نہیں ہوتی وہاں طلوع فجر ہوتی ہے تو کس طرح یہ باور کیا جائے کہ برطانیہ میں طلوع نہیں ہوئی اور ۱۶/شعبان ۱۴۰۲ھ کے فیصلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ طلوع فجر نہیں ہوتی اس کو تسلیم کرنے کی صورت میں تمام فقہا کی تغلیط لازم آتی ہے جو کہ محل غور ہے۔

نیز جب بیاض غروب نہیں ہوتی البتہ اندھیرا ہو جاتا ہے گویا طلوع شمس تک بیاض رہتی ہے البتہ غروب وقبل طلوع کے بیاض زیادہ ہوتی ہے اور درمیان شب میں اغلب سیاہی ہوتی ہے مگر جہت بدلتی ہے احقر نے ۲۵/رمضان کو مشاہدہ کیا جس سے یقین ہو گیا کہ بیاض نہار ہے۔ اس طرح رمضان کی مختلف تاریخوں میں مشاہدہ کیا۔

(۱) جواہر الفقہ: ۲۵۳/۱۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ تعامل اگر نص کے خلاف ہو تو حجت نہیں اور قدیم تقویم جو مبنی ہے اصول ہیئت پر، تو کس طرح قابل عمل رہے گی۔

اور جب وقت موجود ہے پھر ۱۶/ رمضان کے فیصلہ کے مطابق تقدیر کس طرح جائز ہوگی۔

بہرحال عرض ہے ۱۶/ شعبان کے فیصلہ کی بنیاد جس کے آگے عرض ہے کہ جب شفق ابیض غائب نہیں ہوئی تو ابتداء فجر نہیں اور جب ابتداء نہیں تو تقویم جائز ہے حالانکہ یہ کسی کا قول نہیں بلکہ کتب احناف وشوافع کی عبارات اس بات پر دال ہیں کہ باوجود عدم غیبوبت شفق طلوع فجر ہوتی ہیں اور تقدیر کل وقت کے فقدان کی صورت میں جائز ہے نہ کہ جز اول کے اشتباہ کی صورت میں یہ تمام مناقشات اس لئے عرض ہیں کہ صحیح تک پہنچ سکوں۔

مفتی یوسف (۶۸ برمس ڈل روڈ سوٹ پل، بائلی ۶۵ے ج)

الجواب ــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

پوری تحریر بار بار اور بغور پڑھی، ماشاء اللہ بہت توجہ ومحنت سے لکھی گئی ہے، بہت علمی حقائق ونکات پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم واخلاص میں برکت دے وقبولیت عطا فرمائے اور فلاح دارین سے نوازے۔

پہلی بات یہ عرض ہے کہ ۱۶/ شعبان کے کل فیصلہ کی اور من وعن احقر نے تصدیق نہیں کی ہے، بلکہ اخیر مضمون کی جس میں نماز کے اوقات کا اندازہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، بشرطیکہ وہاں کا تعارف اس کے خلاف اور اس کے مزاحم نہ ہو اور بس۔

اس مسئلہ مبحوثہ کی بابت کیا عرض کروں، اپنا علم ہی کیا ہے، محض امتثالاً للامر جو کچھ ذہن میں دیانۃً آرہا ہے، عرض ہے، مسئلہ مواجہت قبلہ فی الصلوۃ کی بنیاد بھی مشاہدہ ہی پر ہے، مثلاً جب تک عین کعبہ آنکھوں کے سامنے اور مشاہد ہو اس وقت تک عین کعبہ کی مواجہت فی الصلوۃ شرط ہے۔(۱)

اسی وجہ سے اگر کوئی شخص محض حطیم کی مواجہت اس طرح کرے کہ کعبۃ اللہ کی جانب مواجہت بالکل نہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔(۲)

---

(۱) "فإن كان قادرًا يجب عليه التوجه إلى القبلة إن كان فى حال مشاهدة الكعبة فإلى عينها أى أى جهة كانت من جهات الكعبة حتى لو كان منحرفاً عنها غير متوجه إلى شئ منها لم يجز، لقوله تعالىٰ: (فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) سورة البقرة، الآية: ۱٤٤، وفى وسعه تولية الوجه إلى عينها فيجب ذلك. (بدائع الصنائع: ۳۰۸/۱، مكتبه زكريا ديوبند)

(۲) "ولو صلى مستقبلا لوجهه إلى الحطيم لايجوز كذا فى المحيط". (الفتاوىٰ الهندية، باب شروط الصلاة، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ۶۳/۱، مكتبه دار الكتاب ديوبند)

اور جب عین کعبہ مشاہد نہ ہو اور مسجد حرام مشاہد ہو تو اس وقت عین مسجد حرام کی مواجہت فی الصلوۃ شرط ہوتی ہے اور جب عین مسجد حرام بھی مشاہد نہ ہو تو جہت مسجد حرام کی مواجہت شرط ہوتی ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مواجہت قبلہ کی بنیاد بھی مشاہدہ ہی پر ہے اور جب مشاہدہ بالکل نہ ہو سکے تو اس وقت مواجہت فی الجملہ کا حکم (۱) عائد ہوتا ہے اور اس پر اجماع عملی منعقد ہے اور اس اجماع پر عمل واجب ہے۔

باقی اس میں یہ شرط بھی ضروری التسلیم ہے کہ اگر کسی خطہ کی عام مساجد بھی جہت قبلہ سے اس طرح منحرف ہو جائیں کہ مواجہت فی الجملہ بھی حاصل نہ ہو اور حجت شرعیہ سے یہ انحراف ثابت و متحقق ہو جائے تو اس وقت وہاں کے رائج اجماع کا حکم ختم ہو کر تحقیق واقعہ کے مطابق حکم شرعی ہو جاتا ہے پس یہی حال و حکم مسئلہ زیر نظر و مبحوثہ کا بھی ہوگا کہ جس شخص کے نزدیک مشاہدہ صحیحہ شرعیہ سے اجماع متعارف کا عمل غلط ہونا حجت شرعیہ سے ثابت ہو جائے اس شخص پر اس اجماع کا حکم متوجہ نہ ہوگا، بلکہ اپنے مشاہدہ و صحیحہ شرعیہ کے مطابق عمل کرنا ضروری رہے گا، اور یہی حکم ان لوگوں کو بھی ہوتا ہے جن کے طلوع غروب اور طلوع فجر صادق وغیرہ کے اوقات اس مشاہدہ صحیحہ شرعیہ کے مطابق ہوں اور یہ مطابقت حجت شرعیہ سے ثابت ہو باقی تمام برطانیہ والوں کے لئے صرف اس خطہ کے ایک مشاہدہ صحیحہ شرعیہ کو معیار قرار دیکر تمام برطانیہ کے لئے معمول بہا بنالینا شرعاً صحیح نہ ہوگا اس لئے تھوڑی تھوڑی مسافت پر طلوع وغروب اور طلوع فجر صادق کے اوقات میں تفاوت فاحش غیر معتدل و غیر منتظم ہوتا ہے جیسا کہ وہاں کے طلوع فجر صادق کے نقشوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے ہاں اگر ہر خطہ و بلد کے طلوع وغروب و طلوع فجر صادق کے اوقات کا مشاہدہ صحیحہ شرعیہ کر کے ان اوقات کو صرف اس خطہ کے لئے معیار قرار دیا جائے گا تو یہ ہوسکتا ہے اور پھر اگر وہ معیار اجماع متعارف کے خلاف ہوں تو وہاں والوں پر اس اجماع متعارف کا حکم متوجہ نہ ہوگا بلکہ اپنے مشاہدہ کے مطابق عمل کرنا شرعاً ضروری ہو جائے گا، اس لئے یہ مشاہدہ صحیحہ شرعیہ حجیت اجماع متعارف کے حجیت سے شرعاً قوی تر واقوی ہوگی البتہ چونکہ برطانیہ میں بہت سے مقامات و خطے ایسے مشاہدہ میں آتے ہیں کہ وہاں سالہا سال فضا متغیم و ناصاف رہتی ہے بسا اوقات آفتاب کیا آسمان بھی نظر نہیں آتا، ایسے مقامات و خطہ میں طلوع وغروب وغیرہ کے اوقات کا صحیح مشاہدہ ہونا بے حد دشوار و متعذر رہتا ہے اس لئے وہاں کے لوگوں پر اجماع متعارف کا حکم متوجہ رہے گا، اور اسکے مطابق عمل کرنا شرعاً

---

(۱) "والفرض بغير المشاهدة إصابة جهتها أى الكعبة هو الصحيح، قال الطحطاوى تحت قوله (إصابة جهتها) فالمغرب قبلة لأهل المشرق وبالعكس والجنوب قبلة لأهل الشمال وبالعكس فالجهة قبلة كالعين توسعة على الناس كما فى القهستانى حتى لوأزيل المانع لايشترط أن يقع استقباله على عين القبلة كما فى الحلبى وهوقول العامة وهوالصحيح لأن التكليف بحسب الوسع. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۱۱۵/۱، باب شروط الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند)

لازم رہے گا، جب تک کہ مشاہدہ شرعیہ صحیحہ سے یا ان دلائل شرعیہ سے جو کہ اجماع سے اقوی ہیں اجماع متعارف کے خلاف شرعاً ثابت نہ ہو جائے اور وہی حکم حال اقرب البلاد اقرب الایام اعدل الایام وغیرہ کے ذریعہ سے طلوع وغروب وغیرہ کے اوقات کے تعین کا بھی ہوگا، کسی ایک خطہ یا بلاد کے اوقات کے اعتبار سے ثابت شدہ اوقات کو پورے برطانیہ کے لئے معیار ومعمول بہا نہیں بنا سکتے ہیں، اگر بنا سکتے ہیں تو صرف اسی خطہ ومقام کے لئے کہ جہاں پر اس کا مشاہدہ صحیحہ شرعیہ ہو جائے۔

هذا ما عندى من الشرع الشريف فإن كان صحيحاً فمن عند الله وإن كان خطأ فمن نفسى وما أبرى نفسى. فقط والله أعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ ۱۷/۲/۱۴۰۴ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۸-۱۹۲)

انگلینڈ کے بعض مقامات میں اوقاتِ نماز کے تعین کا طریقہ:

سوال (۱) برطانیہ اور انگلینڈ دونوں چھوٹے سے جزیرے ہیں، یہاں پر سردیوں میں ۱۶/ گھنٹے ۱۵ منٹ (سوا سولہ گھنٹہ) کی راتیں ہوتی ہیں اور گرمیوں میں دن ۱۶/ گھنٹہ ۴۳/ منٹ کا ہوتا ہے، اور سورج کی رفتار جنوب کی طرف سے ہوتی ہے، نمازوں کے اوقات کی تعیین میں دقت ہوتی ہے، (ابتداء اوقات کیا ہیں اور آخری اوقات کیا ہیں) عموماً موسموں کی خرابی کی وجہ سے بادلوں کی وجہ سے سورج نظر نہیں آتا، خصوصاً سردیوں میں سورج کہیں کہیں نظر آتا ہے اور کہیں نظر نہیں آتا اس سلسلے میں حکم شرعی کیا ہے، ظہر کی نماز کا وقت دن کے گھنٹوں کے حساب سے شمار کیا جائے، یا سایہ کو دیکھ کر؟

(۲) سری نمازیں دن کے کتنے گھنٹے کے حصہ میں پڑھنی چاہئے اور سورج غروب ہونے سے کتنے گھنٹے پہلے پڑھنی چاہئے، سردیوں میں دن ۸/ گھنٹہ اور گرمیوں میں ساڑھے سولہ گھنٹہ کا ہوتا ہے، مستحب اوقات کیا ہیں اور اوقات مکروہہ جماعت کے لئے کون سے ہیں؟

(۳) الف: گرمیوں میں دن ساڑھے سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے، مغرب کی نماز ۹/ بجکر ۲۳/ منٹ پر ہوتی ہے، جون، جولائی، اگست، ان دنوں میں مغرب کی نماز کے کتنی دیر بعد عشاء کی نماز پڑھنی چاہئے، یہاں کے ماہر اوقات وموسمیات نے شفقِ احمر غائب ہونے کا وقت مغرب کے بعد ۲ گھنٹہ ۸ منٹ پر بتایا ہے، اس حساب سے ۹/۲۳ میں ۲/۱۰ شامل کرلیں تو عشا کا وقت ۱۱/ بجکر ۴۰ منٹ پر ہوتا ہے، کسی امام کے نزدیک جلدی سے ان راتوں میں عشاء کا وقت کب شروع ہوتا ہے، ہندوستان کے لیے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بعد غروب عشا کے لیے ایک گھنٹہ/ ۲۰ منٹ کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ رکھا ہے، میرے خیال سے یہ جزیرہ چھوٹا ہے

اورسورج کے طلوع وغروب میں ساڑھے سات گھنٹے لگتے ہیں اور اطراف میں ہر طرف دریا ہی دریا ہیں، اور سرخی کبھی تو پوری رات نظر آتی ہے غائب نہیں ہوتی، تو عشا کا وقت کتنے گھنٹہ میں ہوتا ہے؟ اور یہ جگہ ۵۲ عرض البلد پر واقع ہے (۵۲ ڈگری) عشا کے وقت کے لیے شفقِ احمر کا غائب ہونا ضروری ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر عشا کا وقت نہیں ہوتا، حالانکہ ساڑھے سات گھنٹہ کی رات ہوتی ہے۔

(ب) ماہِ رمضان میں یہ راتیں بہت چھوٹی ہوں گی نماز وغیرہ سے فارغ ہونے سے پہلے ہی صبح صادق ہوجائے گی، لہٰذا ان سب حالات کو مدِ نظر رکھ کر جواب عنایت فرمائیں، ورنہ رمضان المبارک میں وقت تنگ ہوجائے گا۔ (حافظ محمد موسیٰ ابراہیم (انگلینڈ)

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تمام سوالات پڑھنے کے بعد جوابات نمبروار درج ہیں، امید کہ باعثِ تشفی ہوں گے۔

(۱) ہاں ظہر کی نماز کا وقت گھنٹوں سے شمار کیا جائے، ظہر کا وقت زوالِ شمس یعنی آفتاب ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔(۱)

اور زوالِ شمس اس وقت سے ہوتا ہے جب پورے دن (طلوعِ شمس سے غروب تک) کی مقدار کا نصف اول ختم ہو کر نصف ثانی شروع ہوتا ہے، پس جب پورے دن کا نصفِ اول ختم ہو کر نصف ثانی شروع ہوجائے تو زوال ہو گیا، وقت ظہر شروع ہو گیا، نماز ظہر پڑھ سکتے ہیں، سایہ اصلی ظاہر ہو یا نہ ہو، سایۂ اصلی کا اعتبار شروع وقت ظہر میں نہیں ہوتا، اگر ہوسکتا ہے تو ختم ظہر میں ہوسکتا ہے۔(۲)

غرض زوال وقت ظہر میں سایۂ اصلی کا پتہ نہ چلنا تعین وقت ظہر میں مضر نہیں، آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کی درمیانی مقدار کے گھنٹوں کے اعتبار سے دو برابر حصے کر لیے جائیں اور جب پہلا حصہ ختم ہو کر دوسرا حصہ شروع ہو جائے تو زوال کا وقت شروع ہوجائے گا، اس میں ظہر پڑھنا بلا شبہ جائز رہے گا خواہ آفتاب کی حرکت کسی رخ پر اور کسی سمت اور کسی انداز سے بھی ہو کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لہٰذا آپ نے جس حساب سے ظہر کا وقت نکال کر نماز ظہر پڑھنا متعین فرمایا ہے وہ صحیح ہے، سایہ اصلی کا اس وقت سوال ہی نہیں، بلکہ ۸/گھنٹہ ۲۳/منٹ پر ہوجائے گا۔

(۲) طلوع شمس سے غروب شمس تک کی پوری مقدار کا تقریباً اخیر حصہ حنفیہ کے معمول میں عصر کا وقت شمار ہوتا

---

(۱) ”أول وقت الظهر إذا زالت الشمس“. (الهداية، كتاب الصلوٰة: ۸۱/۱)

(۲) ”وآخر وقتها عند أبي حنيفة إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال“. (الهداية، كتاب الصلوٰة: ۸۱/۱)

ہے، لیکن اصفرار شمس اس مقدار کے آتے آتے ہوجاتا ہے اس سے قبل (ربع آخر یوم میں) بھی پڑھ سکتے ہیں، بلکہ اصفرار شمس کی کراہت سے بچنے کے لیے اسی وقت پڑھ لینا چاہیے۔ (تفصیل کے لیے! ماہنامہ دار العلوم نومبر ۱۹۶۹ء ملاحظہ فرمایئے۔)

(۳) الف: شفق احمر ختم ہونے سے قبل کسی امام کے نزدیک عشاء کا وقت نہیں ہوتا، (۱) البتہ جب رات صرف ڈیڑھ گھنٹہ کی ہوتی ہے اور ہر طرف دریا کے پانی کی وجہ سے پوری رات یا بہت دیر تک سرخی نظر آتی ہے تو وہ سب سرخی شفق ''احمر'' نہ ہوگی، شفق احمر اس سرخی کا نام ہے جو آفتاب کے افق مغرب میں ہونے کی وجہ سے ہو اور آفتاب افق میں رات کے آٹھویں حصہ ۸/۱ سے زیادہ عموماً نہیں رہتا، جہاں افق سے باہر نکلا مغرب کا وقت ختم ہوکر عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے رات کا صرف آٹھواں حصہ مغرب کا وقت شمار ہوتا ہے۔

جس موسم میں جتنی بڑی رات ہو اس کا آٹھواں حصہ اس دن کا مغرب کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب رہتا ہے، اس لیے غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے، جیسا کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا قول آپ نے بھی اسی قسم کا تحریر فرمایا ہے، آپ کے علاقہ میں افق کی مقدار اس سے بھی کم ہوتی ہے بلکہ جوں جوں قطب کے قریب والے تو درجہ بدرجہ اس سے بھی پہلے پڑھ سکتے ہیں۔

غرض ہر جگہ کی رات کا تقریباً آٹھواں حصہ ۸/۱ مغرب کا وقت شمار ہوکر اس کے بعد کا وقت عشاء کا وقت شمار ہوسکتا ہے، ماہر موسمیات کی تحدید کی رعایت کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ چیزیں علامت کے درجہ میں ہیں اصل علت نہیں ہیں؛ اس طرح پر وہاں غروب شمس ۹/بجکر ۳۲/منٹ ہونے پر بھی عشا کا وقت شروع ہوسکتا ہے اور عشا اس کے بعد پڑھ سکتے ہیں، اور اگر رات چھوٹی ہونے کی وجہ سے شب بیداری عامۃً وعادۃً دشوار ہو تو نماز میں قرأت کے اندر کچھ اختصار کرلیا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(ب) تراویح میں اگر پورا قرآن پڑھنے سے تنگی وقت ہو تو کم پڑھا جائے، حتی کہ ''الم تر کیف'' سے پڑھ لینا کافی ہوگا۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۵۔۱۸۸)

---

(۱) وأول وقت المغرب منه أی غروب الشمس إلٰی قبیل غروب الشفق الأحمر علی المفتی به وهو روایة عن الإمام وعلیها الفتویٰ وبها قالا لقول ابن عمر: الشفق الحمرة وهو مروی عن أکابر الصحابة وعلیه إطباق أهل اللسان. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰة: ۹۵) (مرتب)

(۲) وفی التجنیس: واختار بعضهم سورة الإخلاص فی کل رکعة، وبعضهم سورة الفیل أی البداءة منها ثم یعیدها. (ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۱/۴۷۵. انیس)

برطانیہ وغیرہ میں موسم سرما میں رات مختصر ہوتی ہے، وہاں نماز، روزے وتراویح کا حکم:

سوال: برطانیہ میں عموماً اوراس کے شمال مغربی صوبہ اسکاٹ لینڈ میں بطور خاص سردیوں میں دن بالکل مختصر اور موسمِ گرما میں ازحد طویل ہوتا ہے، امسال توقع ہے کہ پہلا روزہ ۱۴ر جولائی کو ہوجائے گا، اگر ۱۴ر جولائی کا روزہ ہوا تو مقامی تقویم کے اعتبار سے اس دن اوقاتِ سحر وافطار وصلوات خمسہ مندرجہ ذیل تفصیل سے ہوں گے۔

صبح صادق	طلوع شمس	زوال	وقت عصر	وقت مغرب	وقت عشاء
منٹ-گھنٹہ	منٹ-گھنٹہ	منٹ-گھنٹہ	منٹ-گھنٹہ	منٹ-گھنٹہ	منٹ گھنٹے
۱-۴۶	۴-۴۸	۱-۴۰	۶-۴۳	۱۰-۲	۱۱_۳

اس تفصیل کے مطابق صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک تین گھنٹے دومنٹ کا فاصلہ ہوگا۔ اور طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقفہ (روزہ کی طوالت) ۲۰ گھنٹے ۱۶ منٹ کا ہوگا، عشاء کی نماز اگر غروب سے ایک گھنٹہ بعد شروع کریں اور ۲۰ رکعات تراویح بشمول سوا پارہ قرآنِ کریم ایک گھنٹہ پندرہ منٹ میں بعجلت اور ڈیڑھ گھنٹہ میں بسہولت ختم کرلیں۔ اور اذان عشاء وجماعت کے درمیان ۱۲ منٹ کا فاصلہ رکھ کر سوا گیارہ بجے عشاء کی جماعت شروع کریں تو تراویح وغیرہ سے پورے پونے ایک بجے فراغت ہوگی۔ اور طلوع فجر سے پانچ منٹ قبل سحری کی بندش رکھیں تو اس طرح یہاں کے مسلمانوں کو صرف ایک گھنٹہ کی رات میسر ہوتی ہے جس میں ضروریات اور تناول سحری وغیرہ سب کچھ سرانجام دینا ہوتا ہے (مثلاً گھروں سے مسجد آنا جانا اور کھانا پکانا)۔

نوٹ: یہاں اسکاٹ لینڈ میں مئی، جون اور وسط جولائی تک پوری رات شفق ابیض مغرب کے بعد افق پر بصراحت نمودار رہتی ہے جو کہ صبح صادق کے بعد پھیل کر مکمل روشنی مہیا کردیتی ہے۔ باہر آبادی سے دور جا کر مختلف تاریخوں میں اس کا تجربہ کیا گیا ہے۔ دریں صورتِ حال بیان فرمائیں کہ ہم یہاں عشاء اور منتہائے سحر کا تعین کس طرح کریں، کیا مقامی تقویم کا التزام ضروری ہوگا یا اس کا کوئی متبادل حل موجود ہے؟ آئندہ وامسال روزہ تقریباً ساڑھے بیس گھنٹہ اور اس سے بھی کچھ زائد طویل ہوجائے گا۔ (مقبول احمد، جامع مسجد، گلاسکو)

الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

الف: حاصل سوال یہ ہے کہ برطانیہ میں عموماً شمالی حصہ میں اکثر گرمی کے موسم میں عشا کا وقت گیارہ بج کر تین منٹ پر شروع ہوتا ہے اور صبح صادق ایک بج کر چھیالیس ۴۶ منٹ پر ہوتی ہے۔ گویا رات کی کل مقدار دو گھنٹہ تینتالیس ۴۳ منٹ تک ہوجاتی ہے، امسال رمضان میں ایسا ہی ہوگا اب اگر وقت شروع ہوتے ہی اذان دے کر بارہ، چودہ منٹ پر بھی نماز شروع کردی جائے تو فرض وتراویح سے فراغت تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں ہوگی، اس طرح اب رات کا

حصہ کم وبیش صرف ایک گھنٹہ بچے گا، اس مختصر وقت میں سحری کھانا پینا اور دوسری ضروریات پوری کرنا اور مسجد تک جانا وغیرہ سب کچھ کرنا بہت دشوار ہوگا تو عمل کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عزیمت تو یہی ہے کہ سنت کے مطابق پورے ایک ختم قرآن پاک کے ساتھ پوری تراویح پڑھ کر پورا ماہِ مبارک مجاہدہ میں گذار دیں، ورنہ اگر معذوری ہو، مثلاً کمزوری ہو یا مریض ہو یا ملازمت کی مجبوری ہو تو الم ترکیف، سے بیس رکعات تراویح کی پوری کرلیں۔(۱) اور اگر اس کی بھی طاقت یا موقع نہ ہو تو فرض اور وتر کے درمیان محض آٹھ رکعت بنیت تراویح پڑھ لیا کریں۔(۲)

ب: اسکاٹ لینڈ یا جہاں بھی ایسا ہو کہ کسی مہینہ میں مثلاً مئی، جون اور وسط جولائی تک پوری رات شفقِ ابیض بعد مغرب قائم رہتی ہے اور صبح صادق ہونے پر بیاض پھیلا کر مکمل روشنی مہیا کر دیتی ہے تو ایسے مقام میں وقتِ عشاء اور منتہائے سحر کا تعین کس طرح کیا جائے۔ اور نماز عشا کس طرح اور کس وقت پڑھی جائے؟

تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگرچہ فقہاء احنافؒ نے شفقِ ابیض کے بعد ہی شروعِ وقتِ عشا بیان کیا ہے، لیکن بعض محققین فقہا شفق احمر کے غروب کے بعد سے ہی وقتِ عشا کی ابتداء بیان کرتے ہیں۔(۳)

اس لیے مذکورہ حالت میں شفقِ احمر کے غروب ہوتے ہی وقتِ عشا تسلیم کر کے نمازِ عشا صبح صادق کا بیاض شروع ہونے سے قبل، ادا کرلی جائے، اور ماہِ رمضان المبارک میں بھی عشا کے فرض و وتر کے درمیان صبح صادق کی سفیدی ظاہر ہونے سے پہلے تراویح بھی پڑھ لینے کی کوشش کی جائے، اگر بیس رکعات کا موقع "الم ترکیف" پڑھ کر بھی نہ ملے تو آٹھ رکعت ہی پڑھ لیا کریں، ہاں جہاں اس کا بھی موقع نہ ہو تو صرف عشا کے فرض و وتر ہی پڑھ لیا کریں۔ اور بنیت ادا پڑھیں جیسا کہ مقیمین بلغاریہ کے لیے نماز عشا کی ادائیگی کی بحث میں فقہاؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر شفق ختم ہونے سے قبل ہی صبح صادق شروع ہو جائے اور عشاء کا وقت نہ ملے جب بھی صلوٰۃِ مغرب و فجر کے درمیان بعد مغرب کچھ وقفہ دیکر فرض عشا با وتر بنیت ادا پڑھ لینا راجح ہے۔(۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۵۹-۱۶۱)

---

(۱) وفی التجنیس: واختار بعضهم سورة الإخلاص فی كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل أی البداءة منها ثم يعيدها وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات. (ردالمحتار: ۱/۴۷۵، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح)

(۲) وذكر فی الفتح أن مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمانية والباقی مستحبا. (ردالمحتار: ۱/۴۷۴، باب الوتر والنوافل)

(۳) كما بينه وفصله فی الدر و الرد. (وقت العشاء والوتر منه إلی الصبح، قال الشامی قوله: منه أی من غروب الشفق علی الخلاف فيه. (ردالمحتار: ۱/۲۴۱؛ كتاب الصلوٰة) (مرتب نظام الفتاویٰ)

(۴) (وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فی أربعينية الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما). (الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب فی فاقد وقت العشاء: ۲/۱۸)

جن ملکوں میں بعض نمازوں کا وقت ہی نہیں ملتا، وہاں ادائیگی کی کیا صورت ہوگی:

سوال (۱) یورپ کے بعض ملکوں میں ایام سرما کی مخصوص تاریخوں کے اندر نماز عصر کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا نہ سیدنا امام اعظمؒ کے نزدیک نہ صاحبین وائمہ ثلاثہ کے نزدیک، یعنی کسی چیز کا سایہ، سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل نہیں ہو پاتا ہے کہ سورج غروب ہوجاتا ہے، دریں صورت غروب آفتاب کے بعد نماز عصر پڑھی جائے گی یا پہلے؟ اور اس کی ادائے گی، بہ نیت ادا ہوگی یا قضا، یا پھر وہ نماز فرض ہی نہ ہوگی؟

اگر اس میں ائمۂ اسلام کا اختلاف ہوتو اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

(۲) ہر سال یہاں کم وبیش ۶۵ راتیں ایسی آتی ہیں کہ سیدنا امام اعظم کے مسلک میں نمازِ عشاء کا وقت ہی داخل نہیں ہوتا ہے، کیونکہ افق غربی سے نہ شفق ابیض زائل ہوتی ہے نہ ساری رات سورج ۱۸ درجے سے نیچے ہوتا ہے، (۱۲، اور ۱۸ کے درمیان گردش کرتا ہے) ایسی صورت میں احناف کے لیے نماز عشاء کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ اس خاص مسئلہ میں قولِ صاحبین کی طرف امام ابوحنیفہؒ کی رجعت صحیح ہے؟ جیسا کہ فتح القدیر اور شامی وغیرہما میں ہے اگر صحیح ہے تو کیا مذکورہ راتوں کے علاوہ بھی ضرورت صحیحہ (بہت کم وقت ہونا) ومصلحتِ شرعیہ ارتفاع نزاع بین المسلمین وغیرہما کے پیش نظر قول صاحبین رحمہما اللہ پر حنفیوں کو عمل کرنا جائز ہے؟

(۳) مذکورہ راتوں میں جب ساری رات سورج ۱۸ درجے سے نیچے نہیں ہوتا صبح کاذب ہوتی ہی نہیں تو ”**الإمساک عن الأکل والشرب للصوم**“ کا کیا حکم ہوگا؟

(فیروز احمد سکریٹری نیوزی لینڈ، اسلامک سوسائٹی)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱-۲) جن ملکوں میں ایام سرما کی چند مخصوص تاریخوں میں آفتاب کے نصف دائرہ سے آگے بڑھنے کے بعد سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل بھی پورا نہیں ہوتا کہ آفتاب غروب ہوجاتا ہے، یعنی عصر کا وقت بروایاتِ حنفیہ نہیں ملتا وہاں بھی نماز ادا کرنا فرض رہے گا اور عمل کی صورت یہ ہوگی کہ جب آفتاب ڈھل جائے یعنی اس کا سایہ مغرب سے مشرق کی جانب منتقل ہونے لگے اسی وقت ظہر کی نماز ادا کرلی جائے، پھر بغیر لحاظ سایۂ اصلی اور بغیر لحاظ سایہ کے مثلین ومثلِ واحد غروب ہونے سے پہلے نمازِ عصر پڑھ لی جائے، قضا نہ کی جائے، بلکہ ادا کی نیت سے پڑھی جائے پھر آفتاب غروب ہوتے ہی مغرب کی نماز پڑھ لی جایا کرے۔

اسی طرح غروب آفتاب کے بعد جب شفق احمر غائب ہوجائے تو نماز عشا پڑھ لی جایا کرے اور اگر ایسا ہو کہ شفقِ

احمر بھی غروب نہیں ہوتی یہاں تک کہ مشرقی جانب میں صبح کی روشنی نظر آجاتی ہو تو شفقِ احمر کے باقی رہتے ہوئے بھی نمازِ عشا، بہ نیت ادا پڑھ لی جائے۔

اس مسئلہ کی بہت اچھی بحث صاحب ردالمحتار نے فاقد وقت عشا کے تحت کی ہے اور بنیت ادا کو ترجیح دی ہے اور یہ قول اشبہ بالفقہ ہے اور اس کی مزید تائید احقر کی اگلی گفتگو سے بھی ہو جائے گی، پھر آفتاب طلوع ہونے سے کچھ قبل نمازِ فجر پڑھ لی جایا کرے۔

اس طرح ۲۴ رگھنٹہ کی پانچوں نمازیں بنیت ادا پڑھ لی جایا کریں، یہ طریقہ عمل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف نہ ہوگا، اس کی وضاحت اگلی تقریر سے بخوبی ہو جائے گی۔

اسی طرح جب عصر کا وقت نہ ملنے کی وجہ سے اور عشا کا وقت نہ ملنے کی وجہ سے اوپر لکھے ہوئے قاعدہ کے مطابق عصر وعشاء پڑھیں گے تو قضاء کی نیت نہ کریں گے بلکہ ادا ہی کی نیت سے پڑھیں گے۔

اس لیے کہ فرض نمازوں کے اوقات کی ابتدا وانتہا اور یہ تعینِ اوقات نمازوں کے فرض ہونے کی علت نہیں کہ ان کے منتفی ہونے سے نماز (کا حکم) ہی منتفی ہو جائے، بلکہ اوقات کی یہ ابتدا وانتہا اور یہ تعیین صرف علامات واسباب کے درجے کی چیزیں ہیں اور اسباب وعلامات کے منتفی ہونے سے اصل حکم مسبب منتفی نہیں ہوتا جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں مکمل بحث موجود ہے البتہ علت کے منتفی ہونے سے معلول حکم منتفی ہوتا ہے۔

نماز پنج گانہ کے فرض ہونے کی اصل علت نصوص قرآنیہ مطلقہ ہیں، مثلاً:

﴿اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ﴾. (سورة البقرة: ٤٣)

وغیرہا اور اس کی شرح اس حدیث پاک میں ہے:

"ان الله تعالىٰ فرض على كل مسلم ومسلمة فى كل يوم وليلة خمس صلوات". (۱)

اور اس حدیث جیسی اور احادیث میں بھی ہے اور یہ سب مشاہیر احادیث رواہ الصحاح میں سے ہیں۔

اگر اس مسئلہ کی پوری بحث تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو ۱۹۸۳ء کے لندن کے سمینار کے موقع میں جو جناب عبداللہ مغرم مامور فی المملکۃ السعودیہ کی نگرانی میں ہوا تھا، اس کے تفصیلی جواب میں اس کی تفصیل بصیرت کے ساتھ ملے گی یہ تفصیلی جواب عربی اور اردو دونوں زبان میں ہے، عربی جواب دارالعلوم کے رسالہ الدراسۃ میں بھی شائع ہو چکا ہے اور اردو جواب احقر کے پاس سے غیر مطبوعہ مل سکتا ہے۔

---

(۱) وفى سنن أبى داؤد: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ... فإذا هو سأل عن الإسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خمس صلوات فى اليوم والليلة". (أبو داؤد: ١٠٦/١ (ح: ٣٩١) كتاب الصلاة)

ان احکام کی تائید حدیث دجال سے بھی ہوتی ہے، حدیث دجال صحاح میں مروی ہے، خاص کر مسلم شریف میں بہت تفصیل سے مذکور ہے، حدیث بہت طویل ہے صرف بقدر ضرورت یہاں نقل کی جاتی ہے، دجال چالیس یوم تک رہے گا، اس کا پہلا دن چھ ماہ کا ہوگا پھر کم ہوتے ہوتے مثل شررہ کے ہوجائے گا۔

عن أبي أمامة الباهلي ... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وإن أيامه (أى أيام دجال) أربعين سنةً (إلى قوله) وآخر أيامه كالشررة يصبح أحدكم على باب المدينة فلا يبلغ بابها الأخر حتى يُمسى فقيل له كيف نصلى يارسول اللّٰه فى تلك الأيام القصار؟ قال: تقدرون الصلوٰة كما تقدرون فى هذه الأيام الطوال ثم صلوا أو كما قال صلى اللّٰه عليه وسلم. (۱)

آپ کے فرمان'' **تقدرون الصلوٰة، الخ** '' کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح چھ ماہ اور دوسرے بڑے دنوں میں اندازہ سے فرق کرکے پانچوں نمازیں پڑھو گے، اسی طرح چھوٹے چھوٹے دنوں میں بھی اندازہ سے فرق کرکے تمام نماز پنج گانہ پڑھتے رہنا۔

حاصل یہ نکلا کہ جس طرح چھوٹے سے چھوٹے دن میں دن کی سب نمازیں اندازہ کرکے پڑھنا خواہ تھوڑا ہی تھوڑا فصل ووقفہ کرکے ہو بلکہ اگر متصلاً دن کی نمازیں اندازہ کرکے پڑھنی پڑیں تب بھی پڑھتے رہنا (اسی طرح سے چھوٹی سے چھوٹی راتوں میں بھی رات کی سب نمازیں اندازہ کرکے خواہ متصلا تینوں نمازیں رات کی پڑھنی پڑیں یا کچھ وقفہ کے ساتھ پڑھیں، پڑھتے رہنا)۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ ۲۴ رگھنٹہ میں اللہ تعالیٰ نے جو پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں ان کی تعمیل ہوتی رہے اور رشتہ عبودیت الی المعبود صحیح و مستحکم رہے۔

نوٹ: ابتداء وقت عصر میں اور ابتداء وقت عشاء میں ایک قول امام اعظمؒ سے بھی صاحبین کے قول کے مطابق ملتا ہے اور اس پر عمل کر لینے کی گنجائش بھی ہے، لیکن جہاں امام کا قول صراحۃً ملتا ہے اور اس پر عمل کرنے میں تعذر وغیرہ بھی نہیں ہوتا ہو وہاں اختلاف سے محفوظ رہنے کی خاطر امام کے ہی قول پر فتویٰ ہوتا ہے باوجود اس کے اگر کوئی عذر شرعی کی وجہ سے صاحبین کے قول پر عمل کرے تو مسلکِ حنفیت سے خارج شمار نہیں کیا جائے گا، باقی صورتِ مسئولہ میں مذکورہ حالات کے تحت اس مسئلہ میں بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ **كما لايخفٰى**

کیونکہ یہاں پر تو امام کے قول کے مطابق ابتداء عصر اور ابتداء عشا کا وقت ظاہر و محسوس ہی نہیں ہوتا کہ مفتیٰ بہ اور غیر مفتیٰ بہ قول کی بحث پیدا ہوسکے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسىٰ ابن مريم وخروج يأجوج ومأجوج (ح: ۴۰۷۷)/ سنن أبى داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال (ح: ۴۳۲۲) انيس

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ بعض علماء متاخرین نے فرمایا ہے کہ جس جگہ عشا کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا ہو، یا مفقود رہتا ہو؛ ملتا نہ ہو، وہاں عشا کی نماز فرض نہ ہوگی، جیسا کہ اہل بلغاریہ پر، اگر کوئی کہے جیسا کہ بعض علمانے کہا ہے؛ اسی پر قیاس کر کے کہ یہی حکم اس جگہ کا بھی ہوگا، جہاں عصر کا وقت داخل نہ ہوتا ہو کہ وہاں عصر فرض ہی نہ ہوگی اور وجوب ادا کا حکم متوجہ نہ ہوگا، اس طرح کا حکم سمجھنا اور اس طرح کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ تعبیر اس طرح ہونی چاہئے کہ ان مقامات میں عصر وعشا کے وقت کا ادراک اور احساس نہیں ہوتا ہے اور یہ اوقات محسوس وظاہر نہیں ہوتے ہیں اور یہ کہنا کہ وہاں عصر وعشا کی نماز فرض ہی نہ ہوگی تو اس قول کا مبنی وہی غلطی ہے کہ ان اسباب وعلامات کو علت فرضیت سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ یہ اسباب علت فرضیت نہیں ہیں، جیسا کہ بعض محققین متقدمین کے قضا وادا کے کلام میں گذر چکا ہے کہ علت فرضیت تو مخصوص آیاتِ قرآنیہ ہیں اور قرآن پاک کلام الٰہی ہے اور کلامِ تربیت ہے اور تدریجی طریقہ اصلاح کا کلام ہے، اسی نماز کے حکم میں غور فرمایئے! ایک جگہ بہت مختصر جامع کلمہ فقط ﴿اَقِيْـمُـوا الصَّلٰوةَ﴾(۱) فرمادیا گیا ہے، پھر ایک جگہ ذرا وضاحت فرمائی گئی کہ ﴿اَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا﴾. (۲)

فرمایا گیا اور اس میں پانچوں نمازوں کو مجمل طور پر بیان فرمایا گیا، اسی کی ترجمانی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ''إن اللّٰه فرض علی کل مسلم ومسلمة خمس صلٰوة في کل يوم وليلة'' (۳) والی حدیث میں فرمائی، یہی آیت وحدیث حکم فرضیت صلوٰۃ کی اصل علت ہیں اور اس آیت وحدیث سے معلوم ہو گیا کہ جب تک ۲۴ر گھنٹہ میں یوم ولیل بنتا رہے، اس وقت تک یوم ولیل کی مقدار کم ہو یا زیادہ؛ ان میں یہ پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی۔

لہٰذا اب یہ کسی کا کہنا کہ عصر کا وقت یا عشا کا وقت نظر نہ آیا تو وہ نماز فرض ہی نہ رہی بداہۃً غلط ہو جائے گا، جمہور متقدمین ائمہ مجتہدین کے نزدیک یہی راجح ہے اور ایام معتدلہ میں جہاں سورج کا طلوع وغروب معتدل رہتا ہو، وہاں پانچوں نمازوں کے وقت کی ابتداء اور انتہاء امامت جبرئیل والی حدیث میں بتلادی گئی اور جہاں طلوع وغروب ۲۴ر گھنٹہ میں یومیہ نہ ہوتا ہو، بلکہ زائد مقدار تک طلوع یا غروب رہ جاتا ہو، وہاں کے لیے حدیث دجال میں حکم بتلادیا گیا۔

پھر تمام نماز کے اوقات کو تھوڑا تھوڑا کر کے حسب مصلحت وحکمت تربیت قرآن پاک کے مختلف مقامات میں بیان فرمادیا گیا، چنانچہ دوڈھائی سو آیات سے زیادہ آیات میں نماز سے متعلق اوقات واحکام بیان فرمائے گئے اور نمازوں

---

(۱) سورۃالأنعام: ۷۲۔

(۲) سورۂ بنی إسرائیل: ۷۸۔

(۳) في الصحيح للبخاري: ... أن اللّٰه افترض عليهم خمس صلوات في کل يوم وليلة. (الصحيح للبخاري، باب وجوب الزكاة (ح: ۱۳۹۵) انیس)

کی غرض وغایت ﴿أَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ (۱) میں بیان فرمادی گئی کہ میری یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لیے اور مجھ سے رشتۂ عبودیت محکم واستوار رکھنے کے لیے نماز پڑھا کرو۔

اس آیت کریمہ کے اشارہ سے بھی؛ نیز حدیث دجال والی روایت سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ ایام معتدلہ میں دو نمازوں کے درمیان جس انداز کا فرق وبعد ہوتا ہے، اسی انداز کا فرق وبعد طویل ایام میں قائم کر کے ۲۴ر گھنٹہ کی ایک مقدار غروب اول سے شمار کر کے نصف اول کو شب قرار دے کر؛ اس میں رات کی تینوں نمازوں مغرب، عشا اور فجر کو جہر سے پڑھ لیا کریں اور نصف ثانی کو یوم قرار دے کر اس میں دن کی نمازیں ظہر اور عصر کو سراً پڑھ لیا کریں؛ تاکہ خالق کائنات کے ساتھ رشتۂ عبودیت برابر قائم رہے۔

غرض ابتداء عصر وعشا یا ابتداء فجر کا وقت الگ الگ اور جدا جدا ظاہر نہ ہونے کے باوجود مذکورہ بالا دلائل کے مطابق دونوں نمازیں عشا مع الوتر اور فجر بنیت ادا پڑھنا فرض رہے گا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آفتاب کا ۱۸ر درجہ وغیرہ زیر افق ہونا اداء نماز کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے لیے مدار نہیں ہے، بلکہ ان ہی دلائل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام عباداتِ محضہ کی ادائیگی صحت کا مدار علوم اہل فلکیات اور علوم اہل ہندسہ کی تحقیقات اور تدقیقات پر نہیں ہے اور نہ ان کو اصل نصوص اور شرعی علامات واسباب پر فوقیت دی جاسکتی ہے، بلکہ اصل مدار اور فوقیت صرف اور صرف نصوص قرآنیہ اور حدیث پر ہے، بلکہ شرعی علامات واسباب بھی ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں اور ماہرین فلکیات اور ماہرین ہندسیات کا صرف تابعیت وفرعیت کے درجہ میں اطمینان قلب اور تسکین قلبی کے لیے لحاظ کریں تو مضائقہ نہیں اور یہ بھی صرف میدانی علاقوں کے ان خطوں میں جہاں طلوع وغروب وغیرہ متعادل ومنتظم اور تدریجی ہوتے ہیں، بشرطیکہ ان کا حساب وغیرہ نصوص وعلامات واسباب شرعیہ کے مطابق ہو اور مروجہ نقشہ بھی ان اسباب وعلامات کے موافق ہو نیز گھڑیاں بھی ان نقشوں کے مطابق ہوں، ورنہ ان چیزوں کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہوگی اور ان کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا، جیسا کہ آیت کریمہ:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْأَھِلَّةِ، قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾. (۲)

﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّیْ، وَمَا أُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً﴾ (۳) کے اشارہ سے، نیز حدیث پاک ”نحن أمة أمية، لانكتب ولانحسب“ أو كما قال عليه السلام. (۴) اور اس جیسی دوسری احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) سورة طٰهٰ: ١٤۔ (۲) سورة البقرة: ١٨٩۔

(۳) سورة بنی إسرائيل: ٨٥۔

(۴) مسلم مع النووی، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال: ٢٠٥/٤۔

(الصحيح لمسلم (ح: ١٠٨٠) والصحيح للبخاری (ح: ١٩١٣)

عن حذيفة، أن جبريل لقی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عندحجارة المراء فقال: ياجبريل إنی أرسلت إلی أمة أمية: إلی الشيوخ والعجوز والغلام والجارية والشيخ الذی لم لم يقرأ كتاباًقط، ==

پس عرض البلدتین سے بلکہ اس کے کچھ قبل ہی سے جہاں سے طلوع وغروب کے اوقات اعتدال اور تدریج کے ساتھ نہ ہوں، بلکہ غیر معتدل یا غیر تدریجی ہوجائیں، وہاں اس حساب کو لیطمئن قلبی کے درجہ میں بھی علی الاطلاق اعتبار کرنا صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ برطانیہ اور اس سے شمال کی سمت کے اکثر ممالک ومقامات؛ جن میں طلوع وغروب کے اوقات تدریجی تفاوت اور اعتدال کے ساتھ نہ ہوں، ایسے ممالک اور خطوں میں صرف نصوص اور شرعی علامات واسباب منصوصہ پر صحت عباداتِ محضہ کا مدار رکھا جائے گا، بلکہ اگر شرعی علامات واسباب بھی ظاہر ومحسوس نہ ہوں تو محض نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ پر مدار رکھ کر اندازہ وتحری سے عمل کرلینا کافی اور صحیح ہوجائے گا۔

(۳) مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ!''الإمساک عن الأکل والشرب للصوم'' میں بھی ۱۸/۱۲ ردرجہ افق سے نیچے آفتاب کا ہونا شرط نہیں ہوگا اور ادائیگی صوم کی صحت کے لیے ان درجات سے نیچے آفتاب کے ہونے پر مدار نہ ہوگا، بلکہ شرعی علامات واسباب کا ظہور جب تک سادہ فطری اصول مشاہدہ وغیرہ سے ہوتا رہے کہ غروب کے بعد افطار اور کھانے پینے اور مغرب وعشاوتر کی نماز ادا کرلینے کے ساتھ اگر سحری کھانے اور فجر کی نماز پڑھنے کا وقت ملتا رہے تو گھڑیاں رکھ کر اس کے مطابق انتظام کرکے عمل کرتے رہنا درست وصحیح ہوگا اور جب ان شرعی علامات واسباب کا ظہور سادہ فطری اصول سے بھی دشوار ومتعذر ہوجائے تو نصوص قرآنیہ واحادیثیہ پر مدار رکھ کر کہ وہ اصل ومتبوع اور علتِ احکام ہیں؛ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں، ان پر صحیح عمل کرلینا کہ وہ سارے عالم کے لیے مدارِ صحتِ اعمال اور مدارِ نجات ہیں کافی اور درست رہے گا۔

پس ان نصوص واحادیث کا جو مفہوم قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں لیا گیا ہے اور جس کی تفصیل وتشریح جس طرح ائمہ اربعہ متقدمین ائمہ ہدیٰ نے کی ہے؛ جن کے اہل حق ہونے پر اجماع سلف ہوچکا ہے، اسی تفصیل وتشریح کے مطابق عمل کرلینا کافی اور درست ہوگا اور عنداللہ مقبول ہوگا، جیسا کہ عرض البلدتین کے بعد جوں جوں شمال کی جانب بڑھیں گے، یہی اصول معمول بہا اور صحیح ہوگا، پس جب شرعی علامات واسباب بالکل ظاہر نہ ہوں تو محض نصوص واحادیث کے حکم کے مطابق محض اندازہ اور تحری کرکے طلوع آفتاب سے پہلے ہر عمل کا انتظام کرکے اس پر عمل کرلیں۔

آپ کی تحریر کے مطابق تو آپ کے علاقہ اور خطے میں افطار وطعام نماز ہر چیز سے فارغ ہوکر طلوع آفتاب سے سوا گھنٹہ قبل سے تکمیل صوم کا موقع نظر آتا ہے، پس اسی کے مطابق عمل رکھنا عنداللہ مقبول ہوگا اور مدارنجات کے لئے کافی ہوگا۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۷۱-۱۷۷)

== فقال: إن القرآن أنزل علی سبعة أحرف. (مسند الإمام أحمد، حديث حذيفة بن اليمان (ح: ٢٣٤٤٧) / مسند أبی داؤد الطيالسی، عن أبی بن كعب (ح: ٥٤٥) انيس)

مغربی ممالک میں اوقات نماز سے متعلق ایک اہم استفتا:

سوال: (۱) مغربی ممالک، خصوصاً برطانیہ میں بڑھتی ہوئی مسلمانوں کی آبادی کی بدولت، اوقات نماز کا مسئلہ علماء کرام اور مفتیان عظام کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مفتیان عظام اس مسئلہ پر غور وخوض کے بعد یہاں بسنے والوں کے لئے دین فطرت کے صحیح آسان اسلامی حل کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے موقعۂ عمل فراہم فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

محکمۂ موسمیات اور ہیئت دانوں نے اپنی تحقیق کے مطابق شفق کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) سول شفق (Civil Twilight) ۶ر درجہ والی شفق

(۲) شفق بحری (Nautical Twilight) ۱۲ر درجہ والی شفق

(۳) شفق سیت (Astronomical Twilight) ۱۸ر درجہ والی شفق

تفصیل:

سول شفق: سول شفق کو ''شفق احمر'' سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس وقت آسمان صاف ہوتا ہے، رات کے آثار کم ہوتے ہیں، چند موٹے موٹے ستارے دکھائی دیتے ہیں۔

شفق بحری: اس شفق کو ''شفق ابیض'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

شفق سیت: یہ وہ شفق ہے جس کے بعد آسمان پر مکمل تاریکی چھا جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے تارے دکھائی دیتے ہیں۔ ماہرین فلکیات اس شفق کے بعد اپنے فنی تجربوں میں لگ جاتے ہیں۔

شفق کی اس تفصیل کے بعد، اسلامی ممالک نیز ہندو پاک کرۂ ارض پر اندرون ''۴۰'' عرض البلد پر واقع ہونے کی بنا پر وہاں شفق کے غروب ہونے میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے، اس لئے ان ممالک میں عموماً نماز عشا بعد غروب، ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد، سال بھر ہوتی ہے۔

مگر برطانیہ اور وہ ممالک جو ''۴۵'' عرض البلد سے اوپر واقع ہیں، وہاں جوں جوں اوپر جانا ہوگا، غروب شفق دیر سے ہوگی، اور صبح صادق جلدی، اسی طرح موسم گرما کے بعض مہینوں اور دنوں میں تو غروب شفق اور ابتداء صبح صادق میں بالکل فصل نہیں ہوتا اور بعض دنوں میں بہت ہی کم فاصلہ رہتا ہے۔ جو امید ہے حسب ذیل مثال سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

''۵۴''عرض البلد (انگلستان کے جس علاقہ) میں ہم رہتے ہیں ۲۰؍جون کو طلوع آفتاب اور غروب حسب ذیل ہے:

	منٹ؍گھنٹہ		منٹ؍گھنٹہ
طلوع آفتاب	۴؍۳۵	غروب شفق بحری	۱۲/۱۹
غروب آفتاب	۹؍۴۱	صبح صادق	۱/۵۸
دن کی مقدار	۱۷؍۶	درمیانی فاصلہ	۱/۳۸

''۵۶''عرض البلد (گلاسکو اور اطراف) پر ۲۰؍جون سے ۱۲؍جولائی تک شفق بحری غائب ہی نہیں ہوتی۔ ''۵۸''، ''۶۰''عرض البلد (بالائی اسکاٹ لینڈ، اسٹورناولے) ۲۱؍مئی سے ۲۵؍جولائی تک شفق مذر کو غائب نہیں ہوتی، ان دنوں ساری رات افق پر اجالا رہتا ہے۔

مذکورہ حساب کی بنا پر جن مقامات پر یعنی ''۵۴''عرض البلد پر جہاں ۱۲/۱۹ کو شفق غائب ہوتی ہے اور ۴/۳۵ کو طلوع ہوتا ہے، ہم ۱۲/۳۰ سے قبل نماز عشا نہیں پڑھ سکتے اور دوسری طرف فجر کی نماز چار بجے۔ درمیانی فاصلہ صرف ساڑھے تین گھنٹہ کا رہتا ہے، نماز عشا کو یوں مؤخر کرنا ناممکن نہ سہی، مگر مشکل ضرور ہے۔

نیز بعض ائمہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین سفر اور اعذار کی بنا پر جائز ہے اور اس پر عرب ممالک کے باشندوں کا انگلستان میں عمل بھی ہے، تو کیا حنفی المسلک کے لئے اس میں آسانی کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، جو سارے عوام کے لئے قابل عمل ہو؟

تحقیق اوقات کا یہ مسئلہ صرف نمازوں کی حد تک نہیں، آئندہ چند سالوں کے بعد رمضان المبارک بھی انہی مہینوں میں آئے گا، تو اس وقت اس مسئلہ کی اور بھی زیادہ نازک اور سنگین صورت ہوگی، مذکورہ حساب کی بنا پر روزہ تو لمبا ہی ہوجائے گا، بعض جگہوں پر تو ۱۸/۱۱ منٹ طلوع وغروب آفتاب کا حساب ہوگا۔ اور جن جگہوں پر ۱/۳۸، کا فاصلہ نماز عشا میں اور فجر صادق کے درمیان رہتا ہے، ان کے لئے اس مختصر سے وقت میں نماز عشا، تراویح، سحری وغیرہ کی ادائیگی ناممکن نہ سہی، تو مشکل ترین ضرور ہوجاتی ہے، جس کا ادنیٰ احساس ہر ایک کرسکتا ہے۔

نیز جو علاقے ''۵۶''عرض البلد پر واقع ہیں، جہاں ۲۲؍دن اور جو علاقے ''۵۸''، ''۶۰''عرض البلد پر واقع ہیں، جہاں ۶۵؍دن (دو ماہ) شفق اور صبح صادق کے درمیان فاصلہ نہیں رہتا، روزہ کی ابتدا کب سے ہو؟ نیز نماز عشا و تراویح کا اختتام کب ہو؟ سمجھ میں نہیں آتا۔

یاد رہے مذکورہ ساری گزارشات عمل کے لئے پوچھی جارہی ہیں اور یہ وہ علاقے ہیں، جہاں مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں اور ان کی اچھی خاصی تعداد اس مسئلہ سے دوچار ہے، اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ مفتیان عظام اس مسئلہ پر

بڑی سنجیدگی سے غور فرما کر اس کے قابل عمل حل سے ہم دور افتادوں کو نوازیں گے۔

سوال: (۲) برطانیہ میں مختلف مسلک کے لوگ آباد ہیں، کوئی شافعی ہیں، تو کوئی حنفی ہیں، تو کوئی اور مسلک کے۔ حنفی حضرات نماز عصر مثلین کے بعد پڑھتے ہیں، مثلین اور غروب آفتاب میں سردیوں کے موسم میں صرف گھنٹہ بھر کا فاصلہ رہتا ہے اور گرمیوں میں ظہر اور عصر کے درمیان کافی فاصلہ رہتا ہے، جن شہروں میں حنفی عوام ہوتے ہیں اور امام حنفی ہوتا ہے، تو وہاں یہ مسئلہ اور بھی زیادہ قابل بحث بن جاتا ہے، امام کا اصرار مثلین پر ہوتا ہے اور عوام کا اصرار مثل اول پر، ان کے اصرار کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ یہاں اکثریت کارخانوں میں کام کرتی ہے، وہ موسم گرما میں مثل اول پر نماز ادا کر کے کارخانہ جاسکتے ہیں اور مثلین کے انتظار تک ان کے کارخانہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور بعض کارخانوں میں نماز کی ادائیگی بہت مشکل ہوتی ہے، نیز کتب فقہ میں اصفرار شمس کے بعد نماز عصر کو مکروہ لکھا ہے۔ اب یہاں کے موسم میں مثلین کے وقت تو کیا اس سے پہلے سورج میں زردی آجاتی ہے اور نماز تو سارے دن نہیں ہوتی ، تو کیا ان صورتوں میں نماز عصر کو حنفی المسلک بھی مثل اول میں ادا کرے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سوال: (۳) برطانیہ کا موسم اتنا غبار آلود ہے کہ یہاں سارے سال میں شاذ و نادر ہی چاند کی رؤیت ہوتی ہے، جس ملک میں کئی کئی دن تک آفتاب غبار کی وجہ سے نظر نہ آتا ہو، وہاں چاند کی رؤیت کا سوال کم ہی پیدا ہوتا ہے، جب رؤیت ہلال کا مسئلہ یوں ہے، تو رمضان وعیدین کے تعین کا مسئلہ بھی پیچیدہ بن گیا ہے، اور اس مسئلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سے مراسلت کے بعد جناب والا کے آخری استفتا کے مطابق آج تقریباً تیس سال سے عمل ہورہا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ رمضان کی تعیین کے بارے میں تو قریبی ملک مراکش سے بذریعہ فون بات چیت ہونے پر، ان کی خبر کے مطابق تعین کیا جاتا ہے، اور عید، رمضان کے لئے ملک میں ۲۹ر رمضان کو چاند ثابت نہ ہو، تو ۳۰ر روزے مکمل کر کے عید منائی جاتی ہے اور عیدالاضحیٰ کے لئے عموماً یہاں کے علما یوں کرتے ہیں کہ ہندو پاک کے خطوط پر یکم ذی الحجہ متعین کر کے اسی کے حساب سے عیدالاضحیٰ کا تعین بھی ہوتا ہے۔

مگر بادی النظر میں یہ کوئی مستقل حل نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ جو صاحب فون کرتے ہیں، اگر وہ ملک میں موجود نہ ہوں، یا جن کے ساتھ مراکش میں فون پر بات کی جاتی ہے، وہ نہ ہوں، تو ان دونوں صورتوں میں یہ بات پھر اسی پریشانی کا باعث ہوگی، نیز خطوط والا مسئلہ بھی کسی حد تک صحیح ہو، تب بھی مستقل حل نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ خاص طور پر عرب ممالک کے طلبا اس کو قبول نہ کرتے ہوئے محکمۂ موسمیات کے حساب سے تعین رمضان وعید کرتے ہیں، تو کیا ان مجبوریوں کی صورت میں علامہ سبکیؒ کی تحقیق کے مطابق، محکمۂ موسمیات والوں کے مطابق زمین سے قابل رؤیت ہونے پر عیدین و رمضان کا تعین کیا جائے، تو اس کی گنجائش نہیں ہوسکتی؟

خدا کے فضل سے برطانیہ میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ مسلمان آباد ہیں اور بہت بڑی تعداد میں ان کے بچے بھی یہاں آباد ہیں، ملک بھر میں تقریباً ۷۰ سے ۸۰ مساجد قائم ہوگئی ہیں، جن میں تراویح، نماز پنجگانہ ہورہی ہے، اس لئے اس قسم کے مسائل لائق توجہ اور قابل غور ہیں۔ اس لئے حضرت والا سے صحیح شرعی آسان رہبری کے متوقع ہیں۔ فقط

(موسیٰ سلیمان کرماڈی، مدیر ''فاران'' ڈیوزبری)

الجواب ــــــــــــ باسمہ تعالیٰ

(۱) شفق کے سوال میں جو تین درجے مختلف ناموں سے بیان کئے ہیں، شرعاً مدار احکام نہیں ہیں، شرعاً تو شفق کے دو درجے ہیں، ''شفق احمر، شفق ابیض''۔ بعض ائمہ کے نزدیک مغرب کا آخری وقت شفق احمر کا غائب ہونا ہے، اور اسی سے عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک شفق ابیض کے غائب ہونے سے مغرب کا وقت ختم ہوتا اور عشا کا وقت شروع ہوتا ہے۔

شرح ''مہذب'' میں ہے:

'' أجمعت الأمة علیٰ أن وقت العشاء مغيب الشفق واختلفوا فی الشفق هل هو الحمرة أم البياض... ومذهبنا أنه الحمرة دون البياض''. (۱)

شفق احمر اور شفق ابیض میں تین درجے کا فرق ہوتا ہے۔

''لما فی ردالمحتار: أن التفاوت بين الشفقين بثلٰث درج كما بين الفجرين. (۲)

عام معتدل علاقوں اور ملکوں میں دونوں کے درمیان پندرہ منٹ کا فرق ہوگا، اور سوال میں جن علاقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں زیادہ فرق ہوگا۔

جیسا کہ ابھی تحریر کیا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک شفق ابیض کا اعتبار ہے، اسی وقت پر مغرب ختم ہوتا ہے، اور اسی سے عشا شروع ہوتا ہے، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک شفق احمر کا اعتبار ہے، اور بعض کبار حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ **لما فی الدر المختار وحاشیته رد المحتار:**

''(و) وقت (المغرب منه إلیٰ) غروب (الشفق وهو الحمرة) عندهما وبه قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما فی شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب. (الدرالمختار)

وفی ردالمحتار: لكن تعامل الناس اليوم فی عامة البلاد علیٰ قولهما وقد أيده فی النهر تبعاً

(۱) المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة (المسئلة الثالثة) إجماع الأمة علیٰ أن وقت العشاء ... الخ: ۳۸/۳، ط: إدارة الطباعة المنيرية.

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة الوسطیٰ: ۳۶۱/۱، ط: ايچ، ايم، سعيد.

للنقاية و الوقاية والدرر والإصلاح ودرر البحار والإمداد والمواهب وشرحه البرهان وغيرهم مصرحين بأن عليه الفتوىٰ ، وفي السراج: قولهما أوسع وقوله أحوط. (۱)

لہٰذا برطانیہ اور وہ ممالک جو "۴۵" عرض البلد سے اوپر واقع ہیں اور جہاں شفق دیر سے غائب ہوتی ہے، وہ صاحبین کے قول پر عمل کریں، غروب شمس کے بعد مغرب کی نماز پڑھیں اور شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد عشا کی نماز پڑھیں، اس طرح ان کو عشا کی نماز کا زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا، عشا اور صبح میں فاصلہ بڑھ جائے گا، جن دنوں میں شفق احمر پر عمل کرنے کے باوجود غروب شفق اور طلوع صبح صادق میں فاصلہ بہت ہی کم ہوتا ہے، اس میں عشا کی نماز ہرگز ترک نہ کریں، آرام اور سونے کا وقت دن میں نکالیں، البتہ جن ایام میں غروب شفق نہ ہو اور طلوع فجر ہو جائے، اس صورت حال کو فقہا "**فقد وقت العشاء**" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں، اور اس میں فقہا مختلف ہیں، بقالی، حلوانی، مرغینانی کی رائے یہ ہے کہ عشا اور وتر کی نماز اس صورت میں ذمۂ مکلّف سے ساقط ہو جاتی ہے، نہ ادا واجب، نہ قضا واجب، کیونکہ سبب معدوم ہے۔

"كما في الدر المختار: وقيل لايكلف بهما لعدم سببهما وبه جزم في الكنز والدرر و الملتقىٰ وبه أفتىٰ البقالي ووافقه الحلواني والمرغيناني ورجحه الشرنبلالي والحلبي وأوسعا المقال ومنعا ماذكره الكمال. (۲)

برہان کبیر، محقق ابن الہمام، ابن الشحنہ کا فیصلہ ہے کہ نماز عشا و وتر ذمۂ مکلّف سے ساقط نہیں ہے، ضرور پڑھے، کیوں کہ قرآن کریم، احادیث متواترہ سے پانچ نمازوں کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے اور اس میں کسی علاقہ، ملک کی تخصیص نہیں ہے، رہا سبب کا مسئلہ تو سبب اجتہادی ہے، نصی نہیں ہے۔ اس لئے اس صورت میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، صلوات خمسہ کا حکم علیٰ حالہ باقی ہے۔ محققین فقہا نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ شیخ محمد اسماعیل الکلنبوی المتوفی ۱۲۰۵ھ، نے اس پر ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے اور محقق ابن الہمام کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کو حکم شریعت قرار دیا ہے، "ابن عابدین شامی" نے بھی اسی کو راجح کہا ہے:

"والحاصل أنهما قولان مصححان ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعي كما نقله في الحلية عن المتولي عنه. (۳)

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری بھی اس قول کو راجح اور مفتیٰ بہ فرمایا کرتے تھے۔ **كما أخبرني به فضيلة الشيخ البنوري صاحب معارف السنن متعنا الله بطول حياته.**

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة الوسطىٰ: ۳۶۱/۱، ط: ایچ، ایم، سعید

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء: ۳۶۱/۱، ط: ایچ ایم، سعید.

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبيل مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۳۶۵/۱. ط. ایچ، ایم، سعید.

لہٰذا وہ لوگ عشا کی نماز ترک نہ کریں، اور علامہ ''زیلعی'' کی تحقیق کے مطابق کسی وقت بطور قضا پڑھ لیں:

''كما في رد المحتار: ''إذا علمت ذلك ظهر لك أن من قال بالوجوب يقول به علىٰ سبيل القضاء لا الأداء.(۱)

اور بطور قضا پڑھنے میں سہولت بھی ہے، اس لئے اسی کو اختیار کیا جائے۔

جمع بین الصلا تین سے آپ نے جو سہولت طلب کی ہے، وہ قطعاً صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ جمع بین الصلا تین حضر میں کسی بھی امام مجتہد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ **كما في بداية المجتهد وشرح المهذب وغيرها.(۲)**

دن طویل ہوجانے سے روزہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی، ہاں اس قدر طویل ہوجائے کہ روزہ رکھنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ عام اور معتدل دنوں میں قضا کرلی جائے۔

غروب وطلوع میں فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے افطار، سحری، نماز تراویح کے اوقات کا حل یہ نکل سکتا ہے، افطار کیا جائے، نماز مغرب پڑھی جائے، پھر عشا، فرض و وتر، تراویح کے لئے اگر وقت نہ ملے، تو نہ پڑھی جائے اور اگر کم وقت ملے، تو بیس نہ پڑھی جائے، آٹھ پڑھ لی جائیں، یا اس سے بھی کم۔ وہ علاقے جو ۵۶/عرض البلد پر واقع ہیں جہاں ۲۲/دن تک اور جو علاقے ۵۸، ۶۰/عرض البلد پر واقع ہیں جہاں دو ماہ تک شفق اور صبح صادق کے درمیان فاصلہ نہیں رہتا، تو ایسے علاقوں کے لوگوں کے لئے نماز عشا کا مسئلہ پہلے ہی لکھا جاچکا ہے، نماز عشا کسی وقت پڑھ لیں، روزہ بھی اگر ان دنوں میں آجائے، تو نہ رکھیں، بلکہ عام دنوں میں قضا کریں۔

لما في رد المحتار: (تتمة): لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أو بعده بزمان لا يقدر فيه الصائم علىٰ أكل ما يقيم بنيته ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛ لأنه يؤدي إلى الهلاك، فإن قلنا بوجوب الصوم يلزم القول بالتقدير وهل يقدر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هُنا أيضاً أم يقدر لهم بما يسع الأكل والشرب أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء؟ كل محتمل، فليتأمل.(۳)

غالباً آخری صورت زیادہ سہل معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء: ۳٦۳/۱. ط. ايچ، ايم، سعيد

(۲) بداية المجتهد ونهاية المقتصد لابن رشد الأندلسي، كتاب الصلاة، الأسباب المبيحة للجمع، اختلافهم في الجمع في الحضر: ۴۸/۱، ط: مصطفائي الحلبي، مصر. ''ولفظه'': وأما الجمع في الحضر لغير عذر فإن مالك وأكثر الفقهاء لا يجيزونه، الخ)

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۳٦٦/۱۔

(۲) ایک مثل کے بعد نماز عصر پڑھ لی جائے، نماز صحیح ہوگی۔ صاحبینؒ کا مسلک ہے، امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے۔

" لما فی الدر المختار: وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحطاوی: وبه نأخذ وفی غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفی البرهان: وهو الأظهر لبيان جبريل و هو نص فی الباب، وفی الفيض: وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتىٰ.(۱)

(۳) رمضان المبارک وعید کے سلسلہ میں محکمۂ موسمیات کے حساب پر روزہ شروع کرنے یا عید کرنے کا فتویٰ صحیح نہیں ہے، علامہ سبکی کی تحقیق پر بہت سے علمانے سیر حاصل بحث کی ہے اور اس کی تغلیط کی ہے۔ کیونکہ شریعت نے رؤیت کو سبب قرار دیا ہے، حساب کو سبب قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک نیا سبب شریعت کے سبب کے مقابلہ میں اختراع کیا جائے۔

لہٰذا اس سلسلہ میں تو مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، جیسا کہ آپ کے یہاں عمل ہو رہا ہے، ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رمضان سے دو تین ماہ پیشتر رؤیت ہلال کا اہتمام کیا جائے، شروع ماہ اگر چاند نظر آ جائے، تو مہینہ قمری شروع سمجھا جائے، اگر اس کے اختتام پر چاند نظر آ جائے، فبہا، ورنہ تیس دن کا مہینہ شمار کیا جائے، اسی طرح رمضان اور عید کا حساب کیا جائے، یہاں مدار صرف حساب پر نہ ہوا بلکہ رؤیت پر ہوا، اگر چہ چار پانچ ماہ پہلے ہی کیوں نہ ہو، اس صورت کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے۔ (والعلم عند الله)

" إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام" میں ہے:

"والذی أقول به إن الحساب لايجوز أن يعتمد عليه فی الصوم لمفارقة القمر للشمس علىٰ ما يراه المنجمون من تقدم الشهر بالحساب على الشهر بالرؤية بيوم أو يومين فإن ذلک إحداث لسبب لم يشرعه الله وأما إذا دل الحساب علىٰ أن الهلال قد طلع من الأفق علىٰ وجه يرىٰ لولا وجود المانع كالغيم مثلاً فهٰذا يقتضی الوجوب لوجود السبب الشرعی وليس حقيقة الرؤية بمشروطة فی اللزوم؛ لأن الاتفاق علىٰ أن المحبوس فی المطورة إذا علم بالحساب بإكمال العدة أو بالاجتهاد بالأمارات أن اليوم من رمضان وجب عليه الصوم وإن لم ير الهلال و لا أخبره من رآه.(۲)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فی تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۳۵۹/۱. ط: ایچ، ایم، سعید.

(۲) إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام للشيخ تقی الدين أبی الفتح الشهير بابن دقيق العيد، كتاب الصيام، الكلام علىٰ رؤية الهلال: ۲۰۶/۲، رقم الحديث: ۲، ط: دار الكتب العلمية.

علاوہ ازیں جب مفتیٰ بہ قول کے مطابق اختلاف مطالع بلاد قریبہ میں نہیں، اور ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے بھی حجت ہے، جب کہ بطریق شرعی پہنچے، اور استفاضۂ خبر بھی ثبوت رؤیت کے لئے شرعاً کافی ہے، اس لئے آپ اپنے قریب کے اسلامی ممالک کے ریڈیو پر اعتماد کر کے رمضان اور عید کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن ٹونکی غفرلہ، بینات-شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۲۰۲-۲۱۱) ☆

☆ **جہاں چھ ماہ کا دن ہوتا ہو اور چھ ماہ کی رات ہو وہاں نماز کس طرح ادا کی جائے:**

سوال: میں سیاح گو پہلے سے ہوں اور یہاں لوگ تعطیل میں عموماً ادھر ادھر سیر کرنے چلے جاتے ہیں، میں احتیاطاً ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں، شاید کبھی وہاں بھی چلا جاؤں، وہ یہ ہے کہ انگلستان کے اوپر چند ایسی جگہ ہیں، جہاں ۶/ ماہ سورج رہتا ہے اور چھ ماہ نہیں رہتا، مجھے خود بھی تحقیق نہیں، نہ معلوم کہ سورج ڈوبتا بھی ہے یا نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ موسم گرما میں لوگ کالے پردے لگا کر مکانات میں رات بناتے ہیں، ورنہ تو پوری موسم گرما اتنی روشنی رہتی ہے کہ سونا مشکل ہوتا ہے، موسم سرما میں اتنا اندھیرا رہتا ہے کہ ہمیشہ روشنی سے کام لیا جاتا ہے، وہاں نمازوں کی کیا صورت ہو؟ موسم سرما میں تو وہاں جانا مشکل ہے، کیونکہ بے انتہا سردی رہتی ہے، یہاں تک کہ موسم گرما میں بھی برف جمی رہتی ہے، اگر کبھی گیا تو موسم گرما میں جانا ہوگا، جب کہ سورج غروب نہیں ہوتا۔

الجواب

قال في الدر المختار: (وفاقد وقتهما) كبلغار.... (مكلف بهما فيقدر لهما) ولا ينوى القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير، واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه، آه، ملخصاً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار: ١/٣٦٢-٣٦٣، دار الفكر بيروت. انيس)

قال الشامي في بيان الدليل عليه: وماروى أنه صلى الله عليه وسلم ذكر الدجال الخ قلنا: يارسول الله! ومالبثه في الأرض؟ قال: " أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم"، قلنا: فذلك اليوم الذى كسنة أ تكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: " لا، اقدروا له قدره" آه. (رواه مسلم: ١/٣٧٦) (الصحيح لمسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذكر الدجال وصفته ومامعه (ح: ٢٩٣٧)/ سنن أبى داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال (ح: ٤٣٢١)/ سنن ابن ماجة، كتاب الفتن (ح: ٤٠٧٥) انيس)

وقال في ج: ١ ص: ٣٧٨: والحاصل أنهما قولان مصححان ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعي كمانقله في الحلية عن المتولي عنه، آه. (ردالمحتار، قبيل مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ١/٣٦٥، دار الفكر بيروت، انيس)

جن مقامات میں ۶/ ماہ دن اور ۶/ ماہ رات ہوتی ہے، وہاں وقت کا اندازہ کر کے ہر چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں الگ الگ فصل کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے، مختار قول یہی ہے۔ واللہ اعلم

۱۰/ شعبان ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۱۹)

جہاں چھ ماہ دن، چھ ماہ رات مسلسل رہتی ہے وہاں کے لوگ روزہ ونماز کس طرح ادا کریں:

سوال (۱) جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، وہاں نماز، روزہ اور وظائف یا وہ نمازیں جو سورج کے حساب سے پڑھی جاتی ہیں کس طرح ادا کی جائیں، کیا دن کے چھ مہینے میں صرف پانچ نمازیں ہی پڑھی جائیں گی اور چھ مہینے کے دن کا روزہ کس طرح رکھا جائے گا؟

ظہر پڑھنے کے بعد ایسی جگہ پہنچنا جہاں اس کے بعد ظہر کا وقت ہوا تو کیا دوبارہ ظہر پڑھنی ہوگی؟

(۲) ایک شخص برق رفتار جہاز سے ظہر کی نماز پڑھ کر مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے، منزل پر پہنچنے کے بعد یہاں نماز ظہر کا وقت ہوتا ہے، اب اس کو نماز ظہر پھر پڑھنی چاہیے، یا جو پڑھ کر آیا ہے وہ کافی ہے۔

(سید محمد میاں نظامی (بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی)

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) جس مقام پر آفتاب چھ مہینے مسلسل غروب رہتا ہے اور چھ مہینے مسلسل طلوع رہتا ہے، اس مقام پر انسانی آبادی مشکل ہے، بہرحال وہاں جو لوگ آباد ہیں، ان کے لیے یہ حکم ہے کہ جس وقت آفتاب غروب ہو اس وقت سے ہر چوبیس گھنٹہ کو گھڑی دیکھ کر ان کو دن ورات کا مجموعہ قرار دے کر پانچوں نمازیں جس فصل وانداز سے پڑھتے ہیں پڑھتے رہیں، حدیث دجال(۱) سے بھی اس طرف روشنی ملتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح جب چھ ماہ مسلسل طلوع رہے، اس وقت بھی وہی سابق حساب کے اعتبار سے ہر چوبیس گھنٹہ میں شب وروز کی نمازیں اندازہ کے لحاظ سے پڑھتے رہیں اور اسی طرح حساب سے جب رمضان

(۱) حدیث دجال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جب ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، تو کیا ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ اندازہ سے نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

... قلنا: الیوم الذی کسنة أتکفینا فیه صلاة یوم ؟ قال: لا، اقدروا له قدره. (الصحیح لمسلم، باب ذکر الدجال: ۲/۴۰۱)(کذا فی مسند الشامیین للطبرانی،ابن جابر عن یحیٰ بن جابر الطائی (ح: ۶۱۴)انیس)

کا مہینہ آئے تو اس میں روزہ بھی رکھیں (اسی اعتبار سے) اور جس طرح دنیا کا اپنا ہر کام (سونا، جاگنا، کام کرنا، ڈیوٹی دینا وغیرہ) وقت کے حساب سے کریں گے، اسی طرح نماز روزہ بھی حساب کر کے ادا کریں گے۔(۱)

(۲) جب ایک مرتبہ کوئی نماز پڑھ لی گئی تو پھر اگر اسی نماز کا دوبارہ وقت آئے گا تو دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی وہی ایک بار کی ایک دن میں پڑھی ہوئی نماز کافی ہوگی۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۱۶۱-۱۶۲)

جہاں دن اور رات غیر معمولی طویل ہوں:

سوال: اس مقام پر نماز اور روزے کی کیا شکل ہوگی جہاں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے؟

هـــو المـصـــوب

چوبیس گھنٹہ رات ودن والے علاقہ سے تخمینہ کر کے نمازیں ادا کی جائیں گی۔(۳) اسی طرح روزہ کا حکم ہوگا۔(۴)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۴۱-۳۴۲)

---

(۱) قال الرملی فی شرح المنهاج: ويجری ذلک فيما لومكثت الشمس عند قوم مدة،الخ.قال فی إمداد الفتاح قلت:وكذلک يقدرلجميع الآجال كالصوم والزكوٰة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة؛و ينظرابتداء اليوم فيقدركل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة والنقص كذا فی كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله إذ أصل التقديرمقول به إجماعا فی الصلوٰة. (ردالمحتار،كتاب الصلوٰة،مطلب فی فاقد وقت العشاء كأهل بلغار:۱/ ۲۴۲،ط:دارالفكربيروت:۱/۳۶۵،قبيل مطلب فی طلوع الشمس من مغربها.)

(۲) ”وإذا أتمها أی الظهريدخل مع القوم،والذی يصلی معهم نافلة، لأن الفرض لايتكررفی وقت واحد“. (الهداية،باب إدراک الفريضة:۱/۱۵۲)

(۳) (قوله”ومن لم يجد وقتهما لم يجبا“) أی العشاء والوتر،كما لوكان فی بلد يطلع فيه الفجرقبل أن يغيب الشفق... وأفتٰی بعضهم بوجوبها واختاره المحقق فی فتح القديربثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلی.(البحرالرائق،ج:۱،ص:۴۲۸)

(وفاقد وقتهما) كبلغار،فإن فيها يطلع الفجرقبل غروب الشفق فی أربعينية الشتاء...(مكلف بهما فيقدرلهما).(الدرالمختار مع ردالمحتار:۲/۱۸)

(۴) قلت:وكذلک يقدرلجميع الآجال كالصوم والزكاةوالحج والعدة وآجال البيع والسلم و الإجارة وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب مايكون كل يوم من الزيادة والنقصان،كذا فی كتب الأئمة الشافعية،ونحن نقول بمثله ، إذأصل التقديرمقول به إجماعافی الصلوات،انتهیٰ.(امدادالفتاح شرح نورالإيضاح،ت:بشاربكری عرابی،كتاب الصلاة:۱۷۳،دمشق.انيس)

تیز رفتار ہوائی جہازوں میں اوقات نماز وروزہ کا حکم:

سوال: تیز رفتار ہوائی جہازوں میں اوقات نماز اور سحر وافطار کے متعلق کس طرح وقت معلوم کر کے ادا کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس استفتا کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احقر کا ایک مضمون مغربی ممالک میں نماز، روزہ کے خصوصی احکام پر مشتمل ماہنامہ دار العلوم کے ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، غالباً جناب کے یہاں موجود ہوگا، اس کو اگر نہ دیکھا ہو تو تنقیدی نگاہ سے دیکھ لیں، اگر صحیح ہو تو فمن اللّٰہ اور غلط ہو تو فمن نفسی مطلع فرمائیں؟ شکر گزار رہوں گا، کیونکہ اس سے مجھے اپنے لیے بھی صحیح علم کا فائدہ ہوگا۔

پھر اس کے بعد عرض یہ ہے کہ آفتاب کی رفتار کے برابر تیز رفتار سواری سے مغرب کی جانب سفر کیا جائے تو جو وقت روانہ ہونے کا ہے، وہی وقت راستہ میں برابر قائم رہے گا، مثلاً ظہر پڑھ کر روانہ ہوا تو جہاں بھی پہنچیں گے، یہی وقت ملے گا، اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا، وہیں ٹھہر کر پھر جو اوقات نماز کے جس طرح یہاں ابتداءً آتے، وہاں آئیں گے، نمازیں پڑھتے رہیں گے، اگر اسی رفتار کی سواری پر بجائے مغرب کے مشرق کی طرف چلیں تو پورے لیل ونہار کی گردشِ آفتاب جو چوبیس گھنٹہ میں پوری ہوتی تھی، صرف بارہ گھنٹہ میں طے ہو جائے گی اور جو فاصلہ نمازوں میں سفر سے پہلے تھا، وہ نصف ہو جائے گا، مثلاً عصر ومغرب میں اگر دو گھنٹہ کا فاصلہ تھا، تو وہ اب صرف ایک گھنٹہ کا اور پورے چوبیس گھنٹہ (لیل ونہار) میں جو پانچ نمازیں پڑھی جاتی تھیں، اب وہ دس ہو جائیں گی، اس میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی، اسی طرح اگر یہ سفر بجانب مشرق اسی سواری سے ہو، جس کی رفتار آفتاب کی رفتار سے زیادہ مثلاً دوگنی ہو، تو یہ مجموعہ (لیل ونہار) صرف چھ گھنٹہ میں ہوگا اور نمازوں کا فصل بھی اسی مقدار سے کم ہو جائے گا، مثلاً عصر کی نماز کا فصل اس صورت میں بجائے دو گھنٹہ کے صرف نصف گھنٹہ رہ جائے گا، اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، نمازیں اسی مقدار والے فصل سے پڑھتے رہیں گے، یہاں تک کہ سواری کی تیز رفتاری کے باعث یہ فصل بین الصلوٰتین کم ہوتے ہوتے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ طہارت وغیرہ مقدماتِ صلوٰۃ کی تکمیل کے بعد فرض نمازیں بھی ادا کرنے کا وقت نہ ملے تو وہ نمازیں ساکت ہو کر اس کے بعد والی نماز کی ادائیگی متوجہ ہو جائے گی اور ان کی قضا واجب ہوگی، جیسا کہ فاقد اوقات کے مقامات میں فقہاء کرامؒ فرما چکے ہیں۔

البتہ زیادہ اشکال اس صورت میں ہوگا کہ اس تیز رفتار سواری پر جس کی تیز رفتاری آفتاب کی رفتار سے مثلاً دوگنی ہو، مثلاً عصر پڑھ کر جانب مغرب سفر شروع کریں تو کچھ درجہ جا کر ظہر کا وقت ملے گا پھر آگے بڑھتے ہی جائیں تو آفتاب

ظہر میں آ جائے گا پھر بڑھتے جائیں تو آفتاب پورب کی جانب ڈھلتا ہوا محسوس ہوگا پھر سفر ختم نہ کریں؛ بلکہ سفر جاری ہی رکھیں، تو پورب سمت میں آفتاب عصر کے وقت میں جیسا ہوتا ہے ویسا محسوس ہوگا اور محسوس ہوگا کہ آفتاب پورب کی جانب غروب ہورہا ہے پھر پورب کی جانب غروب ہوکر وقت مغرب ہوکر وقت مغرب محسوس ہوگا پھر کچھ دیر بعد وقت عشا محسوس ہوگا پھر کچھ دیر بعد صبح صادق پچھّم سے طلوع ہوتی نظر آئے گی، یہاں تک کہ وقت فجر نمایاں ہوجائے گا، پھر کچھ دیر بعد پچھّم کی جانب سے آفتاب طلوع ہوتا نظر آئے گا، یہاں تک کہ سارا نظام شمسی ہی درہم برہم نظر آئے گا اور اشراط ساعت میں آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کی جو روایت ہے سامنے آجائے گی، اس وقت کے لیے اصل میں نماز وروزہ کے احکام کیا ہوں گے جو شخص گھڑی دیکھ کر چلے گا وہ زیادہ الجھن اور اشکال میں مبتلا ہوگا۔

البتہ جو لوگ بغیر گھڑی وغیرہ دیکھے اور بغیر اوقات کے چلتے وقت لحاظ کئے ہوئے سفر کریں گے، وہ شاید فضا میں پہنچ کر سمتوں کا پتہ نہ چلا سکیں گے اور ان کے نزدیک پورب پچھّم اتر دکھن کچھ نمایاں وتمیز نہ ہوگا، شاید ان کو الجھن پیش نہ آئے، یہ الگ بات ہوگی۔ بہر حال اس وقت کے مسائل صوم وصلوۃ زیادہ پیچیدہ ہوکر نمایاں ہوں گے، احقر کی اس تحریر سے اجمالاً ہر شق ومثال کا جواب بھی نکل سکتا ہے، کام کی کثرت اور فرصت میں نہ ہونے کے سبب اس موضوع پر کچھ زیادہ نہ عرض کرسکا، جس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور حاضری سے بھی معذور ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان حالات میں بھی احقر کے نزدیک نصوصِ قرآنی اور احادیث نبویہ کی رو سے کوئی الجھن یا خلجان نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۹۶۔۱۹۷)

ہوائی جہازوں میں نماز کس نظام الاوقات کے مطابق ادا کی جائے:

استفتا کی بنا اس پر ہے:

سوال (۱) اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "خمس صلوات افترضهن اللّٰه تعالیٰ". (۱)

(۲) ان نمازوں کی ادائیگی کے لیے مخصوص اوقات فرض کئے گئے ہیں:

لها أوقات مخصوصة لاتجزی قبلها بالإجماع. (۲)

ان اوقات کی فقہی نوعیت خواہ کچھ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ عملاً ان کو صحتِ ادا کے لیے شرط سمجھا جاتا ہے جس

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الصلوٰة، ح: ٤٢٥، عن عبادة بن الصامت: ١/١١٥۔

(۲) نیل الأوطار: ٣٢٦/٠۔ (باب وقت الظهر: ١/٣٧٤۔ انیس)

سے شبہ ہوتا ہے کہ فرضیتِ نماز کی علت شاید یہی اوقات ہیں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔حدیث میں آتا ہے:

"أنه عليه الصلاة و السلام نام في حجر علي رضي الله عنه حتى غربت الشمس،فلما استيقظ ذكر له أنه فاتته العصر،فقال:اللّٰهم إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك فارددها عليه فردت حتى صلى العصروكان ذلك بخيبر"والحديث صححه الطحاوي وعياض،وأخرجه جماعة منهم الطبراني بسندحسن وأخطأ من جعله موضوعًا كابن الجوزي،وقواعدنا لاتأباه". (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے، جب ہی تو ان کے لیے سورج کا اعادہ کرایا گیا ہے، کیا وقت کی اسی اہمیت کی بنا پر فقہا نے اس کو سببِ وجوب قرار دیا ہے، جیسا کہ مشہور ہے:

"وسببها أوقاتها عند الفقهاء". (۲)

لیکن اگر ایسا ہے تو واقعۂ دجال کے متعلق کیا کہا جائے گا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت ایک سال تک بھی نہ آئے تو نمازیں برابر تقدیر و اندازہ کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں گی:

"أنه ذكر الدجال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا:يا رسول الله! وما لبثه في الأرض؟ قال:أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهرويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم فقلنا:فذلك اليوم الذي كسنة أتكفينا فيه صلوٰة يوم؟ قال:لا،اقدروا له قدره". (۳)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت سببِ وجوب نہیں ہے، علما کا ایک طبقہ اسی طرف گیا ہے کہ وقت سببِ وجوب نہیں ہے صرف علامت ہے، محقق ابن ہمام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"جعل علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر". (۴)

بہر حال وقت کی حقیقت سبب وجوب کی ہو یا علامت کی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہوائی جہازوں کے سفر میں اکثر امتدادِ وقت کی حالت سے سابقہ پڑتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اپنے طول پر ہے، مشرق کی طرف سے ایک ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے چوبیس گھنٹہ میں ایک چکر پورا کرتی ہے اور ہوائی جہاز عموماً زمین سے چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہیں تو اگر زمین کی مخالف سمت میں یعنی سورج کی طرف پشت کر کے پرواز کرتے ہیں تو ان پر

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/۲٦٥ (أخرجه الطحاوي في شرح مشكل الآثار(ح:۱۰٦۸)/والطبراني في المعجم الكبير،أم جعفربن محمدبن جعفربن أبي طالب (ح:۳۸۲)/وابن المغازلي في مناقب علي،رجوع الشمس (ح:۱٤۰)انيس)

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلوٰة: ۱/٤۲۳۔

(۳) أخرجه مسلم من حديث طويل: ٤/٥٥۔۲۲٥۰، في كتاب الفتن: ۱۱۰۔۱۱۱۔۲۹۳۷۔

(۴) فتح القدير: ۱/۲۲٤۔

رات کے اوقات بڑھتے رہتے ہیں اور اگر ان کی پرواز زمین کے موافق سمت ہوتی ہے تو اس صورت میں چونکہ سورج سامنے ہوتا ہے اس لیے ان پر مسلسل دن کا وقت بڑھتا رہتا ہے، یہ ابتداء وقت کی صورت ہے، لیکن اس سے زیادہ حیرت ناک وہ شکل ہے جس میں وقت کم ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ راکٹ چوبیس گھنٹہ میں زمین کے سترہ چکر لگاتا ہے یعنی ڈیڑھ گھنٹہ میں ایک چکر، جس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ گھنٹہ میں نمازوں کے تمام اوقات راکٹ پر گذر جاتے ہیں اور اس طرح چوبیس گھنٹہ میں سترہ دن کی نمازیں فرض ہو جاتی ہیں، ان مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں جب کہ وقت معدوم بھی نہیں ہے لیکن معمول کے مطابق موجود بھی نہیں ہے، نمازوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا؟

(۱)　کیا جو وقت گذر رہا ہے اس کے حساب سے نمازیں ادا کی جائیں گی؟ لیکن یہ صورت حدیثِ دجال کے خلاف ہے۔

(۲)　یہ جو وقت معمول کے مطابق موجود نہیں ہے، تقدیر و انداز کر کے اس کے حساب سے نمازیں ادا کی جائیں گی، لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ تقدیر و اندازہ کے لیے کون سے اوقات کو معیار بنایا جائے گا؟

(۳)　یہ جو وقت معمول کے مطابق موجود نہیں ہے اس کو بنیاد قرار دے کر نماز کی عدمِ فرضیت کا فیصلہ کیا جائے گا، یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر استفتاء مرتب کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں احقر بھی چند معروضات بغرض اصلاح پیش کر رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں اور اپنی تحقیقات علمیہ وفقہیہ سے سرفراز فرمائیں۔

اس میں شک نہیں کہ شریعت نے نماز کا مدار شمس کے اوقات پر رکھا ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾. (۱)

اور اس میں بھی شک نہیں کہ شمسی اوقات کرۂ ارض کے ہر حصہ میں یکساں نہیں پائے جاتے جیسا کہ مشاہدہ ہے، بلکہ ان میں تفاوت کثیر نظر آتا ہے۔

۱۔　اصولاً جن مقامات میں یہ اوقات نہ پائے جاتے ہوں، نماز فرض نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ جب سبب وجوب ہی نہیں ہے تو نماز کی فرضیت کا حکم کس طرح دیا جا سکتا ہے، چنانچہ علما کا ایک طبقہ ایسے موقعہ پر نماز کی عدمِ فرضیت ہی کا قائل ہے۔

وبہ جزم فی الکنز والدرر والملتقٰی وبہ أفتی البقالی ووافقہ الحلوانی والمرغینانی ورجحہ الشرنبلالی والحلبی. (۲)

---

(۱)　سورۂ بنی اسرائیل: ۷۸۔

(۲)　الدر المختار: ۲۶۷/۱ ـ کتاب الصلاة، مطلب فی فاقد وقت العشاء کأهل بلغار.

یہ تمام حضرات عدمِ سبب ہی کی بناپر نماز کی عدمِ فرضیت کے قائل ہیں، اوران کی اصل بقالیؒ کا فتویٰ ہے۔

''ومن لم يوجد عندهم وقت العشاء كما قيل يطلع الفجر قبل غيبوبة الشفق عندهم، أفتى البقالي بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب، وهومختار صاحب الكنز كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين، وأنكره الحلوانى ثم وافقه''.(۱)

میرے نزدیک بقالیؒ کی اس عبارت پر کہ وقت سببِ وجوب ہے، کچھ اور بھی اشکالات ہیں:

۱: وقت جس کا سبب یا علامت ہونا محض دلیل ظنی سے ثابت ہے اس کو نماز کی متواتر الثبوت خمسیت کو ختم کرنے کے لیے حجت بنایا جاتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

۲۔ لیلۃ الاسراء میں جو خمسین صلوٰۃ فرض ہوئیں اور آخر میں معاف ہوکر خمس صلوٰۃ رہ گئیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد خمس اوقات ہیں، کیونکہ ہم اوقات میں تو خمسیت پاتے ہیں صلوٰۃ میں نہیں پاتے، معراج میں صلوٰۃ کا عدد گیارہ کا فرض ہوا پانچ کا نہیں۔

'' إن الصلٰوة فرضت ليلة الإسراء ركعتين ركعتين إلا المغرب''.(۲)

نیز بعد کو حضر میں دو، دو کا مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

ثم زيدت بعد الهجرة إلا الصبح.(۳)

یہ اضافہ اوقات میں نہیں نماز میں کیا گیا ہے۔

تو کیا ایک مرتبہ معاف کرا کے دوبارہ بالکل وجوب کا حکم نہ ہونا اس کا کوئی قائل نہیں ہے؟ لہذا خمس اوقات کی بات ہی صحیح معلوم ہوتی ہے تو اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جاتا ہے تو اس صورت میں اوقات کا خود اپنے لیے سبب وجوب ہونا لازم آتا ہے جو صحیح نہیں ہے بلکہ غلط ہے۔

۳۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر رکعت ایک مستقل نماز ہے۔

إن كل ركعة صلٰوة. (۴)

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی ادائیگی رکعۃً، رکعۃً ممنوع ہے۔

''نهٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلٰوة ركعة ركعة ''.(۵)

---

(۱) فتح القدير: ۱۹۷/۱ ـ باب المواقيت

(۲-۳) نيل الأوطار: ۳۰۹/۱. باب افتراض الصلاة ومتى كان.

(۴) الهداية : ۱۰۷. باب الإمامة

(۵) عن ابن عمر قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الخوف في بعض أيامه فقامت طائفة معه بإزاء العدو، فصلى بالذين معه ركعة ثم ذهبوا وجاء الآخرون فصلى بهم ركعة ثم قضت الطائفتان ركعة ركعة.(مسندالإمام احمد، مسند عبدالله بن عمربن الخطاب (ح: ٦٤٣١)/المسندالمستخرج على صحيح مسلم لأبى نعيم (ح: ١٨٩١)انيس)

بلکہ شفعۃً شفعۃً ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس کی فرضیت ہی دو دو رکعت ہوئی ہے۔

"الصلوٰة فرضت ليلة الإسراء ركعتين إلا المغرب،ثم زيدت بعد الهجرة إلا الصبح".(۱)

اور فقہا کا یہ اصول ہے کہ وجوبِ نماز کا تکرار و جوبِ اوقات کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً ظہر اصولاً اپنے وقت پر فرض ہوتی ہے اور اصلاً دو رکعت ہوتی ہے، لیکن اس میں بعد کو جو دو رکعتوں کا اضافہ کیا گیا ہے تو کیا اس کا موجب بھی یہی ظہر کا وقت ہے۔ اصولاً تو اس کے لیے کوئی اور مستقل وقت ہونا چاہئے تھا، کیونکہ یہ دو رکعتیں خود ہی ایک مستقلِ نماز ہیں، لیکن ایسا کوئی نہیں کہتا، سب ان کو ظہر ہی کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کو دو اور چار سے بحث نہیں شریعت نے جتنی نمازیں اس میں فرض کر دیں وہ ان کی ادائے گی کا محل بن جائے گا، اس وجہ سے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ وقت سبب وجوب نہیں ہے۔

۴: وقت اس لیے بھی سبب وجوب نہیں ہے کہ اگر یہ سببِ وجوب ہی ہوتا تو اس کو نمازوں سے مقدم ہونا چاہئے تھا حالاں کہ تمام احادیث اس پر متفق ہیں کہ اوقات کا تعین فرضیتِ نماز کے اگلے دن ہوا ہے۔

۵: اور اس لیے بھی اس کو سبب وجوب نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ کلام اللہ میں اس کے علاوہ ایک اور سبب کا تذکرہ بھی موجود، یعنی ذکر کا۔

قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي﴾.(۲)

کیا ایک نماز کے لیے ایک وقت میں دو سبب موجب ہو سکتے ہیں؟

ان وجوہات کی بنا پر وقت کو سببِ وجوب قرار دینا خدشہ سے خالی نہیں ہے۔ اگر وقت سبب وجوب نہیں ہے تو کیا اس کو علامت سمجھا جائے جیسا کہ محقق ابن ہمام کی رائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"جعل الوقت علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر".

پھر کچھ آگے چل کر **الخفي الثابت** کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هو ما تواطأت أخبار الإسراء من فرض اللّٰه تعالٰى الصلوات خمساً بعد ما أمروا أوّلاً بخمسين ثم استقر الأمر على الخمس شرعاً عاماً لأهل الآفاق،لا تفصيل فيه بين أهل قطر وقطر.(۳)

گو اس تشریح پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ احکام ومسائل کی بہت سی ایسی صورتیں ہیں جن میں نماز کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے حضرت محقق ابن ھمام ؒ کا شرعاً عاماً فرمانا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عورتوں کے بعض

(۱) نيل الأوطار: ۳۰۹/۱.باب افتراض الصلاة ومتى كان.

(۲) سورۂ طه: ۱۴۔

(۳) فتح القدير: ۲۲٤/۱_باب المواقيت/ردالمحتار،مطلب في فاقدوقت العشاء كأهل بلغار: ۳٦۳/۱.انيس

ایام میں فرضیت نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ نیز قصر کی بنا پر دو رکعتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ نیز حالتِ محاربہ میں دو رکعتوں میں ہیئت کذائی ساقط ہو جاتی ہے۔ وغیرہ ذالک، لیکن بغور دیکھنے سے یہ اشکال صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ ان تمام صورتوں میں فرضیتِ نماز حکماً ساقط کی جاتی ہے حقیقۃً ساقط نہیں ہوتی۔

البتہ وقت کو علامت تسلیم کرنے سے ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے مذکورہ بالا حالات میں وجوبِ نماز کا علم کس طرح حاصل ہو۔ علامہ شامیؒ نے اس کا حل تجویز فرمایا ہے:

"إنا لانسلم لزوم وجود السبب حقيقة بل يكفي تقديره كمافي أيام الدجال". (۱)

لیکن سوال یہ ہے کہ اس تقدیر و انداز کا معیار کیا ہونا چاہئے، کیونکہ فضا میں جو وقت گذر رہا ہے، وہ امتداد کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں ہے، کیونکہ اس کا ایک وقت نمازوں کے متعدد اوقات پر چھایا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں گو فقہا کی کوئی تشریح نظر سے نہیں گذری، لیکن ان کا میلان بظاہر اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ مقاماتِ قریبہ کے اوقات کو معیار بنایا جائے۔

علامہ شامیؒ ایک حوالہ سے لکھتے ہیں:

"(ويحتمل أن المرادبالتقدير المذكورهوماقاله الشافعية) من أنه يكون وقت العشاء في حقهم بقدرما يغيب فيه الشفق في أقرب البلاد إليهم". (۲)

مگر دشواری یہ ہے کہ ہوائی جہاز چونکہ فضا میں اڑتا ہے، اس لیے وہاں مقاماتِ قریبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ زمین کو فضا کا مقام سمجھا جا سکتا ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ زمین بھی اختلاف اوقات سے خالی نہیں ہے، مثلاً! لینن گراڈ میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے، یا ماسکو میں ۲۳ر جون کو ۳۲ر گھنٹہ کا دن اور ایک گھنٹہ کی رات ہوتی ہے اور ۲۳ر دسمبر کو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس لیے ان مقامات میں خود ہی تقدیر و انداز کی ضرورت درپیش رہتی ہے، یہ معیار کس طرح بن سکتے ہیں۔

آخری صورت یہ ہے کہ زمین کی مخصوص سطح کے اوقات کو تقدیر و اندازہ کا معیار قرار دیا جائے جو عموماً ۱۲ گھنٹہ کا دن اور ۱۲ گھنٹہ کی رات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ آخری صورت ہی بہ چند وجوہ صحیح معلوم ہوتی ہے:

(۱) اوقاتِ عالم میں یہ اوقات سب سے زیادہ معتدل ہیں۔

(۲) قیاس یہ ہے کہ "لیلۃ الاسراء" میں انہیں اوقات کو بنیاد قرار دے کر نمازیں فرض کی گئی تھیں۔

(۱-۲) ردالمحتار: ۱/ ۲۶۶. كتاب الصلاة، مطلب في فاقدوقت العشاء كأهل بلغار. انيس

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"فرضت بخمسين صلوٰة في كل يوم".(۱)

یہ ارشاد "ليلة الإسراء" کے موقع کا ہے۔ اسی موقع کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے:

" إن أمتك لاتستطيع خمسين صلوات كل يوم وإني والله قد جربت الناس قبلك".(۲)

ان دو عظیم پیغمبروں (علیہما السلام) نے کل یوم کے لفظ سے جو مراد لیا ہے یقیناً اسی کو فرضیت نماز کا کل یوم ہونا چاہئے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر و فلسطین کا یوم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاز کا یوم ارشاد فرما رہے ہیں، اس لیے اوقاتِ نماز کے واسطے سرزمین انبیاء علیہم السلام کے اوقات کو تقدیر و اندازہ کا معیار بنانا نہ صرف یہ کہ بہتر ہے بلکہ اقرب الی اللہ ہے، ہم فضا کے اوقات کو اس لئے بھی اپنے واسطے معیار نہیں بنا سکتے، کیونکہ یہ ہماری فطرت کے خلاف ہے، ہماری فطرت یہ ہے کہ!

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ﴾.(۳)

زمین چونکہ ہمارا مستقر ہے، اس لیے زمین ہی کے اوقات ہمارے لیے معیار کا کام دے سکتے ہیں۔ بنا بریں احقر کی رائے یہ ہے کہ ہم خواہ چاند پر ہوں یا راکٹ اور ہوائی جہاز میں یا لینن گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲ گھنٹے کا دن اور ۱۲ر گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الاوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہئیں۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(محمد مقبول الرحمٰن سیوہاروی (خادم ادارہ المباحث الفقہیہ دہلی)

الجواب ———— وباللہ التوفیق

محترم المقام زادت مکارمکم ومعالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا تحریر کردہ جواب بغور پڑھا، جناب نے خلاصہ جواب جو اخیر میں بایں الفاظ (ہم خواہ چاند پر ہوں یا راکٹ میں ہوں یا ہوائی جہاز میں یا لینن گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲ر گھنٹے کے دن اور ۱۲ر گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الاوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہیں) تحریر فرمایا ہے، اس سے ہمیں پورا اتفاق ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔

سوال میں مذکورہ حالات کے اندر انہی ایامِ معتدلہ کے اوقات کا لحاظ کر کے جس وقت سے سفر کریں گے، اس وقت سے ہر چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازوں کے فصل کا اندازہ کر کے نماز پنجگانہ ادا کرتے رہیں گے اور باقی اس خلاصہ

---

(۱) مشكوة، باب المعراج: ۵۲۸- (الصحيح لمسلم، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم (ح:۱۶۲) بلفظ: ففرض على خمسين صلاة فى كل يوم وليلة)/وفى الصحيح لابن حبان (ح:۴۸) بلفظ: ثم فرضت على الصلاة خمسين صلاة فى كل يوم. انيس)

(۲) مشكوٰة، باب المعراج:/۵۲۸- (الصحيح للبخارى، باب المعراج (ح:۳۸۸۷) انيس)

(۳) سورة البقرة:۳۶-

سے اوپر جو اشکال و جواب اور طویل بحث وتمحیص پیدا ہوگئی ہے۔اس کا بڑا سبب علت اور سبب کے اصطلاحی معنیٰ کا ذہن سے ذہول کر جانا معلوم ہوتا ہے۔ غالبا دونوں کو ایک اور متحد المعنیٰ سمجھ لیا گیا ہے۔حالانکہ علت اور سبب دونوں دومختلف اور الگ الگ چیزیں ہیں۔(۱) علت کے انتفا سے معلول کا منتفی ہوجانا ضروری ہوجاتا ہے۔اسی طرح علت سے معلول کا تخلف بیشک ممکن نہیں ہوتا،(۲) اور نہ علت میں تعدد وتوارد ہوسکتا ہے۔بخلاف سبب کے کہ اسباب میں تعدد وتوارد بھی ہوسکتا ہے،(۳) اور سبب کے انتفا سے مسبب کا انتفا لازم نہیں آتا ہے۔(۴) نیز مسبب کا تخلف بھی سبب سے ممکن ہے، جہاں کہیں اس کے خلاف نظر آتا ہے، وہاں سیاق وسباق کے قرائن سے سبب سے مراد علت ہوتی ہے اور یہ اطلاق بھی شائع وذائع ہے اور اس عرفی اطلاق کو بھی ممکن ہے کہ اس خلط میں دخل ہو۔ یہی حکم اور حال علامت کا بھی ہے کہ اس میں بھی تعدد وتوارد اور تخلف سب ہوسکتا ہے، نماز پنجگانہ میں اصل علت وجوب کی حکم باری تعالیٰ عزوجل ہے اور وہ حکم ان اوقات پنجگانہ میں متوجہ ہوتا ہے، لیکن چونکہ انتہائی خفی ہوتا ہے، اس لیے اس پر شریعتِ غراء اور دربار رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے کچھ اسباب وعلامات مقرر فرما کر ہماری رہبری فرمادی ہے جن سے حکمِ خداوندی (جو اصل علتِ وجوب ہے) کا پتہ چل جاتا ہے اور امتثالِ امر سہل ہوجاتا ہے۔

پھر بعض کتبِ مذہب میں جو اوقات کو سبب اور بعض میں علامت ذکر کیا گیا ہے، ان میں نزاع حقیقی نہیں ہے، محض تعبیر وعنوان کا فرق ہے، جو اختلافِ لفظی سے آگے نہیں ہے اور مآل ان دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

اسی طرح شمسی حرکات کے اندر جو انحصار کیا گیا ہے، وہ انحصار بھی صحیح نہیں ہے۔اس لیے کہ جس طرح دلوکِ شمس کا ذکر ہے، اسی طرح غسق لیل اور قرآن الفجر بھی مذکور ہے۔

﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾.(۵)

نیز روایات صحیحہ میں عشا کے وقت کے بارے میں آتا ہے کہ تیسری رات کا چاند جس وقت غروب ہوتا ہے، اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز ادا فرماتے:

”عن النعمان بن بشير. رضى الله عنه. قال: أنا أعلم الناس بوقت هذه الصلٰوة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليها لسقوط القمر لثالثة“.(۶)

---

(۱) والسبب مع العلة إذا اجتمعا يضاف الحكم إلى العلة دون السبب إلا إذا تعذرت الإضافة إلى العلة فيضاف إلى السبب حينئذٍ.(اصول الشاشي، بحث الفرق بين السبب والعلة: ۳۵۶/۱.انیس)

(۲) ولاشک أن تخلف المعلول عن العلة باطل.(فتح القدير، باب الحجر للفساد: ۲۶۲/۹.انیس)

(۳) كشف الأسرار شرح أصول البزدوی، حكم الاجتهاد: ۲۳/۴.انیس

(۴) لأن انتفاء أحد السببين المستقلين لايوجب انتفاء المسبب .(فتح القدير، فصل فی غصب مالايتقوم: ۳۶۵/۹.انیس)

(۵) سورة بنی اسرائيل: ۷۸۔

(۶) سنن الترمذی، باب ماجاء فی وقت صلوٰة العشاء الأخرة: ۲۳/۱۔

اسی طرح یہ بھی آتا ہے کہ شفق کی غیبوبت سے وقتِ عشا شروع ہوتا ہے۔

”وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق“.(۱)

اسی طرح نماز فجر کے وقت کے بارے میں وارد ہے کہ جس رات کی تاریکی میں افق کے اندر سفیدی نمایاں ہونے لگے اس وقت سے فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

”وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البياض المنتشر فی الأفق إلٰی طلوع الشمس“.(۲)

یہ سب بھی اوقات کی نشاندہی میں وارد ہے۔

غرض جناب کی مساعی اور کاوشیں ایک علمی سعی وکوشش ہے، جو بلا ریب قابل ستائش وتحسین ہے اور خلاصہ جواب جو اخیر جواب میں مذکور ہے وہ بلا ریب صحیح ودرست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ الجواب صحیح العبد محمود غفرلہ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۶۴۔۱۷۱)

ہوائی سفر میں اوقات کے فرق کا نماز روزہ پر اثر:

سوال: ہمارے رشتہ داروں میں اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ایک شخص پاکستان میں فجر، ظہر، عصر، مغرب کی نمازیں کراچی میں پڑھ لیتا ہے اور مغرب کے بعد وہ ہوائی جہاز میں سوار ہوا اور ایک گھنٹہ یا دو یا پانچ یا دس گھنٹے میں ایسے ملک میں پہنچا جہاں ظہر کی نماز کا وقت تھا، اسی طرح روزہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب

نماز تو جو پڑھ چکا ہے وہ ادا ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور روزہ وہ اس وقت کھولے گا جب اس ملک میں روزہ کھولنے کا وقت ہوگا۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۱۴)

خروجِ دجال کے وقت نماز کس طرح پڑھی جائے گی:

از رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، بعد سلام مسنون!

آنکہ خط تمہارا آیا حال معلوم ہوا۔ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے بھائی کی مغفرت ہوئی۔

اور جواب مسائل کا یہ ہے کہ جس وقت خروج دجال ہوگا وہ اپنے تصرف سے نظر بندی کردے گا، جس کی وجہ سے

(۱) الهداية، كتاب الصلوٰة: ۱/۸۲۔

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلوٰة: ۱/۵۱۔

(۳) فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت الظاهر نعم (قوله الظاهر نعم) ... قلت: على أن الشيخ إسماعيل رد ما بحثه فی النهر تبعاً للشافعية، بأن صلاة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاء ورجوعها لا يعيد ها أداء، وما فی الحديث خصوصية لعليّ... قلت ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلاته المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل، والله تعالى أعلم (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۶۰۔۳۶۱، مطلب لو ردت الشمس بعد غروبها)

لوگوں کو دن معلوم ہوگا، تو درحقیقت اس برس روز میں، مثل اور ایام کے طلوع وغروب واستواء وغیرہ سب کچھ ہوگا، لیکن نظر بندی کی وجہ سے نظر کچھ نہ آئے گا، تو ایسی صورت میں اسباب نماز پنج وقتی بے شک واقع ہوئے، لیکن قصور اپنے ادراک کا ہوا، لہٰذا فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اندازہ کرکے پڑھو۔(۱) بخلاف اس کے کہ جب درِتوبہ بند ہوگا اور آفتاب مغرب سے نکلے گا، اس سے قبل تین روز تک آفتاب طلوع نہ ہوگا، تو وہاں یہ فرمایا کہ جیسے بالفرض اگر آفتاب ابر غلیظ میں نظر نہ آئے اور عالم میں اندھیرا رہے، تو اندازہ کرکے نمازیں پڑھنا چاہئے، کیونکہ اسباب واقع میں متحقق ہیں، گوہم کو کسی وجہ سے محسوس نہ ہویں اسی طرح دجال کا ایک دن درحقیقت برس روز ہے، یعنی تین سو ساٹھ روز ہیں، اور ان میں طلوع وغروب اپنے اپنے موقع سے ہوتا ہے، گوہم کو بوجہ نظر بندی نظر نہ آوے، تو ہر دن کی نمازیں، اندازہ سے پڑھنا چاہئے اور قواعد واصول کے کچھ منافی نہیں۔(۲)

(مجموعہ رام پور، ص:۲۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۵۲)

پہاڑوں کے درمیان علاقے کا طلوع وغروب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا علاقہ پہاڑوں کے درمیان واقع ہے سورج کا طلوع پہاڑ سے ہوتا ہے طلوع پانچ بجکر بیس منٹ پر ہوتا ہے اور غروب سات بجکر چھ منٹ پر ہوتا ہے تو ہم فجر کی اذان کس وقت دیا کریں؟ بینوا توجروا۔(المستفتی: مولانا لطیف الرحمٰن کوٹکے تختی خیل شکراللہ......۱۴۱۰ھ)

الجواب

آپ ریڈیو سے طلوع وغروب کا وقت معلوم کریں اور وقت طلوع شمس سے سوا گھنٹہ قبل اذان فجر دیا کریں اور بوقت غروب اذان مغرب دیا کریں۔(۳) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۴۳-۱۴۴)

(۱) خروج دجال کی روایت حضرت نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے جو مسلم شریف میں ہے:

قلنا: فذالک الیوم الذی کسنة أتکفینا فیه صلاة یوم ؟ قال:" لا اقدروا له قدره". (مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، ص: ۴۰۱، جلددوم [مطبع مجتبائی، دهلی: ۱۳۱۹هـ] نیز: کتاب الفتن وشرائط الساعة، باب ذکر الدجال وصفة إمامته، ص: ۱۳۴۲، جلددوم رقم الحدیث: ۲۹۳۷، ت: أبوقتیبة نظر محمد فاریابی [دارطیبة ریاض ۱۴۲۷هـ/ ۲۰۰۶ء] (مشکوٰة، کتاب الفتن، باب العلامات بین یدی الساعة الفصل الأول، ص: ۴۷۳، أصح المطابع، رشیدیة دهلی: ۱۳۷۵هـ/ ۱۹۵۵ء.) نیز مشکوٰة المصابیح: ۲۰۴۶-۲۰۴۷ [مکتبة التوبة. ریاض، ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف] ۱۴۲۳هـ/ ۲۰۰۳ء)

اور اگلی روایت کہ جب درتوبہ بند ہوگا، الخ، یہ روایت کہیں پڑھنے میں نہیں آئی۔ واللہ اعلم (پالن پوری)

(۲) نوٹ: یہ گرامی نامہ ان ہی الفاظ پر ختم ہوگیا ہے، بظاہر ناتمام ہے۔(نور)

(۳) قال الحصکفی: (وقت) صلاة (الفجر)... (من) أول (طلوع الفجر الثانی) وهو البیاض المنتشر المستطیر لا المستطیل (إلیٰ) قبیل (طلوع ذکاء) بالضم غیر منصرف اسم الشمس. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة: ۱/۲۶۳)

آفتاب کے طلوع وغروب میں ہموار زمین کا اعتبار ہے:

سوال: آفتاب طلوع وغروب میں ہموار زمین لی جاوے یا پہاڑ، اگر ہموار زمین لی جاوے تو دشوار معلوم ہوتا ہے، ہمارے یہاں مشرق اور مغرب کی جانب پہاڑ ہے اور جب آفتاب کا کنارہ پہاڑ سے نکل نہ آیا تو اس وقت تک فجر کا وقت باقی رہے گا یا نہیں اور اس طرح مغرب کا وقت جب آفتاب پہاڑ کے پیچھے ہوجاوے گا اس وقت نماز مغرب فوراً آجائے گا یا کہ نہیں مگر یہ مشرق کی جانب تاریکی نمودار نہ ہوا گر کوئی شخص مشرق کی جانب تاریکی ہونے سے پہلے نماز مغرب پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی اور بعض کہتے ہیں کہ مشرق کی جانب تاریکی ہونا شرط نہیں ہے، کیوں کہ مکہ معظّمہ میں جب آفتاب پہاڑ کے پیچھے ہوجاتا ہے مؤذن فوراً اذان کہتا ہے تاریکی نہیں ہوتی ہے اور بعض کہتا ہے کہ مشرق کی جانب تاریک ہونا شرط ہے، بدون تاریکی مغرب کی نماز نہیں ہوگی اب سوال یہ ہے کہ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہموار زمین کا اعتبار ہے،(۱) آفتاب جب تک غروب نہیں ہوتا ہے، مشرق کے کنارے پر تاریکی نہیں آتی ۔ جہاں پہاڑ وغیرہ مانع ہوں، وہاں کے لوگوں پر قریب تر مقام کے طلوع وغروب کا لحاظ کر کے عمل کرنا چاہیے، جہاں پہاڑ وغیرہ مانع نہ ہوں یا پھر حساب لگا کر مزید احتیاط کر لینی چاہئے ۔فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔۲۲/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔۲۲/۱۲/۱۳۸۸ھ۔(نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۲۲۔۲۳)

کئی ماہ تک جہاں سورج طلوع یا غروب نہ ہو، وہاں نماز کے اوقات:

سوال: حضرت میں نے یہاں آکر سنا ہے کہ نوروے جو کہ قطب شمالی کے قریب ہے، ایک ملک ہے،(۲) یہاں پر جاڑوں کے موسم میں اور گرمیوں کے موسم میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ دو مہینے تک دن ہی دن رہتا ہے اور دو مہینے تک رات ہی رات ۔تو اس صورت میں حضرت نماز کیسے پڑھنا چاہئے؟

(۱) وأصح ماقیل فی معرفة الزوال قول محمدبن شجاع البلخی: أنه یغرزعودًا مستویًا فی أرضٍ مستویةٍ.(بدائع الصنائع، فصل فی شرائط أرکان الصلاة: ۱/۱۲۲۔انیس)

(۲) فقہی نقطۂ نظر سے دنیا دو خطوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

ا۔ جہاں ۲۴ گھنٹوں میں ایک بار طلوع اور ایک بار غروب ہوتا ہے، ان خطوں کی پھر دو قسمیں ہیں:

(الف) معتدل ممالک: یعنی جہاں رات دن کے اوقات مساوی ہوں یا اعتدال کے ساتھ کم وبیش ہوتے ہوں ==

الجواب ـــ

(من الاحقر)

کیا ان دومہینوں میں غروب ہی نہیں ہوتا یا طلوع ہی نہیں ہوتا یا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے ہر ایک کا جدا جدا حکم ہے۔

اس کے جواب میں ذیل کا خط آیا:

دوسرے سوال کے متعلق یہ عرض ہے کہ دو مہینے تک تو غروب ہی نہیں ہوتا برابر دن رہتا ہے اور سال بھر میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ سورج نکلتا ہی نہیں۔ یہ مجھے یہاں پر آ کر معلوم ہوا ہے۔ میرے پاس یہاں پر کوئی بڑا جغرافیہ نہیں تا کہ میں فوراً اس کو پڑھ کر معلوم کر لیتا، یہاں پر اکثر لوگ مذہب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو خیال ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ایسے ملک میں جہاں پر سورج نکلتا ہی نہیں یا نکلتا تو ہے غروب ہی نہیں ہوتا تو پھر کیسے نماز پڑھو گے تو میرے پاس اس کا کوئی صحت بخش جواب نہ ہوگا۔ سائل بالا۔

الجواب ـــ

(من المولوی عبدالکریم)

جس موسم میں دن یا رات بہت ہی بڑی ہو جاوے اس وقت یہ حکم ہے کہ اس علاقہ سے قریب ترین علاقہ جس میں معمولی طور پر غروب ہوتا ہو اس کے اوقات معلوم کئے جاویں اور نماز روزہ سب اسی حساب سے رکھیں۔

مؤرخہ ۹ر جمادیٰ الآخر ۱۳۵۰ھ

اس کا حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ جس مقام میں دومہینہ کی رات اور دومہینہ کا دن ہوتا ہے، یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے اطراف کے مقامات میں جو مقامات ایسے ہیں کہ ان ہی دنوں میں وہاں مجموعہ رات دن کا چوبیس (۲۴) گھنٹہ کا ہوتا ہے، ان مقامات میں کونسا مقام بہ نسبت دوسرے مقامات کے اس مقام مذکورہ بالا طویل النہار وطویل اللیل کے نسبۃً قریب تر

==　(۴۵؍عرض البلد کے اندر کے علاقے)

(ب) غیر معتدل ممالک: یعنی وہ علاقے جہاں رات دن کے اوقات میں فاحش (بہت زیادہ) کمی بیشی ہوتی ہو، مثلاً برطانیہ جہاں گرمیوں میں اٹھارہ گھنٹے کا دن اور چھ گھنٹہ کی رات ہو جاتی ہے۔

۲۔ جہاں ۲۴ گھنٹوں میں ایک بار طلوع اور ایک بار غروب نہیں ہوتا۔ خواہ وہاں ۲۴ گھنٹوں میں کئی کئی بار طلوع وغروب ہوتے ہوں یا ۲۴ گھنٹوں سے زائد وقت ایک بار طلوع وغروب کے لئے لگتا ہو۔ ان میں سے نمبر:۱ (الف) کا حکم واضح ہے اور نمبر:۱ (ب) کا حکم سوال نمبر:۳-۱۷ کے جواب میں آ رہا ہے۔ یہاں زیرِ بحث قسم نمبر:۲، ہے۔ (سعید)

ہے، اس معمولی طلوع وغروب والے مقام کے حساب سے اس طویل النہار واللیل کا حساب ہوگا، یعنی معمولی مقام میں نماز فجر کے جتنے گھنٹے بعد ظہر کی نماز ہوتی ہے، اتنے ہی گھنٹوں بعد اس طویل النہار واللیل مقام میں ظہر پڑھیں گے۔

اسی طرح اور نمازیں بھی اسی حساب سے اس طویل رات یا طویل دن میں دو مہینے کی نمازیں گھنٹوں کے حساب سے پڑھیں گے، جس طرح وہاں کے باشندے اپنے اور معاملات نوکری چاکری مزدوری میں اسی قسم کا حساب کرتے ہوں گے، یعنی اس طویل دن میں مزدور لوگ ایک دن کی مزدوری نہ لیتے ہوں گے بلکہ دو ماہ کی لیتے ہوں گے۔

اسی طرح اس طویل شب میں کارخانے والے لوگ نوکروں کو تعطیل دینے میں ایک شب شمار نہ کرتے ہوں گے۔ بس ایسے ہی حساب نمازوں کا سمجھ لیا جاوے۔ اسی طرح روزہ وافطار گھنٹوں کے حساب سے ہوگا اور یہ قول ہے بعض علما کا۔

اور میرے نزدیک اس میں سخت دشواری ہے اس لئے دوسرے بعض علما کے قول کو ترجیح دیتا ہوں، یعنی جس موسم میں جتنا بڑا دن اور رات ہو اس دن رات کے مجموعہ میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں یعنی صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان فجر کی نماز، پھر دن ڈھلے ظہر، وعلیٰ ہذا البقیہ نمازیں۔

اور روزہ ایسے طویل دن میں اداءً فرض نہیں۔ بلکہ معمولی دنوں میں قضا رکھا جاوے گا۔

نصف جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔

﴿نوٹ﴾ نمبر-۱: آئندہ کی اعانت فی الجواب کے لئے مسائل سے حسبِ ذیل تنقیحات کی گئیں، جواب کا انتظار ہے۔

(۱) وہاں کے باشندے اپنے حسابات ومعاملات میں ایسے لیل ونہار شمار کرتے ہیں یا دو مہینے کے لیل ونہار۔

(۲) اگر متعدد لیل ونہار شمار کرتے ہیں تو اس کا معیار کیا ہے جس سے منضبط کیا جاتا ہے اور جس کی بنا پر تاریکی کے بعض حصص کو نہار اور روشنی کے بعض حصص کو لیل قرار دیا جاتا ہے۔

(۳) اسی کی فرع یہ ہے کہ وہاں ایک سال بارہ مہینہ کا سمجھا جاتا ہے یا کم کا۔ اسی طرح ہر مہینہ ۲۹-۳۰-۳۱ کا شمار ہوتا ہے یا بعض مہینہ کم کا؟

﴿نوٹ﴾ نمبر-۲: جواب ہٰذا کے متعلق ایک نقشہ وہاں کے طلوع وغروب کا ایک ماہر فن سے مرتب کرا کے ملحق کر دیا گیا۔

اشرف علی

طلوع وغروب وشفق وصبح صادق

عرض بلد ۵۵ درجہ ۵۳ دقیقہ، طول بلد ۴ درجہ ۲۳ دقیقہ رمشرق۔ رین فیرو واقع اسکاٹ لینڈ:

(از محمد مظہر تھانوی مقیم بھوپال)

بحساب وقت ریلوے برطانیہ اعظم اسٹینڈرڈ ٹائم

	صبح صادق		طلوع		غروب		شفق		
ایام	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	کیفیت
جنوری ۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۶	۱۸	۱۷	
۱۱	۶	۲۶	۸	۵۴	۱۶	۱۰	۱۸	۲۸	
۲۱	۶	۱۹	۸	۳۳	۱۶	۲۸	۱۸	۵۴	
۳۱	۶	۷	۸	۱۷	۱۶	۴۹	۱۹	۰	
فروری ۱۰	۵	۵۰	۷	۵۷	۱۷	۱۱	۱۹	۱۹	
۲۰	۵	۳۰	۷	۳۴	۱۷	۳۳	۱۹	۳۸	
مارچ ۲	۵	۲	۷	۷	۱۷	۵۵	۱۹	۵۹	
۱۲	۴	۴۹	۷	۴۴	۱۸	۱۶	۲۰	۲۱	
۲۱	۴	۹	۶	۱۷	۱۸	۲۶	۲۰	۴۶	
اپریل ۱	۳	۳۶	۵	۵۱	۱۸	۵۶	۲۱	۱۳	
۱۱	۳	۰	۵	۲۵	۱۹	۱۵	۲۱	۴۵	
۲۱	۲	۱۷	۵	۰	۱۹	۳۷	۲۲	۲۴	
مئی ۱	۱	۱۹	۴	۳۶	۱۹	۵۰	۲۳	۲۳	ان دنوں میں تمام رات شفق رہتی ہے۔
۱۱			۴	۱۴	۲۰	۱۷			
۲۱			۳	۵۶	۲۰	۲۶			
۳۱			۳	۴۲	۲۰	۵۲			

جون۱۰			۳	۳۳	۲۱	۴			//
۲۰			۳	۳۱	۲۱	۱۰			
۳۰			۳	۳۵	۲۱	۲۶			
جولائی۱۰			۳	۴۴	۳۱	۳			//
۲۰			۳	۵۹	۲۰	۵۰			
۳۰			۴	۱۲	۲۰	۳۳			
اگست۹			۴	۳۵	۲۰	۱۲			//
۱۹	۱	۲۲	۴	۵۵	۱۹	۴۹	۲۲	۴۲	
۲۹	۲	۴۱	۴	۱۹	۱۹	۲۵	۲۱	۵۵	
ستمبر۸	۳	۱۴	۵	۳۴	۱۸	۵۹	۲۱	۱۶	//
۱۸	۳	۴۲	۵	۵۴	۱۸	۳۲	۲۰	۴۲	
۲۸	۴	۶	۶	۱۳	۱۸	۵	۲۰	۱۱	
اکتوبر۸	۴	۲۸	۶	۳۳	۱۸	۳۹	۱۹	۵۳	//
۱۸	۴	۴۹	۶	۵۴	۱۷	۱۴	۱۹	۱۷	
۲۸	۵	۱۹	۷	۱۵	۱۶	۵۰	۱۹	۱۵	
نومبر۷	۵	۲۸	۷	۳۶	۱۶	۲۹	۱۸	۳۷	//
۱۷	۵	۴۴	۸	۵۷	۱۶	۱۰	۱۸	۲۲	
۲۷	۶	۰	۸	۱۶	۱۶	۵۶	۱۸	۱۲	
دسمبر۷	۶	۱۳	۸	۲۱	۱۵	۴۷	۱۸	۷	//
۱۷	۶	۲۳	۸	۴۴	۱۵	۴۵	۱۸	۷	
۲۷	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۰	۱۸	۱۲	
۳۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۵	۱۸	۱۷	

اوپر کے اعداد وشمار شاہی رصدگاہ واقع گرینو یچھ کے شائع کردہ ناٹیِ کل المنک کی امداد سے تیار کئے گئے ہیں۔

ضمیمہ نقشہ:

از ترتیب دہندہ نقشہ ہذا بذریعہ کارڈ جس کی یہ عبارت ہے کہ طلوع سے غروب تک کا وقت نصف کرنے سے زوال دریافت ہوسکتا ہے اور مقدار شفق سے ایک ربع کم مقدار کے قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔اھ اشرف علی

(النور، صفحہ:۳، ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ/ تا/ النور، صفحہ:۷، ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۷۲۔۱۷۴)

سوال ذیل مقام رین فیرو اسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آیا:

جس مقام پر طلوع شمس وغروب کا علم دشوار ہے، وہاں مغرب وعشا کی نماز میں فرق کا بیان:

سوال: یہاں پر سورج آج کل ۵/ بجے کے قریب نکلتا ہے اور نو بجے رات کو غروب ہوتا ہے۔ میں مغرب کی نماز ۹/ بجے پڑھتا ہوں اور عشا ساڑھے دس بجے پڑھتا ہوں لیکن کچھ دنوں میں سورج ساڑھے چار بجے کے قریب نکل آیا کرے گا اور غروب پونے دس بجے ہوگا اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس صورت میں عشا اور مغرب کے درمیان کتنا فصل کم سے کم ہونا چاہئے۔(۱)

---

(۱) جو ممالک ۴۵/ عرض البلد سے اوپر واقع ہیں، وہاں شفق دیر سے غائب ہوتی ہے اور صبح صادق جلدی ہوتی ہے۔ موسم گرما کے بعض مہینوں میں غروب شفق اور صبح میں بہت ہی کم فاصلہ رہتا ہے بطور مثال ۴۵/ عرض البلد کے طلوع وغروب کا نقشہ یہ ہے۔

طلوع آفتاب : ۳۵-۴ - غروب : ۴۱-۹ - دن کی مقدار: ۶-۱۷

غروب شفق بحری: ۱۹-۱۲ - صبح صادق: ۵۸-۱ - درمیانی فاصلہ ۳۸-۱

پھر جس قدر اوپر جائیں گے وقت کم ہوتا رہے گا حتّٰی کہ ۵۶ عرض البلد (گلاسکو) میں ۲۰/ جون سے ۱۲/ جولائی تک بحری شفق غائب ہی نہ ہوگی اور ۵۸-۶۰ عرض البلد (بالائی اسکاٹ لینڈ) میں ۱۲ مئی سے ۲۵/ جولائی تک شفق مذکور غائب ہی نہیں ہوتی، ان دونوں میں ساری رات شفق پر اجالا رہتا ہے۔ گویا سوال نمبر: ۱۷۲ کے حاشیہ میں جو اقسام بیان کئے گئے ہیں ان میں سے یہ نمبر ۱ (ب) ہے یہاں مندرجۂ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ جو ممالک ۴۵/ عرض البلد پر ہیں وہاں شفق ابیض اور صبح صادق میں بہت کم فاصلہ رہتا ہے اس لئے شفق ابیض کے بعد عشا ادا کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

۲۔ جب ان اوقات میں رمضان آجائے تو تراویح، سحری وغیرہ مسائل بھی حل طلب ہوجائیں گے یعنی جہاں شفق ابیض اور صبح صادق میں فاصلہ ہی نہیں ہو تو وہاں سحری کب ختم کی جائے۔

۳۔ مثلین کے بعد غروب تک سردیوں میں صرف گھنٹہ بھر کا فاصلہ رہتا ہے تو کیا حنفی المسلک مثل ثانی میں نماز عصر ادا کرسکتا ہے۔

حضرت مجیب قدس سرہ نے مذکورہ سوالات میں سے یہاں صرف شفق اور صبح صادق سے بحث کی ہے، بقیہ مسائل کی بحث سوال نمبر ۴۲۷ کے جواب میں کی گئی ہے۔ راقم نے اس سلسلہ میں ایک مفصل جواب لکھا ہے، جس میں تمام سوالات کا حل ہے، جو صدق جدید لکھنؤ، جلد: ۲۰، شمارہ نمبر: ۳۴۔۳۵ میں شائع ہوگیا ہے۔ (سعید احمد)

الجواب

(من الاحقر) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشا تک، سو اگر پہلا فصل معلوم ہو سکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جاوے اور اگر معلوم نہ ہو سکے تو یہی پرچہ پھر واپس کیا جاوے میں اس کی فن دانوں سے تحقیق کر کے اطلاع دوں گا۔

اس کے بعد دوسرا خط آیا:

سوال: آنجناب کے حکم کے بموجب پرچہ واپس کرر ہا ہوں۔صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل ہے کیونکہ یہاں پر روشنی مثل صبح صادق کے رات کے کبھی ایک بجے تک رہتی ہے اور اس طرف پھر تین بجے کے قریب شروع ہو جاتی ہے یہاں پر اوقات بہت جلد جلد بدلتے رہتے ہیں۔پچھلے دنوں جون کے مہینہ میں سورج کے نکلنے کا وقت چار بجے تک آ گیا تھا اور غروب رات دس بجے تک ہوتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اب طلوع کا وقت چھ بجے ہے اور غروب کا وقت ساڑھے آٹھ بجے ہو گیا، یہ معلوم ہوا ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی جائے گا اور یہاں تک پہونچ جائے گا کہ طلوع دن کے نو بجے ہوگا اور غروب تین بجے دن کے پیشتر اس کے کہ یہ صورت ہو حضرت اس صورت میں نماز کے اوقات کس طرح پر قائم کئے جائیں اور اگر رمضان شریف اس زمانہ میں آیا تو روزے اور سحری کے کیا اوقات ہونے چاہئیں؟

(سائل بالا)

الجواب

(من المولوی عبدالکریم)

صبح صادق کی شناخت یہ ہے کہ ایک روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے، یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے، یہ صبح کاذب ہے، بعد ازاں یہ روشنی تقریبا غائب ہو کر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً جنوباً پھیلتی ہے، اس کی ابتداء سے قبل سحری موقوف کر دینا لازم ہے اور اس کے پھیل جانے پر پھر فجر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اسی مذکورہ روشنی کے پھیلنے سے پیشتر اسی طرح ایسی سفید روشنی جب تک غروب کے بعد رہے وہ شفق ہے، اس وقت تک عشاء کی نماز نہ پڑھی جاوے۔جب یہ روشنی غائب ہو جائے عشا پڑھ لی جاوے۔سحری کھا کر روزہ شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر افطار کرنا چاہئے، خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کوئی اعتبار نہیں، (البتہ بہت بڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو سوال نمبر :۲۷ا کے جواب میں مذکور ہے)۔

(من الاحقر)

اصل یہ ہے کہ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل نہیں۔اسی طرح غروب کے بعد کی سفید روشنی شفق کی معلوم ہونا مشکل

نہیں، کیونکہ اس کی خاص پہچان یہ ہے؛ یعنی رات کی تاریکی تو ممتاز چیز ہے تو جو روشنی مشرق یا مغرب میں اس کے خلاف ہوگی، وہ بھی ممتاز ہے۔ سو یہ روشنی جب تک مغرب کی جانب رہے، وہ مغرب کا وقت ہے اور جب یہ غائب ہوجاوے، وہ عشا کا وقت ہے اور ایسی ہی روشنی جب تک مشرق میں نمودار نہ ہو، وہ رات ہے اور جب مشرق میں نمودار ہوجاوے، وہ صبح صادق ہوگئی، نماز کا وقت ہوگیا۔

(النور، شوال: ۱۳۵۰ھ، صفحہ: ۱۰۔ والنور، صفحہ: ۳۔ ذی قعدہ: ۱۳۵۰ھ)

نوٹ: سوال نمبر: ۱۷۲(۱) وسوال نمبر: ۱۷۳(۲)، ایک ہی سائل کے ہیں، جو مقام رین فیرو اسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آئے۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۷۴۔۱۸۱)

وہ مقامات جہاں شفق ابیض اسی طرح شفق احمر غائب نہیں ہوتی، وہاں نماز وروزہ کا حکم:

سوال: وہ علاقہ جہاں پر شفق ابیض غائب نہ ہوتی اسی طرح جہاں پر شفق احمر بھی غائب نہیں ہوتی، وہاں کے لئے فقہا نے لکھا ہے کہ عشا کی نماز کے لئے تقدیر کرے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

فيقدر لهما. (۳)

اور فجر کے متعلق لکھتے ہیں کہ فجر طلوع ہوئی ہے۔

كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق، الخ. (۴)

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں پر عشا کا وقت نہیں ہوتا وہاں پر طلوع فجر ہوتی ہے، اس میں حسب ذیل سوالات وارد ہوتے ہیں، امید ہے کہ ان کو حل فرمائیں گے۔

(الف) درمختار کی عبارت ہے۔ ”فيقدر لهما“. علامہ شامیؒ بحث کرتے ہیں، جس سے بظاہر یوں مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقرب البلاد پر قیاس کر کے عمل کرنا غیر صحیح ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بقي الكلام في معنى التقدير والذي يظهر من عبارة الفيض أن المراد أنه يجب قضاء العشاء بأن يقدر أنَّ الوقت أعني سبب الوجوب قد وجد كما يقدر وجوده في أيام الدجال على مايأتي لأنه لايجب بدون السبب فيكون قوله ويقدر الوقت جواباً عن قوله في الأول لعدم السبب.

---

(۱) بعنوان ”کئی ماہ تک جہاں سورج طلوع یا غروب نہ ہو، وہاں نماز کے اوقات“۔

(۲) بعنوان ”جس مقام پر طلوع شمس وغروب کا علم دشوار ہے، وہاں مغرب وعشا کی نماز میں فرق کا بیان“۔

(۳۔۴) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار: ۱/۳۶۲، دار الفكر العربي بيروت. انيس

وحاصله أنا لا نسلم لزوم وجود السبب حقيقة بل يكفى تقديره كما فى أيام الدجال ويحتمل أن المراد بالتقدير المذكور هو ما قاله الشافعية من أنه يكون فى حقهم بقدر ما يغيب فيه الشفق فى أقرب البلاد إليهم والمعنى الأول أظهر، الخ. (۱)

لہٰذا عرض ہے کہ درمختار کی عبارت میں تقدیر سے کیا مراد ہے۔

(ب) فقہا نے لکھا ہے کہ جہاں عشا کا وقت مفقود ہے؛ وہاں فجر طلوع ہوئی ہے۔ اس میں ایک علمی سوال وارد ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾. (۲)

اس میں بالاتفاق اسود سے رات کی سیاہی اور ابیض سے صبح صادق کی سفیدی مراد ہے۔ (۳)

اب سوال یہ ہے کہ ملک بلغاریا اس کے مانند بلاد میں واقع علاقہ جہاں تمام لیل شفق ابیض باقی رہتی ہے؛ یعنی غائب نہیں ہوتی، اس لئے عشا کا وقت نہیں ہوتا ہے اور آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع فجر کے لئے اسود ہونا لازم ہے اور ان علاقوں میں پوری رات بیاض موجود ہونے کی وجہ سے طلوع فجر کس طرح ہوگی۔

لہٰذا عرض یہ ہے کہ فقہاء کی عبارت میں طلوع فجر سے کیا مراد ہے؟ کیوں کہ تمام فقہا جنہوں نے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے، تمام یک زبان ہیں کہ طلوع فجر ہوئی ہے اور کسی نے تردید نہیں کی۔

نیز آیت مذکورہ میں اسود سے کیا مطلب ہے: رات کی مکمل تاریکی یا نفس تاریکی؟ اسی طرح وجود شفق بیاض کی وجہ سے طلوع فجر کی جو تعریف فقہا نے کی ہے وہ کس طرح صادق آئے گی۔

۲- طلوع فجر صادق سے قبل کاذب کا ہونا لازم ہے؟

۳- طلوع فجر جہاں سے کھانا پینا روزہ رکھنے والوں کے لئے حرام ہے اور فجر کی نماز پڑھنا جائز ہے وہ طلوع فجر صادق کے حصہ اوّل سے یا انتشار سے۔

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كتاب الصلاة: ۲۴۲/۱، دار إحياء التراث، بيروت

(۲) سورة البقرة: ۱۸۷۔

(۳) عن عدى بن حاتم رضى الله عنه قال: لما نزلت ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ عمدت إلى عقال أسود وإلى عقال أبيض، فجعلتهما تحت وسادتى فجعلت أنظر فى الليل فلا يستبين لى، فغدوت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فذكرت له ذلك فقال: إنما ذلك سواد الليل وبياض النهار. (الصحيح للبخارى، باب قوله تعالىٰ: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (ح: ۱۹۱۶)/ الصحيح لمسلم، باب بيان أن الدخول فى الصوم يحصل، الخ (ح: ۱۰۹۰)/ سنن أبى داؤد، باب وقت السحور (ح: ۲۳۴۹) انيس)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"قال في الحلية: نعم في كون العبرة بأول طلوعه أو استطارته أو انتشاره اختلاف المشايخ ... وذكر فيها أن الأول أحوط والثاني أوسع".(۱)

اس عبارت میں بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ طلوع فجر کے بعد بھی سحری وغیرہ کھائی جاسکتی ہے لہٰذا والثانی اوسع اور عبارت مذکورہ کی مالہ وماعلیہ مراد کیا ہے؟ نیز اگر اوسع صحیح ومفتی بہ ہے تو استطار وانتشار کا معیار کیا ہوگا۔

امید ہے کہ مذکورہ سوالات کو حل فرما کر ممنون فرمائیں گے، یہ احقر برائے تشفی اور ازدیاد علم کے لئے عرض خدمت کر رہا ہے، لہٰذا مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے، اگر جرم نہ ہو، ورنہ ان دلائل کی طرف اشارہ کردیا جائے۔

(یوسف باٹلی، یوکے، انگلینڈ)

الجواب ———————— وباللہ التوفیق

(۱) وہ علاقہ جہاں پر شفق ابیض غائب نہیں ہوتی، یا وہ علاقہ جہاں پر شفق احمر بھی غائب نہیں ہوتی، یا وہ علاقہ جہاں آفتاب اس سے بھی کم یا محض تھوڑی دیر کے لئے غائب رہتا ہے۔ ان سب مقامات کے لئے متن درمختار میں ہے۔

"وفاقد وقتهما مكلف بهما فيقدر لهما، وقيل: لا".(۲)

اس عبارت کا کھلا ہوا مفہوم یہ ہے کہ ان تمام مقامات میں یعنی عشا اور فجر دونوں کے لئے لوگ مکلّف رہیں گے اور ان دونوں نمازوں کے لئے یعنی (عشا وفجر کے لئے)، ایک وقت مقدر مانا جائے گا، یہ عام فقہا کا قول ہے اور ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ باقی بعض فقہا کے نزدیک ایسا نہیں ہے اور درمختار میں بطور مثال کے "**كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق**" کہا ہے اور بعض فقہا نے جو "**لهما**" کا مرجع عشا کا فرض ووتر لیا ہے، اس میں بھی یہی مندرجہ گفتگو جاری ہوگی۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں پر عشا کا وقت نہیں ملتا؛ یعنی اس کے غایت درجہ خفی ہونے کی وجہ سے نہ نظر آتا ہے اور نہ اس کا ادراک ہی ہوتا ہے، وہاں بھی فجر کا طلوع ہوتا ہے اور "**فاقد وقتهما**" کا ترجمہ عشا کا وقت نہیں ہوتا صحیح نہیں ہے، بلکہ نہ پانا صحیح ترجمہ ہوگا، اس لئے کہ فاقد کے معنی نہ پانے والا ہے، نہ کہ نہ ہونے والا۔ کیونکہ فقدان کے معنی نہ پانے کے ہیں؛ نہ ہونے کے نہیں ہیں، **كما لا يخفى**، اور دونوں کے مفہوم میں بہت فرق ہے۔

ان عبارات پر جو اشکالات جناب نے ظاہر فرمائے ہیں؛ بجا ہیں۔ ان سب کا حل احقر اپنی بضاعت کے مطابق

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، تحت قول الدر: وقت صلاۃ الفجر، الخ: ۳۵۷/۱، دارالفکر بیروت، بیروت

(۲) الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی فاقد وقت العشاء: ۳۶۲/۱، دارالفکر بیروت، بیروت

عرض کرتا ہے، خدا کرے صحیح ہو۔ مذکورہ بالا متن اور اس کی شرح (درمختار) پر علامہ شامی نے جو دو تین صفحہ تک بے نظیر بحث فرمائی ہے، (۱) اس میں فقہاء کرام کے متضاد نظریات وتحقیقات منقول ہیں اور ظاہر ہے کہ ان سب سے اتفاق ممکن نہیں، بلکہ محض کسی ایک کی مطلقاً موافقت کا کوئی مرجح نہیں ہے۔

اس لئے کہ ذہین انسان کے ذہن میں لا محالہ بہت سے اشکالات وارد ہوں گے، جیسا کہ جناب نے بھی متعدد اشکالات فرما کران کا حل طلب فرمایا ہے، احقر اپنے بے بضاعت وبے استعداد وکم فہم ہونے کے باوجود انہیں فقہائے کرام (کے اس مقولہ: إن كان) **صواباً فمن الله وإن كان خطأً فمن تلقاء نفسي بل على الله التكلان وإليه المرجع والمآب ومنه أسئل التوفيق والسدا**" (کے مطابق) ہر ایک کا حل حسب نمبر سوال مذکور ہے۔

"الف" یہ صحیح ہے کہ اقرب بلاد پر قیاس کرنا غیر صحیح ہے اور فیض کی عبارت کا یہ مفہوم (۲) تو صحیح اور تسلیم ہے، مگر ایام دجال پر قیاس کرنا بہ ہمہ وجوہ صحیح نہیں، بلکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ حدیث دجال میں آتا ہے کہ وہ چالیس دن رہے گا۔ (۳)

اور اس کا ایک دن چھ ۶ رمہینہ کا ہوگا اور ایک دن چالیس دن کے برابر ہوگا اور سات ۷ دن ایک ہفتہ کا ہوگا باقی اور ایام ایسے ہی ہوں گے۔ آج کل تو ظاہر ہے کہ ان دنوں میں جو آج کل کے مثل ہوتے ہیں ان سے تو اس تقدیر کا تعلق نہیں ہے جو وہ انہیں دنوں سے ہے جن میں روزانہ کی طرح یعنی چوبیس گھنٹہ میں آفتاب غروب ہو کر طلوع نہ ہوگا وہاں کا کیا حکم ہوگا (اندازہ کر کے نماز پڑھتے رہنا)۔

اور صورت مجوث عنہا میں آفتاب چوبیس ۲۴ گھنٹہ میں غروب ہو کر طلوع ہوتا ہے، پس "**يقدر لهما**" کا مفہوم یہ ہر گز نہیں ہوسکتا کہ مثل حدیث دجال کے وقت کا اندازہ کر کے اس کے اندر نماز ادا کی جائے بلکہ یہ مفہوم ہوگا کہ غروب وفجر کے درمیان میں ایک وقت عشا کا ضرور گذرتا ہے اور اگر چہ وہ وقت نہایت دقیق وخفی ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے یا اس کا ادراک نہ ہو سکے اور اس کے اندر نماز نہ پڑھی جا سکے تو بھی اس وقت کو مقدر اور موجود مان کر اس کے ختم ہو جانے اور گذر جانے کی وجہ سے عشا وتر کی دوسرے وقت میں قضا کی جائے جس طرح اوقات ظاہر کے ختم ہو جانے اور

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فاقد وقت العشاء: ۱/ ۲۶۶ ـ ۲۶۸، مكتبه فيض القرآن ديوبند

(۲) أن المراد أنه يجب قضاء العشاء بأن يقدر أن الوقت أعنى سبب الوجود قد وجد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فاقد وقت العشاء: ۲۶۶/۱، مكتبه فيض القرآن ديوبند)

(۳) روى أنه صلى الله عليه وسلم ذكر الدجال.... قلنا: يا رسول الله! ومالبثه في الأرض؟ قال: "أربعون يومًا، يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم"، قلنا: فذالك اليوم الذى كسنة أتكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره. (رواه مسلم (باب ذكر الدجال: ۲/ ۴۰۱)، ردالمحتار: ۱/ ۲۶۷، مكتبه فيض القرآن)

گذر جانے پر قضا کی جاتی ہے۔(وهذا ظاهر) اوراس گفتگو سے جناب کا یہ اشکال حل ہوگیا کہ تقدیر سے کیا مراد ہے یعنی اس سے وقت کا اندازہ کر کے اس میں پڑھنا مراد نہیں ہے بلکہ نفس وقت کے وجود کو مقدر اور تسلیم کرنا مراد ہے اور یہ الگ بات ہے کہ عشا کا سارا وقت یا اس کا بعض حصّہ غیر محسوس اور غیر مدرک ہوتا ہے یا فجر کے وقت کی ابتداء وشروع غیر محسوس اور غیر مدرک ہے اور باقی حصے میں اتنا وقت مل جائے کہ نماز فجر ادا کی جا سکے خواہ مختصر ہی سہی اور طلوع آفتاب کے کچھ ہی پہلے سہی تو بجائے قضا کے ادا کر لی جائے ہاں اگر اس میں بھی اتنا وقت نہ ملے کہ نماز ادا کی جا سکے تو مثل عشا کے اس کی بھی قضا کی جائے۔زیلعی کے کلام سے اس طرح اشارہ ملتا ہے۔(۱)

اور درمختار کا یہ قول: ”ولا ینوی القضاء،الخ “.(۲)

متن کے بالکل متضاد ہے اور تسلیم نہیں اسی طرح مقطوع الیدین رجلین پر قیاس تسلیم نہیں کیوں کہ یہاں محل حکم ہی مفقود ہے اور فاقد وقت میں ایسا نہیں نیز اس شخص کے اصول پر قیاس کرنا بھی تسلیم نہیں جو طلوع آفتاب کے بعد اسلام قبول کرتا ہے اور اس پر اس سے قبل کی نمازوں کا وجوب نہیں ہوتا اس لئے کہ یہاں قبل اسلام کا وہ شخص خطاب ونصاب کا اہل نہیں رہتا کہ یہ حکم متوجہ ہو اور یہاں اہل رہتا ہے اسی طرح یہاں حائضہ وغیرہ کے حکم پر بھی قیاس کرنا تسلیم نہیں اس لئے کہ یہاں وجوب کے منافی احادیث صحیح وصریح سے ثابت ہیں اور یہاں نہیں اس لئے یہ سب قیاسات مع الفارق ہوں گے،اور کلام الٰہی ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْأَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾. (۳) میں اسود سے رات کی سیاہی مراد لینے پر جو اشکالات فرمایا ہے وہ بھی غایت ذہانت سے ہے،اور اس کا حل یہ ہے کہ منطوق کلام الٰہی میں خیط اسود رات کی سیاہی سے مقصد یہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک تعبیر ہے اور عام حالات واماکن کے اعتبار سے ہے اور غلط نہیں ہے اور اگر کوئی قید اس منطوق ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْأَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾. (۴) میں ہے تو ”من الفجر“ کی ہوسکتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ فجر طلوع ہوتے وقت جو ایک سیاہی ہوتی ہے،رات کے حصہ میں ہو یا شفق احمر یا ابیض کے حصہ میں ہو اور خواہ گہری سیاہی ہو یا مفصل سیاہی ہو وہ سیاہی جب فجر کے بیاض سے (جو چمکدار ہوتی ہے) تبین ہو جائے تو وہ تبیّن صائم کے لئے منتہائے اکل وشرب ہوگا اور وہیں سے ابتداء فجر وسحر شروع ہوتی ہے۔جیسا کہ فقہا کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

”(وقت الصبح من) ابتداء (طلوع الفجر الصادق) وهو الذی یطلع عرضاً منتشراً “.(۵)

---

(۱) ما أورده الزيلعي عليه من أنه يلزم من عدم نية القضاء أن يكون أداء ضرورة. (ردالمحتار: ۲۶۷/۱،مکتبه فيض القرآن)

(۲) الدرالمختار على صدر ردالمحتار: ۲۶۷/۱،مکتبه فيض القرآن

(۳-۴) سورة البقرة:۱۸۷۔

(۵) مراقی الفلاح شرح نورالإیضاح ،ص: ۱۷۵، دار الکتب العلمية، بیروت، لبنان

وھکذا فی عامة کتب الفقه. اور یہ تبین وتمیز ایک لمعہ (چمک) سے ہوتا ہے کہ فجر صادق طلوع ہونے کے وقت جہاں سے آفتاب طلوع ہونے والا ہے وہاں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوتی ہے جو سابق کے رنگ وحالات سے جدا اور متمیز ہوتی ہے پھر وہی چمک افق میں دائیں بائیں پھیلنے لگتی ہے اور ابتداء فجر ہی اس چمک وانتشار کی تعین میں فقہا کا اختلاف ہوا ہے جیسا کہ طحطاوی علی المراقی (ص ۱۳۹) سے جو (جواب ۳) میں آئے گی معلوم ہوتا ہے اور اصحاب متون نے احکام میں لمعہ کی ابتدا معتبر ماننے کے بجائے اس کے استطار وانتشار کو حدیث مسلم وترمذی کی مدد سے اختیار فرمایا ہے اور یہ لمعہ (چمک) اس خاص وقت میں ہر جگہ اور ہر ملک میں جہاں آفتاب طلوع ہونے والا ہوتا ہے ہوتی ہے خواہ رات کی سیاہی میں ہو یا شفق احمر یا شفق ابیض میں ہو ہر جگہ ہوتی ہے اور اپنے ماقبل کی حالت سے متمیز ہوتی ہے۔ خواہ اول وہلہ میں دقیق مخفی رہے اور بعد چند سیکنڈ کے نمایاں اور واضح ہو۔ غرض اس تمیز کی حالت سے قبل کی حالت جو مضمحل وکمزور ہوگی، اس کا مفہوم ہی ہے کہ اس میں سیاہی مشوب ومختلط ہوتی ہے، خواہ وہ سیاہی شفق ہی ہو یا غیر شفق ہو، یہی سیاہی آیت کریمہ میں مذکور ہے، جس کا حاصل محض رات کی سیاہی نہیں ہے، بلکہ نفس سیاہی ہے اور یہی سیاہی منطوق نص میں مراد ہے اور اس سے طلوع فجر کی تعریف جو فقہا نے کی ہے، پھر وہ بھی واضح ہوگئی۔

(۲) طلوع فجر صادق سے قبل فجر کاذب کا ہونا ہر جگہ لازم نہیں ہے بلکہ انہیں مقامات میں ہوتا ہے جہاں شفق ابیض کے غروب کے بعد رات کا معتد بہ حصہ گذرتا ہے جیسے ارض سے قبل کے بعض حصے۔

(۳) ابتداء طلوع فجر صادق میں فقہا کے دو قول ہیں جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"فی مجمع الروایات: ذکر الحلوانی فی شرحه للصوم "أن العبرة لأول الطلوع وبه قال بعضهم فإذا بدت لمعة له أمسک عن المفطرات، وقال بعضهم: العبرة لاستطارته فی الأفق وهذا القول أبین وأوسع والأول أحوط، وروی عن محمد أنه قال: اللمعة غیر معتبر فی الأفق فی حق الصوم و حق الصلوة وإنما یعتبر الانتشار فی الأفق، قاله فی الشرح". (۱)

مگر اصحاب متون نے عموماً قول ثانی کو لیا ہے۔ اس لئے کہ اس کی تائید وتقویت مسلم شریف وترمذی شریف کی روایت **"لا یمنعکم من سحورکم أذان بلال ولا الفجر المستطیل ولکن الفجر المستطیر فی الأفق".** (۲) معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس فرق سے یہ بات نہیں نکلتی کہ لمعہ نمودار ہونے کے بعد بھی سحری کھانے کی باقاعدہ اجازت دی جائے، اس لئے لمعہ نمودار ہونے کے محض دو تین منٹ میں لمعہ کے دائیں اور بائیں ہر دو طرف

---

(۱) حاشیة الطحطاوی علی المراقی فی اول کتاب الصلوة: ۱۷۴، دار الکتب العلمیه بیروت، لبنان

(۲) هذا حدیث متفق علی صحته أخرجه مسلم (شرح السنة: ۲/۲۰۰، ح: ۴۳۵، مطبوعه المکتب الإسلامی) (باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل... (ح: ۱۰۹۴) انیس) / ترمذی کتاب الصوم باب ماجاء فی بیان الفجر (ح: ۷۰۶)

چمکدار لہریں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں جیسا کہ انار روانہ یا فوارہ میں دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی لہریں اور انہیں چھوٹی لہروں کا دائیں بائیں نمودار ہونا استطار وانتشار کا معیار ہے، بس بہت سے بہت اس فرق سے یہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس وقت محض ایک دو گھونٹ پانی پی لے یا پہلے سے سحری کھا پی رہا ہو اور لمعہ نمودار ہونے پر جلدی ختم کر کے منھ صاف کر لے تو اس کے صوم کو غیر صحیح نہیں کہیں گے اور بس۔

اور حدیث پاک میں جو اجازت دی گئی ہے، وہ صبح کاذب کے بعد کھانے کی دی گئی ہے، نہ کہ ظہور لمعہ کے بعد اور طلوع صبح کاذب اور طلوع صبح صادق کے مابین کافی فصل ہوتا ہے، کم از کم اتنا فصل ضرور ہوتا ہے کہ ایک شخص اطمینان سے کھا پی لے اور حدیث پاک میں اس کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی اجازت دی گئی ہے۔ **فافترقا**

اور فقہا کے اختلاف سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ سحری کھانا نمودار ہونے سے قبل احتیاطاً بند کر دیا جائے اور انتشار واستطار نمایاں ہونے سے قبل نماز فجر نہ پڑھی جائے اور بس اب امید کہ اس گفتگو سے انتشار واستطار اور فجر مستطیر (صبح صادق) فجر مستطیل (صبح کاذب) سب کا معیار واضح ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۴/۱/۱۸ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۷۹-۱۸۵)

جن مقامات میں عشا کا وقت نہیں ملتا، وہاں نماز پڑھنے کا طریقہ:

سوال: (الف) دنیا میں بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں پر بعض موسموں میں بائیس، تیئیس گھنٹہ کا دن ہوتا ہے، ایک طرف سورج غروب ہوا کہ دوسری طرف سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد دن ہو جاتا ہے، وہاں پر مغرب تو پڑھ سکتے ہیں عشا کا وقت نہیں ہوتا، اور فجر پڑھیں گے یا نہیں؟ نیز وہاں پر ظہر وعصر دن کے کون سے حصہ میں پڑھیں گے؟

نارتھ شال میں سیووِن ناروے اور دوسرے جزیرے ہیں، وہاں پر ایک مسلمان بھائی خود رہا تھا اور اس نے خود وہاں پر دیکھا ہے، نیز وہاں پر ترک مسلمانوں کی مسجد ہے اور وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، مگر نہیں معلوم کہ کونسے وقت میں پڑھتے ہیں۔

(ب) نیز سردیوں میں رات لمبی ہوتی ہے، ایک دو گھنٹہ کے لیے سورج طلوع ہو جاتا ہے اور غروب ہو جاتا ہے، وہاں پر پانچوں نمازیں کس وقت پڑھیں گے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(الف) اگر چہ دن ۲۲/۲۳ گھنٹہ کا ہوتا ہے مگر جب آفتاب کا طلوع وغروب روز ہوتا ہے تو غروب ہوتے ہی مغرب کی نماز پڑھ لیں اور طلوع ہونے سے کچھ پہلے فجر کی نماز پڑھ لیں۔ درمیان میں اگر چہ عشا کا وقت نظر نہیں آتا،

لیکن مغرب وفجر کے درمیان جب موقع ہو عشا کی نماز بھی بلا لحاظ جمع بین الصلوتین پڑھ لینا ضروری ہے، اگر چہ وقت کی تنگی وقلت سے سنن ونوافل کا موقع ووقت نہ ملے مگر فرض، وتر پڑھ لینا چاہئے، مفتیٰ بہ قول میں ایسا نہیں ہے کہ عشا کی نماز ساقط ہو جائے۔(۱)

(ب) اسی طرح سردیوں میں بھی جب تک آفتاب روزانہ طلوع وغروب ہوتا رہے اگر چہ گھنٹہ دو گھنٹہ ہی کے لیے تو طلوع وغروب کی پوری مقدار کے نصفِ ثانی کے شروع ہوتے ہی ظہر پڑھ لیں اور غروب ہونے سے کچھ قبل عصر پڑھ لیں سنن ظہر کا وقت نہ ملے جب بھی فرض ضرور پڑھ لیا کریں، اتنی ہی مقدار کے یہ لوگ مکلّف ہیں، اس سے پورے عابد شمار ہوں گے۔

(ت) جہاں مسلسل کئی دن یا کئی ہفتہ یا ماہ آفتاب غروب نہیں ہوتا یا طلوع نہیں ہوتا، وہاں بھی ۲۴ گھنٹہ کا ایک دورہ یوم ولیل (دن رات کا ایک چکر) متعین کر کے اس کے اجزا میں پانچوں نمازیں ادا کریں گے اور نمازوں کے درمیان فصل وفاصلہ کا وہی تناسب رکھیں گے جو یہاں معتدل ایام کے ملکوں میں ہوتا ہے۔(۲)

اور چوبیس گھنٹہ کا ایک دورہ یومی ولیلی معلوم کرنے کیلئے کہ اس کی ابتداء کب سے اور کس طرح کریں تو اس کا آسان اور سہل طریقہ یہی ہے کہ جس دن آفتاب غروب ہو کر طلوع نہ ہونا شروع ہو جائے، بلکہ مسلسل غروب ہی رہے، اس دن کے غروب سے ۲۴/ گھنٹہ تک کی مقدار کو جو پورے ایک دن اور ایک رات کی مقدار شمار کر کے اس میں حسب تصریح بالا پانچوں نمازیں ادا کریں اور پھر اس ۲۴/ گھنٹہ کے ختم ہونے پر دوسرا ۲۴ گھنٹہ، پھر تیسرا ۲۴/ گھنٹہ مقرر کرتے جائیں اور ان سب میں مثل اول ۲۴ گھنٹہ کے نصف اول رات قرار دے کر اس میں رات کی نمازیں اور نصف ثانی کو دن قرار دے کر دن کی نمازیں پڑھتے چلے جائیں اور دن بڑا ہوتے ہی جس دن آفتاب طلوع ہو کر مسلسل طلوع رہے غروب نہ ہو تو اس میں پہلا دورہ مکمل کرنے کیلئے صرف ۱۲ گھنٹہ کی مقدار پر ایک دورہ یومی ولیلی مکمل قرار دیں اور اس بارہ گھنٹہ میں دن کی نمازیں ادا کریں، اس بارہ گھنٹہ کا دورہ ختم ہونے کے بعد پھر ۲۴/۲۴ گھنٹہ کی مقدار کا یومی ولیلی (دن رات کا مجموعہ) مقرر کرتے جائیں اور اس کے نصف اول میں رات کی نمازیں (مغرب، عشا، فجر) پڑھتے جائیں اور نصف ثانی میں دن کی نمازیں (ظہر وعصر) پڑھتے جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔

الجواب صحیح: العبد محمود غفرلہ۔ سید احمد علی سعید، مفتی دار العلوم دیوبند (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۷۸-۱۷۹)

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، مدخل: ۱/۱۷۸/ ردالمحتار، أول کتاب الصلاۃ: ۱/۳۶۲. انیس

(۲) قال الرملی فی شرح المنهاج: ویجری ذلک فیما لو مکثت الشمس عند قوم مدة، آه. ح، ==

شہر بلغار (میں عشا) کا حکم:

سوال: فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی مصنفہ مولانا اصغر حسین صاحب میں یہ لکھا ہے کہ بلغار ایک شہر ہے، جہاں مغرب کی نماز کے شفق غروب ہونے کے ساتھ صبح صادق نمودار ہوجاتی ہے، عشا کا وقت نہیں آتا۔ یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں کہ ان لوگوں پر نماز عشا فرض نہیں ہوتی؟ جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرماویں۔ ایک صاحب اس مسئلہ کا شدومد سے انکار کرتے ہیں اور اہل بلغار پر نماز عشا فرض ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ مسئلہ جو فتاویٰ محمدی میں درج ہے، صحیح ہے۔ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے۔

درمختار و شامی جو معتبر کتابیں فقہ کی ہیں، ان میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔

معلوم نہیں وہ شخص کیوں انکار کرتا ہے۔ اگر یہ وجہ ہے کہ بلغار میں ایسا نہیں ہے تو واضح ہو کہ بلغار اور اس کے متعلقات بہت وسیع جگہ ہے، اس میں بعض ایسا ہی حصہ ہے، جہاں یہ حالت ہوتی ہے۔ فقہا نے بھی تجربہ اور مشاہدہ سے لکھا ہے، انکار کرنا اس کا، جہالت ہے۔ باقی یہ کہ جس جگہ عشا کا وقت نہ ہو وہاں عشا کی نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ سو بعض فقہا کا تو یہی مذہب ہے کہ وہاں عشا کی نماز فرض نہیں کیونکہ وہاں وقت عشا کا نہیں ہوتا، جیسا کہ فتاویٰ محمدی میں مولوی سید اصغر حسین صاحب نے لکھا ہے۔ مگر محققین فقہا جیسے ابن الہمام وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ عشا کا وقت وہاں نہیں آتا، لیکن عشا کی نماز وہاں بھی فرض ہے اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر پانچ وقت کی نماز فرض فرمائی ہے ان کو ہر جگہ اور ہر وقت پڑھنا چاہئے، جیسا کہ حدیث دجال میں وارد ہے کہ ایک دن سال بھر کا ہوگا، صحابہ نے عرض کیا کہ! نمازوں کی نسبت کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس دن میں سال بھر کی نمازیں پانچوں وقت کی انداز کرکے پڑھو؛ یعنی ہر ایک چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں ادا کرو۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۶۰-۶۱)

== قال فی إمداد الفتاح قلت: وكذلك يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكاة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة، وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة والنقص، كذا فی كتب الأئمة الشافعية، ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعًا فی الصلوٰة. (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، قبيل مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۱/۲٤٤)

(۱) (وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فی أربعينية الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما) ولاينوی القضاء وقت الأداء به أفتی البرهان الكبير واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة فی ألغازه فصححه فزعم المصنف أنه المذهب وقيل لايكلف بهما لعدم سببهما وبه جزم فی الكنز والدرر والملتقی وبه أفتی البقالی ووافقه الحلوانی والمرغينانی، الخ. (الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، مطلب فی فاقد وقت العشاء كأهل بلغار: ۱/۳۳٦. وانظر تحقيق المسائل فی ردالمحتار، ظفير)

بلغاریہ میں نماز فجر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں کہ فتاوٰی ودودیہ ص۱۰۳، ۱۰۴ میں تحریر ہے کہ بلغاریہ کے ملک میں کبھی کبھی شام کی نماز کے بعد شفق کے غائب ہونے سے پہلے سورج آسمان پر نکل آتا ہے، مصنف فتاویٰ جناب مولوی محمد ابراہیم مرحوم نے لکھا ہے ''کہ خفتن کی نماز خواہ قضا کرے یا نہ کرے''لیکن جب سورج نکل آتا ہے تو فجر کی نماز بھی نہیں ہوتی، تو آپ مرحوم نے فجر کے متعلق نہیں لکھا ہے کہ قضا کرے گا یا نہیں فجر کے متعلق مسئلہ واضح فرماویں؟ بینوا توجروا۔　　(المستفتی: اورنگ زیب پسی، پشاور.....۱۹۷۶/۸/۲۴ء)

الجواب

بلغاریہ میں بعض موسموں میں غروب شفق سے طلوع فجر ہوا ہے، لہٰذا وہاں نماز فجر باقاعدہ ادا کی جائے گی۔

کما فی الدر المختار: کبلغار فان فیہا یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی أربعینیة الشتاء. (ھامش رد المحتار: ۱/۲۴۲) (۱) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۶۱)

لندن میں نماز عشا اور نماز فجر کے متعلق ایک سوال:

سوال: گرمیوں میں لندن میں سورج ۹-۳/۴ (پونے دس) بجے غروب ہوتا ہے، تو گویا اس وقت مغرب کی نماز ادا کی، عشا کا وقت مغرب کے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے، تو اس کے لئے ۱۱-۱/۴ (سوا گیارہ) بجے تک انتظار کرنا پڑتا ہے، اس سے پہلے سو نہیں سکتے، اس صورت میں کیا ہو، کیونکہ نماز پڑھنے کے بعد کہیں ۱۱-۳/۴ (پونے بارہ) بجے سونے جا سکتے ہیں اور پھر ۱۲ بجے کے بعد نیند آتی ہے، ویسے تو عموماً اتنی دیر تک پڑھتا رہتا ہوں، لیکن پھر صبح کا وقت ضائع ہو جاتا ہے، کیونکہ پھر جلد نہیں اُٹھ سکتا، ان دنوں میں فجر کی نماز کا وقت قریب ۲-۱/۲ (ڈھائی) بجے ہوتا ہے، کیونکہ سورج ۳ بجے نکلتا ہے، میرا ہندوستان میں ۵/ بجے یا ۶/ بجے اٹھنا دشوار تھا۔ ۳/ بجے کون اٹھائے گا، اگر میرا کالج ۱۱/ بجے شروع ہوا کرتا تو میں ڈھائی بجے تک پڑھتا رہا کرتا، اس صورت میں عشا اور فجر دونوں مل جاتیں، اور پھر ۳/ بجے سے ۱۰/ بجے تک سوتا، لیکن یہ بھی مشکل ہے، غرض ان تمام باتوں سے ضرور مطلع کیجئے گا کہ میں کیا کروں؟

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی فاقد وقت العشاء کأھل بلغار: ۱/۲۶۶۔

"قال العلامة ابن عابدین: قال الرملی فی شرح المنهاج: ویجری ذلک فیما لومکثت الشمس عند قوم مدة، آہ، ح. قال فی إمداد الفتاح قلت: وکذلک یقدر لجمیع الآجال کالصوم والزکوٰة والحج والعدة وآجال البیع والسلم والاجارة وینظر ابتداء الیوم فیقدر کل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما یکون کل یوم من الزیادة والنقص کذا فی الکتب الائمة الشافعیة ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدیر مقول به إجماعًا فی الصلوات (رد المحتار ھامش الدرالمختار: ۱/۲۶۸، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها)

الجواب

اس صورت میں جب کہ غروب کے بعد ۵ گھنٹہ رات ہوتی ہے، لندن والوں پر مغرب وعشا وفجر تینوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھنی واجب ہیں، اس صورت پر سائل نے جو اشکال کیا ہے کہ عشا پڑھ کر ۱۲ بجے سونا ملے گا تو ڈھائی بجے جاگنا دشوار ہوگا اس کے متعلق چند باتیں معروض ہیں۔

(۱)　دن میں کوئی وقت فرصت کا نکال کر جس میں بہتر وقت دوپہر کا ہے خوب سولیا کریں۔

(۲)　الارم کی گھڑی کو صبح کے وقت پر لگا کر سویا کریں آنکھ ضرور کھل جائے گی۔

(۳)　عشا کی نماز غروب کے ایک گھنٹہ بعد معاً پڑھ لیا کریں، صاحبین کے مذہب پر شفق احمر کے غائب ہوجانے سے عشا کا وقت ہوجاتا ہے، اور شفق احمر غروب کے بعد ایک گھنٹہ میں غائب ہوجاتی ہے، اور سہولت کے لئے فتویٰ قول صاحبین پر دیا گیا ہے گو احتیاط بعد شفق بیاض کے پڑھنے میں ہے، مگر ضرورت کے وقت قول صاحبین پر عمل کر لینا بھی جائز ہے، پس غروب سے ایک گھنٹہ بعد نماز عشا پڑھ کر فوراً سو رہا کریں، اس طرح سائل کو ۱۱/ بجے سونا مل جائے گا۔ واللہ اعلم

۱۰/شعبان ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۲۰/۲)

کینیڈا میں عصر اور عشا کے وقت کا تعین:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں کینیڈا میں دن ساڑھے سترہ گھنٹے کا ہوتا ہے نماز کا ایک چارٹ ارسال خدمت ہے چونکہ یہاں مئی میں گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے اور نومبر میں ایک گھنٹہ پیچھے کر لیا جاتا ہے، یہ نقشہ اوقات امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق ہے حنفی مسلک کے تحت عصر کی نماز کا وقت کیا ہوگا ؟ نیز ہمارے یہاں غروب آفتاب کے بعد شفق احمر غائب ہوجاتا ہے لیکن شفق ابیض رات گیارہ بجے یا اس سے بھی دیر تک رہتا ہے، اس وقت انتظار بہت مشکل ہوتی ہے کیا نماز مغرب کے بعد فوراً ہم نماز عشا پڑھ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد اشفاق، کینیڈا......۵/۸/۱۹۷۹ء۔)

الجواب

غروب سے زیادہ زیادہ دو گھنٹہ قبل نماز عصر پڑھا کریں غروب کے سوا گھنٹہ بعد نماز عشا ادا کریں۔(۱) **وھو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ: ۱۶۷/۲)

---

(۱)　حنفیہ کے معمول میں عصر کا وقت دن کی پوری مقدار (طلوع سے غروب شمس تک) کا تقریباً آخری حصہ ہے، لیکن اس میں اتنی تاخیر کرنا جو اصفرار الشمس تک مفضی ہو مکروہ ہے۔

==

نینی تال میں وقت عشا:

سوال: نینی تال میں مغرب کا وقت مدراس ٹائم سے سات بجکر بیس منٹ پر ہوتا ہے، اب اسی اعتبار سے عشا کا وقت کتنے بجے ہوگا اور وتر وسحر کا انتہائی وقت کیا ہوگا؟

الجواب

اگر غروب آفتاب سات بج کر بیس منٹ پر ہے تو وقت عشا آٹھ بج کر چون منٹ پر ہے اور طلوع آفتاب اگر پانچ بج کر ۲۲/ یا ۲۳/ منٹ پر ہے، تو صبح صادق ۳/ بج کر ۴۸/ یا ۴۹/ منٹ پر ہے۔ یہی انتہائی سحری کا وقت ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۶/۲)

دو تقویموں میں تقابل سے صبح صادق، طلوع وغروب اور شفق میں فرق کی بنیاد:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ہمارے یہاں دو تقویمیں رائج ہیں، ایک تقویم میں مغرب اور عشا اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب میں فاصلہ کم ہے، اور دوسری میں زیادہ۔ کم فاصلہ والی تقویم حاجی عبدالحفیظ منیار صاحب سورت والوں کی ہے، جو دارالعلوم کنتھاریہ سے بھی شائع ہو چکی ہے اور زیادہ فاصلہ والی تقویم کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحب کا وہ فتویٰ ہے، جو بحوالہ شامی، فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم میں شائع ہوا ہے، جس میں مغرب اور عشا کے درمیان اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان مساوی فاصلہ بتلایا ہے، جو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کم نہیں، اور ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ سے زیادہ نہیں۔

اب سوال عام مہینوں سے زیادہ رمضان المبارک میں پیدا ہوتا ہے، کہ اگر رمضان المبارک میں ختم سحر حاجی عبدالحفیظ منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے کی جاوے، تو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ختم سحر بعد صبح صادق

== قال الحصکفی: وأخر (العصر إلی اصفرار ذکاء) فلو شرع فیه قبل التغیر فمده إلیه لایکره. (الدر المختار: ۳۶۸/۲)

نیز شفق احمر وہ ہے جو سورج کے افق مغرب میں ہونے کی وجہ سے ہو، اور سورج افق میں رات کے آٹھویں حصہ سے عموماً زیادہ نہیں رہتا، بہرحال جب اوقات میں اسی قسم کا تغیر واقع ہو اور رات ودن کی پورا امتیاز ناممکن ہو، تو قریبی ممالک کے اعتبار سے چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

قال الحصکفی: (وفاقد وقتهما) کبلغار، فإن فیها یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی أربعینیة الشتاء (مکلف بهما فیقدر لهما) ولاینوی القضاء لفقد وقت الأداء. (الدر المختار، مطلب فی فاقد وقت العشاء: ۳۶۲/۱)

وکما فی حدیث مسلم، باب ذکر الدجال: ۴۰۱/۲ _قلنا: فذلک الیوم الذی کسنة أتکفینا فیه صلاة یوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره''، الخ. (از مرتب)

لازم آتی ہے۔اور اگر مفتی صاحب والے فاصلہ کو صحیح مان کر عمل کیا جائے اور صبح صادق ہونے کے پانچ منٹ بعد اذان دی جائے ،تو حاجی عبدالحفیظ صاحب کی تقویم کے اعتبار سے قبل صبح صادق اذان دینا لازم آتا ہے۔

مثلاً: اس سال رمضان المبارک کی ابتداء دسمبر کی اکیس کو منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے صبح صادق ۵:۵۲ کو تھی اور مفتی صاحب کے فاصلہ کے اعتبار سے صبح صادق ۵:۴۳ کو ہوتی ہے، اب ظاہر بات ہے کہ منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے اگر روزہ بند کیا جائے تو مفتی صاحب کے نزدیک روزہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح مفتی صاحب کی تقویم کے اعتبار سے فجر کی اذان دی جائے ،تو منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے اذان صبح صادق سے پہلے ہوگی، جو صحیح نہ ہوگی، تو برائے کرم تفصیل کے ساتھ بتلایئے کہ ہم کس پر عمل کریں کیونکہ یقیناً دو میں سے ایک صحیح ہے اور دوسری غلط۔فقط والسلام

ازاحقر موسیٰ آچھودی، دعا گو ودعا جو، بچوں کا گھر آمود، ابراھیم سلیمان عیسیٰ آچھودی، ضلع بھروچ، ولی فلاحی عفی عنہ آچھودی، علی بھائی ابراہیم عفی عنہ بچوں کا گھر آمود، خالد علی موسیٰ خانپوری۔

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ کے استفتا کا جواب دینے سے پہلے کچھ وضاحت اور صراحت ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) آپ کا استفتا موصول ہونے کے بعد آپ پر تنقیح کی غرض سے ایک تحریر حسب ذیل مضمون پر مشتمل بھیجی تھی۔آپ نے جن دو تقویموں کا حوالہ دیا ہے، ان میں سے ایک جناب عبدالحفیظ صاحب منیار والی تو ہمارے پاس موجود ہے، البتہ دوسری تقویم جس کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی پر بتلایا ہے، یہاں موجود نہیں ہے، برائے کرم آپ وہ تقویم احقر پر روانہ فرمائیں، اس کے جواب میں آپ نے ''احمدی تقویم'' ارسال فرمائی، آپ نے سوال میں جس دوسری تقویم کا حوالہ دیا، اس سے مراد یہی تھی تو جس طرح پہلی تقویم کے سلسلہ میں مرتب اور شائع کنندہ کی تصریح فرمائی تھی اور حوالہ دے دیا تھا، اس دوسری تقویم کے معاملہ میں بھی شائع کنندہ کی تصریح فرما کر حوالہ دیدینا کافی تھا، لیکن آپ نے ایسا غالباً اس لیے نہیں کیا کہ آپ اس تقویم اصلی پر عمل نہیں کرتے ، بلکہ اس میں آپ نے ترمیم فرما رکھی ہے۔

(۲) مغرب اور عشا کے درمیان فاصلہ کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ مختلف ہیں، صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانی فاصلہ کا بھی یہی حال ہے، نمونہ کے طور پر چند فتاویٰ نقل کرتا ہوں۔

امداد الفتاویٰ، جلد اول، صفحہ: ۱۴۹، پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ایک فتویٰ ہے:

سوال (۱۴۸): کس قدر حصہ رات کا گذرنے سے وقت نماز عشا شروع ہوتا ہے؟

الجواب: غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشا کا وقت آجاتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

اس پر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:
تمام سال کے لیے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ الخ
امداد الفتاویٰ: ۹۸/۲، پر ایک اور فتویٰ ہے:
سوال (۱۴۸): ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت تک سحری کھانا درست ہے؟
الجواب: ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں۔ الخ
نوٹ از احقر: ان دونوں جوابات میں حضرت تھانویؒ نے ڈیڑھ گھنٹہ کا جو حساب لکھا ہے، یہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہے، جو ہوسکتا ہے، یعنی جو آدمی سال بھر یہ اہتمام کرتا ہے کہ عشا کی نماز ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد پڑھے، اس سے پہلے نہ پڑھے تو اس کی نماز عشا درست ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرتؒ کے اسی جواب کے متعلق ایک اشکال و جواب ''امداد الاحکام'' میں ہے:
حضرت اقدس نے ''امداد الفتاویٰ'' جلد اول میں وقت عشا غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد تحریر فرمایا ہے، بادی النظر میں شبہ سا ہوتا ہے، خوب سمجھ میں نہیں آیا، اس فرمان واجب الاذعان کے موافق اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے گھنٹہ یا سوا گھنٹہ بعد مغرب پڑھے تو درست ہونا چاہیے، مگر مشاہدہ نہیں مانتا۔ براہ کرم ذرا مکرر تفصیل فرمادی جائے۔ غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مدت بہت زیادہ سی معلوم ہوتی ہے۔
الجواب: اس کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عشا کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے پر پڑھنا چاہئے، عشا اس سے پہلے نہ پڑھے، یہ مطلب نہیں کہ مغرب کی نماز اتنی دیر تک درست ہے چنانچہ عبارت سوال دیکھ کر کہ (سائل نماز عشا پڑھنے کیلئے وقت عشا دریافت کر رہا ہے۔ صفحہ: ۶۴) یہ مطلب ظاہر ہے جو ہم نے بیان کیا۔ (امداد الاحکام: ۳۱۵/۱)
نوٹ از احقر: لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ کے مطابق پھر بھی اشکال باقی رہتا ہے، اس لیے کہ ان کے فتویٰ کے بموجب یکم جون سے یکم اگست تک مغرب و عشا کا درمیانی فاصلہ ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی زیادہ ہے اس لیے غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد فوراً پڑھی ہوئی نماز عشا صحیح نہیں ہوگی۔ (نوٹ کا مضمون ختم ہوا)
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحبؒ کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:
''پس مغرب و عشا میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہیے''۔ الخ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۳/۲)
''اس کے بعد واضح ہو کہ شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا ہے اور اس میں صیفاً وشتاءً

چند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے''۔(ایضاً:۴۶/۲)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ رقم طراز ہیں:

''مغرب کا وقت عامۃً ہمارے اطراف میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم رہتا ہے''۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۶۹/۱۶)

نوٹ از احقر: ان دونوں جوابات پر بھی وہی اشکال باقی رہتا ہے، جو حضرت تھانویؒ کے جوابات پر تھا، جس کی تفصیل اگلے نوٹ میں کر چکا ہوں۔(نوٹ کا مضمون ختم ہوا)

(۳)　حقیقت یہ ہے کہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کا درمیانی فاصلہ اور اسی طرح طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ ہر جگہ اور ہر موسم میں یکساں نہیں رہتا بلکہ موسم اور مقام کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

غروب شفق کا وقت اختلافات زمان ومکان سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۰۱/۲)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت شدہ ایک سوال اور ان کی طرف سے دیا گیا۔جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مغرب سے عشا تک کتنا وقت ہونا چاہیے۔ہمارے یہاں علماء کرام بعض کہتے ہیں کم سے کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ پر عشا کا وقت شروع ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ پر عشا کا وقت ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں ایک گھنٹہ بیس منٹ پر عشا کا وقت ہوتا ہے۔برائے کرم مفتیٰ بہ قول ذکر فرمائیں۔بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب:　مغرب اور عشا کے درمیان خط استواء کے مقام پر معتدل ایام میں کم از کم ۵۷ منٹ ہے۔اس وقت سفید شفق غروب ہوتی ہے، شفقِ سرخ اس سے بھی بارہ منٹ پہلے غروب ہوجاتی ہے، اس کے مطابق غروب آفتاب سے ۴۵ منٹ کے بعد وقت عشا شروع ہوجائے گا، یہ قول ارجح ہے اور قول اول احوط، دوسرے ایام اور دوسرے مقامات میں اس سے زیادہ وقت ہوتا ہے اور زیادتی کی کوئی تحدید نہیں حتیٰ کہ بلغار میں موسم گرما میں عشا کا وقت آتا ہی نہیں، اس وقت کی مقدار ہر شہر اور ہر موسم میں مختلف ہے۔الخ (احسن الفتاویٰ:۱۴۶/۲)

آگے ایک اور مقام میں تحریر فرماتے ہیں:

بعض علما نے منتہاء سحر وطلوع آفتاب کے درمیان کچھ وقت (مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش) کی تعیین فرمائی ہے، اس سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں، کہ ہر موسم میں ہر مقام پر طلوع اور صبح صادق کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ امر تو بداہۃً غلط ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ وقفہ ہر تاریخ میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتا ہے، اس کی تصدیق مشاہدات

سے بھی کی جاسکتی ہے اور مختلف مقامات کے اوقات نماز کے پرانے نقشوں سے بھی۔ الخ (احسن الفتاویٰ:۲/۱۸۳)

(۴) کسی بھی فن سے استفادہ کے شرائط میں سے یہ ہے، کہ اس فن کے اصول و قیود کی رعایت کی جائے، اوقات نماز کی تعیین کیلئے جو جنتریاں تیار کی جاتی ہیں اس کا تعلق فن ہیئت سے ہے، سو اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جب بھی کوئی ماہر فن جنتری تیار کرنا چاہتا ہے، تو وہ پہلے اس مقام کی تعیین کرتا ہے جس کے لیے جنتری تیار کرنا مطلوب ہو، پھر اس مقام کا عرض البلد طول البلد معلوم کر کے اس کے مطابق جنتری تیار کرتا ہے، پھر وہ جنتری اس مقام میں بھی کام دے سکتی ہے، جہاں کا طلوع و غروب اس مقام کے طلوع و غروب کے موافق ہو جس کیلئے جنتری تیار کی گئی ہے، اور جن مقامات کا طلوع و غروب مکمل طور پر تو موافق نہ ہو لیکن دو تین منٹ کا فرق ہو ان مقامات میں بھی اتنی احتیاط کرتے ہوئے کام دے سکتی ہے۔ مثلاً: شہر سورت کا طول البلد ۷۲ درجہ، اور ۵۲ دقیقہ ہے، اور عرض البلد ۲۱ درجہ، اور ۱۲ دقیقہ ہے، اب اگر کوئی جنتری سورت کیلئے تیار کی جائے تو وہ مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ دوسرے مقامات کیلئے بھی کار آمد ہوسکتی ہے، اسی اصول کے پیش نظر ماہرین کی تیار کردہ تمام جنتریوں میں اس بات کی صراحت ہوتی ہے، کہ یہ جنتری فلاں مقام کے لیے تیار کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ فلاں فلاں مقامات کے لیے کام دے سکتی ہے، اس اصول کے پیش نظر دیکھا جائے تو آپ نے اپنے سوال میں جن دو جنتریوں کے متعلق دریافت کیا ہے، ان میں سے ایک یعنی جناب الحاج عبدالحفیظ منیار صاحب کی تیار کردہ جنتری اصول فن کے مطابق ہے، جب کہ دوسری جنتری جس کا زیروکس zerox آپ نے بھیجا ہے اس میں اس قسم کی کوئی وضاحت اور ہدایت نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ جنتری پورے گجرات میں جہاں جہاں بھی استعمال ہوتی ہے؛ وہاں اسی طرح استعمال میں لائی جارہی ہے، چاہے وہ گجرات کا مشرقی علاقہ ہو یا مغربی، شمالی ہو یا جنوبی، حالانکہ یہ بداہۃً غلط ہے، آپ نے اصل جنتری کے عشا و فجر کے اوقات میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ کو بنیاد بنا کر تغیر و تبدل کر دیا، اس کی وجہ سے دیگر اوقات نماز کے معاملہ میں آپ کا ذمہ بری نہیں ہو جاتا، آپ کا یہ رویہ تو مزید اعتراض پیدا کرتا ہے کہ جس جنتری کے اوقات عشا و فجر قابل اعتماد نہیں، اس کے دیگر اوقات نماز کیونکر قابل اعتماد قرار پائے؟ ممکن ہے آپ طلوع و غروب کیلئے مشاہدہ کو دلیل میں پیش فرما کر جواب دیں کہ ہم نے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کر لی ہے، لیکن مثل اور مثلین (یعنی عصر شافعی و حنفی) کے سلسلہ میں تو یہ دلیل بھی کار آمد نہیں ہوگی، بہر حال آپ نے عملی طور پر جو انداز اختیار کیا ہے، وہ محض آپ کا (یا آپ کی بستی والوں کا) تفرد ہے، جس میں آپ کا حال ﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾(۱) کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اصول فن کی رو سے بھی یہ جنتری قابل اعتراض ہے۔

---

(۱) سورۃالنساء: ۱۵۱. انیس

(۵)　　حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب کے جس فتویٰ کا آپ نے اپنے سوال میں حوالہ دیا ہے، اس میں غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کے درمیان جو فاصلہ گھنٹہ اور منٹ کی تعیین کے ساتھ دیا گیا ہے، اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ یہ تعیین شامی سے نہیں لی گئی ہے، بلکہ شامی کے حوالہ سے تو صرف اتنا بتلایا گیا ہے کہ فجرین (یعنی صبح صادق اور صبح کاذب) کا درمیانی فاصلہ تین درجات کے بقدر ہوتا ہے، اسی طرح شفقین (یعنی شفق احمر اور شفق ابیض) کا درمیانی فاصلہ تین درجات کے بقدر ہوتا ہے، یہ یاد رہے کہ اہل ہیئت کے یہاں ایک درجہ کی مقدار عموماً چار منٹ شمار ہوتی ہے، اس حساب سے یہ فاصلہ بارہ منٹ کا ہوتا ہے، کسی بھی فقہی کتاب میں آپ کو مغرب وعشا کے درمیانی فاصلہ کی تعیین گھنٹہ اور منٹ کے حساب سے نہیں ملے گی اور یہ ممکن بھی نہیں، اس لیے کہ جیسا کہ آگے نمبر (۳) میں تفصیل سے بتلا چکا ہوں کہ یہ فاصلہ مکان وزمان کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ میں مذکور نقشہ کے متعلق اتنی بات تو یقینی اور حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ یہ نقشہ تمام انڈیا اور اس کے تمام علاقوں یا شہروں کے لیے نہیں ہے، بلکہ نمبر (۴) کی وضاحت کے مطابق کسی خاص مقام کو سامنے رکھ کر تیار کرایا گیا ہے، اس لیے اس کو اسی مقام اور اس کے قرب وجوار میں واقع مقامات کے لیے (اس فن کے اصول وقیود کے مطابق) استعمال کیا جا سکتا ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس مقام کے لیے ہے؟ تو خود اس فتویٰ میں تو اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ کفایت المفتی: ۳۲/۳ میں حضرت مفتی صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''مغرب کا وقت غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے، ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں ہے اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے''، یہ مستفتی جس کے سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ عبارت تحریر فرمائی ہے، بارک پور کا رہنے والا ہے اور یہ مقام مغربی بنگال میں واقع ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تھانہ بھون کے اوقات نماز کے لیے ایک نقشہ تیار فرمایا ہے؛ جس کا نام ''**الساعات للطاعات**'' رکھا ہے، اس میں چند تنبیہات تحریر فرمائی ہیں۔ نمبر: ۵ میں ہے! صبح صادق اور طلوع شمس میں فرق کم سے کم بماہ فروری و مارچ و دسمبر و اکتوبر ایک گھنٹہ بیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون شروع جولائی ایک گھنٹہ ۳۷ رمنٹ ہوتا ہے۔ (بوادر النوادر: ۴۲۹/۲)

اس کے بعد اسی رسالہ میں اضافہ وترمیم کے نام سے ایک مضمون اخیر میں دیا، اس میں ''مقام ثانی ترمیم'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں: یہ نقشہ بالا ان مقامات میں تو بلا کسی قید کے کام دے سکتا ہے، جہاں کا طلوع وغروب یہاں کے طلوع وغروب کے موافق ہو اور جن مقامات کا طلوع وغروب یہاں سے مقدم ومؤخر ہو وہاں بھی ایک قید سے کام دے سکتا ہے، وہ قید یہ ہے کہ وہاں کے دن کی مقدار یہاں کے دن کی مقدار کے برابر ہو اور وہاں کی رات کی مقدار یہاں کی رات کی مقدار کے برابر ہو، پھر اگر چہ طلوع وغروب یہاں کے موافق نہ ہو تو اگر۔ الخ (بوادر النوادر: ۴۳۲/۲)

حضرت تھانویؒ نے اس نقشہ میں ماہ دسمبر میں طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کا فرق ایک گھنٹہ بیس منٹ بتلایا ہے، اس سے قطع نظر کہ یہ فرق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے اس تاریخ میں بتلائے ہوئے فرق سے آٹھ منٹ کم ہے، ہم اگر اکیس دسمبر کا تھانہ بھون کا طلوع وغروب دیکھ کر وہاں کے دن کی مقدار معلوم کرتے ہیں تو وہ دس گھنٹہ سترہ منٹ ہوتی ہے اور سورت کا اسی دن کا طلوع وغروب (آپ کی مرسلہ تقویم کے مطابق) دیکھ کر سورت کے دن کی مقدار معلوم کرتے ہیں تو دس گھنٹہ چون منٹ ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ نے نقشۂ اوقات کے استعمال کیلئے جو اصول ''مقام ثانی ترمیم'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نقشہ یہاں کارآمد نہیں، جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ نکلا کہ صبح صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ جو وہاں ایک گھنٹہ بیس منٹ ہے، سورت میں فاصلہ کی یہی مقدار نہیں؛ بلکہ الگ ہے۔

(۶) ماہرین فن جو جنتریاں تیار کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ اصول وقواعد فن کی رعایت کرتے ہوئے وہ جنتریاں تیار کی جاتی ہیں لیکن ان میں بھی اختلاف وفرق ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے تیار کرنے والے وہ حضرات ہیں جن کی مہارت وثقاہت مسلم ہوتی ہے، اس کے بعد جو حضرات مفتیان عظام اور علماء کرام ان کی تصدیق وتائید فرماتے ہیں وہ بھی ان تیار کرنے والے حضرات کی فنی مہارت وشہرت پر اعتماد کرتے ہوئے غلبۂ ظن کی بنیاد پر تائید وتصویب کرتے ہیں، نہ وہ جنتریاں قطعی ہیں کہ ان میں سہو ونسیان کا امکان نہ ہو، اور نہ حضرات علماء کی طرف سے کی گئی تائید وتصویب قطعی ہے کہ اس کو نص قطعی کا درجہ دے کر دوسروں کی تغلیط وتردید کی جائے، جب مذاہب فقہیہ اربعہ کے مسائل اجتہادیہ میں قطعیت کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں ہے حالاں کہ ان کی بنیاد دلائل اربعہ پر ہے تو پھر جنتریوں کے معاملہ میں یہ غلو کیا معنی رکھتا ہے؟

ایسا ہی ایک سوال سیدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ سے کیا گیا، اس کا حضرتؒ نے جو جواب دیا وہ چشم کشا اور دل ودماغ کے تمام شکوک وشبہات کی جڑ کاٹنے والا ہے اور حضرتؒ کی عمیق فقہی بصیرت کا غماز، لیجیے اس کو پڑھ لیجیے:

سوال: پاکستان سے ایک تحقیق بہ سلسلۂ وقت فجر وعشاء شائع ہوئی ہے کہ صبح صادق کا وقت جو کہ جنتریوں میں چھپتا ہے وہ صحیح نہیں ہے، رمضان شریف میں اس وقت کے لحاظ سے نماز فجر قبل طلوع صبح صادق ہو جاتی ہے، جب کہ متصل ختم وقت سحر پڑھی جاوے، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تحقیق آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نماز فجر متصل وقت سحر پڑھے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: مجھے فلکیات میں درک نہیں ہے، ایک دفعہ مدرسہ کی جانب سے افطار وسحر سے

متعلق جنتری کا مرتب کرنا میرے سپرد کر دیا گیا تھا، اس لیے صبح صادق، طلوع یا زوال، مثلین یا غروبِ شمس، غروب شفق کی تحقیق وتفتیش کے لیے متعدد جنتریوں کو سامنے رکھا، دوربین سے دیکھا، دھوپ گھڑی سے کام لیا، قطب نما اور قبلہ نما سے مدد لی، ایک ہی مقام سے متعلق ایک سے لیکر ۱۸/منٹ تک فرق نکلا۔ تقریباً دو ہفتہ تک کوشش کر کے معذرت کر دی تھی کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ ایک ضلع کے ایک قصبہ میں ایک وقت سحری کھائی جا رہی ہے اور اسی وقت دوسرے قصبہ میں نماز فجر ادا کی جا رہی ہے۔ اب یا تو ایک قصبہ والوں کے روزے غلط، یا دوسرے قصبہ والوں کی نماز فجر غلط۔ جنتری اور نقشہ دونوں کے پاس موجود۔ گھڑی دونوں تار سے ملاتے ہیں اور بعض نصف النہار سے بھی ملاتے ہیں اور ہر جنتری کو تصدیق علما کا شرف بھی حاصل ہے۔ اگر سحری صبح کے وقت مشتہر سے قبل ختم کر دی جائے اور نماز فجر اسفار میں ادا کی جائے جو کہ اصل مذہب ہے تو کوئی خدشہ نہ رہے یا اسفار میں نہ ہو تو کم از کم اتنا تو لحاظ کر لیا جائے کہ یہ خدشہ دفع ہو کر نماز بالتعیین صحیح وقت پر ادا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۶/۳۹۱) (موجودہ نسخہ: ۵/۳۶۱-۳۶۲)

مذکورہ بالا تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

اسلامی احکامات سے واقف حضرات پر یہ مخفی نہیں کہ اسلام تمام امور میں سادگی و بے تکلفی اور فطری طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور ہر ہمہ گیر مذہب کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے، کیونکہ آلات اور فنی حسابات کے جاننے والے لوگوں کا اور اس سے متعلق چیزوں اور آلات کا ہر جگہ مہیا ہونا یقینی نہیں ہوتا، اگر ان فنی اصول و آلات پر احکام شرعیہ کا دارومدار ہوتا تو وہ بہت سے لوگوں بلکہ شاید اکثریت کے لیے ناقابل عمل ہو جاتے یا طویل مدت (آلات کے ایجاد کا زمانہ آنے تک) عمل نہ ہو سکتا۔ اسلام جس کے مخاطب عرب وعجم، دیہاتی اور شہری آبادیوں سے دور اور وسائل زندگی سے مہجور، صحرانورد و بادیہ نشیں اور خلاباز وکوہ پیما؛ غرضیکہ ہر طرح اور سطح کے لوگ ہیں اس کے قوانین میں سب ہی کی رعایت کی گئی ہے، اس وجہ سے ہر عمل کا وہ طریقہ بتلایا گیا ہے جو سب کے لیے آسان ہو اور اس کی تعمیل ''تکلیف مالا یطاق'' کا مصداق نہ ہو، چنانچہ عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز جس کا تعلق وقت سے ہے، اس کے وقت کی تعیین کے سلسلہ میں بھی شریعت نے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی بنیاد آفتاب کے طلوع وغروب وزوال اور صبح وشفق جیسی آسمانی نشانیوں پر رکھی جن کا پہچاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر خواندہ اور ناخواندہ، شہری ودیہاتی کے لیے بسہولت ممکن ہے۔ اور شروع اسلام سے لے کر آلات رصدیہ کی ایجاد تک بلکہ اس کے بعد بھی آج تک ان مقامات میں جہاں ان کا حصول دشوار ہے، اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ البتہ بعض عارضی عوامل وموانع (ابر و بارش وغیرہ) کی وجہ سے ان علامتوں کی تعیین یا پہچان بعض لوگوں کے لیے دشوار ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں

شریعت ہی کے ایک دوسرے بنیادی اصول (یعنی جہاں قطعی علم و معرفت ممکن نہ ہو یا دشوار ہو غلبۂ ظن کو اس کے قائم مقام شمار کیا جائے) پر چلنے کی بھی اجازت دی ہے۔ اسی غلبۂ ظن کے حصول کا ایک طریقہ وہ جنتریاں بھی ہیں جو فن ہیئت کے اصول وقواعد کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض مرتبہ فن کے جاننے والوں میں ان کی مہارت وثقاہت وحذاقت کے باوجود اختلافات ہوتے ہیں۔ مثلاً اطباء میں مرض کی تعیین وتشخیص اور علاج کی تجویز اور طریق علاج میں اختلاف ہوتا ہے اور یہ اختلاف لوگوں کو اس فن سے استفادہ سے مانع اور رکاوٹ نہیں بنتا، بلکہ ایسے مواقع میں ہر آدمی اس کو جس پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے اس کی بات پر عمل کرتا ہے اور اپنا کام چلاتا ہے، یہاں بھی اسی اصول کو مدنظر رکھ کر جس کی مہارت وثقاہت وحذاقت پر اعتماد ہو اور اس کی تیار کردہ جنتری سے غلبۂ ظن حاصل ہوجاتا ہے، اس پر شرعاً عمل کرنے کی اجازت ہے، یہ حکم خود عمل کرنیوالے کے لیے ہے، لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے پر یہ حکم لازم کردے؛ بلکہ اگر دوسرے آدمی کو دوسرے کی تیار کردہ جنتری پر اعتماد ہو اور وہ اس پر عمل کر رہا ہے تو اس کو اس پر عمل کرنے سے منع نہیں کرسکتا، اب اگر کوئی احتیاطی پہلو کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایسی صورت اختیار کرے کہ دونوں جنتریوں کے مطابق عبادات کی یقینی ہوجائے اور کوئی شک وشبہ نہ رہے، تو یہ بہتر اور افضل کہلائے گا۔ اب ایک جواب فقیہ الامّت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب کا نقل کرتا ہوں؛ جس میں یہی بات مختصر اور جامع عبارت میں پیش کی گئی ہے۔

سوال: ہر شہر میں مقامی ریلوے وقت، پوسٹ کا نماز کے لیے مقامی وقت میں آدھا گھنٹہ سے زیادہ فرق پڑ جاتا ہے، اس لیے شریعت کے مسئلہ سے واقف کرائیں تاکہ مقامی لوگوں کو وقت نماز صحیح معلوم ہوجائے، چند لوگوں نے ریڈیو کے وقت پر زور دیا ہے، مشاہدہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک سے دو تین سکنڈ اور زیادہ بھی فرق پڑ جاتا ہے، گو ایک ہی میل کے اندر ہی واقع ہوتے ہیں بجلی سے چلائی جانے والی ریڈیو، رصدگاہ مدراس سے ہم تک سو کیلومیٹر سے زائد ہے، چار پانچ منٹ کا فرق ہوجاتا ہے، اکثر مسجدوں میں صحیح وقت بتانے والی گھڑی مستعمل ہے جو بہت ہی قیمتی ہے اس کے پرزے گرمی اور جاڑے میں صحیح وقت بتاتے ہیں، ایسی گھڑی کا استعمال کرنا لازم ہے یا اندازہ سے نماز ادا کر لینی چاہئے، مقامی وقت (جس مسجد میں) دریافت کر لینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اوقات الصلوٰۃ کے مطابق غروب آفتاب میں دس منٹ زیادہ کر لیتے ہیں، ایک مقام پر طلوع اور غروب میں کتنے منٹ کا اضافہ کر لینا چاہیے؟ شہر میں کئی مسجدیں ہوں ایک ساتھ اذان دینا ناممکن ہے، اگر آگے پیچھے ہوجائیں تو کیا درست ہے؟

الجواب حامدًا و مصلیاً: اوقات نماز کی تعیین اصالۃً علامات سماویہ سے کی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم،

حدیث شریف اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے انہیں علامات سے جنتریاں بنائی جاتی ہیں، اگر ان علامات سے واقفیت نہ ہو، ابر و باراں وغیرہ کی وجہ سے علامات کا ظہور نہ ہو تو واقفینِ فن کی بنائی جنتریوں پر مجبوراً اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ جس جنتری اور جس گھڑی پر صحت کا ظن غالب ہو اور تجربہ سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا ہو اس کے مطابق عمل کر لینا براءۃ ذمہ کے لیے انشاء اللہ کافی ہے۔ طلوع، غروب، زوال، صبح صادق کا وقت ہر علاقہ میں یکساں نہیں۔ اس لیے اوقات نماز میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے۔ ایک ہی شہر کے متعدد مساجد میں اگر اذانیں قدرے تفاوت سے ہوں تب بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۵/۱۶)

خلاصۂ جواب یہ ہے!

عملی طور پر آپ کے لیے دو صورتیں ہیں:

(۱)　پہلی صورت جو مستحسن و احتیاط والی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس طرح عمل کریں کہ دونوں تقویموں کے اعتبار سے آپ کا روزہ اور اذان و نماز درست ہو جائیں۔ مثلاً: آپ کی سوال میں ذکر کردہ تاریخ اکیس دسمبر کو آپ روزہ تو ۵:۴۳ سے پہلے بند کر دیں، اور اذان ۵:۵۲ کے بعد دیں۔

(۲)　دوسری صورت جو جائز ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں میں سے جس تقویم پر اعتما ہو اس پر عمل کریں، لیکن دوسری تقویم پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ:

اس جگہ یہ بتلا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ منیار صاحب کی تیار فرمودہ تقویم کو مفتیان گجرات کی تصدیق کا شرف حاصل ہے اور جس حسابی فارمولہ کے مطابق یہ تیار کی گئی ہے، اس کے مطابق کراچی میں تیار کیے گئے ''عالمی نقشۂ اوقات نماز'' کو حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ (صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ بنوریہ کراچی) اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث و مفتی دارالعلوم کراچی) کی تصدیق کا شرف اور اسی حسابی فارمولہ کے مطابق دہلی میں تیار کردہ کتابچہ اوقات الصلوٰۃ کو حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب مدظلہم (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ماہر علم ہیئت) اور مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند) اور دیگر حضرات علما کی تصدیق کا شرف حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۱۶/صفر ۱۴۲۰ھ۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۳۸۷/۱-۴۰۲)

دارالعلوم کراچی کے نقشۂ اوقات نماز میں صبح صادق کے وقت پر اعتراض اوراس کا جواب:

محترم واجب الاحترام مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدکم!　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ نے تقریباً ایک مہینہ سے دارالعلوم کے مفتیوں کے ساتھ صبح صادق اور صبح کاذب کے بارے میں گفت وشنید کی جس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس فن کا علم ہی نہیں سوائے اندھی تقلید کے۔

جناب مولانا اشرف صاحب بیت المکرّم والے سے تین بار فون پر گفت وشنید کی ،اوران سے عرض کیا کہ ہمیں وقت دیدیں کہ ہم تین آدمی اس بارے میں دلائل سے گفتگو کریں۔مشاہدات کے لئے میں محمد اشرف جنوبی وزیرستانی، علم جدید کے لئے احمد نفیس انجینئر، علم ہیئت قدیم کے لئے مفتی بلال صاحب۔لیکن وہ اس پر تیار نہ ہوئے بالآخر تیسری بار یہ فرمایا کہ یہ نقشہ اوقات نماز عباسی صاحب نے مرتب کیا ہے غرضیکہ سوائے اندھی تقلید کے اورکوئی دلائل زیرافق اٹھارہ درجہ پر صبح صادق ہونے کے نہیں تھے۔

آخر میں یہ فرمایا کہ آپ مفتی رفیع عثمانی صاحب اور مفتی تقی عثمانی صاحب سے بات کریں۔

جناب محترم:　　آپ دونوں بھائیوں نے اور علماء حضرات کے ساتھ اندازاً تین بار مشاہدات کئے ہیں اور آپ صاحب نے اپنے قلم سے زیرافق اٹھارہ درجہ صبح کاذب ثابت کیا ہے، پھر آپ نے اسی صبح کاذب کو صبح صادق کیسے ثابت کیا؟ غرضیکہ مشاہدات سے بھی اوراحساسات سے بھی آپ دونوں بھائی زیرافق اٹھارہ درجہ پر صبح کاذب کے قائل ہوگئے تھے پھر بغیر مشاہدات اوراحساسات کے زیرافق پندرہ درجہ صبح صادق کی کیوں مخالفت شروع کی ہے؟

جناب محترم:　　مؤدبانہ التماس ہے کہ بندوں کو سیدھی راہ دکھانے کی خاطر آئندہ کے لئے ہٹ دھرمی اوراندھی تقلید چھوڑیں اور مسئلے کو صحیح حل فرمائیں،تاکہ عوام کی نماز فجر ضائع ہونے سے بچ جائے امید واثق ہے کہ دارالعلوم سے شائع ہونے والے نقشہ اوقات نماز کی اپنے لکھے ہوئے اصول کے مطابق شائع کرنے کی ہدایت جاری فرمائیں گے۔

یعنی انتہاء سحر پرانے نقشوں کے مطابق ،اذان فجر صبح صادق مفتی رشید احمد دامت برکاتہم کے مرتب کردہ حساب کے مطابق، صبح صادق زیرافق پندرہ درجہ پر ہونے کو شائع کرنے کی ہدایت جاری فرمائیں۔وفقکم اللہ تعالیٰ

بندہ محمد اشرف عفا اللہ تعالیٰ،جنوبی وزیرستان۔۲۲ شوال ۱۴۱۷ھ۔

(مذکورہ تحریر کے بعد سائل کی طرف سے ذیل کا استفتا بھی آیا)

محترم المقام واجب الاحترام مفتیان حضرات زید مجدکم

ومفتی تقی عثمانی صاحب دارالعلوم کورنگی کراچی۔۱۴　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حق کو نہ چھپاؤ حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔یہاں کراچی شہر میں صبح وانتہاء سحر وافطار کے نقشے

چھپتے ہیں ان نقشوں میں سحر کے وقت اور اذان فجر کے مابین کوئی فرق نہیں لکھا ہے تعجب کی بات ہے کہ انتہاء سحر کے وقت لاؤڈ اسپیکر پر اذانیں دینا بھی شروع کر دیتے ہیں ساتھ ہی لوگ انفرادی واجتماعی طور پر فجر کی نماز ادا کرتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مفتیان وعلماء کرام جن کو معلوم ہے مروجہ جنتریوں میں جو صبح صادق کا وقت لکھا ہے وہ صبح کاذب کا ہے لیکن پھر بھی وہ غلط نقشوں کی نشر واشاعت کر رہے ہیں۔

اب بندہ اپنے پندرہ سال کے عینی مشاہدات لکھ رہا ہے وہ یہ کہ زیر افق اٹھارہ درجے صبح کاذب کا وقت اور زیر افق پندرہ درجے صبح صادق کا وقت ہے نیز پرانے نقشے جو برصغیر پاک و ہند میں چھپتے ہیں ان میں صبح وعشا کا وقت غلط ہے جو نقشہ صاحب احسن الفتاوی مفتی رشید احمد صاحب نے مرتب کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

کراچی شہر میں جتنے اوقات مدارس والے یا کوئی اور چھاپتے ہیں اس میں صبح صادق کا وقت غلط ہے، دارالعلوم کراچی کا نقشہ بھی غلط ہے جو صبح کا وقت لکھا ہے وہ صبح کاذب ہے اب آئندہ کے لئے اگر کراچی شہر کے مفتیوں اور علماء نے اس مروجہ جنتری کے غلط ہونے کا فتوی نہیں دیا اور خود بھی عمل نہیں کیا تو جن لوگوں کی نمازیں ضائع ہوئی ہیں ان کا وبال ان علما پر پڑے گا۔

آپ کراچی شہر کے علما سے دردمندانہ اپیل ہے کہ اس مسئلے کے حل کے لئے جدو جہد شروع فرمائیں اور اس بارے میں عینی مشاہدات کریں جس کی صورت یہ ہے کہ کراچی شہر سے باہر جا کر مہینے میں پانچ دن مشاہدات کیے جائیں اس طرح آپ حضرات پر اپنی غلطی روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

مفتیان کرام کی پانچ رکنی کمیٹی نے نقشہ مرتب کرنے کے جو دو اصول مقرر فرمائے ہیں:

(۱) سال بھر عینی مشاہدات کئے جائیں اس کے بعد نقشہ مرتب کیا جائے۔

(۲) حسابات کے مطابق نقشہ مرتب کیا جائے، لیکن اس کے لئے بھی سال بھر مشاہدات کیے جائیں۔

دارالعلوم کا مرتب کردہ نقشہ ان دونوں اصولوں کے خلاف ہے۔غرضیکہ پورے پاکستان میں شائع کیے جانے والے نقشہ میں صبح صادق کی جگہ صبح کاذب کا وقت لکھا ہے، جب کہ صبح صادق اور کاذب کے مابین بارہ سے بیس منٹ کا فرق ہے۔دوبارہ التماس ہے کہ کراچی کے علما اور مفتیان حضرات اس مسئلے کے حل کے لئے جدو جہد شروع کریں۔میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی شخص زیر افق اٹھارہ درجہ پر صبح صادق ثابت نہیں کر سکتا اور نہ کر سکے گا اگر کسی کو دعوی ہے تو مشاہدہ کے لئے آئے۔(بندہ محمد اشرف عفا اللہ عنہ)(۱)

(۱) سائل کو جواب میں ٹنڈو آدم کے مشاہدات کے نتیجے میں مرتب کردہ درج ذیل تحریر بھی بھیجی گئی اور ساتھ ہی حضرت والا دامت برکاتہم نے مستقل جواب بھی تحریر فرمایا جو اس تحریر کے بعد درج ہے۔از مرتب عفی عنہ

صبح صادق:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور وخوض کرنے کے لئے ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ کو مجلس منعقد ہوئی، جس میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم، حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے شرکت فرمائی، اس تحریر میں یہ تمام حضرات متفق تھے اور اس میں سب حضرات کے دستخط بھی ثبت تھے اور مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اگر چہ اس مجلس میں موجود نہ تھے، مگر بعد میں حضرت نے اس تحریر سے اتفاق کیا اور اپنے تصدیقی دستخط ثبت فرمائے۔ یہاں وہ تحریر بعینہ نقل کی جارہی ہے۔

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد :

آج بتاریخ ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ صبح صادق اور عشا کے اوقات کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مجلس منعقد ہوئی، جس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب، حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب، احقر تقی عثمانی۔

اس مجلس میں مولانا رشید احمد صاحب کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ کتب کی مراجعت کی گئی نیز مسئلہ کی تحقیق اور مشاہدات کے لئے ٹنڈو آدم کا سفر کیا گیا، اس کے نتائج زیر غور آئے، بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچیں:

(۱) مروجہ جنتریوں میں صبح صادق اور عشا کا جو وقت لکھا ہوا ہے، وہ اس وقت کا ہے جب آفتاب افق سے اٹھارہ درجے نیچے ہوتا ہے، اس کی تصریح محکمہ موسمیات نیول ہیڈ کوا ٹر کے خطوط رسالہ صبح صادق، ص: ۶۵، ج:۲، و ص: ۶۷ میں موجود ہے اور ناٹیکل المینک جو گرین وچ سے شائع ہوتی ہے، اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۲) اٹھارہ درجے زیر افق فلکیات کے جدید ماہرین کی تصریحات کے مطابق وہ وقت ہے، مشرق کی طرف صبح کو اس سے پہلے اور مغرب کی طرف رات کو اس کے بعد کوئی ہلکی سی روشنی بھی افق پر نہیں ہوتی آخر شب میں، جو روشنی سب سے پہلے نمودار ہوتی ہے، اسے اسٹرانومیکل ٹوایلائٹ کہتے ہیں۔

(۳) ہیئت کی قدیم کتابوں سے بھی قول راجح و مشہور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ درجہ زیر افق صبح کاذب کا وقت ہے، نہ کہ صبح صادق کا، بعض کتب میں سترہ زیر افق اور بعض میں انیس زیر افق کے اقوال بھی بصیغہ تمریض موجود ہیں، لیکن وہ مرجوح ہیں۔

(۴) اس مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد متفرق ایام میں جتنے مشاہدات کیے گئے، ان میں سے کسی میں بھی

مروجہ جنتریوں کے مطابق صبح صادق نہیں ہوئی، بلکہ اس کے بعد ہوئی ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ جنتریوں میں صبح صادق کے نام سے جو وقت لکھا گیا ہے، وہ حقیقت صبح کاذب کا ہے اور غالباً روزہ کے بارے میں احتیاط کے پیش نظر لکھا گیا ہوگا۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ پھر صبح صادق کا صحیح وقت کیا ہے؟ اس کا تعین دو طریقوں سے ممکن تھا، ایک مشاہدات، دوسرے حسابات۔ جہاں تک مشاہدات کا تعلق ہے، ان کی بنیاد پر کوئی جنتری اس وقت بنائی جاسکتی ہے، جب کہ سالہا سال مکمل مشاہدات کیے جائیں اور ظاہر ہے اس کے مواقع میسر نہیں اور جو تھوڑے بہت مشاہدات کئے گئے، ان سے سال بھر کے لئے اوقات کا تعین ممکن نہیں تھا، دوسرا طریقہ حسابات کا تھا حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے بعض ہیئت کی کتابوں کی تصریح کے مطابق پندرہ درجے زیر افق صبح صادق کا وقت قرار دے کر حسابات سے اس کا نقشہ بنایا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ صبح صادق اور صبح کاذب کے درمیان تین درجات کا فرق ہے اور جب مذکورہ بالا دلائل کی رو سے ثابت ہوا کہ صبح کاذب اٹھارہ درجہ زیر افق پر ہوتی ہے، تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے یہی نتیجہ نکلے گا کہ صبح صادق پندرہ درجہ زیر افق پر ہوگی، اس بنا پر حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے صبح صادق کے جو اوقات نکالے ہیں، ان کا مقابلہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سے کیا گیا تو زیادہ سے زیادہ تین منٹ کا فرق نکلا، مگر یہ تین منٹ کا فرق صبح کاذب میں بھی تھا۔ اس لئے صبح کاذب اور صادق کے درمیان پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مفتی رشید احمد صاحب نے بارہ جون کو وہاں کے لئے چار بج کر تین منٹ صبح کاذب (اٹھارہ زیر افق) کا اور چار بج کر بیس منٹ صبح صادق (پندرہ درجہ زیر افق) کا وقت لکھا ہے، مگر مشاہدہ سے صبح کاذب پورے چار بجے اور صبح صادق چار بج کر سترہ منٹ پر نظر آئی، یہ تین منٹ کا فرق شبہے کی وجہ بن سکتا تھا، لیکن بقول حضرت مفتی صاحب مدظلہم طول وعرض نصف النہار کے پیش نظر اتنا فرق ہوسکتا ہے، اس کے لئے مفتی صاحب کی رائے میں بھی پانچ منٹ کی احتیاط ضروری ہے اور بعد میں مفتی صاحب نے دوبارہ احتیاط کے ساتھ اس تاریخ اور اس طول وعرض کا حساب نکالا تو معلوم ہوا کہ فرق صرف ایک منٹ کا تھا اور پہلے حساب میں کچھ غلطی ہوگئی تھی۔

بہر کیف مذکورہ بالا تحقیق سے ہمیں بھی یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے جو حسابی طریقہ سے اوقات نکالے ہیں، اس کے مطابق نقشے بنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ بعض دوسرے علما کا اس پر اطمینان نہیں ہوسکا، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صبح صادق پندرہ درجے زیر افق سے پہلے ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ ہمارے ظن غالب کی بنیاد بھی حسابات ہیں، نہ کہ ایسے مسلسل مشاہدات جو کہ دائمی جنتریوں کی بنیاد بن سکیں، جب کہ شریعت میں اصل مدار مشاہدات پر ہے اور حسابی جنتریوں پر اعتماد اس وقت صحیح ہوسکتا ہے، جب کہ مشاہدات سے متواتر تائید ہوگئی

ہو، اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقشوں میں وقت فجر کے لئے دو خانے الگ الگ لکھے جائیں، ایک کا عنوان ہو احتیاطی منتہاء سحر اور اس کے تحت قدیم معمول کے مطابق قدیم جنتریوں کے اوقات لکھے جائیں، دوسرا عنوان ہو وقت اذان فجر اور اس میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب کے نکالے ہوئے اوقات صبح صادق لکھے جائیں، دونوں کے درمیانی وقت میں نہ سحری کھائی جائے اور نہ نماز پڑھی جائے۔

احقر محمد تقی عثمانی۔۱۴ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ۔

اس سے اتفاق ہے، اگرچہ میں حاضر مجلس نہ تھا۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔۱۴/ذیقعدہ ۱۳۹۲ہجری، دار الافتاء دار العلوم کراچی نمبر ۱۴۔

محمد عاشق الٰہی، رشید احمد، العبد محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ، بندہ عبد الرؤف سکھروی۔۲۱ شعبان ۱۴۱۷ھ۔(۱)

الجواب

محترمی ومکرمی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ صبح صادق کے مسئلے پر حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ کے زمانے میں مہینوں تحقیق جاری رہی، جس میں مشاہدات بھی کئے گئے اور حسابی تحقیق بھی کی گئی، آپ نے ٹنڈ وآدم کے جس مشاہدے کا ذکر فرمایا ہے، وہ متعدد مشاہدات کا ایک مرحلہ تھا کوئی حتمی مشاہدہ نہیں تھا، اس وقت یہ بات سب پر واضح تھی کہ مطلع گرد آلود ہونے کی بنا پر اس مشاہدے کو کسی حتمی فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے بعد بھی متعدد مشاہدات کئے گئے کتابی تحقیق بھی ہوئی، بالآخر حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا بنوری صاحبؒ دونوں نے حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کی تحقیق سے اختلاف اور اس پر عدم اطمینان کا اعلان فرمایا، اس کے بعد انہی حضرات کے حکم سے خود احقر نے ایک مفصل تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں بھیجی، جس میں ان بزرگوں کے فیصلے کی وجوہ عرض کی تھیں، حضرت مدظلہم کی طرف سے اس تحریر کا کوئی جواب بھی موصول نہیں ہوا، بہرصورت یہ مسئلہ مہینوں کی محنت اور تحقیق ومشاہدہ کے بعد کم از کم ہماری حد تک واضح ہوگیا، افسوس ہے کہ اس کے باوجود ہر موقع پر ٹنڈ وآدم کے اس ناتمام مشاہدے کی بنیاد پر بزرگوں کو مطعون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان حضرات کی بعد کی تحریروں، مشاہدات اور زبانی گفتگو کا کوئی حوالہ نہیں دیا جاتا۔

بہرکیف! اگر کسی صاحب کو حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کی تحقیق پر ہی اعتماد ہے تو بے شک اس پر عمل

(۱) مذکورہ بالا تحریر کے علاوہ حضرت والا دامت برکاتہم نے سائل کے استفتا کے جواب میں باقاعدہ فتویٰ بھی تحریر فرمایا، جو درج ذیل ہے۔ مرتب عفی عنہ

فرمائیں۔لیکن مذکورہ بزرگوں کے موقف کو اندھی تقلید پر مبنی قرار دینا اوران وفات یافتہ بزرگوں کے بارے میں زبان طعن دراز کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔والسلام

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۲۵/۱۱/ ۱۴۱۷ھ (فتوی نمبر:۲/۲۶۰)(فتاویٰ عثمانی:۳۸۲/۱-۳۸۸)

تخریج اوقات وسمت قبلہ کے قواعد اور قطبین کے قریب اوقات نماز کی تعیین کا ضابطہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸/شوال ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۱۹۷۷ء

بخدمت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی　　مہتمم دارالافتاء والارشاد، ناظم آباد کراچی، پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً ایک سال ہوا؛ یہاں آلبنی (Albany new york) میں اسلامی مرکز اور مسجد کے لئے نقشہ بنتے وقت سمت قبلہ کے تعین کا مسئلہ پیش آیا تھا، ہم میں کسی کو اس پر مسلم علما کی تحقیق کا پتہ نہ تھا۔علم ہیئت کی تھوڑی بہت شد بد جو مجھے تھی اس کی بناء پر میں نے کروی مثلث حل کر کے یہاں کی سمت قبلہ محسوب کی (جو بعد میں امریکہ اور کنیڈا کی انجمن طلبہ مسلمین کی طرف سے شائع شدہ ایک چارٹ سے مقابلہ کرنے پر اور پھر آپ کے دئے ہوئے قواعد کے ذریعہ حساب لگانے پر بحمد اللہ صحیح ثابت ہوئی) لیکن مجھے اس وقت کچھ اطمینان نہیں تھا۔بہر حال اسی موقع سے مجھے اس کا شوق پیدا ہوگیا کہ میں اس مسئلہ میں اور دوسرے متعلقہ مسائل جیسے اوقات نماز کی تخریج، رؤیت ہلال ہجری اور عیسوی تقویموں کی مطابقت کے بارے میں شرعی احکامات اور علم ریاضی اور ہیئت کی رو سے ان کے لئے صحیح ضابطے معلوم کروں، میرے اس شوق کی تسکین بڑی حد تک جلد ہی ہوگئی، کیوں کہ پچھلی سردیوں میں پاکستان جانے پر مجھے اتفاقاً اپنے والد صاحب (محمد عثمان ابدالی صاحب) کے پاس ملک بشیر احمد بگوی صاحب کی کتاب ''فن تخریج سمت قبلہ واوقات اسلامی'' مل گئی اور پھر اس میں آپ کے اسم گرامی کا حوالہ دیکھ کر میں نے آپ کی کتابیں ''صبح صادق'' اور ''ارشاد العابد'' بھی خرید لیں، یہ میرے لئے بے حد معلومات افزا ثابت ہوئیں اوران کے ملنے سے مجھے اتنی خوشی ہوئی جس کا بیان مبالغہ آمیز سمجھا جائے گا۔

واپسی کے بعد میری خواہش رہی کہ میں ایسے کمپیوٹر پروگرام لکھوں، جس میں کسی بستی کے لئے بھی حسب طلب اوقات نماز اور سائے کے ذریعے سمت قبلہ متعین کرنے کی جدول فراہم ہو سکے، خدا کا شکر ہے کہ یہ پروگرام مکمل ہوگئے ہیں اور بظاہر صحیح کام کررہے ہیں۔ان پروگراموں کے نتیجوں کے چند نمونے ارسال خدمت ہیں، ان نتائج کو میں نے آپ کی کتاب ''صبح صادق'' میں دئے ہوئے اوقات سے مقابلہ کر کے صحیح پایا ہے۔تھوڑا بہت فرق جو ہے وہ

کچھ تو کمپیوٹر کے حساب کی تقریبی غلطیوں (Approximation errors) پر محمول کیا جا سکتا ہے اور دوسرے اس بات پر کہ پروگرام میں میل شمسی وغیرہ ہر وقت کے لئے محسوب کیا جاتا ہے، بجائے اس کے کہ دوپہر کے وقت کی قیمت استعمال کی جائے۔ اس فرق کی تفصیل میں آگے عرض کروں گا۔

اس پروگرام کی درآمد ایسی معلومات ہوتی ہیں: مقام کا نام، عرض بلد، طول بلد کیا ہے؟ معیاری وقت کا طول بلد کیا ہے؟ کیا کسی مخصوص سال کا حساب درکار ہے یا ''دائمی'' (اس کے لئے فی الوقت ۱۹۷۸ء استعمال ہوتا ہے) کیا گرمی اور سردی کے وقت کا فرق ملحوظ رکھا جائے؟ کیا صرف اوقات نماز کی جدول چاہئے یا صرف سایہ سے قبلہ متعین کرنے کی جدول یا دونوں؟ عصر کا وقت سائے کے یک چند ہونے پر لیا جائے یا دو چند؟ پروگرام کی برآمد ایسے نقشے ہیں جن کے نمونے حاضر خدمت ہیں۔

اس پروگرام کے لکھنے میں ایک یہ خیال میرے ذہن میں رہا کہ اگرچہ اوقات نماز کے لئے تو دائمی جدول ہی مناسب ہے، کیوں کہ سال بسال اوقات میں صرف ایک آدھ منٹ کا ہی فرق پڑتا ہے اور وہ بھی ہر چار سال کے بعد بہت خفیف رہ جاتا ہے۔ مگر سائے کے ذریعے مختلف تاریخوں میں سمت قبلہ کی تعیین میں وقت کے اتنے سے سالانہ تغیر کے اثر سے غلط سال کے چارٹ سے متعین کی ہوئی سمت قبلہ میں ایک درجہ بھر (یا اس سے ذرا زیادہ) غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے خصوصاً مسجدوں کی توجیہ کے لئے اگر ہر سال کا زیادہ صحت سے چارٹ بن سکے تو اور بہتر ہوگا۔ دوسرا خیال یہ رہا کہ اب کمپیوٹر اور دستی کیلکو لیٹر اتنے عام اور رز و دفراہم ہوگئے ہیں کہ جدولوں کا استعمال غیر ضروری ہوتا جا رہا ہے۔ مثلاً اب کمپیوٹر پروگراموں میں مثلثی نسبتیں اور لوکارتم وغیرہ جمع کر کے رکھنے کی بجائے کفایت اور سہولت اس میں محسوس ہوتی ہے کہ ان چیزوں کی جب بھی ضرورت ہو، ان کو نئے سرے سے محسوب کر لیا جائے، اس لئے میرے پروگرام میں بھی ''میل شمسی''، وغیرہ کی جدولیں استعمال نہیں ہوتیں۔ بلکہ ہر چیز صرف معدودے چند مستقل مقداروں کی بنیاد پر محسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر مخصوص تاریخ کے مخصوص وقت نماز کے لئے پہلے مدار میں سورج کا طول بلد محسوب کیا گیا ہے۔ اس سے صعود مستقیم (Right ascension) اور میل شمسی اور ساعتی زاویہ (Hour angle) پھر کوکبی وقت (Sidereal time) اور اس سے مقامی وقت اور معیاری وقت، نماز کے وقت کی تقریبی قیمت سال کے پہلے دن کے لئے دو دفعہ عمل کر کے نکالی گئی ہے اور پھر ہر گذشتہ روز کے وقت کو اگلے دن کے وقت کی تقریب کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، ہر سال کے لئے چند ابتدائی مقداریں ۱۹۰۰ء کے حوالے کی مستقل مقداروں سے محسوب کی گئی ہیں۔ اس طرح سالوں کے فرق کا اثر بھی ملحوظ رہتا ہے اور دائمی جدولوں میں بھی حساب انشاء اللہ زیادہ قابل اعتبار اور صحیح ہوگا۔

ہاتھ سے یا کیلکو لیٹر کی مدد سے بھی کسی سال بھر کے لئے اتنا حساب بہت وقت طلب ہوگا اور غلطیوں کے مواقع بھی بہت بڑھ جائیں گے، لیکن کمپیوٹر سے جب کام لیا جا رہا ہو تو حساب کی اس طوالت میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اپنے

استعمال کئے ہوئے ضابطے علیٰحدہ سے لکھ کر حاضر کر رہا ہوں ان میں جو مستقل اعداد استعمال ہوئے ہیں وہ ہر سال American Ephemeris کی تمہید میں موجود رہتے ہیں۔اس میں New comb,s table کا بھی حوالہ دیا رہتا ہے، جس میں یہ اعداد اخذ کئے گئے ہیں۔ان Tables میں سورج کی حرکت کے حساب میں اور بہت طرح کی Perturbations اور دوسری پیچیدگیوں کی بھی تفصیل ہے، لیکن میرے پروگرام میں یہ سب نظر انداز کی گئی ہیں، کیونکہ ان کو شامل کرنے سے ایک منٹ بھر کے درجہ صحت میں مزید ترقی نہیں ہوتی اور حساب مشکل ہو جاتا ہے اگر پروگرام کے نتائج یا زیر استعمال حسابی ضابطوں میں آپ کو کوئی عیب نظر آئے یا اس کی بہتری کی کوئی بات آپ کے ذہن میں آ جائے تو ضرور مطلع فرمایئے گا۔

یہ پروگرام شمال کے بعض شہروں کے لئے کام نہیں کرتا، کیوں کہ وہاں عام معنوں میں فجر اور عشا کے اوقات نہیں ہوتے۔آپ کو خط لکھنے کا میرا اصل مقصد انہی مسائل میں آپ کی رائے دریافت کرنا ہے۔

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ قطبین پر جہاں چھ مہینے رات رہتی ہے، نماز کن اقات میں پڑھی جائے، اس کا تشفی بخش جواب سننے سے اب تک محروم ہوں۔لیکن چوں کہ قطبین پر اور منجمد منطقوں میں آبادی (مسلمانوں کی) نہیں ہے، اس لئے اس سوال کی فی الوقت عملی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔مگر شمالی امریکہ اور یورپ کے بہت سارے اتنے اونچے عرض بلد کے مقامات ہیں جہاں مسلمان موجود ہیں لیکن جہاں بعض تاریخوں میں فجر اور عشا کے اوقات سورج کے رأسی فاصلہ (Zenith distamce) کی تعریف کی رو سے متعین نہیں ہوتے (آپ کی کتاب ''صبح صادق'' میں یہ خانے خالی چھوڑ دئے گئے ہیں) پھر قطبین کے اور قریب کے مقامات میں مغرب کی تعیین بھی ایسی تعریف سے ناممکن ہے چوں کہ وہاں ان تاریخوں میں سورج افق تک نیچے نہیں اترتا بلکہ آسمان میں دائرہ لگاتا رہتا ہے۔ان مقامات کے لئے یہاں کئی حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ ان میں مکہ مکرمہ کے اوقات استعمال کئے جائیں۔کچھ دوسرے حضرات کا یہ خیال ہے کہ ان جگہوں میں قریب ترین دوسرے ان مقامات کے اوقات اختیار کئے جائیں جہاں ایسے اوقات ممکن ہیں۔مجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ یہ رائیں کتنی مستند ہیں۔لیکن ان دونوں سے مجھے اب تک تسلی نصیب نہیں ہوئی ہے۔مکہ مکرمہ کے اوقات اختیار کرنے میں مجھے یہ مشکل نظر آتی ہے (جو شاید دوسروں کی نظر میں قابل اعتناء نہ ہو) کہ اس طرح عرض بلد بڑھنے سے اوقات کا تغیر غیر مسلسل طریقے سے واقع ہوتا ہے۔یعنی یوں تو شمال کی طرف ہر چند میل بڑھنے پر اوقات نماز میں صرف چند منٹوں کا فرق (بتدریج) پڑتا ہے، لیکن جس نقطہ سے مکہ مکرمہ کے اوقات اختیار کئے جائیں وہاں پر اوقات نماز میں اچانک گھنٹوں کا فرق پڑ جائے گا۔اس طرح یہ صورت پیش آئے گی کہ دو بستیاں جو شمالاً جنوباً معمولی سے فاصلہ پر واقع ہیں ان میں اوقات نماز بالکل مختلف ہوں گے حالانکہ تمام فلکی مظاہر اور سورج کی حرکت کے اعتبار سے ان میں اوقات کا فرق معمولی اور بتدریج ہوتا ہے۔دوسرے طریقے (یعنی جس مقام میں تخریج اوقات نہ ہو سکے وہاں قریب

ترین مقام کے اوقات لے لئے جائیں) میں جو حل بیان ہوا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے کیوں کہ اگر کسی اونچے عرض بلد کے مقام کے لئے صرف اسی طول بلد پر واقع کم عرض بلد کے مقام کی تلاش کی بھی جائے تو کیسے؟ سب سے پہلے ایک ایسا مقام آئے گا جہاں سورج کا طلوع غروب پر منطبق ہوگا (یہاں دائرۃ الشمّس افق کو مس کرتا ہے) ذرا اور نیچے جانے پر طلوع اور غروب تو مختلف ہوں گے مگر فجر اور عشاء ایک ہوں گے۔ پھر جیسے جیسے عرض بلد اور کم ہوتا جائے گا فجر اور عشاء میں فرق بڑھتا جائے گا، مگر یہ بالکل واضح نہیں ہے کہ فجر اور عشاء میں کتنا عرصہ کم از کم ہونا چاہئے۔ دوسرے کیا طلوع وغروب کے اوقات ایک مقام کے اختیار کئے جائیں اور فجر وعشا کہیں اور کے؟

عشا اور فجر کے بارے میں یہ صورت حال بھی خاصی پریشان کن ہے کہ اونچے عرض بلد کے مقامات پر بعض تاریخوں میں اگر چہ عشا اور فجر دونوں واقع ہوتے ہیں اس لئے کہ وہاں سورج مغرب اور مشرق دونوں میں رأس سے ۱۰۵ (ڈگری) نیچے پہنچ جاتا ہے، لیکن ان دونوں اوقات کے درمیان کا عرصہ بہت مختصر ہوتا ہے مثال کے طور ۵۲ (ڈگری) شمال پر ۷ر جون کو (بحوالہ کتاب صبح صادق ص: ۳۷) عشا کا وقت رات کے ۱۱ بجکر ۳۴ منٹ پر شروع ہے پھر اس کے ۵۲ منٹ کے اندر ۱۲ بجکر ۲۶ منٹ پر فجر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ چند دقیقے اور شمال کی جانب جانے پر عشا اور فجر کا درمیانی عرصہ اور کم ہو جائے گا اور اتنا وقت باقی نہیں رہے گا کہ آدمی صحیح طریقے سے نماز ادا کر سکے۔

اس لئے مجھے اس بات میں کچھ تذبذب ہے کہ سورج کے اسی فاصلہ کو مطلق طور پر نماز کے وقت کی بنیاد قرار دیا جائے۔ یہ تعریف استوائی اور نشیبی معتدل منطقوں میں تو کام دیتی ہے، لیکن بالائی منطقوں میں اس سے کہیں تو اوقات نماز متعین ہی نہیں ہونے پاتے اور کہیں متعین ہونے کے باوجود بھی غیر عملی نظر آتے ہیں، مثلاً اگر عشا اور فجر میں صرف ۱۵ منٹ کا فرق ہو تو بجائے اس کے کہ آدمی عشا پڑھ کر سوئے اور پھر نیند سے بیدار ہو کر فجر پڑھے، دونوں نمازیں ''آدھی رات'' میں اٹھ کر ساتھ پڑھی جائیں گی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا جائز ہو سکتا ہے کہ بالائی منطقوں میں سورج کے ''ساعتی زاویے'' (Hour angle) جس کو آپ غالباً تعدیل النہار کہتے ہیں) کے ذریعے اوقات نماز کی تعریف کی جائے۔ یعنی دائرۃ الشمّس میں نچلے ایک مخصوص حصہ کو رات قرار دیا جائے اور اسی حصہ میں کسی طرح طلوع، فجر، عشا اور غروب کے اوقات اختیار کئے جائیں مثلاً شکل میں مقامات ا، ب، ج جو بتدریج شمال تر ہیں ان تینوں کے لئے دائرۃ الشمّس کے حصہ ط، غ
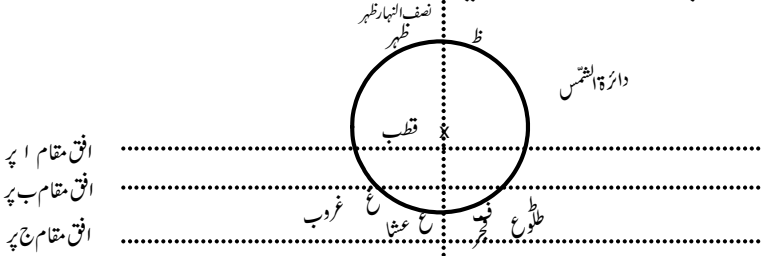
کو رات مانا جائے اور ط، ف، ع، غ کو طلوع، فجر، عشا اور غروب کے وقت کے طور پر اختیار کیا جائے۔ حالانکہ مظہر فلکی کے لحاظ سے صرف مقام ''ب'' پر طلوع حقیقی اور طلوع اختیاری ہم وقت ہیں۔ مقام ''ا'' پر طلوع اختیاری، طلوع حقیقی کے بعد ہے اور مقام ج کے لئے طلوع حقیقی واقع ہی نہیں ہوتا اور طلوع اختیاری ایک مفروضہ چیز ہے۔ اس حل میں ایک بڑا عیب ہے کہ بعض دفعہ (جیسے مقام ''ا'' پر) سورج کے حقیقۃً غروب ہونے سے پہلے مغرب مان لی جائے گی اور طلوع ہوجانے کے بعد تک فجر کا وقت باقی سمجھا جائے گا۔ مگر یہ صورت حال قطبین کے پاس پیش آنی ضروری ہے۔ اب اگر قطبین کے پاس کے لوگوں کو رخصت ملتی ہے، تو اس سے ملتی جلتی رخصت رات کے بہت مختصر ہونے کے باعث قطبین سے ذرا نیچے کے باشندوں کو جائز ہوگی؟ شمالی یورپ کے شہروں میں جہاں دن اور رات کا فرق بہت زیادہ ہے زندگی کے روزمرہ کے مشاغل دفتر اور کاروبار کے اوقات وغیرہ اسی طرح گھڑی دیکھکر طے ہوتے ہیں۔

اگر اس طریقے سے اوقات نماز متعین کرنے کا اصول قابل قبول سمجھا جائے تو پھر یہ مسئلہ حل طلب رہے گا کہ فجر، طلوع، مغرب اور عشا میں ہر ایک کا ساعتی زاویہ کتنا ہے؟ اور کتنے درجے عرض بلد کے بعد سورج کے رأسی زاویہ کی بجائے ساعتی زاویہ سے اوقات نماز مقرر کئے جائیں۔

میں نے آپ کی خدمت میں صرف یہ سوال پیش کیا ہے۔ آپ اس کو شرعی احکام میں میری جسارت پر محمول نہ فرمائیں اور اگر فرصت ہو تو اس کا جواب ضرور دیں، کیونکہ شمالی یورپ اور کینیڈا میں کافی مسلمان بحمداللہ موجود ہیں اور ان کے لئے اوقات نماز کا صحیح تعین ایک اہم عملی مسئلہ ہے۔ والسلام　　نیازمند

(کمال ابدالی)

ضابطے جو اوقات نماز اور جدول قبلہ کے پروگرام میں مستعمل ہوئے ہیں:

(۱)　مطلوبہ سال کے لئے ایک دفعہ محسوب کئے ہوئے مستقل اعداد۔

علامات:۔ و=۱۲ بجے دن صفر جنوری ۱۹۰۰ سے صفر ساعت صفر جنوری مطلوبہ سال تک وقت ۳۶۵۲۵ دنوں کی اکائیوں میں۔

طش، بقش، کو=صفر ساعت صفر جنوری مطلوبہ سال پر سورج کا اوسط طول بلد، اوسط بے قاعدگی (Anomaly) اور کوکبی وقت (Sidereal time)

فبق، فطش، فلو، مطق = یومیہ فرق بے قاعدگی میں، اوسط شمسی طول بلد میں، کوکبی وقت میں اور میلان طریق الشمس (چاروں کو سال کے دوران مستقل فرض کیا گیا ہے)

ک۱، ک۲ = مساوات مرکز (Equation of center) کے سر (Coefficients)

وہ مساوات یہ ہیں:

حقیقی طول بلد شمسی۔اوسط طول بلد شمسی = حقیقی بے قاعدگی۔اوسط بے قاعدگی = ک۱ جب بقش + ک۲ جب (۲ بقش) + خفیف رقمیں

ضابطے:

مطق = ۲۳°، ۲۷′ ۸ء۲۶″ ـ ۴۶ء۸۴۵″ × و + خفیف رقمیں

طش = ۲۷۹°، ۴۱′ ۴۸ء۰۴″ + ۳۶۰۰۰°، ۴۶′ ۱۳ء۸″ × و + خفیف رقمیں

بقش = ۳۵۸° ۲۸′ ۳۳ء۰″ + ۳۵۹۹۹° ۲′ ۵۹ء۱″ × و + خفیف رقمیں

کو = ۶ گھ ۳۸ م ۴۵ء۸۳۶ س + ۲۴۰۰ گھ ۳ م ۴ء۵۴۲ س × و + ۰ء۰۹۲۹ س × و۲ + خفیف رقمیں

فبق = ۳۵۹۹۹° ۲′ ۵۰ء۱″ / ۳۶۵۲۵   فطش = ۳۶۰۰۰° ۴۶′ ۱۳ء۸″ / ۳۶۵۲۵

فکو = (۲۴۰۰ گھ ۳ م ۴ء۵۴۲ س) / ۳۶۵۲۵

ک۱ = ۱° ۵۵′ ۱۰ء۰۵۷″ ـ ۱۷ء۱۴۰″ × و ـ ۰ء۰۵۲″ × و۲ + ۰۰۰۰۰

ک۲ = ۱′ ۱۲ء۳۳۸″ ـ ۰ء۳۶۱″ × و + ۰۰۰۰۰

۲۔ نماز کا وقت کسی مطلوبہ تاریخ پر متعین کرنے کا حساب:

علامات:

ع، ط، طمع = ، مقام کا عرض بلد، طول بلد، معیاری وقت کا طول بلد

ت، و، ی = نماز کے لئے تاریخ، تقریبی وقت، صفر ساعت صفر جنوری سے نماز تک کا وقت دنوں میں۔

بقش، طش، طحش = نماز کے وقت سورج کی بے قاعدگی (Anomaly) اوسط طول بلد، حقیقی طول بلد (شمسی)

ص، م، س، ر = نماز کے وقت سورج کا صعود مستقیم (Right ascension)، میل، ساعتی زاویہ (Hourangle) رأسی فاصلہ (Zenith distance)

کو، مو، معو = کوکبی وقت (Sidereal time)، مقامی وقت، معیاری وقت

ضابطے:

ی = ت + (ط + و)/۲۴

بقش = بقش + ی × فبق طش = طش + ی × فطش

طحش = طش + ک۱ × جب بقش + ک۲ × جب (۲ × بقش) + خفیف رقمیں

ص = مس‌ا (جم مطق × مس طحش) [ص اسی ربع میں ہو جس میں طحش ہے]

م = جب‌ا (جب مطق × جب طحش) [-۹۰ دِ م دِ +۹۰]

س = جم‌ا (جم ص - جب م × جب ع)/(جم م × جم ع) [صفر دِ س دِ ۲۴ گھ ذیل کی شکل کے مطابق ربع چنا جائے

نصف اللیل
گھ
صفر
گھ
گھ
۱۸
شام
صبح
۶
گھ
۱۲
ظہر

قطب
۹۰° ع
س
راس
ر
شمس
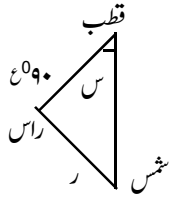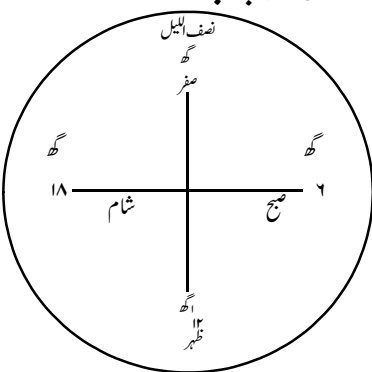
کو = س + ص

مو = کو - (کو + ی × فلکو)

یہ رقم مطلوبہ تاریخ کی صفر ساعت پر کوکبی وقت ہے۔

معو = مو + ط - طمع

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قولکم: اس کے لئے فی الوقت ۱۹۷۸ء استعمال ہوتا ہے۔

اقول: دائمی نقشہ کے لئے لیپ کا سال لینے میں نتائج زیادہ صحیح برآمد ہوتے ہیں۔

قولکم: عصر کا وقت سائے کے یک چند ہونے پر لیا جائے، یا دو چند؟

اقول: احناف کے یہاں بھی ایک مثل کے بعد نماز عصر پڑھنے کی گنجائش ہے، اور مرض وسفر وغیرہ اعذار کی حالت میں اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے، لہذا دونوں وقت دینے کی ضرورت ہے، اسی طرح غروب شفق احمر یعنی ۱۲° زیر افق (ناٹیکل ٹوائیلائٹ) کا وقت بھی ضروری ہے کیونکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قول شفق احمر راجح ہے، قولکم، سائے کے ذریعے مختلف تاریخوں میں سمت قبلہ کی تعیین میں وقت کے اتنے سے سالانہ تغیر کے اثر سے غلط سال کے چارٹ سے متعین کی ہوئی سمت قبلہ میں ایک درجہ بھر یا اس سے ذرا زیادہ غلطی کا احتمال ہے۔

اقول: اس نقشہ کی عام افادیت اور ہر کس و ناکس کے لئے سہولت کے پیش نظر ایک درجہ کا معمولی تفاوت کوئی

اہمیت نہیں رکھتا، بالخصوص جبکہ عملاً اس قدر معمولی فرق سے احتراز متعسر ہے، اگر لیپ کا سال استعمال کیا جائے تو اس سے بھی کم تفاوت رہے گا۔

قولکم: اگر پروگرام کے نتائج یا زیر استعمال حسابی ضابطوں میں آپ کو کوئی عیب نظر آئے یا اس کی بہتری کی کوئی بات آپ کے ذہن میں آئے تو ضرور مطلع فرمائیے گا۔

اقول: محررہ ضوابط پر کماحقہ غور کرنے اور تجربۃً تخریج کی فرصت نہیں، سرسری جائزہ سے ان ضوابط کی صحت کا ظن غالب ہوتا ہے۔ بالخصوص جبکہ آپ نے ان کے نتائج کا بندہ کی کتابوں ارشاد العابد اور صبح صادق میں مندرجہ ضوابط اور ان کے نتائج کے ساتھ مقابلہ بھی کرلیا ہے۔

آپ نے کراچی کے لئے زاویہ سمت قبلہ ۹۲ء اُ لیا ہے، جبکہ ارشاد العابد میں مندرجہ قواعد کے مطابق صحیح تخریج ۹۲ء ۴ہے، اسی لئے سایہ کے سمت قبلہ پر آنے کے اوقات میں نسبۃً زیادہ تفاوت ہے۔

قولکم: یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ قطبین پر جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات رہتی ہے، نماز کن اوقات میں پڑھی جائے؟

اقول: ان مقامات میں اوقات نماز کی تعیین کا صحیح طریقہ وہی ہے جو آپ نے تحریر کیا ہے یعنی جس طرح زندگی کے روزمرہ کے مشاغل، دفتر اور کاروبار کے اوقات تخمینہ اور اندازہ سے مقرر کرلئے جاتے ہیں، اسی طرح نمازوں کے اوقات کی تعیین گھنٹوں سے کی جائے گی، اگر یہ تعیین معتدل ایام کے پیش نظر کی جائے تو اس کا حساب یوں ہوگا، معتدل ایام میں طلوع صبح صادق سے غروب شفق ابیض تک چودہ گھنٹے ہوتے ہیں اور غروب شفق ابیض سے طلوع صبح صادق تک دس گھنٹے، اس کے پیش نظر اوقات نماز کی تعیین یوں ہوگی۔

وقت فجر ایک گھنٹہ پھر چھ گھنٹے گزرنے پر ظہر، پھر تقریباً ساڑھے چار گھنٹے کے بعد عصر (مثلین) انتہاء وقت فجر سے بارہ گھنٹے گزرنے پر مغرب پھر ایک گھنٹہ کے بعد عشا پھر دس گھنٹے کے بعد فجر، مگر راجح یہ ہے کہ اس تعیین اوقات میں معتدل ایام کا حساب لگانے کی بجائے اس علاقہ میں جن ایام میں چوبیس گھنٹے کے اندر اوقات خمسہ پائے جاتے ہیں ان میں سے سب سے آخری دن کو معیار بنا کر اس کے مطابق سب اوقات کی تعیین کی جائے۔ اور اگر عرض البلد اتنا زیادہ ہو کہ وہاں کبھی بھی چوبیس گھنٹے کے اندر اوقات خمسہ نہیں پائے جاتے تو اس علاقہ سے قریب تر ایسا علاقہ جس میں چوبیس گھنٹے کے اندر اوقات خمسہ پائے جاتے ہوں اس کے اوقات کے مطابق تعیین کی جائے۔

یہ حکم جب ہے کہ چوبیس گھنٹے میں آفتاب غروب نہ ہو، اگر چوبیس گھنٹے کے اندر آفتاب غروب ہوتا ہے تو ظہر اور عصر کی نماز بہرکیف ان کے معہود اوقات میں پڑھی جائے گی، اور مغرب، عشا، فجر میں تفصیل ذیل ہوگی۔

(۱) اگر شفق احمر (ناٹیکل ٹوائیلائٹ =۱۲° زیر افق) غروب ہوتی ہے، تو ان تینوں نمازوں کے اوقات بھی موجود ہیں، ہر نماز اپنے وقت میں ادا کی جائے۔

شفق ابیض معترض (۱۵° زیر افق) کے وقت کی تنصیف کی جائے گی نصف اول عشا میں داخل ہوگا اور نصف ثانی فجر میں۔ اگر نصف اول میں اتنا وقت ہو کہ اس میں تکبیر تحریمہ کہی جا سکتی ہو تو عشا کی نماز فرض ہے، اس وقت میں نماز شروع کردی جائے، اگر چہ اس کی تکمیل خروج وقت کے بعد ہو، اور اگر شفق ابیض معترض کا نصف اول بقدر تکبیر تحریمہ سے بھی کم ہے تو عشا کا وقت مفقود شمار ہوگا جس کا حکم آگے آرہا ہے۔

(۲) اگر شفق احمر غروب نہیں ہوتی تو یہ علاقہ فاقد وقت العشاء ہے، اس سے متعلق حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ان پر نماز عشا فرض نہیں، دوسرا یہ کہ ان پر بھی نماز عشا فرض ہے اور یہی ارجح واحوط ہے۔

نمبر اول میں مذکور تفصیل کے مطابق شفق احمر کی بھی تنصیف ہوگی، نصف اول مغرب میں شمار ہوگا اور نصف ثانی فجر میں، اگر نصف اول بقدر تحریمہ ہے تو مغرب کی نماز فرض ہے اگر چہ اس کی ادائیگی خروج وقت کے بعد ہو، اگر طلوع سے قبل تکمیل ممکن نہ ہو تو طلوع کے بعد قضا پڑھے، اگر نصف اول بقدر تحریمہ بھی نہیں تو اس کا حکم انہی ایام جیسا ہوگا جن میں چوبیس گھنٹے کے اندر طلوع وغروب نہیں ہوتا۔

(۳) اگر شفق احمر کے نصف ثانی میں تکبیر تحریمہ کی گنجائش تو ہے، مگر صرف فرائض کی دو رکعتیں (بالاختصار بترک السنن والآداب) ادا نہیں ہوسکتیں تو فجر کی نماز فرض ہے، مگر اس وقت نہ پڑھے، بلکہ طلوع کے بعد قضا پڑھے، پہلے عشا پھر فجر، اگر مغرب بھی نہیں پڑھ سکا، تو پہلے مغرب پھر عشا، فجر پڑھے۔

قولکم: ان مقامات کے لئے یہاں کئی حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ ان میں مکہ مکرمہ کے اوقات استعمال کئے جائیں، کچھ دوسرے حضرات کا یہ خیال ہے کہ ان جگہوں میں قریب ترین دوسرے ان مقامات کے اوقات اختیار کئے جائیں جہاں ایسے اوقات ممکن ہیں۔

اقول: قول اول بالکل غلط ہے، یہ نہ کہیں منقول ہے اور نہ ہی کسی طرح بھی معقول، قول ثانی صحیح ہے، مگر راجح یہ ہے کہ اس پر صرف اس علاقہ میں عمل کیا جائے جہاں کبھی بھی چوبیس گھنٹے کے اندر اوقات خمسہ نہ پائے جاتے ہوں، دوسرے مقامات میں تعیین اوقات کا ضابطہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے، یعنی جن ایام میں چوبیس گھنٹے کے اندر اوقات خمسہ پائے جاتے ہیں، ان میں سب سے آخری دن کو معیار قرار دیا جائے۔

قولکم: اگر کسی اونچے عرض بلد کے مقام کے لئے صرف اسی طول بلد پر واقع کم عرض بلد کے مقام کی تلاش کی بھی جائے تو کیسے؟ الخ

اقول: وہ مقام لیا جائے گا جس میں نماز عشا کے لئے بقدر تکبیر تحریمہ وقت پایا جائے۔

قولکم: کیا طلوع وغروب کے اوقات ایک مقام کے اختیار کئے جائیں اور فجر وعشا کہیں اور کے؟

اقول: وقت طلوع وغروب بھی اسی مقام کا لیا جائے گا جہاں عشا کی نماز کا وقت بقدر تحریمہ پایا جاتا ہو۔ طلوع وغروب کے لئے ایک مقام اور فجر وعشا کے لئے دوسرے مقام کا وقت لینے میں یہ محذور ہے کہ مغرب وعشا کا وقت ایک ہو جائے گا اور وقت فجر طلوع کے بعد متصور ہوگا۔ البتہ روزہ افطار کرنے کے لئے اس مقام کا غروب لیا جائے گا جہاں غروب کے بعد بقدر ضرورت کھایا جا سکے، اس میں یہ اشکال ضرور ہے کہ مغرب کی نماز ایک مقام کے مطابق ادا کی جائے گی اور افطار اس سے کافی دیر کے بعد دوسرے مقام کے مطابق ہوگا، مگر یہ محذور اول کی بنسبت اہون ہے، جہاں آفتاب غروب ہوتا ہو، مگر وقت مغرب بہت قلیل ہو وہاں وقت عشا کے لئے جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے اس میں بھی وقت مغرب وعشا کا اتحاد لازم آتا ہے مگر اس کا تحمل اس لئے ناگزیر ہے کہ یہاں غروب حقیقۃً موجود ہے بخلاف صورت زیر بحث کے کہ اس میں وقت مغرب وعشا دونوں تقدیری ہیں۔ لہٰذا دونوں کی تقدیر ایک ہی مقام سے کی جائے گی۔

قولکم: عشا اور فجر کا درمیانی حصہ اور کم ہو جائے گا اور اتنا وقت باقی نہیں رہے گا کہ آدمی صحیح طریقہ سے نماز ادا کر سکے۔

اقول: اس کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے کہ اگر بقدر تکبیر تحریمہ وقت مل گیا تو اس میں نماز شروع کر دی جائے نماز کی تکمیل سے قبل ہی اگر وقت ختم ہو گیا تو جتنی نماز وقت کے اندر پڑھی اتنی ادا اور باقی قضا شمار ہوگی۔

قال ابن عابدين في بحث فاقد وقت العشاء تحت(قوله: ولا ينوى القضاء، الخ): المنقول عن المحيط وغيره أن الصلوٰة الواقع بعضها في الوقت وبعضها خارجه يسمى ما وقع منها في الوقت أداءً وما وقع خارجه يسمى قضاءً اعتبارًا لكل جزء بزمانه، فافهم (ردالمحتار: ۱/ ۳۳۶)

قولکم: اگر عشا اور فجر میں صرف پندرہ منٹ کا فرق ہو تو بجائے اس کے کہ آدمی عشا پڑھ کر سوئے اور پھر نیند سے بیدار ہو کر فجر پڑھے، دونوں نمازیں آدھی رات میں اٹھ کر ساتھ پڑھی جائیں گی؟

اقول: اس میں شرعاً یا عقلاً کیا حرج یا کیا قباحت ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴/ شوال ۱۳۹۷ھ)

الحاق:

(۱) جہاں چوبیس گھنٹے تک آفتاب غروب نہیں ہوتا وہاں اوقات خمسہ کی تقدیر کے لئے دائرہ نصف النہار کو معیار بنانا اگرچہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں نظر سے نہیں گذرا مگر اصول شریعت کے مطابق اس کا اعتبار لازم معلوم ہوتا ہے، لہٰذا آفتاب کے دائرہ نصف النہار سے گذرنے کے بعد وقت ظہر کی ابتدا ہوگی، پھر جانب مخالف میں جب آفتاب اس دائرہ پر پہنچے گا وہ وقت نصف شب شمار ہوگا، ان دو حصوں میں ایک میں وقت فجر اور دوسرے میں

بقیہ چاروں اوقات کا اندازہ کیا جائے گا۔

اس سے ان حضرات کے نظریہ کا ابطال ہوتا ہے جو چھ ماہ تک طویل دن میں بھی صرف پانچ ہی نمازوں کے قائل ہیں، اس لئے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک بار آفتاب کے دائرہ نصف النہار سے گذرنے کی وجہ سے نماز ظہر کا سبب وجوب پایا جاتا ہے، اور ظہر کا تکرار دوسری نمازوں کے تکرار کو مقتضی ہے۔

(۲) ۹۶ عرض البلد شمالی سے کچھ کم عرض میں جون میں آفتاب کے غروب اور طلوع کے درمیان اتنا کم وقت ہوتا ہے کہ اس میں مغرب اور فجر کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

اسی طرح دسمبر میں ۷۹ عرض البلد شمالی سے کچھ زائد عرض میں دن اتنا چھوٹا ہوگا کہ اس میں نصف النہار کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ادا نہیں کی جاسکتی۔

عرض البلد جنوبی میں اس کا عکس ہوگا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا صرف فقدان وقت عشا کے بیان پر اقتصار اس لئے ہے کہ فقدان اوقات کے لحاظ سے یہ قریب ترین علاقہ ہے اور زمانۂ قدیم سے آباد ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پانچوں نمازوں کے اوقات میں یہی سوال پیدا ہوتا ہے، جواب مذکور میں ایسے مقامات پر فجر و مغرب کا حکم صراحۃً اور ظہر و عصر کا دلالۃً گذر چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۱۵-۱۲۷)

ہوسٹن کا نقشۂ اوقات نماز:

سوال: ٹیکساس (یو۔ایس۔اے) کے شہر ہوسٹن میں میرا بچہ زیر تعلیم ہے، لہذا براہ کرم وہاں اوقات نماز معلوم کرنے کا کوئی طریقہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

ہر ماہ کی یکم اور پندرہ تاریخ کے اوقات لکھے جاتے ہیں درمیانی تاریخوں کے لئے حساب لگالیا جائے۔

اوقات صلوٰۃ برائے شہر ہوسٹن، ٹیکساس (متحدہ امریکہ)

	فجر		طلوع		نصف النہار		عصر		غروب		عشا	
	گ	م	گ	م	گ	م	گ	م	گ	م	گ	م
یکم جنوری	۶	۶	۷	۱۶	۱۲	۲۴	۳	۵۴	۵	۳۲	۶	۴۲
۱۵ر جنوری	۶	۸	۷	۱۷	۱۲	۳۰	۴	۶	۵	۴۳	۶	۵۲

یکم فروری	۶ ۴	۷ ۱۲	۱۲ ۳۵	۴ ۲۱	۵ ۵۸	۷ ۶
۱۵/ //	۵ ۵۵	۷ ۲	۱۲ ۳۵	۴ ۳۱	۶ ۸	۷ ۱۵
یکم مارچ	۵ ۴۱	۶ ۴۶	۱۲ ۳۳	۴ ۴۰	۶ ۲۰	۷ ۲۵
۱۵/ //	۵ ۲۵	۶ ۳۱	۱۲ ۳۰	۴ ۴۸	۶ ۲۹	۷ ۳۵
یکم اپریل	۵ ۳	۶ ۱۰	۱۲ ۲۵	۴ ۵۴	۶ ۴۰	۷ ۴۷
۱۵/ //	۴ ۴۵	۵ ۵۴	۱۲ ۲۱	۴ ۵۸	۶ ۴۸	۷ ۵۷
یکم مئی	۵ ۲۷	۶ ۳۸	۱۱ ۱۸	۶ ۲	۷ ۵۸	۹ ۹
۱۵/ //	۵ ۱۳	۶ ۲۷	۱۱ ۱۷	۶ ۵	۸ ۷	۹ ۲۱
یکم جون	۵ ۴	۶ ۲۰	۱۱ ۱۹	۶ ۱۰	۸ ۱۸	۹ ۳۴
۱۵/ //	۵ ۱	۶ ۱۹	۱۱ ۲۱	۶ ۱۴	۸ ۲۳	۹ ۴۱
یکم جولائی	۵ ۶	۶ ۲۴	۱۱ ۲۵	۶ ۱۸	۸ ۲۶	۹ ۴۴
۱۵/ //	۵ ۱۴	۶ ۳۰	۱۱ ۲۷	۶ ۱۸	۸ ۲۴	۹ ۴۰
یکم اگست	۵ ۲۷	۶ ۳۹	۱۱ ۲۷	۶ ۱۴	۸ ۱۵	۹ ۲۷
۱۵/ //	۵ ۳۷	۶ ۴۸	۱۱ ۲۵	۶ ۷	۸ ۲	۹ ۱۳
یکم ستمبر	۵ ۵۰	۶ ۵۸	۱۱ ۲۱	۵ ۵۵	۷ ۴	۸ ۵۲
۱۵/ //	۵ ۵۹	۷ ۵	۱۱ ۱۶	۵ ۴۲	۷ ۲۷	۸ ۳۳
یکم اکتوبر	۶ ۹	۷ ۱۵	۱۱ ۱۱	۵ ۲۶	۷ ۷	۸ ۱۳
۱۵/ //	۶ ۱۷	۷ ۲۴	۱۱ ۷	۵ ۱۲	۶ ۵۰	۷ ۵۷
یکم نومبر	۵ ۲۸	۶ ۳۶	۱۲ ۵	۳ ۵۸	۵ ۳۴	۶ ۴۲
۱۵/ //	۵ ۳۸	۶ ۴۷	۱۲ ۶	۵ ۴۸	۵ ۲۵	۶ ۳۴
یکم دسمبر	۵ ۵۰	۶ ۵۹	۱۲ ۱۰	۵ ۴۴	۵ ۲۱	۶ ۳۰
۱۵/ //	۵ ۵۸	۷ ۹	۱۲ ۱۶	۵ ۴۶	۵ ۲۳	۶ ۳۴

تنبیہ: اپریل کی آخری اتوار سے اکتوبر کی آخری اتوار تک وہاں ایک گھنٹہ وقت بڑھا دیا جاتا ہے، اس نقشے میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴/رجب ۱۳۹۳ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۳۸)

اوقات نماز کے نقشے:

سوال: ایک نقشہ یہاں مولانا مظہر اللہ شاہ نقشبندی شاہی امام ومفتی مسجد فتح پوری دہلی سے تیار کرایا ہوا اوقات نماز طلوع وغروب وغیرہ کا پورے سال کا اور ایک نقشہ ویسا ہی مولوی محمد دین صاحب کتب خانہ اشرفیہ راولپنڈی کی طرف سے مسجدوں میں آویزاں ملتا ہے، ایک دفعہ آپ کی تحریر سے اس نقشہ میں کچھ فرق ظاہر فرمایا گیا تھا (جب کہ ان دونوں نقشوں میں بھی کہیں کہیں فرق پایا جاتا ہے، یعنی سب اوقات ایک دوسرے کے برابر نہیں) سو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب نے کون سے نقشہ کے متعلق عدم اطمینان کا اظہار فرمایا تھا، بعض اوقات اول الذکر کے طلوع و غروب وغیرہ واقع کے مطابق ظاہر ہوئے ہیں یا دونوں نقشے جناب والا کی خدمت میں بھیج کر تحقیق کی جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

آج تک جتنے نقشے بھی شائع ہوئے ہیں ان سب میں صبح صادق اور عشا کے اوقات غلط ہیں، ایک بنیادی غلطی کی وجہ سے جس کی تفصیل بندہ کے رسالہ صبح صادق میں ہے، بقیہ اوقات سے متعلق نقشہ دیکھ کر کچھ عرض کر سکتا ہوں۔ لیپ (۱) کے ایک سال سے لیکر لیپ کے دوسرے سال تک چار سال میں طلوع وغروب وغیرہ کے اوقات ایک دو منٹ تک متفاوت ہوتے ہیں، لہذا دائمی نقشہ مرتب کرنے کے لئے اس تفاوت کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے، اسی لئے نقشے آپس میں متفاوت ہو جاتے ہیں، اس سے کوئی مفر نہیں، البتہ لیپ کے سال کو نقشہ کی بنیاد بنایا جائے تو اوقات میں احتیاط کا پہلو نکلتا ہے، بہرکیف ہر نقشے پر تین چار منٹ تک احتیاط کی تنبیہ لکھنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۴۰)

اوقات الصلاۃ کے نقشہ کا ضابطہ:

سوال: نقشہ اوقات الصلاۃ جو مولانا مولوی حاجی .... کی جانب سے بزبان ٹمل طبع ہو کر مشہور ہے، وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اظہار فرمائیں۔ تا کہ اس پر اعتماد کلی ہو اور یہ نقشہ اوقات کتنے سال تک قابلِ عمل ہیں؟ اس نقشۂ اوقات کے مندرجہ وقت پر آمبور کے لئے جو چھ منٹ کا اضافہ کیا جاتا ہے، وہ اور سرکار نے جو نو (۹) منٹ

(۱) جو سال 4 سے تقسیم ہو جائے وہ لیپ کا سال کہلاتا ہے، اس سال میں فروری ماہ 29 دن کا ہوتا ہے۔ انیس

کا اضافہ کیا ہے، وہ دونوں ملا کر جملہ پندرہ منٹ کا اضافہ کر کے دیکھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ نیز ۱۹ ر فروری سے ۴ بجکر ۳۰ منٹ پر ہی مذکورہ پندرہ منٹ بڑھائے بغیر چوب یا وجب ایستادہ کر کے دیکھنے سے دو مثل سایہ پورا ہوجانا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا بالشت سے دیکھنا معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

معرفت الاوقات کا قاعدہ ٹھیک ہے، یہ ہمیشہ ہر سال میں برابر رہتا ہے، مگر مدراس سے جانب مغرب کے علاقہ کے لوگ نو (۹) منٹ اور اپنے اپنے وطن کا تفاوتِ درجہ کی رو سے معلوم کر کے مدراس کی رو سے بڑھا لینا چاہئے، یہ معرفت الاوقات کا نقشہ ان بلاد کے لوگوں کے واسطے ہے جو عرض البلد میں مدراس کے مانند تیرہ درجہ پر ہوں یا قریب اس کے مثلاً چار پانچ درجے جنوب یا شمال میں ہوں، چوب یا بالشت کا حساب صحیح نہیں کیونکہ اس میں سایہ اصلی کا اعتبار چھوٹ جاتا ہے۔ (فتاویٰ باقیات صالحات: ٦-٧)

گھڑی کے لحاظ سے اوقات نماز:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے اوقات گھڑی کے لحاظ سے بتائیں، مثلاً صبح کا وقت کتنا ہوتا ہے اور عشا کا وقت بعد از مغرب کب سے شروع ہوتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالفتاح پابینئی صوابی ......۲۴ ر شعبان ۱۴۰۳ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ہمارے بلاد میں صبح اور مغرب کا تمام وقت غالباً سوا گھنٹہ رہتا ہے۔(۱) اور عصر کا وقت غالباً دن کا چھٹا حصہ (۲) اور دیگر اوقات معلوم و مشہور ہیں۔ وھو الموفق. (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۵۵)

---

(۱) وفی المنهاج: قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق وطلوع الشمس وكذا بين غروب الشمس وغيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد، و المشاهد فی ديارنا قدرساعة وربع ساعة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب مواقيت الصلاة: ۲/۱۰)

(۲) وفی المنهاج: قال بتعجيل العصر فی أول وقتها مالک والشافعی و أحمد وقال أبوحنيفة وأصحابه بتأخيرها.

قال العلامة الشامی: إن الوقت بعد العصر أی بعد دخول العصر إلی الغروب قدر سدس النهار. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ماجاء فی تعجيل العصر: ۲/۲٦)

اوقات نماز کی تعیین گھنٹوں سے ممکن نہیں:

سوال: محترم مولانا مفتی رشید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دار العلوم کراچی سے ایک سوال لکھ کر دریافت کیا تھا، انہوں نے آپ کی طرف رجوع کی ہدایت فرمائی ہے، نقل سوال مع جواب روانہ کر رہا ہوں، امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے، اپنے سوال کی مزید وضاحت کے لئے عرض ہے کہ جس طرح غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور اس کے بعد نماز عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ وقفہ ایک گھنٹہ اور بیس منٹ ہر موسم میں یکساں رہتا ہے۔ اسی طرح عصر کی نماز کا وقت بھی غروب آفتاب سے دو گھنٹے پہلے شروع ہوتا ہے یا ایسا ہی صحیح وقفہ معلوم ہو جائے تو عصر کی نماز کا وقت مقرر کرنا آسان ہو جائے گا۔ مزید اگر یہ معلوم ہو جائے کہ طلوع آفتاب سے قبل ایک گھنٹہ تیس منٹ (یا تحقیق کے بعد جو وقفہ بھی معلوم ہو) صبح صادق ہوتی ہے، اور یہ وقفہ بھی ہر موسم میں یکساں ہوتا ہے، تو طلوع وغروب آفتاب سے فجر، عصر، مغرب اور عشا کے صحیح اوقات معلوم کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے، اور ظہر کی نماز کے وقت کی بھی نصف النہار سے صحیح تعیین ہو سکتی ہے، لہذا بعد تحقیق آپ مجھے مطلع فرمائیں کہ ایسا کوئی قاعدہ کلیہ ممکن ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

صبح صادق کی ابتدا سے طلوع آفتاب تک اور غروب آفتاب سے غروب شفق تک، اسی طرح ابتداء عصر سے غروب آفتاب تک کے اوقات گھنٹوں سے متعین کرنا ممکن نہیں، مختلف موسموں میں میل شمس کے اختلاف کی وجہ سے ان اوقات کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ نیز اختلاف عرض البلد کی وجہ سے بھی یہ مقدار متفاوت ہوتی ہے، فن سے ناواقف بعض لوگوں نے کچھ اس قسم کے قواعد لکھے ہیں جو قطعاً غلط ہیں، زیادہ سے زیادہ ان کی تاویل یہ کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے (۱) کسی خاص علاقے میں (۲) خاص ایام میں، (۳) تقریبی حساب لگالیا، اور فن سے ناواقفیت کی وجہ سے اسے قاعدہ کلیہ ہر مکان اور ہر زمان کے لئے سمجھ لیا، تخریج اوقات اور سمت قبلہ سے متعلق بندہ کے دو رسالے، ارشاد العابد و صبح صادق ہیں، ممکن ہے کہ آپ ان سے کچھ استفادہ کر سکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ شعبان ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۳۹-۱۴۰)

اوقات میں حساب کا اعتبار:

سوال: کوئی عالم یہ فتویٰ دے کہ فلاں دن غروب آفتاب اتنے بجے ہوگا یا طلوع آفتاب اتنے بجے ہوگا اور

حساب لگا کر یہ بتائے کہ شفق ابیض گھڑی سے اتنے بجے ختم ہوگی یا طلوع صبح صادق گھڑی سے اتنے بجے ہوگی تو کیا ان کا یہ بتانا درست ہے؟

هــو الـمـصــوب

طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کا تعلق مشاہدہ سے ہے۔ اگر حساب مشاہدہ کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر حساب مشاہدہ کے خلاف ہے تو مشاہدہ کا اعتبار رہوگا۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفااللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۴۴/۱)

سوال مثل بالا:

سوال: جیسا کہ رب کریم ورحیم کا قرآن کریم میں فرمان ہے ''بیشک مومنوں پر نماز کو مقررہ وقتوں پر فرض کیا گیا ہے'' یہ مقررہ اوقات قرآن کریم، احادیث شریفہ وکتب فقہ میں بھی مذکور ہیں۔ نماز وروزہ کی ادائیگی کے لئے لوگ مختلف قسم کا نقشہ اوقات صلوٰۃ وصوم استعمال کرتے ہیں اور طلوع وغروب پر نظر رکھنے کی عادت کو ترک کرکے، فقط جنتری پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ خواہ وہ جنتری صحیح ہو یا غلط، اس کی تحقیق وتصدیق کی فکر کوئی نہیں کرتا، گورکھپور، لکھنؤ اور کانپور وغیرہ کی مطبوعہ جنتریوں کے حساب سے اگر طلوع فجر وغروب آفتاب کا مشاہدہ کریں تو آٹھ، نو منٹ تک کی غلطی ملتی ہے۔ ایسی صورت میں ان جنتریوں پر عمل کرکے لوگ فجر کی اذان طلوع صبح صادق سے تقریباً آٹھ منٹ پہلے دیتے ہیں تو وہ اذان کیوں کر درست ہوسکتی ہے۔ اسی طرح بقیہ اوقات میں بھی تقدیم یا تاخیر کا امکان رہتا ہے، جس سے احکام شریعت کی صحیح پیروی نہیں ہو پاتی ہے۔

اسی فکر کو لے کر میں نے مولانا محمد انس صاحب دہلی سے رابطہ قائم کیا اور آنجناب نے خاص نوگڑھ کے لئے جدید طریقہ سے ایک نقشہ اوقات صوم وصلوٰۃ برائے نوگڑھ تیار کرکے ہمیں مرحمت فرمایا اور اسے چھپوایا گیا اور کئی لوگوں نے طلوع وغروب کا مشاہدہ کرکے اس میں مندرجہ اوقات کو بالکل صحیح پایا۔

نیز دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کیا ہے۔ نوگڑھ واطراف کے لوگ اسی کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں لیکن افسوس کہ کچھ لوگ دارالعلوم دیوبند کی تصدیق کے باوجود اس نقشہ کو نظر انداز بلکہ

---

(۱) وأما المغرب فالمستحب فيها التعجيل في الشتاء والصيف جميعا وتأخيرها إلى اشتباك النجوم مكروه لما روى ... ولأن التعجيل سبب لكثرة الجماعة والتأخير سبب لتقليلها لأن الناس يشتغلون بالشيء والاستراحة فكان التعجيل أفضل .(بدائع الصنائع: ۳۲۵/۱،فصل شرائط أركان الصلاة)

تغلیط کرتے ہوئے گورکھپور والی جنتری پر عمل کرتے ہیں۔
بریں بنا آنجناب سے التماس ہے کہ دینی رہنمائی کے مدنظر واضح فرمائیں کہ مولانا محمد انس صاحب کا نقشہ ہذا صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو صحت نقشہ کی تصدیق فرمائیں! تا کہ مسلمانان علاقہ نوگڑھ کا شک دور ہو اور لوگ اس کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ وتیار ہوں۔

هـــو المـصـــوب

آپ نے کمپیوٹر سے تخریج شدہ جو نقشہ بھیجا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے طلوع وغروب کا مشاہدہ کیا تو اس نقشہ کو مشاہدہ کے مطابق پایا تو بلا شبہ اس پر اعتماد رکھنے والے عمل کریں۔ لیکن جن لوگوں کو اس نقشہ پر اعتماد نہ ہو تو وہ اپنے مشاہدہ کے مطابق عمل کرنے کے مکلّف ہیں۔ اس مذکورہ نقشہ پر عمل کے مکلّف نہیں ہیں۔ کیوں کہ مشاہدہ کی اہلیت رکھنے والے مشاہدہ کے مکلّف ہیں اور جن کے اندر اہلیت نہیں ہے تو وہ ان اہلیت رکھنے والوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تقلید کے مکلّف ہیں۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۴۴-۳۴۵)

جنتریوں سے اوقاتِ نماز کی تعیین:

سوال: ہر شہر میں مقامی ریلوے وقت، پوسٹ کا وقت نماز کے لئے مقامی وقت میں آدھا گھنٹہ سے زیادہ فرق پڑ جاتا ہے، اس لئے شریعت کے مسئلہ سے واقف کرائیں تا کہ مقامی لوگوں کو وقتِ نماز صحیح معلوم ہو جائے، چند لوگوں نے ریڈیو کے وقت پر زور دیا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک سے دو تین سیکنڈ اور زیادہ بھی فرق پڑ جاتا ہے، گو ایک ہی میل کے اندر ہی واقع ہوتے ہیں۔ بجلی سے چلائی جانے والی ریڈیو رسدگاہ مدارس سے ہم تک ۱۰۰ ارکلومیٹر سے زائد ہے چار پانچ منٹ کا فرق ہو جاتا ہے۔
اکثر مسجدوں میں صحیح وقت بتانے والی گھڑی مستعمل ہے جو بہت ہی قیمتی ہے، اس کے پرزے گرمی اور جاڑے میں صحیح وقت بتاتے ہیں، ایسی گھڑی کا استعمال کرنا لازم ہے یا اندازہ سے نماز ادا کر لینی چاہئے؟ مقامی وقت (جس مسجد میں) دریافت کر لینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اوقات الصلوٰۃ کے مطابق غروبِ آفتاب میں دس منٹ زیادہ کر لیتے ہیں۔ ایک مقام پر طلوع اور غروب میں کتنے منٹ کا اضافہ کر لینا چاہئے؟ شہر میں کئی مسجدیں ہوں ایک ساتھ اذان دینا ناممکن ہے۔ اگر آگے پیچھے ہو جائیں تو کیا درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًاو مصلیًا

اوقات نماز کی تعیین اصالۃً علاماتِ سماویہ سے کی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے۔(۱) انہیں علامات سے جنتریاں بنائی جاتی ہیں۔ اگر ان علامات سے واقفیت نہ ہو، ابروباراں وغیرہ کی وجہ سے علامات کا ظہور نہ ہوتو واقفین فن کی بنائے جنتریوں پر مجبوراً اعتماد کرنا پڑتا ہے، جس جنتری اور جس گھڑی پر صحت کا ظنِ غالب ہو اور تجربہ سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا ہو، اس کے مطابق عمل کر لینا براءت ذمہ کے لئے انشاء اللہ کافی ہے۔(۲) طلوعِ آفتاب، غروب، زوال، صبح صادق کا وقت ہر علاقہ میں یکساں نہیں، اس لئے اوقات نماز میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے۔ ایک ہی شہر کی متعدد مساجد میں اگر اذانیں قدرے تفاوت سے ہوں تب بھی درست ہے۔(۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۶/۱/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۹/۵-۳۶۱)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَاباً مَّوْقُوْتاً﴾ (سورۃ النساء: ۱۰۳) معناہ أنہ مفروض فی أوقات معلومۃ معینۃ، فأجمل ذکر الأوقات فی ھذہ الآیۃ وبینھا فی مواضع أخریٰ من الکتاب من غیر ذکر تحدید اوائلھا وأواخرھا، وبیّن علی لسان الرسول صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم تحدیدھا و مقادیرھا. (أحکام القرآن للجصاص: ۳۷٤/۲، قدیمی)

عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: ان للصلوٰۃ أولاً وآخرًا، وان أول وقت صلوٰۃ الظھر حین تزول الشمس، وآخر وقتھا حین یدخل وقت العصر، وإن أول وقت العصر حین یدخل وقتھا، وإن آخر وقتھا حین تصفر الشمس، وان أول وقت المغرب حین تغرب الشمس، وإن آخر وقتھا حین یغیب الشفق، وإن أول وقت العشاء الآخرۃ حین یغیب الأفق، وإن آخر وقتھا حین ینتصف اللیل. وإن أول وقت الفجر حین یطلع الفجر، وإن آخر وقتھا حین تطلع الشمس". (جامع الترمذی: ۳۹/۱، أبواب الصلوٰۃ، سعید)

(۲) فینبغی الاعتماد فی أوقات الصلوٰۃ وفی القبلۃ، علی ما ذکرہ العلماء الثقات فی کتب المواقیت، وعلی ماوضعوہ لھا من الآلات کالربع و الإصطرلاب، فإنھا وإن لم تفد الیقین، تفد غلبۃ الظن للعالم بھا، وغلبۃ الظن کافیۃ فی ذلک. (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ: ٤۳۱/۱، سعید)

فان لم یکن لوجود غیم أولعدم معرفتہ بھا، فبالسوال من العالم بھا". (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ: ٤۳۱/۱، سعید) ... أقول: وینبغی أن یکون طبل المسحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تأمل. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۳٥۰/٦، سعید)

(۳) [تنبیہ]: قال فی الفیض: ومن کان علی مکان مرتفع کمنارۃ أسکندریۃ، لایفطر ما لم تغرب الشمس عندہ، ولأھل البلدۃ الفطر ان غربت عندھم قبلہ، وکذا العبرۃ فی الطلوع فی حق صلاۃ الفجر أو السحور. (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ: ٤۲۰/۲، سعید)

"سوی فیء الزوال ویختلف باختلاف الزمان والمکان". (الدر المختار) ("قولہ: ویختلف باختلاف الزمان والمکان). أی طولاً وقصرًا وانعداماً بالکلیۃ کما أوضحہ آہ". (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ: ۳٦۰/۱، سعید)

جہاں سورج کے طلوع وغروب کا پتہ نہ چلے وہاں جنتریوں سے نماز ادا کریں:

سوال: میں برمنگھم انگلینڈ میں مقیم ہوں، اوقات نماز اور سورج کا ہمیں یہاں کوئی علم نہیں کہ کب طلوع اور کب غروب ہوتا ہے، کیوں کہ موسم ایسا رہتا ہے کہ ہر وقت ابر رہتا ہے، گرمیوں میں یہاں کے دن پاکستان کے دنوں سے ڈیڑھ گنا زیادہ لمبے ہوتے ہیں اور ایسے ہی سردیوں کی راتیں۔ اس لئے ہم اوقات نماز صحیح معلوم نہیں کر سکتے، اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کریں؟

(۲) ہمیں صبح ساڑھے چھ بجے گھر سے روانہ ہونا پڑتا ہے اور شام ساڑھے پانچ بجے واپسی ہوتی ہے، اس وجہ سے ظہر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، اگر شام کو عصر کے ساتھ ادا کی جائے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب

اوقات نماز معلوم کرنے کے لئے اگر سورج دکھائی نہیں دیتا، تو ایسی دائمی جنتری خرید لینا چاہئے، جس میں انگلینڈ کے طلوع وغروب اور زوال شمس کے اوقات بتلائے گئے ہوں، اگر زوال شمس کا وقت معلوم نہ ہو سکے تو طلوع وغروب کے درمیانی وقت کے بعد نماز ظہر ادا کر لیا کریں اور صبح صادق سے لے کر طلوع شمس سے قبل تک نماز فجر ادا کر لیا کریں اور زوال کے بعد ظہر اور غروب شمس سے تقریباً پون گھنٹہ قبل نماز عصر اور غروب کے بعد مغرب، جب کہ عشا کا وقت تو بہت وسیع ہے، البتہ تہائی رات سے قبل ادا کر لیا کریں۔

(۲) نماز ظہر کو قضا کرنا درست نہیں، (۱) جس فرم میں آپ کام کرتے ہیں، اس کے منتظمین سے نماز ظہر کے لئے باقاعدہ اجازت حاصل کر لیں، صبح چھ بجے سے شام پانچ بجے تک مسلسل کام تو نہیں ہوتا ہوگا، درمیان میں کچھ وقفہ کھانے یا آرام کرنے کے لئے بھی ملتا ہوگا، اگر اس وقت زوال ہو چکا ہو، تو نماز ظہر ادا کر لیا کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔ ۱۳۸۱/۵/۸ھ (خیر الفتاویٰ: ۱/۱۸۷-۱۸۸)

طلوع وغرب کے اوقات میں ریڈیو اور جنتری میں فرق:

سوال: طلوع وغروب آفتاب کا وقت ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات اور اسٹینڈرڈ ٹائم وغیرہ میں ۴، ۵ منٹ کا فرق رہتا ہے، مولانا زینبیؒ کی اسلامی جنتری ہے، فرق کی کیا وجہ ہے؟ کیا اسلامی جنتری کے علاوہ دیگر غلط ہوتا ہے؟

(۱) ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ (سورة النساء: ٤٣)
وليس في هذه الآية دلالة على تحريم مالايسكر منها وفيها الدلالة على تحريم مايسكر منها؛ لأنه إذا كانت الصلاة فرضاً نحن مأمورون بفعلها في أوقاتها، فكل ما أدىٰ إلى المنع منها فهو محظور، الخ. (أحكام القرآن للجصاص، باب تحريم الخمر: ٣٩١/١. العلمية. انيس)

هــو المـصـوب

مولانا زینبی صاحب رحمہ اللہ کی جو جنتری ہے، وہ اوقات عبادات کے لئے بڑی تحقیق کے بعد احتیاط ملحوظ رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔اس لئے اوقات نماز و روزہ کے سلسلہ میں اسی جنتری یا اس جیسی دوسری اسلامی جنتری (جس کو کسی مستند و معتبر عالم دین نے مرتب کیا ہو) پر اعتماد کرنا چاہئے۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۴۳)

جنتری اور اخبار کے وقت میں فرق:

سوال: زینبی کی تقویم نماز میں 24 دسمبر 1996 کو مغرب 5.22 و طلوع کا وقت 6.49 دیا ہے، اخبارات میں مغرب اس دن 5.13 و طلوع 6.58 دیا ہے اس میں کس کا اعتبار کیا جائے۔اخبار کے حساب سے 6.50 سے 6.58 تک فجر ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ زینبی کے مطابق 6.49 کے بعد نماز قضا ہو جائے گی؟

هــو المـصـوب

طلوع و غروب اس دن دیکھ کر صحیح و غلط کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۴۳)

جنتریوں میں فرق:

سوال: قدیم جنتری کے حساب سے طلوع و غروب میں فرق ہو تو کیا کیا جائے؟

هــو المـصـوب

جس جنتری پر عمل کرنا چاہیں، اس کو طلوع و غروب و صبح صادق سے مطابقت کر کے اس کی تصحیح کا اطمینان کرلیں، ہمارے علم میں زینبی صاحب کی مرتب کردہ دائمی اسلامی جنتری مشاہدہ سے اس کی مطابقت ثابت ہے، اس سے مطابقت فرما سکتے ہیں۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۴۳-۳۴۴)

سوال مثل بالا:

سوال: اسلامی جنتری میں ۲۷/ستمبر کو غروب آفتاب ۶/بج کر ۲/منٹ پر ہے۔مفتی عبد القادر فرنگی محلی کی جنتری میں اسی روز غروب آفتاب ۵:۵۸ پر ہے اور مسجد میں اذان ۶:۱۵ پر ہوگئی۔کیا دوبارہ اذان دینے کی ضرورت ہے؟

هــو المـصـوب

دریافت کردہ صورت میں اذان ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اب ہے اور نماز بلا کراہت ہوگئی۔

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۴۲/۱)

ایک وطن میں نماز پڑھ کر دوسری جگہ پہنچ کر وقت داخل نہیں ہوا ہے کیا کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں، اگر ایک شخص نے نماز کو اپنے وقت پر ادا کی، بعد میں جیٹ طیارہ کے ذریعہ سے ایسے وطن میں پہنچا جہاں ابھی تک اسی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا ہے، کیا یہ شخص یہ نماز دوبارہ پڑھے گا؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نامعلوم......۱۰/محرم ۱۳۹۲ھ)

الجواب

بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ وقت کی واپسی کی تقدیر پر نماز کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔

فی الدر المختار: فلو غربت ثم عادت هل یعود الوقت؟ الظاهر نعم.(۱)

اور بعض فقہا فرماتے ہیں کہ اس تقدیر پر دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی۔

فی رد المحتار: ۳۳۴/۱: قلت: علٰی أن الشیخ إسماعیل رد مابحثه فی النهر تبعاً للشافعیة بأن صلاة العصر بغیبوبة الشفق تصیر قضاءً ورجوعها لایعید ها أداءً وما فی الحدیث خصوصیة لعلی. رضی اللّٰه عنه. کما یعطیه قوله علیه السلام: " إنه کان فی طاعتک وطاعة رسولک"آه.

قلت: ویلزم علی الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلاته المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للکل واللّٰه تعالٰی أعلم(۲)

قلت: ظاهر حدیث" لا تصلی صلاة مکتوبة فی یوم مرتین" (۳) یقتضی ترجیح الثانی فافهم وکذا عدم إعادة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عند عود الشمس. وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۶۰/۲)

(۱-۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب لوردت الشمس بعد غروبها: ۳۶۰/۱- دار الفکر العربی والحدیث أخرجه الطحاوی فی شرح مشکل الآثار، (ح: ۱۰۶۸)/ والطبرانی فی المعجم الکبیر، أم جعفر بن محمد بن جعفر بن أبی طالب (ح: ۳۸۲)// وابن المغازلی فی مناقب علی، رجوع الشمس (ح: ۱۴۰) انیس

(۲) سنن الدارقطنی، باب لایصلی المکتوبة فی یوم مرتین (ح: ۱۵۴۴)/ وکذا فی المصنف لأبی بکر بن أبی شیبة، من کان یکره إعادة الصلاة (ح: ۶۶۷۵)/ والمعجم الکبیر للطبرانی، سلیمان بن یسار عن ابن عمر (ح: ۱۳۲۷۰) انیس

ظہر کی نماز ادا کی پھر جہاز کے ذریعے سفر کرکے دوسرے مقام میں وقت ظہر داخل ہوا تو نماز کا کیا حکم ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ظہر کی نماز ایک مقام پر پڑھ لی، پھر جہاز کے ذریعہ دوسری جگہ چلا گیا، وہاں اسی وقت کی اذان ہورہی تھی اور وہاں پر وہ وقت داخل ہوا، کیا دوبارہ نماز ادا کی جائے گی، یا پہلے والی نماز کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: سعید اللہ آزاد، کوہستان......۹/۳/۱۹۸۵ء)

الجواب

اگر سابق وقت کا اعادہ خروج وقت کے بعد ہوا ہو، تو اس نماز کو دوبارہ پڑھی جائے۔

ونظیرہ إعادة الظهر والعصر یوم تطلع الشمس من المغرب. (۱) (فتاویٰ فریدیہ: ۱۶۵/۲)

نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا، تو کیا دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر ہوائی جہاز پر سوار ہوکر ایسی جگہ پہنچا، جہاں ابھی ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا تھا، پھر اس جگہ آدھے گھنٹہ کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوا، تو اب اس شخص کو دومرتبہ ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلائل الواضحة توجروا یوم القیامة.**

(المستفتی: احقر محمد کلیم لوہاروی، خادم دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، سورت)

---

(۱) **قال العلامة ابن عابدین: ورد فی حدیث مرفوع: أن الشمس إذا طلعت من مغربها تسیر إلیٰ وسط السماء ثم ترجع ثم بعد ذلک تطلع من المشرق کعادتها. قال الرملی الشافعی فی شرح المنهاج: وبه یعلم أنه یدخل وقت الظهر برجوعها؛ لأنه بمنزلة زوالها ووقت العصر إذا صار ظل کل شیء مثله والمغرب بغروبها، وفی الحدیث: أن لیلة طلوعها من مغربها تطول بقدر ثلاث لیال، لکن ذلک لایعرف إلا بعد مضیها لإبهامها علی الناس فحینئذٍ قیاس ما مر أنه یلزم قضاء الخمس؛ لأن الزائد لیلتان فیقدران عن یوم ولیلة وواجبهما الخمس. (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۲٦٨/۱)**

نهایة المحتاج إلی شرح المنهاج، کتاب الصلاة، وقت العصر: ۳٦٧/۱، دار الفکر/کذا فی حاشیة الجمل علی شرح المنهاج، باب أوقات الصلاة: ۲٦٨/۱/وحاشیة البجیرمی علی الخطیب = تحفة الحبیب علی شرح الخطیب، وقت الظهر: ۳٨٦/۱/التجرید لنفع البرید، باب أوقات الصلاة: ۱۵۰/۱۔ انیس

اس مسئلہ کی تحقیق بعد والے سوال وجواب میں مفصل آرہی ہے۔ انیس

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اصل جواب سے پہلے اس سے متعلق عبارتیں اوران عبارتوں سے مستفاد امور پیش کرتا ہوں:

(۱) قال المحقق ابن الهمام: تواطأت أخبار الإسراء من فرض الله تعالٰی الصلوات خمسًا بعد ما أمر أوّلاً بخمسين ثم استقر الأمر على الخمس شرعًا عامًا لأهل الآفاق، لاتفصيل فيه بين أهل قطر وقطر (إلٰی أن قال): فاستفدنا أن الواجب فی نفس الأمر خمس على العموم غير أن توزيعها علٰی تلك الأوقات عند وجودها ولايسقط بعدمها الوجوب وكذا قال صلى الله عليه وسلم: "خمس صلوات كتبهن الله على العباد". (فتح القدير: ۲۲٤/۱)

قال الشيخ عبد الرحمٰن الجزری فی كتاب الفقه على المذاهب الأربعة:

أما السنة الصحيحة الدالة علٰی أن عدد الصلوات خمس فهی كثيرة بلغت مبلغ التواتر (إلٰی أن قال) و لهٰذا فقد أجمع أئمة المسلمين علٰی أن الصلوات المفروضة خمس صلوات وهی الظهر والعصر، الخ. (۱۷۹/۱، ۱۸۰)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ رات دن میں صرف پانچ ہی نمازیں فرض ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو متواتر و متوارث ہونے کے ساتھ مجمع علیہ بھی ہے۔

(۲) قال النبی صلی الله عليه وسلم: " لاتصلّٰی صلوة مكتوبة فی يوم مرتين". (سنن الدار قطنی، باب لايصلی المكتوبة فی يوم مرتين)

وأيضاً قال: "لاتصلوا صلٰوة فی يوم مرتين". (سنن أبی داؤد، ص: ۹۳، باب إذا صلی فی جماعة ثم أدرك جماعة أيعيد/ سنن النسائی، ص: ۱۳۸، باب سقوط الصلٰوة عمن صلی مع الإمام فی المسجد جماعة، انظر لتخريجه "نصب الراية" للزيلعی: ۱۳۸/۲، ۱۳۹، مع الهامش)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرض نماز جب ایک مرتبہ تمام شرائط وارکان وواجبات وغیرہ کی رعایت کے ساتھ ادا کر لی گئی، تو پھر دوبارہ بحیثیت فرض اس کا اعادہ درست نہیں ہے۔

(۳) وهل تثبت صفة الجواز للمأمور به إذا أتی به؟ قال بعض المتكلمين: لا، والصحيح عند الفقهاء أنه تثبت به صفة الجواز للمأمور به وانتفاء الكراهة. (منار الأنوار للعلامة النسفی)

أی المذهب الصحيح عندنا أنه تثبت بمجرد إيجاد الفعل صفة الجواز للمأمور به وهو حصول الامتثال علٰی ما كلف به وإلايلزم تكليف مالايطاق ثم إذا ظهر الفساد بدليل مستقل بعده يعيده. (نور الأنوار: ۵۱)

لوقال كغيره: وهل الإتيان بالمأمور به يوجب الإجزاء لكان أولٰی، وفی العضد: اعلم أن

الإجـزاء يفسر بتفسيرين،أحدهما حصول الامتثال به والآخر سقوط القضاء فإن فسرّ بالأول فلا شک أن الإتيـان بالمأموربه يحققه وذلک متفق عليه وإن فسّر بسقوط القضاء فقد اختلف فيه والمختارأن يستلزمه. (نسمات الأسحارللعلامة الشامی)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ جب مامور بہ کو اس کے جملہ شرائط وارکان وواجبات وغیرہ کی مکمل رعایت کے ساتھ ادا کردیا گیا، تو بندہ کا ذمہ بری ہوگیا اور اب دوبارہ اس پر اسی مامور بہ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔

(۴) **اعـلـم أن سبـب وجـوب الـصـلٰـوة بإيجاب اللّٰه تعالٰی فی حقنا الوقت ولهٰذا تضاف الـصـلٰـوة إليه فيقال صلٰوة العصروكذلک سبب وجوب الصوم الوقت وهوشهررمضان(إلٰی أن قـال)وهذه طريقة المتأخرين فمرادهم من الأسباب،الأسباب الظاهرة وأما المشايخ المتقدمون فيـقـولـون سبب وجوب العبادة نعم اللّٰه علينا شكرًا لها كلإيمان وجب شكرًا لنعمة الوجود فی النطق وكمال العقل،والصلٰوة وجبت شكرًا لنعمة الأعضاء السليمة والصوم وجب شكرًا لنعمة اقتضـاء الشهوات والزكوٰة وجبـت شـكـرًا لـنـعـمة الـمـال والحج وجب شكرًا لنعمة البيت فمرادهم بالأسباب الحقيقية.** (تسهيل الوصول إلٰی علم الأصول:۲۵٦)

اعـلـم أن أصـول الـدين وفروعه مشروعة بأسبابٍ جعلها الشرع أسبابًا لها كالحج بالبيت و الصوم بالشهروالصلٰوة بأوقاتها. (الحسامی:٥٤)

وحـاصـلـه أن لأحكام الشرع أسبابًا تضاف إليها والموجب والشارع لها فی الحقيقة هواللّٰه تعالٰی دون السبب لأن الموجب للأحكام هواللّٰه تعالٰی وحده. (النامی شرح الحسامی:۱۱٦)

ثـم ههـنـا شيـئـان نفس الوجوب ووجوب الأداء،فنفس الوجوب سببه الحقيقی هوالإيجاب القديم وسببه الظاهری هوالوقت. (نورالأنوار:٥٣)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وجوب کی نسبت اسباب کی طرف ظاہری ہے، ورنہ درحقیقت موجب تو اللہ کی ذات ہے اور باری تعالیٰ نے (جیسا کہ حدیث معراج میں ہے) فرمادیا ہے:

هی خمس وهی خمسون لايبدل القول لدیَّ ......(۱)

---

(۱) سـنـن الـتـرمـذی ، كـتـاب الـصـلاة،باب ماجاء كم فرض اللّٰه علی عباده من الصلوات،ح: ۲۱۳/الصحيح لـلـبـخاری،باب كيف فرضت الصلاة فی الإسراء (ح: ۳٤۹)/الـصـحـيـح لمسلم،باب الإسراء برسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱٦۳)/مسـنـد الإمام أحمد،حديث المشائخ عن أبی بن كعب،ج: ۳۵،ص: ۲۱۲/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی فرض الصلوات الخمس (ح:۱۳۹۹)/سنن النسائی،فرض الصلاة (ح:٤٤۹)/

==

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دیدی کہ!

"خمس صلوات فی الیوم واللیلة". (۱)

اور سبب ظاہری کے وجود میں آجانے پر جب بندہ نے امتثالِ امرِ الٰہی کر دیا تو براءۃِ ذمہ ہوگئی، اب اس پر اسی دن وجوب مکرر نہ ہوگا۔ (۲)

(۵) والأصل فی هذا النوع أنه لما جعل الوقت ظرفاً للمؤدی وسبباً للوجوب لم يستقم أن يكون كل الوقت سبباً لأن ذلک يوجب تأخير الأداء عن وقته أوتقديمه علٰى سببه فوجب أن يجعل بعضه سبباً وهوالجزء الذی يتصل به الأداء فما اتصل الأداء بالجزء الأول كان هوالسبب وإلا تنتقل السببية إلى الجزء الذی يليه لأنه لما وجب،الخ. (الحسامی:۳۳)

وهوإما أن يضاف إلى الجزء الأول أوإلٰى مايلی ابتداء الشروع أوإلى الجزء الناقص عند ضيق الوقت أوإلٰى جملة الوقت يعنی أن الأصل كل مسبب متصل بسببه فإن أدّيت الصلٰوة فی أول الوقت يكون الجزء السابق على التحريمة وهوالجزء الذی لايتجزأ سبباً لوجوب الصلٰوة فإن لم يؤدّ فی أول الوقت تنتقل السببية إلى الأجزاء التی بعده،الخ. (نورالأنوار:۵۳)

== مستخرج أبی عوانة،مبتدأ أبواب فی الردعلى الجهمية (ح: ۳۵٤)/الصحيح لابن حبان،ذكرالأخبارعن وصف الجنابذالتی أعدها (ح:۷٤۰٦)/السنن الصغيرللبيهقی،باب مبتدأ فرض الصلوات الخمس (ح:٤٥٤)انيس

(۱) الموطا للإمام مالک بن أنس،باب جامع الترغيب فی الصلاة (ح:۹٤)/سنن أبی داؤد،كتاب الصلاة (ح:۳۷۵)/ الصحيح للبخاری،كتاب الإيمان،باب الزكاة من الإسلام (ح: ٤٦)/الصحيح لمسلم،كتاب الإيمان، باب الصلوات التی هی أحدأركان الإسلام ح:۸) /سنن النسائی،كتاب الصلاة،باب كم فرضت الصلاة فی اليوم والليلة (ح: ٤٥۸)،كتاب الصوم،باب وجوب الصيام (ح:۲۰۹۲)،كتاب الإيمان (ح:۵۰۲۸)/سنن الدارمی،باب فرض الوضوء والصلاة (ح:۷۰۹)/المنتقى لابن الجارود،فرض الصلوات الخمس وأبحاثها (ح:۱٤٤) انيس)

(۲) فلهذا لايتكررالالحكم بتكررها. (كشف الأسرارشرح أصول فخرالإسلام البزدوی،باب بيان صفة حكم الأمر:۱/۱۳۳)

لأن الوجوب لا يتكررفی شیء واحد. (كشف الأسرارشرح أصول فخرالإسلام البزدوی،باب بيان صفة حكم الأمر:۲/۳۱۵)

وأما الوقت فهوشرط الأداء أی شرط جوازالأداء لعدم صحة الأداء بدونه وليس بسبب للوجوب بدليل أنه لايتكرربتكرره.((كشف الأسرارشرح أصول فخرالإسلام البزدوی،باب بيان صفة حكم الأمر:۳/۳۵۳)

لأن الفرض لا يتكررفی وقت واحد. (الهداية على صدرفتح القدير،باب إدارک الفريضة:۱/٤۷۳/ كذا فی التقرير والتحبيرعلى تحريرالكمال بن همام،مسألة الأدٰاء فعل الواجب فی وقته المقيدبه:۲/۱۲٤. انيس)

والحاصل أن كل جزء سبب علٰى طريق الترتيب والانتقال لكن تقرر السببية موقوف على اتصال الأداء. (إفاضة الأنوار علٰى متن المنار للعلامة الحصكفي علٰى هامش نسمات الأسحار: ٦٣)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ!

وقتِ نماز کا جزءِ اول سبب ہے، لیکن اگر اس میں اداءِ صلوۃ نہیں پائی گئی، تو صفتِ سببیت بعد والے اجزاء کی طرف منتقل (یعنی ثابت) ہوتی جائے گی اور جب ادا پائی جاوے گی، اس کے متصل جزء کو سبب قرار دیا جاوے گا، اب اگر ادا جزء اول کے متصل وجود میں آئی، تو وقت نماز کا وہی جزء (یعنی جزء اول) سببیت کے لئے متعین ہو گیا اور بعد والے اجزاء میں صفتِ سببیت کی صلاحیت کے باوجود اب اس کے حق میں سبب نہیں قرار دیئے جائیں گے۔ حالاں کہ دیگر جن حضرات نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی ہے، ان کے حق میں وہی اجزاء سبب بن گئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب پیش خدمت ہے کہ!

صورت مسئولہ میں اس آدمی نے ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جو نماز ظہر پڑھی تھی وہ اگر زوالِ شمس (یعنی دخولِ وقتِ ظہر) سے پہلے پڑھی ہے، تب تو اس کی وہ نماز وقت سے پہلے ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوئی، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ پڑھے اور اگر وہ نماز زوالِ شمس (یعنی دخول وقتِ ظہر) کے بعد پڑھی تھی، تو اس کو اب دوبارہ نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا ذمہ فرضِ ظہر سے بری ہو چکا ہے؛ البتہ اگر وہ بہ نیت نفل وہاں والوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ **هذا ما سنح لي والله أعلم بحقيقة الحال**

تنبیہ: درمختار میں ایک جزئیہ موجود ہے:

فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت ؟ الظاهر نعم، الخ. (۱)

اور اس پر درمختار کی شرح میں علامہ طحطاویؒ نے (جلد اول ص: ۱۷۴) اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار (۱/۲۶۵) میں بحث فرمائی ہے۔

علامہ شامیؒ اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

قلت: ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلٰوته المغرب لو سلّمنا عود الوقت بعودها للكل والله تعالٰى أعلم (۲)

(۱-۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب لو ردت الشمس بعد غروبها: ۱/۳٦۰ـ مطبوعة: دار الفكر العربي بيروت. انيس

لیکن علامہ شامیؒ کے انداز سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ بطور لزوم اس کو ذکر فرما رہے ہیں، مگر خود اس پر مطمئن نہیں۔ نیز اس جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ردشمس کے جس واقعہ کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں بھی کسی جگہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز عصر کا اعادہ فرمایا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احمد عفی عنہ خانپوری۔ ۲۴/ جمادی الاخری ۱۴۱۰ھ/ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/ ۴۰۳-۴۰۹)

☆☆☆

نفل نمازوں کے اوقات

اشراق کی نماز کا وقت:

سوال: اشراق کی نماز کا وقت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اشراق کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً بارہ پندرہ منٹ پر شروع ہو جاتا ہے۔(۱)

أولها عند طلوع الشمس إلٰى أن ترتفع الشمس و تبيض قدر رمح أو رمحين. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۰٦) فقط واللّٰہ أعلم بالصواب

۳ / جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۸٦/۴)

نماز اشراق اور نماز چاشت کے اوقات:

سوال: نماز اشراق اور نماز چاشت کے اوقات کیا ہوتے ہیں؟ یعنی نمازِ اشراق کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب تک ہم پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح نمازِ چاشت کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب تک ہم پڑھ سکتے ہیں؟ گھڑی کے وقت کے لحاظ سے بتلائیں تو مناسب ہوگا۔ (واحد علی، عثمانیہ یونیورسیٹی)

الجواب

نمازِ چاشت کا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد مکروہ وقت نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوالِ آفتاب تک رہتا ہے،

(۱) عن أنس قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر اللّٰه حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة تامة. (سنن الترمذی، باب ذكر ما يستحب الجلوس في المسجد بعد صلاة الفجر (ح: ٥٨٦) انیس)

في حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، مدخل: ١٨١/١: ... (ثم صلى ركعتين) ويقال لهما ركعتا الإشراق وهما غير سنة الضحىٰ. (انیس)

عن الحسن بن علي قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى الفجر ثم جلس حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين حرمه اللّٰه على النار أن تلفحه أو تطعمه. (الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهين، باب مختصر في فضل الجلوس بعد صلاة الفجر (ح: ١١١) انیس)

البتہ اس کا بہتر وقت دن کا چوتھائی حصہ نکلنے کے بعد ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

" ندب (أربع فصاعدا في الضحى) ... إلى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحىٰ: ۶۳۹/۱)

جہاں تک نمازِ اشراق کی بات ہے تو حدیث وفقہ کی اکثر کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا، البتہ امام غزالیؒ نے نمازِ اشراق اور چاشت کا ذکر کیا ہے۔(۱)

اور لکھا ہے کہ نمازِ اشراق نمازِ چاشت ہی کا ایک حصہ ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ آپ چاشت کی نماز دو وقتوں میں پڑھا کرتے تھے، ایک تو جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ کے بقدر

---

(۱) ماضی قریب کے مستند حنفی عالم، محدث وفقیہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی نماز اشراق اور چاشت کو دو علیحدہ نماز کے طور پر ذکر کیا ہے اور دونوں کی فضیلتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔(دیکھئے! **إعلاء السنن : ۲۹/۷ - ۳۰، باب النوافل و السنن**)

شارح ترمذی علامہ سراج احمد کی بھی یہی رائے ہے، بلکہ انہوں نے سیوطی کے حوالہ سے ایک ایسی حدیث کی بھی تخریج کی ہے جس میں نماز اشراق کا تذکرہ ہے:

"فقد أخرج السيوطي عن أم هانيء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لها: "يا أم هاني! هذه صلاة الإشراق". (دیکھئے حوالہ سابق)

علامہ علاء الدین علی متقی، مرتب کنز العمال کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی عظیم شاہکار تصنیف "کنز العمال" میں چاشت واشراق کی نمازوں کا الگ الگ باب کے تحت تذکرہ کیا ہے۔(دیکھئے: **كنز العمال: ۷۸۹/۱، باب صلاة الإشراق، ط: بيت الأفكار الدولية . محشی**)

عن نعيم بن همار قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يقول الله عزوجل: يا ابن آدم! لاتعجزني من أربع ركعات في أول نهارك أكفك آخره. (سنن أبي داؤد، باب صلاة الضحىٰ (ح: ۱۲۸۹)/الصحيح لابن حبان، ذكر الاستحباب للمرء أن يصلي صلاة الضحىٰ أربع ركعات رجاء كفاية آخر النهار به (ح: ۲۵۳۳)/ المعجم الكبير للطبراني (ح: ۷۷٤٦) سنن الترمذي، باب ماجاء في صلاة الضحىٰ، عن أبي الدرداء وأبي ذر (ح: ٤۷۵) انيس)

عن زيد بن أرقم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج على قوم وهم يصلون الضحىٰ في مسجد قباء بعد حين أشرقت الشمس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الأوابين إذا رمضت الفصال. (الصحيح لابن خزيمة، باب استحباب تأخير صلاة الضحىٰ (ح: ۱۲۲۷) انيس)

عن ابن عباس قال: كنت أمر بهذه الآية فماأدري ماهي؟ قوله: ﴿بالعشي والإشراق﴾ حتى حدثتني أم هانيء بنت أبي طالب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل عليها، فدعا بوضوء في جفنة فكأني أنظر إلى أثر العجين فيها، فتوضأ ثم قام فصلى الضحىٰ، فقال: يا أم هاني، هذه صلوٰة الإشراق. (المعجم الكبير للطبراني، مسند النساء، باب الفاء، فاختة أم هانيء بنت أبي طالب، ماروى ابن عباس عن أم هانيء (ح: ۹۸٦) انيس)

اوپر آ جاتا تو دو رکعت پڑھتے اور جب سورج چوتھائی آسمان تک آ جاتا تو چار رکعت پڑھتے۔(۱) آفتاب کے روشن ہوجانے کی کیفیت کو ''اشراق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۲) شاید اسی لئے اس وقت پڑھی جانے والی نماز کو ''اشراق'' کہا جاتا ہے۔

اس لئے آپ اشراق کی نماز مکروہ وقت ختم ہوتے ہی پڑھ لیا کریں، وقت مکروہ ہندوستان میں بیس (۲۰) منٹ بعد ختم ہوجاتا ہے اور چاشت کی نماز چوتھائی دن گزرنے کے بعد۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۱۸-۱۲۰)

چاشت کی نماز کا وقت اور اس کی رکعتیں:

سوال: چاشت کی نماز کا وقت کیا ہے، اور اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟

الجواب

چاشت کی نماز کا وقت آفتاب طلوع ہونے سے زوال تک ہے، لیکن افضل اور مختار یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گذرنے کے بعد پڑھے مثلاً آج کل ۳۵-۶ پر طلوع آفتاب اور ۵۲-۶ پر غروب آفتاب ہے تو ۴۰-۹ سے زوال تک چاشت کی نماز پڑھ سکتے ہیں اس کی چار رکعتیں ہیں۔ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے اور زیادہ پڑھنا چاہے تو بارہ رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

(و)ندب (أربع فصاعدًا فی الضحٰی)... من بعدالطلوع إلی الزوال ووقتهاالمختاربعدربع النهار. وفی المنية: أقلها ركعتان وأكثرهااثناعشروأوسطها ثمان وهوأفضلهاكمافی الذخائر لثبوته بفعله،الخ. (الدرالمختارمع ردالمحتار،باب الوتروالنوافل: ۱/۶۳۹)فقط واللّٰه أعلم بالصواب

۲/ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۸/ مارچ ۱۹۸۲ء۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۴/۲۸۵-۲۸۶)

---

(۱) دیکھئے: احیاء العلوم: ۱/۲۳۱۔

عاصم بن ضمرة قال:سألنا عليّا عن تطوع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم بالنهار،فقال إنكم لاتطيقونه، قال: فقلنا أخبرنا به نأخذمنه ماأطقنا،قال: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم إذاصلی الفجرأمهل حتی إذاكانت الشمس من هٰهنا يعنی من قبل المشرق مقدارها من صلاة العصرمن هٰهنا يعنی من قبل المغرب قام فصلی ركعتين ثم أمهل حتی إذا كانت الشمس من هٰهنا يعنی من قبل المشرق مقدارهامن صلاة الظهر هٰهنا يعنی من قبل المغرب قام فصلی أربعاً وأربعاًقبل الظهرإذازالت الشمس وركعتين بعدهاوأربعاًقبل العصريفصل بين كل ركعتين بالتسليم علی الملائكة المقربين والنبيين ومن معهم من المؤمنين والمسلمين. (مسندأبی يعلی الموصلی،مسندعلی بن أبی طالب رضی اللّٰه عنه (ح:۶۲۲)انيس

(۲) الإشراق:طلوع الشمس وإضاء تها،يقال شرقت الشمس إذاطلعت. وأشرقت إذاأضاء ت وقد قيل شرقت وأشرقت إذاطلعت فی معنی واحد. (معانی القرآن وإعرابه للزجاج،من تفسيرسورةطه،س: ۲۰،الآية: ۱۸. انيس)

نماز چاشت واشراق کا وقت اور ضحوہ کبریٰ وصغریٰ کا مطلب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) نماز اشراق اور نماز چاشت کا وقت کب تک رہتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اشراق کا وقت چوتھائی دن تک رہتا ہے تو یہ چوتھائی دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے یا طلوع آفتاب سے؟

(۲) ضحوہ کبریٰ اور صغریٰ سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اکرام الحق ایف ۲۸۷، نشتر آباد، راولپنڈی...... ۲۵؍شوال ۱۳۸۹ھ۔)

الجواب

(۱) نماز چاشت اور نماز اشراق محققین کے نزدیک دو الگ الگ نمازیں نہیں ہیں اور جمہور کے نزدیک الگ الگ نمازیں ہیں اور میرا جواب جمہور کے مذہب پر مبنی ہے، وہ یہ کہ سورج کے صاف ہونے کے بعد ان کا وقت شروع ہوتا ہے اور استوا کے وقت ختم ہوجاتا ہے، (الدر المختار) اور بعض فقہا کے نزدیک یہی بہتر ہے کہ چوتھائی دن کے بعد پڑھی جائیں، (شامی، کبیری) اور دن سے مراد بظاہر نہار عرفی ہے، اور تصریح باوجود تتبع کے نہ ملی، کیونکہ حدیث ترمض الفصال کی وجہ سے یہ قول کیا گیا ہے اور حرارت اس وقت سے شروع ہوتی ہے۔(۱)

(۲) صبح صادق کے طلوع اور سورج کے غروب کے منتصف کو الضحوۃ الکبریٰ کہا جاتا ہے اور اس سے قبل کو ضحوۃ صغریٰ کہا جاتا ہے۔(شرح الوقایۃ)(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۱۴۸/۲-۱۴۹)

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (و) ندب (أربع فصاعدًا في الضحیٰ) على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال ووقتها المختار بعد النهار، ... قال ابن عابدين (قوله ووقتها المختار): أى الذى يختار ويرجح لفعلها وهذا عزاه فى شرح المنية إلى الحاوى وقال: لحديث زيدبن أرقم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الأوابين حين ترمض الفصال، رواه مسلم "وترمض" بفتح التاء والميم أى تبرک من شدة الحر فى أخفافها. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحیٰ: ۵۰۵/۱)

والحديث فى الصحيح لمسلم، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال (ح:۷۴۸) انيس

ووقت صلاة الضحیٰ من ارتفاع الشمس إلى ماقبل الزوال، قال صاحب الحاوى: ووقتها المختار إذامضى ربع النهار. (الحلبى الكبيرشرح منية المصلى، فصل فى النوافل، فروع، ص: ۳۹۰، مطبوعة سنده) وكذا فى البناية شرح الهداية، عدد ركعات التطوع المرتبطة بالصلوات: ۵۱۹/۲. انيس)

(۲) قال العلامة عبيد الله بن مسعود: إعلم أن النهار الشرعى من الصبح إلى الغروب فالمراد بالضحوة الكبرىٰ منتصفه ثم لا بد أن تكون النية موجودة فى أكثرالنهار فيشترط أن تكون قبل الضحوة الكبرىٰ ... فى مختصر القدورى إلى الزوال والأول أصح. (شرح الوقاية، كتاب الصوم: ۳۰۶/۱. هكذا فى رد المحتار، كتاب الصوم: ۹۲/۲)

زوال اور وقت چاشت کے بارے میں دوبارہ استفسار:

سوال: حضرت مقتدانا مفتی صاحب دامت برکاتہم دار العلوم حقانیہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) صبح صادق اور غروب آفتاب کے درمیان ضحوہ کبریٰ سے لیکر طلوع آفتاب وغروب آفتاب کے درمیان نصف النہار تک اگر نماز پڑھنا مکروہ ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نیز جناب نے تحریر فرمایا تھا، کہ نماز چاشت کا وقت استویٰ کے وقت ختم ہو جاتا ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا سوال کے مذکورہ وقت میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، حالانکہ عین استوا کے وقت منع کیا گیا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) جناب کی تحریر کے مطابق یہ سمجھ میں آیا کہ اشراق کا وقت از طلوع تا غروب دن شمار کرتے ہوئے اس کے چوتھائی تک رہتا ہے اور دن کا چوتھائی حصہ ختم ہونے سے چاشت کا وقت شروع ہو جاتا ہے، کیا یہ مفہوم صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: اکرام الحق غفرلہ، ایف ۲۸۷، راول پنڈی، ۲/ذ وقعدہ ۱۳۸۹ھ)

الجواب

(۱) اس وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صرف ائمۂ خوارزم کے نزدیک اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک صرف استوا کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ **کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۳۴۵/۱**، لیکن روایات حدیثیہ سے قول ثانی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے اور اکثر فقہا نے اسی کو مختار کہا ہے۔ **فلیراجع إلی کتب الفقه.**(۱)

(۲) حدیث "**ترمض الفصال**"(۲) کی بنا پر میں نے اس طرف کو ترجیح دی ہے۔ کیوں کہ فقہا کے کلام میں مناسب تتبع کے بعد اس کا تعین نہ ملا۔ **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۱۴۹/۲-۱۵۰)

---

(۱) قال ابن عابدين: (قوله واستواء) ...وفی شرح النقاية للبرجندی وقد وقع فی عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار الی أن تزول الشمس ولا يخفیٰ أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل وفی هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه فلعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها فی هذا الزمان أو المراد بالنهار هو النهار الشرعی وهو من أول طلوع الصبح الی غروب الشمس وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به، آه

وفی القنية: واختلف في وقت الكراهة لرواية أبی سعيد عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنه نهی عن صلاة نصف النهار حتیٰ تزول الشمس ...قال ركن الدين الصباغی...وعزاه فی القهستانی القول بأن المراد انتصاف النهار الشرعی وهو الضحوة الكبریٰ إلی الزوال إلی ائمة خوارزم. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۲۷۳/۱)

(۲) عن القاسم الشيبانی أن زيد بن أرقم رأی قوما يصلون من الضحیٰ فقال: أما لقد علموا أن صلوٰة فی غير هذه الساعة أفضل إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: صلاة الأوابين حين ترمض الفصال. (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال (ح: ۷۴۸) انيس)

ضحوۂ کبریٰ کیا ہے:

سوال: ضحوۂ کبریٰ کس کو کہتے ہیں؟ اس کے معلوم کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ ہمارے دیار میں ضحوۂ کبریٰ سے زوال تک کا صحیح فاصلہ کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے منٹ کا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

یہ بات تو اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ نہار شرعی اور عرفی کے درمیان فرق ہے، نہار شرعی طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا زمانہ ہے، (۱) اور نہار عرفی طلوع آفتاب سے لے کر غروب شمس تک کے زمانے کو کہتے ہیں، (۲) جب یہ بات معلوم ہوگئی تو معلوم ہونا چاہیے کہ ضحوۂ کبریٰ نہار شرعی کا وہ درمیانی نقطہ ہے؛ جو بالکل بیچ میں واقع ہو۔ (۳)

نہار عرفی کے درمیانی نقطے کو بعض فقہا کرام نے زوال کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، لیکن یہ تعبیر صحیح نہیں ہے، صحیح تعبیر استواء شمس یا انتصاف نہار کا زمانہ ہے، جیسا کہ دوسرے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے، ضحوۂ کبریٰ سے لے کر استواء شمس کے مابین فاصلے کی جہاں تک بات ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہر دن کا نہار شرعی و عرفی طلوع صبح صادق وغروب آفتاب کے لحاظ سے اور طلوع آفتاب وغروب آفتاب کے لحاظ سے مختلف ہوگا اور جب ہر دن کا نہار شرعی و عرفی بالعموم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا، تو ضحوۂ کبریٰ سے لے کر استواء شمس تک کا زمانہ بھی مختلف ہوگا، کوئی صحیح فاصلہ بتلانا مشکل ہے، الا یہ کہ طلوع وغروب کے ذریعہ اس فاصلہ کا اندازہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی۔ ۲۶/۷/۱۴۰۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۵۹/۲-۳۶۰)

اشراق، چاشت اور زوال کے اوقات:

سوال: آفتاب طلوع ہونے کے کتنے منٹ کے بعد نماز اشراق کا وقت ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟

---

(۱) المراد بالنهار هو النهار الشرعي وهو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۱/۲)

(۲) أما عرفاً فهو من طلوع الشمس إلى الغروب". (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصوم: ۲۴۳/۱)

(۳) قد علمت أن النهار الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب، واعلم أن كل قطر نصف نهاره قبل زواله بنصف حصة فجره". (رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۴۱/۳)

"وعدل عن تعبير القدوری والمجمع وغيرهما بالزوال لضعفه لأن الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت الصوم من طلوع الفجر كما في البحر عن المبسوط قال في الهداية وفي الجامع الصغير قبل نصف النهار وهو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۴۱/۳) كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل فيما لا يشترط تبييت النية وتعيينها: ۶۴۳/۱. انيس)

(۲) طلوع آفتاب کے بعد گھڑی کے وقت سے چاشت کا وقت کب ہوتا ہے؟

(۳) ختم زوال کے بعد صلاۃ الزوال کا وقت کتنی دیر رہتا ہے؟

(۴) ختم زوال سے کتنے وقت کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے؟

ھــو المـصــوب

(۱) سورج صاف ہونے یعنی تقریبا پندرہ منٹ کے بعد اس کا وقت شروع ہوتا ہے اور دھوپ کے تیز ہونے سے پہلے تک وقت رہتا ہے۔(۱)

(۲) تیز دھوپ ہونے کے بعد اس کا وقت شروع ہوتا ہے۔(۲)

(۳) زوال کے بعد وقت مکروہ ختم ہوجاتا ہے۔

(۴) ختم زوال کے بعد ظہر کی نماز ادا کر سکتے ہیں۔(۳)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۳۹/۱-۳۴۰)

تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کے اوقات:

سوال: کیا تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد نماز پڑھنے میں وقت کی پابندی ہے، کہ عصر کے بعد اور فجر کے بعد نہیں پڑھ سکتے؟

ھــو المـصــوب

تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد نماز پڑھنے میں وقت کی پابندی نہیں ہے، لیکن اوقات مکروہ میں پڑھنا جائز نہیں۔(۴)

---

(۱) عن أنس قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من صلی الغداۃ فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللّٰہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کأجر حجۃ وعمرۃ.(سنن الترمذی ، کتاب الصلاۃ ، باب ذکر مایستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاۃ الصبح (ح:٥٨٦)

(۲) وھوأنہ من ارتفاع الشمس إلی زوالھا کمالایخفی.(البحر الرائق:٩١/٢)

(و)ندب (أربع فصاعدا فی الضحیٰ) علی الصحیح من بعد الطلوع إلی الزوال ووقتھا المختار بعد ربع النھار.(الدرالمختار مع ردالمحتار،باب الوتروالنوافل،مطلب سنۃ الضحیٰ:٤٦٥/٢)

(۳) عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج حین زاغت الشمس فصلی الظھرفقام علی المنبر فذکرالساعۃ...الخ.(الصحیح للبخاری،کتاب مواقیت الصلوٰۃ،باب وقت الظھرعندالزوال(ح:٥١٥) انیس)

(۴) وأطلق فی التنفل فشمل مالہ سبب ومالیس لہ سبب فتکرہ تحیۃ المسجد فیھما للعموم وھومقدم علی عموم قولہ من دخل المسجد فلیرکع رکعتین، لأنہ مبیح وذلک حاظر.(البحرالرائق،التنفل بعدصلاۃ الفجر والعصر:٤٣٨/١)

احادیث میں اس سلسلہ میں ممانعت آئی ہے۔ترمذی اور بخاری میں بھی وہ احادیث مذکور ہیں جن میں اوقات مکروہ میں مثلا بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر نماز (نوافل) پڑھنا منع ہے۔(۱)

تحریر: مستقیم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۳۹/۱)

اوابین کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے:

سوال: نماز اوابین کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے مفصل طور پر بالدلیل تحریر فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

صلوٰۃ اوابین کا وقت ما بین العشائین ہے، ویسے اوابین کی فضیلت کی جو روایتیں ہیں، ان سے مغرب کی سنت کے بعد متصلاً ہی اس کا وقت معلوم ہوتا ہے، (۳) بہرحال افضل تو یہی ہے کہ متصلاً ہی پڑھے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۵۰/۱)

---

(۱) أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نہی عن الصلاۃ بعد الصبح حتی تشرق وبعد العصر حتی تغرب. (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ ، باب الصلاۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس (ح:۵۸۱)/جامع الترمذی، أبواب الصلاۃ،باب ماجاء فی کراھیۃ الصلاۃبعد العصر (ح:۱۸۳)

(۳) عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی بعدالمغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوء عدلن لہ بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ.

قال أبوعیسیٰ:وقدروی عن عائشۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:من صلی بعد المغرب عشرین رکعۃ بنی اللّٰہ لہ بیتافی الجنۃ.قال أبوعیسیٰ:حدیث أبی ھریرۃحدیث غریب لانعرفہ إلامن حدیث زیدبن الخباب عن عمربن أبی خثعم ،قال:وقدسمعت محمدبن اسماعیل یقول عمربن عبداللّٰہ بن أبی خثعم منکرالحدیث وضعفہ جداً.(سنن الترمذی،کتاب الصلاۃ،باب ماجاء فی فضل التطوع وست رکعات بعدالمغرب (ح:۴۳۵)

تسمیٰ ھذہ الصلاۃبصلاۃالأوابین فی عرف الناس. (العرف الشذی شرح جامع الترمذی:۴۰۹/۱ ،داراحیاء التراث الإسلامی بیروت)

الأحادیث الواردۃ فی فضل التطوع بعد صلاۃ المغرب ضعاف إلا أن الروایۃ الضعیفۃ معتبرۃ فی فضائل الأعمال ولایذھب علیک أن المراد بقولھم ھذالیس اعتبارالروایۃ الضعیفۃ فی کل ماوردمن الفضائل مطابقاًللأصول أومخالفاً مثبتاً فضل العمل جائز أوالغیرالجائزحتی یردعلیہ أن ذٰلک یخالف مامھدوا من قاعدتھم أن الحدیث الضعیف لایثبت بہ حکم بل المراد أنہ إذاکان الأمرجائزاً فی نفسہ من حیث الشرع کالنفل بعدالمغرب فی مسألتنا ھذہ ثم وردت فی اثبات فضلہ روایۃقبلت ضعفھافانالم نثبت الحکم بھذہ الروایۃبل فضل الصلاۃ مطلقاً ثابت بالروایات الصحیحۃ ولمارجامن اللّٰہ نیل مرتبۃ واجتھد فی تحصیلہ بظنہ نرجوأن ینالہ بفضلہ وفی الباب أحادیث لایبعد بلوغھا درجۃالحسن لتعدد طرقھاواللّٰہ اعلم. (الکوکب الدری شرح جامع الترمذی:۳۸۴/۱۔۳۸۵،مطبعہ ندوۃالعلماء لکھنؤ.انیس)

تہجد کا وقت کیا ہے:

سوال: تہجد کی نماز کا وقت، شب بیدار کس وقت نماز تہجد پڑھے؟

الجواب

تہجد کے اول وقت کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اختلاف تھا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عکرمہؒ وغیرہما کے مذہب کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کا اول وقت عشا کے بعد سو کر اٹھنے کے بعد ہے، اس بارے میں ان صحابہ کرامؓ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف میں موجود ہے۔

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ﴾.(۱)

ترجمہ: اپنی رات کو تہجد کی نماز قرآن کے ساتھ ادا کیجئے۔

لغت میں تہجد کے معنی یہ ہیں کہ سونے کے وقت معمول میں نیند ترک کرنا۔ اس قول میں شبہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص تمام رات بیدار رہے تو لازم آتا ہے کہ اس کو تہجد کا وقت نہ ملے۔ بعض لوگوں نے ان صحابہ کرامؓ کے مذہب کی توجیہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر عشا کے بعد سو رہے تو جب نیند سے اٹھے تو وہی وقت تہجد کا اول وقت ہوگا اور اگر نہ سوئے تو جب اس کے سونے کا معمولاً وقت گذر جائے تو تہجد کا اول وقت ہو جائے گا۔ اس بارے میں بہتر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

"من كل الليل أوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم وانتهى وتره إلى السحر".(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رات میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز پڑھی ہے حتی کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے وتر کی نماز سحر کے وقت بھی پڑھی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "اوتر" کے لفظ سے تہجد کا وقت مراد نہیں، بلکہ وتر کی نماز مراد ہے۔ اس کا وقت بالاتفاق عشا کے بعد ہے، چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے اور سالکان طریق عبادت کا اسی پر عمل ہے کہ تہجد کا اول وقت آدھی رات کے بعد ہو جاتا ہے، (۳) خواہ اس کے قبل سوئے یا نہ سوئے اور اکثر احادیث سے

---

(۱) سورة الإسراء: ۷۹۔انیس

(۲) الصحيح للبخارى، كتاب الوتر، باب ساعات الوتر (ح: ۹۵۱)/سنن النسائى كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب وقت الوتر (ح: ۱٦۸۱)/الصحيح لمسلم صلاة المسافرين وقصرها (ح: ۷٤٥)/سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فى الوتر آخر الليل (ح: ۱۱۸٦)/المعجم الأوسط للطبرانى (ح: ٤۸۲۸)/مسند الإمام أحمد ، باقى مسند الأنصار حديث السيدة عائشة رضى الله عنها (ح: ۲٤۲۳۸) انيس)

(۳) عن علقمة وأسود قالا: التهجد بعد نومة.(الزهد والرقاق لابن المبارك ، باب فضل ذكر الله عزوجل (ح: ۱۲۰۷) انيس)

اس وقت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے تو اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تہجد کا وقت یہی ہے۔ مثلاً:

''أی الدعاء أفضل؟ قال:''جوف اللیل الاٰخر''.(۱)

ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا بہتر ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دعا افضل ہے جو آخری شب میں کی جائے۔

اور یہ بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ عشا کی تاخیر بلا کراہت آدھی رات تک جائز ہے،(۲) اور اس پر بھی علماء کرام کا اتفاق ہے کہ تہجد کی نماز عشا کے توابع سے نہیں تو ضرور ہے کہ عشا کی نماز کے بعد تہجد کا وقت ہو جائے۔ واللہ اعلم

(فتاویٰ عزیزی اردو: ۲۷۷)

نمازتہجد کا وقت:

سوال: نمازِ تہجد کے ابتدائی اور انتہائی وقت کی وضاحت فرمائیں؟

(محمد غوث الدین قدیر سلاخ پوری، کریم نگر)

الجواب

تہجد کا وقت وہی ہے جو عشا کا وقت ہے، عشا کی نماز کے بعد سے فجر کا وقت شروع ہونے تک کبھی بھی نمازِ تہجد پڑھی جا سکتی ہے۔

== عن عبد الرحمن بن الأسود قال:إنما التهجد بعد النوم.(مصنف عبدالرزاق،باب الصلاة فيمابين المغرب والعشاء (ح:٤٧٣٠)

عن الحجاج بن عمرو المازنی قال:أيحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلی حتی يصبح أن قد تهجد إنما التهجد بعد رقدة ثم الصلاة بعد رقدة ثم الصلاة بعد رقدة تلك كانت صلاة رسول الله صلی الله عليه وسلم.(المعجم الأوسط للطبرانی،من اسمه مطلب (ح:٨٦٧٠)انیس)

(۱) سنن الترمذی،كتاب الدعوات (ح:٣٤٩٩)بلفظ:أی الدعاء أسمع،وقال الترمذی :حديث حسن.انیس

(۲) عن أنس بن مالك قال: أخر النبی صلی الله عليه وسلم صلاة العشاء إلی نصف الليل ثم صلی،ثم قال:قدصلی الناس وناموا،أماإنكم فی صلاة ماانتظرتموها.(الصحيح للبخاری،باب وقت العشاء إلی نصف الليل (ح:٥٧٢) انیس)

عن أبی برزة قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم لايبالی بعض تأخيرالعشاء إلی نصف الليل أوثلث الليل وكان لايحب النوم قبلها والحديث بعدها.(مسندالسراج،باب وقت صلاة العشاء (ح:٦٠٥)انیس)

هل يكره تأخيرها(التراويح)إلی نصف الليل قال بعضهم:يكره،لأنهاتبع للعشاء ويكره تأخيرالعشاء إلی نصف الليل والصحيح أنه لايكره لأنها قيام الليل وقيام الليل فی آخرالليل أفضل.(بدائع الصنائع،فصل فی سنن صلاة التراويح: ٢٨٨/١.انیس)

ہیثمی کی روایت ہے:

''عشا کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے، وہ قیام لیل یعنی تہجد ہے''۔(۱)

فقہانے معمولات نبوی (۲) کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ایک تہائی شب تہجد میں گزارنا چاہتا ہو تو رات کا درمیانی تہائی افضل ہے۔

''فالثلث الأوسط أفضل من طرفيه''.(۳)

اور نصف شب تہجد پڑھنا چاہتا ہو تو آخری نصف کو تہجد میں گزارنا افضل ہے۔

''فقيام نصفه الأخير أفضل'' .(۴)(کتاب الفتاویٰ:۱۱۸/۲)

نماز تہجد کا وقت اور اس کی تعداد رکعات:

سوال: تہجد کی نماز پڑھنے کا وقت کیا ہے اور کم از کم کتنی رکعت حدیث سے ثابت ہے، اگر کوئی آدھی رات کو نہیں بیدار ہوسکتا ہے تو عشا اور وتر کی نماز کے بعد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا وتر کے قبل پڑھے؟

---

(۱) مجمع الزوائد : ۲۵۲/۲، محشی

عن إياس بن معاوية المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لابد من صلاة بليل ولو ناقةً ولو حلب شاة وما كان بعد صلاة العشاء الآخرة فهو من الليل.(المعجم الكبير للطبراني،إياس بن معاوية المزني (ح:۷۸۷) انيس)

(۲) ''عن مسروق قال:سئلت عائشة رضي اللّٰه تعالٰى عنها أي العمل كان أحب إلى رسول اللّٰه ؟ قالت:الدائم،قلت:متٰى كان يقوم؟ قالت: كان يقوم إذا سمع الصارخ''.(صحيح البخاري (ح: ۱۱۳۲)محشى) باب من نام عندالسحر/الصحيح لمسلم،باب صلاة الليل (ح: ۷٤۱)/مسند الإمام أحمد،مسند السيدة عائشة الصديقية (ح:۲۵۱٤۳)/سنن النسائي،باب وقت القيام (ح:۱٦۱٦)انيس)

(۳) مجمع الزوائد : ۲۵۲/۲،محشی

لحديث عبداللّٰه بن عمرو قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحب الصيام إلى الله صيام داؤد، كان يصوم يوماويفطريوماًوأحب الصلاة صلاة إلى الله صلاة داؤد كان ينام نصف الليل ويقوم ثلثه وينام سدسه.(الصحيح للبخاري، كتاب أحاديث الأنبياء،حديث أبرص وأقرع في بني إسرائيل (ح:۳۲۳۸) انيس)

(۴) ردالمحتار : ٤٦۸/۲،محشی(كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مطلب في صلاة الليل.انيس)

للحديث الصحيح عن أبي هريرةأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:ينزل ربناتبارك وتعالىٰ كل ليلة إلى السماء الدنياحين يبقى ثلث الليل الآخرفيقول من يدعوني فأستجيب له من يسألني فأعطيه من يستغفرلي فأغفرله.(الصحيح للبخاري كتاب التوحيد (ح: ۷۰۵٦)/سنن الدارمي،ينزل الله إلى السماء الدنيا (ح: ۱٦۲٤)/ موطأ الإمام مالك،ت:عبدالباقي،باب ماجاء في الدعاء (ح: ۳۰) انيس)

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تہجد کی نماز کا وقت آدھی رات گذرنے کے بعد سے فجر کی نماز ہونے کے وقت سے پہلے تک ہے۔
اس نماز کے لئے تہجد کی نماز کی نیت کرنی چاہئے، تہجد کی نماز کم از کم دو رکعت ہے۔(۱) آدھی رات سے قبل تہجد کی نماز نہیں ہوگی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱۳۶۹/۴/۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۰۵۔۲۰۷)

☆☆☆

---

(۱) أقول: فينبغي القول بان اقل التهجد ركعتان، واوسطه أربع، وأكثره ثمان.(ردالمحتار: ٤٦٨/٢)مطلب فى صلاة الليل، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل. انيس)

(۲) تہجد کی نماز کا اصل وقت تو عشا کی نماز کے بعد تھوڑی دیر سو کر جاگنے کے بعد سے صبح صادق تک رہتا ہے، جیسا کہ خود لفظ ''تہجد'' سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے:

''ہجود'' کے معنی سوجانے کے ہیں اور '' تهجّد القوم'' کے معنی نماز وغیرہ کے لئے جاگنا۔(لسان العرب، مادہ:''ہجد'' ۱۵/۳۱)

لیکن عشا کی نماز کے بعد بھی اگر تہجد کی نیت سے نفل نمازیں پڑھ لی جائیں تو تہجد کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ چونکہ رات کے اخیر حصہ میں اللہ کی رحمتیں زیادہ نازل ہوتی ہیں، اس لئے رات کے اخیر حصہ میں تہجد کی نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔[مجاہد]

علامہ شامی ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

''قال فى البحر: فمنها ما فى صحيح مسلم مرفوعًا ''أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل''.(رواه مسلم فى كتاب الصيام، ص: ٢٣٢ وأبو داؤد فى الصوم، ص: ٥٥ والنسائى، ص: ٢٠٧ و أحمد: ٣٤٤/٢)وروى الطبرانى مرفوعاً ''لابدّ من صلاة بليل ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل''.(رواه الطبرانى فى الكبير: ٢٤٥/١، وذكره الهيثمى فى المجمع: ٢٥٢/٢)

وهذا يفيد أن هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم، آهـ، قلت: قد صرّح بذلک فى الحلية، ثم قال فيها بعد كلام ثم غير خاف أن صلاة الليل المحثوث عليها هى التهجد، وقد ذكر القاضى حسين من الشافعية أنه فى الاصطلاح التطوع بعد النوم، وأيّد بما فى معجم الطبرانى من حديث الحجاج بن عمرو رضى الله عنه قال ''يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلّى حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد المرء يصلّى الصلاة بعد رقدة'' غير أن فى سنده ابن لهيعة وفيه مقال، لكن الظاهر رجحان حديث الطبرانى الأوّل، لأنه تشريع قولى من الشارع صلّى اللّٰه عليه وسلّم بخلاف هذا، وبه ينتفى ما عن أحمد من قوله: قيام الليل من المغرب إلى طلوع الفجر، اهـ ملخصًا.(ردالمحتار: ٤٦٧/٢) كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فى صلاة الليل. انيس)

نماز کے مکروہ اوقات

نماز کس کس وقت منع ہے:

سوال: نفل نماز کس کس وقت پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب

صبح صادق ہونے کے بعد، فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ، فرض سے پہلے، نفل نماز مکروہ ہے، فجر کے فرض کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے، نفل نماز مکروہ ہے، عصر کے فرض کے بعد آفتاب متغیر ہونے سے پہلے پہلے، نفل نماز مکروہ

ان اوقات کا بیان جن میں نماز جائز، ناجائز، یا مکروہ ہے:

۱۔ نیچے لکھے تین وقتوں میں نہ کوئی فرض نماز ادا جائز ہے، نہ اس کی قضا جائز ہے، نہ اس جنازہ کی نماز جائز ہے، جو جنازہ اس وقت سے پہلے کفن پہنا کر تیار ہو، نہ وہ سجدۂ تلاوت جائز ہے، جو ان اوقات سے پہلے واجب ہو، نہ اس منت کی نماز جائز ہے، جو کسی وقت کی قید کے بغیر مانی ہو، اور نہ اس منت کی نماز جائز ہے، جو ان اوقات کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں پڑھنا مانا ہو۔ (عالمگیری: ۵۲/۱، وغیرہ)

یہ حکم ہر دن اور ہر جگہ کے لئے ہے، خواہ مکہ مکرمہ میں ہو، یا جمعہ کا دن ہو۔ (شامی: ۲۴۹/۱)

۲۔ اوقات مکروہہ یہ ہیں:

۱۔ جب آفتاب طلوع ہونے لگے، اس وقت سے ایک بانس بلند ہونے تک، یعنی جب تک سورج کو دیکھنے سے آنکھوں کو حیرانی نہ ہو، اور یہ تقریباً ۲۰ رمنٹ تک کا وقت ہے۔

۲۔ استواء شمس کے وقت، یعنی جب سورج دوپہر میں آسمان کے بالکل بیچ میں آجائے، یہ چند منٹ کا ہوتا ہے۔

۳۔ جب آفتاب میں غروب ہونے کے لئے تبدیلی آجائے، یعنی سورج اتنا بدل جائے کہ دیکھنے سے آنکھ کو حیرانی نہ ہو، اس وقت سے سورج ڈوبنے تک، یہ وقت سورج ڈوبنے سے تقریباً ۲۰ رمنٹ پہلے سے رہتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں چودہ آیتیں ایسی ہیں، جن کو پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اگر کوئی سجدۂ تلاوت ان تین وقتوں میں سے کسی وقت واجب ہو جائے، تو اس سجدہ کو اس وقت کرنے سے ادا ہو جائے گا، لیکن اس وقت کو گزار کر یہ سجدہ کرنا بہتر ہے۔ (عالمگیری)

۵۔ ان اوقات میں کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، اور اس کو توڑ کر دوسرے وقت میں پڑھنا واجب ہے، لیکن کوئی شخص اسی وقت پڑھ لے، تو ہو جائے گی، اور پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، مگر کوئی جرمانہ اس پر لازم نہ آئے گا، لیکن اس نماز کو توڑنا اور صحیح وقت میں ادا کرنا واجب ہے۔ (عالمگیری: ۵۲/۱)

۶۔ کوئی ان اوقات میں نماز پڑھنے کی منت مانے اور ان اوقات میں پڑھ لے، تو نماز کراہت کے ساتھ ہوگی اور دوسرے وقت میں پڑھنا واجب ہے۔ (عالمگیری)) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۱۷۹۔۱۸۱۔انیس)

۷۔ البتہ اس دن کی نماز عصر نہ پڑھی ہو تو غروب آفتاب کے وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔ (الاختیار: ۵۶/۱، دار الخیر) انیس)

ہے۔(۱) لیکن مذکورہ تین وقتوں میں فرض نماز کی قضا اور واجب نماز کی قضا اور نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بلا کراہت جائز ہے۔(۲)

اور آفتاب نکلنا شروع ہونے سے ایک نیزہ بلند ہونے تک، اور ٹھیک دوپہر کے وقت، اور آفتاب متغیر ہو جانے سے غروب ہونے تک، ہر نماز مکروہ ہے۔(۳)

(۱) لرواية الصحيحين: لاصلاة بعد صلاة العصر..وبعد صلاة الفجر.(صحيح البخارى،كتاب مواقيت الصلاة،باب لاتُتحرى الصلاة قبل غروب الشمس،ومسلم عن أبى هريرة،باب الأوقات التى نهى عن الصلاة فيها (ح:٥٨٦)انيس)

ولرواية أحمد وأبى داؤد:" لاصلاة بعد الصبح إلا ركعتين".(مسند الإمام أحمد،مسند عبدالله بن عمر (ح:٤٧٥٦)بلفظ: لاصلاة بعد طلوع الفجرإلاركعتين.وفى سنن أبى داؤد،باب من رخص فيهماإذاكانت الشمس (ح:١٢٧٨)بلفظ:لاتصلوابعد الفجرإلاسجدتين.انيس)

وفى رواية الطبرانى:" إذا طلع الفجرفلا تصلوا إلا ركعتين".(البحرالرائق: ٤٣٨/١-٤٣٩) (المعجم الكبيرللطبرانى،مسند عبدالله بن عمربن الخطاب (ح:١٤١٣٣)بلفظ:إذاطلع الفجرفلاصلاة إلا ركعتين .انيس)

عن ابن عباس.رضى الله عنهما... :' أن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس،وبعد العصرحتى تغرب".(الصحيح للبخارى، باب الصلاة بعدالفجرحتى ترتفع الشمس(ح: ٥٨١) / الصحيح لمسلم،باب الأوقات التى نهى عن الصلاة فيها (ح:٨٢٦)انيس)

عن ابن عمر.رضى الله عنهما. أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:" لا صلاة بعد الفجرإلا سجدتين.(سنن الترمذى، باب ما جاء لاصلاة بعد طلوع الفجرإلا ركعتين (ح:٤١٩) انيس)

(۲) قلت:أرأيت رجلًا نسى صلاة مكتوبة فذكرهابعدماصلى الفجرقبل أن تطلع الشمس أوذكرهابعدماصلى العصرقبل أن تتغيرالشمس ؟قال:عليه أن يقضيهاساعة ذكرها.قلت:لم وقد زعمت أنك تكره الصلاة فى هذين الوقتين ؟قال:إنماأكره النافلة فأماالصلاة المكتوبة عليه فإنه يقضيهافى هاتين الساعتين .قلت:وكذلك لوذكرالوتر فى هاتين الساعتين؟قال:نعم.قلت:وكذلك لوسمع فى هاتين الساعتين سجدة أو قرأها هو أيجسدها؟ قال:نعم.قلت:كذلك يصلى فيهماعلى الجنازة ؟قال:نعم.الخ.(الأصل المعروف بالمبسوط للشيبانى،باب مواقيت الصلاة:١٤٩/١)

(۳) لاتجوزالصلٰوة وسجدة التلاوة وصلٰوة الجنازة عند طلوع الشمس وزوالها و غروبها. (الإختيارلتعليل المختار، فصل الأوقات التى تكره فيها الصلٰوة:٥٦/١،دارالخير)

عن عقبة بن عامرالجهنى قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلى فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع،وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب.(الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة، باب الأوقات التى نهى عن الصلاة فيها(ح:٨٣١)انيس)

عن سالم بن عبد الله عن أبيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:لاتحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولاغروبها و إذا بدأ حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى تبرز وإذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى تغيب.(صحيح البخارى،كتاب مواقيت الصلٰوة،باب الصلاة بعد الفجرحتى ترتفع الشمس (ح: ٥٨٣) وكتاب بدأ الخلق (ح: ٣٢٧٣)/الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب الأوقات التى نهى عن الصلاة فيها(ح:٨٢٨) انيس)

ہاں اگر اسی دن کی عصر کی نماز نہ پڑھی ہو، تو اسے آفتاب متغیر ہونے اور غروب ہونے کی حالت میں بھی پڑھ لینا جائز ہے۔(۱)

خطبہ (جمعہ وعیدین) کے وقت سنت اور نفل نماز مکروہ ہے۔ (۲) آفتاب کے متغیر ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب آفتاب سرخ ٹکیہ کی طرح ہو جائے اور اس پر نظر ٹھیرنے لگے، تو سمجھو کہ آفتاب متغیر ہو گیا۔ فقط (کفایت المفتی: ۳/ ۳۵-۳۶)

نماز پڑھنا کس وقت میں مکروہ ہے:

سوال: ہم یہاں (برطانیہ میں) ہیں، اکثر طبقہ مزدور کی حیثیت رکھتے ہیں، چونکہ برطانوی وقت کے مطابق دو بجے دن میں کام شروع کرتے ہیں، یہاں صبح وشام دو شفٹ ہیں، لہٰذا جو حضرات صبح کام کرتے ہیں، وہ نماز جمعہ اطمینان سے پڑھتے ہیں، کیونکہ یہاں پر دو مسجدیں ہیں، دوسری مسجد میں تین بجے جمعہ ہوتا ہے، ایک مسجد میں ایک دو بجے ہوتی ہے نماز جمعہ، کیونکہ یہاں پر گرمی اور سردی میں گھڑی کے وقت میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے، مثلاً برطانوی

---

(۱) إلا عصر يومه عند الغروب لأن السبب هو الجزء القائم من الوقت كمابينا فقد أداها كما وجبت، قال عليه السلام: " من أدرک ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدركها". (الاختيار لتعليل المختار، فصل الأوقات التي تكره فيها الصلوٰة: ۱/ ۵۶، دار الخير)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرک من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرک الصبح ومن أدرک ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر. (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرک من الفجر ركعة (ح: ۵۷۹)/ سنن الترمذي، باب ماجاء فيمن أدرک ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس (ح: ۱۸۶) اس حدیث میں ہے کہ غروب سے پہلے ایک رکعت پالے، تو عصر پالی۔ انیس

(۲) عن أبي هريرة. رضي الله عنه. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " خروج الإمام يوم الجمعة للصلاة يعني يقطع الصلاة وكلامه يقطع الكلام". (سنن البيهقي، باب الصلاة يوم الجمعة نصف النهار وقبله وبعده حتى يخرج الإمام (ح: ۵۶۸۷)

یعنی امام کا نکلنا کلام اور نماز دونوں کو منقطع کر دیتا ہے، اس لئے اس وقت نماز بھی نہ پڑھے۔ تاہم اگر پڑھ لیا، تو جائز ہے۔

عن عمرو سمع جابرًا قال دخل رجل يوم الجمعة والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب فقال: أصليتَ؟ قال: لا، قال: " قم فصلِّ ركعتين". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من جاء والإمام يخطب صلى ركعتين خفيفتين (ح: ۹۳۱)

مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح ہے:

سمعت جابر بن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب فقال: إذا جاء أحدكم يوم الجمعة وقد خرج الإمام فليصل ركعتين. (صحيح لمسلم، فصل من دخل المسجد والإمام يخطب فليصل ركعتين (ح: ۸۷۵-۲۰۲۲)/ سنن أبي داؤد، باب إذا دخل والإمام يخطب (ح: ۱۱۱۷) انيس)

وقت جیسے گرینج میں ٹائم (جو بین الاقوامی وقت ہے، یہی ہے) کہتے ہیں، بھارت میں ساڑھے پانچ گھنٹہ سردی (میں) اور گرمی (میں) ساڑھے چار گھنٹہ کا فرق رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں زوال ایک بج کر ۱۵ر منٹ پر، یا اٹھارہ منٹ پر ہوتا ہے، پہلی اذان ہر حالت میں ایک بج کر تیس منٹ پر ہوتی ہے، جماعت یا تو ایک بج کر ۳۵ر منٹ پر ہوتی ہے، لیکن اصل حضرات تقریباً دوسو یا تین سو ہو جاتے ہیں، جو اکثر و بیشتر زوال کے وقت نوافل یا قضائے فائتہ پڑھتے ہیں، تو کیا استوا کے وقت نوافل یا قضائے فائتہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حالاں کہ یہ وقت مکروہ ہے۔

لیکن اس وقت میرے سامنے دو فتاویٰ ہیں، دونوں کو تحریر کرتا ہوں، پہلے ''فتاویٰ دار العلوم، جلد پنجم''، مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، ص:۱۱۲، سوال نمبر:۲۲۵۹۔

الجواب:

''صحیح یہ ہے کہ زوال کے وقت کوئی نماز درست نہیں ہے، إلی آخرہ.'' **وکرہ تحریماً، الخ.** '' (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصلوٰۃ، فصل ثانی اوقات مکروہہ:۶۸/۲، امدادیہ، ملتان) ملاحظہ ہو!

اب یہاں پر فتاویٰ اشرفیہ موجود ہے، جو گجراتی زبان میں ہے، جس کا ترجمہ ہے، سوال و جواب تحریر کرتا ہوں:

کتاب الصلوٰۃ، أوقات الصلوٰۃ، ص: ۴۲.

''**سوال:** جن اوقات میں نماز مکروہ ہے، ان میں قضا نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، ان میں قضا نماز بلا حرج پڑھ سکتے ہیں، جس قدر ممکن ہو، قضا نماز جلد از جلد پڑھ لے''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (باب الجمعہ، ص:۵۷، سوال نمبر:۲۶۴)

''جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے، زوال کے وقت نہیں پڑھنا چاہئے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت تحیۃ الوضو پڑھنا جائز ہے،۔۔۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ منع کرتے ہیں، لیکن فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ جمعہ کے علاوہ دیگر دنوں میں زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے''۔

دونوں مسئلوں میں حوالہ جات کا اندراج نہیں ہے، فتویٰ دار العلوم اور قرآن میں تطبیق کی کیا شکل ہے، یہاں پر بعض حضرات منع بھی کرتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں۔ لہٰذا یہ چند سطریں تحریر ہیں، امید ہے کہ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

دونوں قول کتب فقہ رد المحتار وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک کو امداد الفتاویٰ میں لیا گیا ہے، دوسرے کو فتاویٰ دار العلوم میں لیا گیا ہے۔ امداد الفتاویٰ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اوسع ہے اور فتاویٰ دار العلوم کا

قول احوط ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے۔جواب صحیح ہے۔

اورمزید تفصیل وتطبیق یہ ہے کہ طلوع آفتاب،غروب آفتاب اورزوال شمس یہ تین وقت کراہت کے ایسے ہیں کہ ان وقتوں میں نفل یا غیر نفل کوئی نماز پڑھنی درست نہیں، بجز اس کے کہ عصر کی نماز باقی رہ گئی ہو،اورنماز پڑھتے پڑھتے آفتاب ڈوب جائے،اوردوسرے یہ کہ جمعہ کے دن زوال شمس کے وقت امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں،(۱) اورکراہت کے تین وقتوں کے علاوہ،عصر کی نمازفرض پڑھ لینے کے بعد،غروبِ آفتاب سے پہلے،اورفجر کی نماز پڑھنے کے بعد،سورج نکلنے سے پہلے، یہ دووقت ایسے ہیں کہ ان میں صرف قضا تو پڑھ سکتے ہیں،مگر نفل وواجب وغیرہ نہیں پڑھ سکتے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۶۷/۵-۳۶۹)

کیا دونمازوں کے درمیان مکروہ وقت بھی ہے:

سوال: دونمازوں کے وقت کے مابین کچھ وقت مکروہ ہوتا ہے یانہیں؟ اگرنہیں ہوتا ہے،تو کچھ احتیاط ضروری ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ حامدا و مصلیا و مسلما

شریعت نے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات متعین کردیئے،اوران کی ابتدا وانتہا کو بیان کردیا،(۳) البتہ چوبیس گھنٹہ

(۱) (لاتجوزالصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامها فی الظهیرۃ ولا عند غروبها)؛لحدیث عقبۃ بن عامر رضی اللّٰہ عنہ.قال:" ثلٰثۃ أوقات نهانا رسول اللّٰہ علیہ السلام أن نصلی وأن نقبرفیها موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوالها حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب".

والمراد بقولہٖ وأن نقبرصلوٰۃ الجنازۃ؛لأن الدفن غیرمکروہ والحدیث بإطلاقہ حجۃ ... علٰی أبی یوسف فی إباحۃ النفل یوم الجمعۃ وقت الزوال.قال:(ولاصلوٰۃ جنازۃ)؛لما روینا(ولا سجدۃ تلاوۃ)؛لأنها فی معنی الصلوٰۃ(إلا عصریومہ عند الغروب).(الهدایۃ،فصل فی الأوقات التی تکرہ فیها الصلوٰۃ: ۶۸/۱.انیس)

(۲) (یکرہ أن یتنفل بعد الفجرحتی تطلع الشمس وبعد العصرحتی تغرب؛لما روی أنہ علیہ السلام نهی عن ذلک.(ولابأس بأن یصلی فی هذین الوقتین الفوائت ویسجد للتلاوۃ ویصلی علی الجنازۃ).(الهدایۃ، فصل فی الأوقات التی تکرہ فیها الصلوٰۃ: ۶۸/۱-۷۰.انیس)

(۳) فی الدر:(وقت)صلاۃ (الفجر)الخ (من)...(طلوع الفجرالثانی)...(إلٰی)...(طلوع ذکاء)...(ووقت الظهر من زوالہ)...(إلٰی بلوغ الظل مثلیہ)...(سوی فیء)...(الزوال)...(ووقت العصرمنہ إلٰی)قبیل(الغروب)...(و)وقت(المغرب منہ إلٰی) غروب(الشفق وهوالحمرۃ)...(و)وقت(العشاء والوترمنہ إلی الصبح).(الدرالمختارمتن الرد،کتاب الصلاۃ،مطلب فی تعبدہ علیہ الصلاۃ والسلام: ۳۳۸/۱،نعمانیہ،دیوبند)

میں تین وقتوں کو مکروہ قرار دیا ہے، (۱) ان کے علاوہ دو وقتوں کے مابین کوئی وقت مکروہ نہیں ہے۔ (۲)
نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات مستحبہ کی تصریح فرمائی ہے، لیکن ان اوقات مکروہہ کے علاوہ کسی وقت کو

---

(۱) (وکره) تحريمًا... (صلاة) ... (ولو)قضاءً أوواجبةً أونفلا أو(علىٰ جنازة وسجدة تلاوة وسهو)...(مع شروق)...(واستواء)... (وغروب،إلا عصريومه).(الدرالمختارمتن الرد،كتاب الصلاة،مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳٤٨/١،نعمانية،ديوبند)

(۲) نیچے لکھے اوقات میں نفل نماز پڑھنا مکروہ (تحریمی) ہے، لیکن فرض نماز ادا ہو یا قضا، جنازہ کی نماز، تلاوت کا سجدہ جائز ہے، یہ سب مکروہ نہیں ہیں۔

۱۔ فجر کا وقت ہونے کے بعد سے فجر کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے تک، اس وقت صرف دو رکعت فجر کی سنت پڑھنا جائز ہے، رات کے آخری حصہ میں نفل (تہجد وغیرہ) نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھنے پر فجر کا وقت ہوگیا تو اس نماز کو پورا کر لینا افضل ہے۔ (عالمگیری)

ان کے علاوہ کوئی اور نفل، سنت، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو نہ پڑھے، کیونکہ مکروہ ہے۔

۲۔ فجر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے تک، اگر کوئی فجر کی سنت توڑ دے اور فرض نماز کے بعد اس کو پڑھنا چاہے، تو یہ نماز بھی نہ ہوگی۔ (عالمگیری: ۱/۵۳)

۳۔ عصر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد سے غروب ہونے کے لئے سورج بدلنے سے پہلے تک۔ (عالمگیری: وشامی ۱/۳۷۵)

اگر کسی نے مستحب وقت میں نفل نماز شروع کی، پھر اس کو توڑ دیا اور عصر کی فرض پڑھنے کے بعد آفتاب ڈوبنے سے پہلے اس کو پڑھے، تو یہ نماز بھی نہ ہوگی (عالمگیری) پھر سے پڑھنا پڑے گا۔

۴۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد سے مغرب کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے تک، اگر مغرب کی فرض کو اس قدر مؤخر کیا کہ ستارے جگمگانے لگے، تو مکروہ تحریمی ہے، ورنہ مکروہِ تنزیہی ہے۔ (شامی: ۱/۲۵۲)

۵۔ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز تکبیر (اقامت) کہنے کے وقت، (عالمگیری)

۶۔ کسی بھی خطبہ کے وقت مثلاً جمعہ، عیدین، سورج گرہن، استسقا، حج و نکاح کے خطبہ کے وقت۔ (شامی: ۱/۲۵۲)

۷۔ جمعہ کے خطبہ کیلئے امام کا حجرہ سے نکلتے وقت سے جمعہ کی نماز پوری کرنے تک۔ (درمختار مع شامی: ۱/۲۵۲)

۸۔ اگر کوئی چار رکعت سنتِ جمعہ شروع کر دے اور امام خطبہ کے لئے نکلے، تو نماز پوری کر لے۔ (عالمگیری: ۱/۵۳)

۹۔ فجر کے علاوہ جب کسی دوسری نماز کے لئے اقامت کہی جائے، گر چہ اس جماعت کے چھوٹنے کا خطرہ نہ ہو۔ (عالمگیری: ۱/۵۳)

۱۰۔ جب فجر کی جماعت تشہد میں بھی ملنے کی امید نہ ہو، تو فجر کی سنت نہ پڑھے۔ (درمختار مع شامی: ۱/۲۵۳)

۱۱۔ دونوں عیدوں کی نماز سے پہلے گھر، باہر، مسجد و عیدگاہ ہر جگہ اور عیدین کی نماز پڑھ لینے کے بعد صرف عیدگاہ میں مکروہ ہے، مگر گھر میں نہیں۔ (عالمگیری: ۱/۵۳)

۱۲۔ جس فرض نماز کا وقت اتنا تنگ ہو جائے کہ صرف فرض پڑھ سکتا ہے اور اسے پڑھا نہیں ہے، تو صرف اس فرض کو پڑھے دوسری کوئی نماز نہ پڑھے۔ (عالمگیری وشامی)

۱۳۔ عرفہ اور مزدلفہ میں ایک ساتھ پڑھی جانے والی دو نمازوں کے درمیان۔ (عالمگیری و درمختار: ۱/۳۷۸)

۱۴۔ پیشاب و پاخانہ کے شدید تقاضہ کے وقت یا ہوا نکلنے کے شدید تقاضہ کے وقت۔ (درمختار: ۱/۳۷۸)

۱۵۔ کھانا حاضر ہو اور جی کھانے کو چاہے (عالمگیری: ۱/۵۳)

==

مکروہ نہیں بتایا، حاصل یہ نکلا کہ جب ایک وقت کے نکلنے اور دوسرے وقت کے آنے کا علم یقینی طور پر ہو جائے، تو کچھ بھی احتیاط ضروری نہیں، ہاں اوقات مستحبہ کی رعایت مستحب ہے۔(۱) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ، الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲۶۲/۲)

کیا مکروہ اوقات میں نماز ادا کرنے والے کی نماز قابل قبول ہوتی ہے:

سوال: مکروہ اوقات (طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار) میں اکثر ناسمجھ حضرات نماز پڑھنا شروع کردیتے ہیں، ان کی نماز قابل قبول ہوسکتی ہے؟

الجواب

شریعت کے حکم کے خلاف جو کام کیا جائے، اس کو قابل قبول کیسے کہہ سکتے ہیں؟(۲) واللہ اعلم ☆

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۰۳/۳)

== ۱۶۔ ایسے وقت جب کہ دل نماز کے بجائے دوسری طرف مشغول رہے اور خشوع وخضوع پیدا نہ ہونے پائے، مشغول کرنے والی چیز چاہے جو بھی ہو۔ (ماخوذ از عالمگیری: ۵۳/۱)

۱۷۔ عشا کی فرض نماز نصف رات کے بعد مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی: ۲۴۶/۱) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۱۸۱-۱۸۳، انیس)

(۱) (والمستحب)...(الابتداء) في الفجر (بإسفار و الختم به)...(وتأخير ظهر الصيف)...(مطلقًا)...(وجمعة كظهر أصلاً واستحباباً)...(و) تأخير (عصر) صيفًا وشتاءً ...(مالم يتغير ذكاء)...(و) تأخير (عشاء إلىٰ ثلث الليل). (الدر المختار متن الرد، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ٢٤٦/١، نعمانية، ديوبند)

(۲) سمعت عقبة بن عامر الجهني يقول: " ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا : حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب". (الصحيح لمسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة (ح: ٨٣١) انيس)

" ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة التلاوة إذا طلعت الشمس حتى ترتفع، وعند الانتصاف إلىٰ أن تزول وعند احمرارها إلىٰ أن تغيب. (الفتاوىٰ الهندية: ٥٢/١، كتاب الصلاة، الباب الأول، الفصل الثالث) / كذا مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، الأوقات المنهي عن الصلاة فيها: ٧٢/١. انيس)

☆ **بے وقت نفل پڑھنے کا کفارہ استغفار ہے:**

سوال: میں نے ابھی نماز شروع کی ہے، تقریباً ایک سال ہوگیا ہے، آپ کی دعا سے پابندی سے نماز ادا کرتا ہوں، مجھے ان مکروہ اوقات کا علم نہیں تھا، میں نے بے علمی کے سبب غلطی سے عصر کے بعد نفل ادا کرلی، جو کہ نفل کے لیے منع ہے، اب میں نے کتابوں کا مطالعہ کیا اور آپ کے کالم کا بھی مطالعہ کرتا ہوں، بے علمی کے سبب اگر ایسا عمل ہوجائے، تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ میری راہ نمائی فرمائیں۔

الجواب

اس کا کفارہ سوائے استغفار کے کچھ نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد سوم ص: ۲۱۵)

وقتِ مکروہ میں سجدۂ دعا اور سجدۂ شکر:

سوال: بعد نماز عصر و بعد نماز فجر سجدۂ دعا یا سجدۂ شکر کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ (صلاح الدین، شملہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

جائز ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۹/۵)

مکروہ اوقات کا اعلان:

سوال: ہمارے اطراف میں بستیوں اور دیوبند وغیرہ (میں) بعد فجر جب آفتاب طلوع ہونا شروع ہوتا ہے، تو مائیک پر اعلان کر دیتے ہیں کہ مکروہ وقت شروع ہو گیا، قضا نماز ۱۵، ۲۰، منٹ بعد پڑھنا، ایسا اعلان کرنا کیسا ہے؟

ھــــو المـصـــوبــــــــــــــــــــ

امر مذکور کے بارے میں اعلان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اوقات مکروہ سے متنبہ کرنا باعث ثواب ہے، (۲) اگر مسلمانوں کے مابین اس سے انتشار کا اندیشہ ہو، تو اعلان نہ کیا جائے۔

تحریر: محمد مستقیم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۸۹/۱-۳۹۰)

طلوع و غروب اور زوال کی اطلاع کے لیے گھنٹہ بجانے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جس پر یہاں انتظار ہے، بازار قصبہ شہر کوٹ، ضلع بجنور میں علی مسجد کی چھت تک اس کی تعمیر آچکی ہے، اس کے مینار میں اندر زینہ بھی بن رہا ہے، عموماً اذان وہاں ہی پڑھی جاتی

---

(۱) "وفی النهر: أن سجدة الشكر لنعمة سابقة ينبغي أن تصح أخذًا من قولهم لأنها وجبت كاملةً و هذه لم تجب، آه. فتحصل من كلام النهر مع كلام القنية أنها تصح مع الكراهة: أی لأنها فی حكم النافلة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۱/۱، سعيد)

"وفی المحيط: ولهذا لو أطلق المصنف السجدة واستثنٰى سجدة الشكر لكان أحسن". (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة: ۷۳/۱، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

(۲) دور نبوی میں تہجد کے لیے جگانے کا معمول تھا۔ روایت میں ہے:

عن عائشة. رضی الله عنها. عن النبی صلی اللہ عليه وسلم أنه قال: إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم. (الصحيح للبخاری، باب الأذان قبل الفجر (ح: ۶۲۲) / سنن الترمذی، باب ماجاء فی الأذان بالليل (ح: ۲۰۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی امر مباح کا اعلان کرنا درست ہے۔ انیس

ہے، ایک آہنی سلاخ درمیان میں کھڑی کر کے ایک مضبوط اور بڑا گول گھنٹہ جو مختلف دھاتوں کا ہے، ٹانگ دیا گیا ہے، مسجد کے مؤذن کے ذمہ یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ وقت کا اعلان کرنے کے لئے اس کو بجایا کرے، یعنی جب ایک بجے ایک (بار) بجائے اور جب بارہ ہوں تو بارہ (بار) بجائے، سارے شہر میں آواز پھیل جاتی ہے، بعض لوگ اس طرف اس طرح متوجہ ہوگئے کہ اذان واقامت محض ایک رسم بن گئی ہے، اصل اطلاع جو ہے، وہ تو اس گھنٹہ سے ہی ہے، جیسا کہ آج کل صلوٰۃ عصر چار بجے ہورہی ہے، چنانچہ چار بجتے ہی مؤذن ادھر کو بھاگ پڑا اور تمام جماعت ادھر متوجہ ہوگئی ہے ، اور گھنٹہ کا شور ہونے لگا، ایسے ہی ظہر عشا وغیرہ میں وہ کیفیت جو اذان اقامت صلوۃ کو مرتب ہونا چاہیے، نہیں ہو پائی ہیں۔ بلکہ اثر برعکس رہتا ہے، عندالشرع یہ گھنٹہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

طلوع اور غروب اور نصف النہار یا صبح صادق وغیرہ کی اطلاع دہی کے لیے گھنٹہ بجانے کی گنجائش تو نکل سکتی ہے، لیکن جماعت سے نماز پنجگانہ کی اطلاع گھنٹہ کے ذریعہ سے کرنا درست نہیں ہے، شریعت مطہرہ نے اس کے لیے اذان وضع فرمائی ہے، اور اس کو شعار کی حیثیت بخشی ہے، (۱) پس گھنٹہ اس طرح نہ بجانا چاہیے کہ خلط موضوع ہو، علاوہ ازیں اگر وہ اسی انداز پر ہوں، جیسے ہمارے اطراف میں بھی رواج ہے کہ عین مسجد کی حد میں ہوتے ہیں، تو ان پر گھنٹہ نہیں بجانا چاہیے، جائز نہ ہوگا۔ یہ ایک مستقل وجہ عدم جواز کی ہوگی، وہاں سے گھنٹہ ہٹا کر مسجد کے حد سے باہر کسی دوسری جگہ خواہ مسجد سے قریب ہی ہو، مگر عین مسجد کے اندر نہ ہو، کسی اونچی اور مناسب جگہ انتظام کر لینا ضروری ہے اور بجانے میں اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اذان سے خلط نہ ہو اور نہ بجائے اذان سمجھا اور قرار دیا جائے اذان کی اہمیت برقرار و محفوظ رہنا اور رکھنا ضروری ہے، ورنہ حسب حیثیت وقدرت ہر شخص اس تغیر وضع شرعی کے وبال میں مبتلا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۷/۹/۳ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ ۱۳۸۷/۹/۳ھ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۲۳۔۲۴)

---

(۱) عن ابن عمر كان يقول: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوٰة ليس ينادى بها أحد فتكلموا يومًا فى ذلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسًا مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: بل قرنا مثل قرن اليهود، فقال عمر: أولا تبعثون رجلاً ينادى بالصلوٰة ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”يا بلال! قم فنادِ بالصلوٰة. (الصحيح للبخارى، باب بدأ الاذان (ح: ٦٠٤)/ الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب بدأ الاذان (ح: ٨٣٧)، انيس)

صبح صادق کے بعد سوائے سنت فجر، کسی نفل کی اجازت نہیں:

سوال: صبح صادق کے بعد، نوافل یا تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

طلوع صبح صادق کے بعد، کوئی نفل نماز سوائے دو سنت صبح کے، جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس وقت میں تحیۃ المسجد کی نفلیں بھی جائز نہیں ہیں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶۹/۲) ☆

(۱) عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: " لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتین". (سنن الترمذی، باب ماجاء لاصلاة بعد طلوع الفجر إلا رکعتین (ح: ٤١٩)/مسلم، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، الخ (ح: ١٦٧٨) انیس)

(وکذا) الحکم من کراهة نفل وواجب لغیره لافرض وواجب لعینه (بعد طلوع فجر سوی سنته) لشغل الوقت به تقدیرًا. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، قبل مطلب فی تکرار الجماعة: ٣٤٩/١، ظفیر)/نور الإیضاح ونجاة الأرواح، فصل فی الأوقات المکروهة: ٤٦/١)

☆ فجر کے وقت سوائے سنت اور قضا کے کوئی نفل نہیں پڑھ سکتا:

سوال: مجھے معلوم ہے کہ فجر کے وقت نماز مقررہ کے علاوہ صرف قضا نماز جس میں فرض و واجب یعنی وتر داخل ہے، پڑھی جاسکتی ہے، اس کا مزید اطمینان چاہتا ہوں، کیونکہ بعض جہلا نفل بھی پڑھ لیتے ہیں، اور فرض کے بعد سنت بھی، جو بوجہ جماعت کے نہیں پڑھ سکتے تھے، پڑھ لیا کرتے ہیں۔

الجواب

صبح صادق کے بعد، کوئی نفل سوائے سنت فجر کے یا قضا کے، درست نہیں ہے، اور بعد نمازِ فجر کے سنت صبح بھی جائز نہیں اور نہ اور کوئی نفل سوائے قضا کے پڑھنا اس وقت درست ہے۔ درمختار میں ہے:

(وکره نفل) الخ، ولو سنة الفجر (بعد صلوٰة فجر و) صلوٰة (عصر) الخ، و (لا) یکره (قضاء فائتة و) لو وترًا، الخ. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، قبل مطلب فی تکرار الجماعة: ٣٤٧/١، ظفیر)

اور اس کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے۔

قال فی الشامی: والکراهة هنا تحریمیة أیضًا، کما صرح به فی الحلیة ولذا قال فی الخانیة والخلاصة بعدم الجواز والمراد عدم الحل لاعدم الصحة کما لایخفٰی. (رد المحتار، کتاب الصلوٰة، تحت قول الدر: وکره نفل: ٣٤٨/١، ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۷۰/۲)

فجر کی سنت سے پہلے نفل درست ہے یا نہیں:

سوال: فجر کی سنتوں سے پہلے دو نفل پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

صبح صادق ہونے کے بعد فرضوں سے پہلے سوائے دو سنت فجر کے اور نوافل پڑھنا درست نہیں ہے۔ ==

صبح صادق سے طلوع آفتاب تک نفل نماز ممنوع ہے:

سوال: نماز فجر کی دو رکعت سنت ادا کرنے کے بعد اگر جماعت میں کچھ یا زیادہ وقت باقی ہو، تو کچھ لوگ مسجد میں نوافل وغیرہ جن کی تعداد مقرر نہیں، صرف وقت پورا ہونے تک ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو کیا یہ امر صحیح ہے کہ فجر نماز کی سنت وفرض کے درمیان دیگر نفل نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

الجواب

صبح صادق کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ اور نفل پڑھنا ممنوع ہے، قضا نماز پڑھ سکتے ہیں، (۱) مگر وہ بھی لوگوں کے سامنے نہ پڑھیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۰۱)

صبح صادق کے بعد تہجد کی نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: میں تہجد پڑھا کرتا ہوں، کسی روز مقررہ وقت پر نیند نہیں ٹوٹتی، صبح صادق ہو جاتی ہے، اس وقت تہجد پڑھ سکتا ہوں، یا نہیں؟

== ((وكذا) الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لافرض وواجب لعينه(بعد طلوع فجر سوى سنته)لشغل الوقت به تقديرًا. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة، قبل مطلب فى تكرار الجماعة: ۱/۳٤۸)

لماروىٰ مسلم عن حفصة رضى الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلى إلا ركعتين خفيفتين. (غنية المستملى: ۱/۲۳۷، ظفير)(الصحيح لمسلم باب استحباب ركعتى سنة الفجر والحث عليهما، الخ (ح: ۷۲۳) انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۷۱)

(۱) (بعدطلوع الفجر بأكثر من سنة الفجر) أى يكره أن يتطوع بعد ماطلع الفجر قبل الفرض بأكثر من سنة الفجر لقوله عليه الصلاة والسلام: ليبلغ شاهدكم غائبكم ألا لاصلاة بعد الصبح إلا ركعتين، رواه أحمد وأبوداؤد، وقال عليه الصلاة والسلام: إذا طلع الفجر لاصلاة إلا ركعتين، رواه الطبرانى، وقالت حفصة رضى الله عنها: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلى إلا ركعتين خفيفتين، رواه مسلم، وعن ابن عمر رضى الله عنهما أنه عليه الصلاة والسلام قال: إذا طلع الفجر فلاتصلوا إلا ركعتى الفجر، رواه الطبرانى بصيغة النهى. ولو شرع فى النفل قبل طلوع الفجر فالأصح أنه لايقوم عن سنة الفجر ولايقطعه لأن الشروع فيه كان لاعن قصد ولو صلى القضاء فى هذا الوقت جاز، لأن النهى عن التنفل فيه لحق ركعتى الفجر حتى يكون كالمشغول بها، لأن الوقت متعين لها حتى لو نوى تطوعاً كان عن سنة الفجر من غير تعيين منه فلا يظهر فى حق الفرض لأنه فوقها. (تبيين الحقائق، الأوقات التى يكره فيها الصلاة: ۱/۸۷) انيس)

(۲) ويكره أن ينتفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتى الفجر لأن النبى صلى الله عليه وسلم لم يزد عليهما ... فقد منع عن تطوع آخر يبقى جميع الوقت كالمشغول بهما لكن صلوٰة فرض آخر فوق ركعتى الفجر فجاز أن يصرف الوقت إليه... الخ. (الجوهر النيرة: ۱/۸٤، كتاب الصلاة، باب الأوقات التى تكره فيها الصلاة، طبع حقانيه)

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

صبح صادق کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے، اس میں تہجد بھی داخل ہے، اس لئے صبح صادق کے بعد نہیں پڑھنی چاہئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۱۵/۲/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۳۹/۲) ☆

(۱) تہجد بھی نوافل میں داخل ہے۔عن عائشة رضی اللّٰه عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن یصلی الصلوٰة إلا أتبعها رکعتین غیر العصر والغداة فإنه کان یجعل الرکعتین قبلهما".(شرح معانی الآثار،باب الرکعتین بعدالعصر (ح:۱۸۱۶) انیس)

(وکذا)الحکم من کراهة نفل وواجب لغیره لا فرض وواجب لعینه(بعد طلوع فجر سوی سنته).(الدرالمختار، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت:۳۷/۲)

☆ **صبح صادق کے بعد اور فرض سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم:**

سوال: صبح صادق کے بعد اور فجر کے فرض کے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ نفل پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

صبح صادق کے بعد اس رات کی نماز عشا کی قضا کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں ہے، وہ وقت صرف فجر کی سنت اور فرض کا ہے۔(طلوع صبح صادق کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے سنت فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ فرض یا واجب لعینہ کی قضا نماز پڑھنا خواہ اسی رات کی نمازِ عشا کی ہو یا دوسری رات کی نماز عشا کی۔اسی طرح نماز جنازہ پڑھنا یا سجدۂ تلاوت کرنا بلا کراہت جائز و درست ہے۔[مجاهد]"(وکره نفل) ... (بعد صلاة فجر و)صلاة(عصر) ... (لا)یکره(قضاء فائتة و)لو وترًا أو(سجدة تلاوة وصلاة جنازة وکذا)الحکم کراهة نفل وواجب لغیره لا فرض وواجب لعینه(بعد طلوع فجر سوی سنته)لشغل الوقت به تقدیرًا".

(الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت:۳۶/۲، ۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۲/۱۲/۱۳۷۶ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۳۸/۲)

صبح صادق کے بعد وتر اور نوافل پڑھنا:

سوال: بعض لوگ وتر کی نماز تہجد کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ بتائیں کہ فجر کی اذان ہونے والی ہو، یا اذان ہو رہی ہو، تو اس وقت نماز تہجد اور وتر پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ جب کہ فجر کی نماز اذان کے آدھ گھنٹے یا چالیس منٹ کے بعد ہوتی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

وتر کی نماز تہجد کے وقت پڑھنا درست ہے، بلکہ جس شخص کو تہجد کے وقت اٹھنے کا پورا بھروسہ ہو، اس کے لیے تہجد کے وقت وتر پڑھنا افضل ہے۔(ویستحب فی الوتر لمن یألف صلاة اللیل أن یؤخرها إلی آخر اللیل لقوله علیه السلام:" من طمع أن یقوم آخر اللیل فلیوتر آخره فإن صلاة اللیل محضورة".(الجوهرة النیرة:۵۰/۱، کتاب الصلاة،طبع حقانیه،ملتان)

عن جابر.رضی اللّٰه عنه.قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" من خاف أن لایقوم من آخر اللیل فلیوتر أوله ومن طمع أن یقوم آخره فلیوتر آخر اللیل فإن صلوة آخر اللیل مشهودة وذلک أفضل.(الصحیح لمسلم،قبیل باب الترغیب فی قیام رمضان (ح:۷۵۵)انیس)

==

عشا کی نماز رہ جائے، تو فجر کی اذان کے بعد پڑھ لیں:

سوال: پہلے کبھی عشا قضا ہو جاتی، تو میں فجر کی اذان کے بعد پہلے عشا کی قضا پڑھتی، پھر فجر کی نماز ادا کرتی، اس کی صحیح تعداد یاد نہیں، اب جب کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ فجر کی اذان کے بعد عشا کی قضا پہلے نہیں پڑھنی چاہیے، پہلے فجر کی نماز ادا کرنی چاہیے، لاعلمی میں پہلے جو نمازیں عشا کی قضا، فجر کی نماز سے پہلے ادا کی ہے، اس کا کیا کروں؟

الجواب

خدانخواستہ عشا کی نماز نہ پڑھی، تو فجر کی اذان کے بعد پہلے عشا پڑھنی چاہیے، اس کے بعد فجر، آپ کا پہلا عمل صحیح تھا۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۰۱/۳)

== وتر کی نماز صبح صادق سے پہلے پڑھ لینا ضروری ہے، صبح ہونے کے بعد وتر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، اور اگر کبھی صبح صادق سے پہلے نہ پڑھ سکے تو وتر کی نماز صبح صادق کے بعد اور نماز فجر سے پہلے پڑھ لینا ضروری ہے، لیکن صبح صادق کے بعد تہجد پڑھنا یا کوئی اور نفل نماز پڑھنا جائز نہیں۔(عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "لا صلٰوة بعد الفجر إلا سجدتین". (سنن الترمذی، باب ماجاء لاصلٰوة بعد طلوع الفجر إلا رکعتین (ح: ٤١٩)/الصحیح لمسلم، باب استحباب رکعتی سنة الفجر الخ (ح: ٧٢٣)/سنن أبی داؤد، باب من رخص فیهما إذا کانت الشمس مرتفعة (ح: ١٢٧٨) انیس)

ویکره أن ینتفل بعد طلوع الفجر بأکثر من رکعتی الفجر لأن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لم یزد علیهما... فقد منع عن تطوع آخر یبقی جمیع الوقت کالمشغول بهما لکن صلٰوة فرض آخر فوق رکعتی الفجر فجاز أن یصرف الوقت إلیه... الخ. (الجوهر النیرة: ٨٤/١، کتاب الصلاة، باب الأوقات التی تکره فیها الصلاة، طبع حقانیة) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۰۱/۳)

(۱) الترتیب بین الفائتة والوقتیة وبین الفوائت مستحق، کذا فی الکافی. (عالمگیری: ١٢١/١، کتاب الصلاة)

"ویقضی الفائتة إذا ذکرها کما فاتت سفرًا أوحضرًا ویقدمها علی الوقتیة إلا أن یخاف فوتها". (الاختیار لتعلیل المختار، باب قضاء الفوائت، کتاب الصلٰوة: ٨٩/١)

عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "من نسی صلٰوة فلیصل إذا ذکر، لا کفارة لها، إلا ذلک" ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ﴾ (سورة طه: ٢٠، الآیة: ١٤) (الصحیح للبخاری، باب من نسی صلٰوة فلیصل إذا ذکر (ح: ٥٩٧)/سنن أبی داؤد، باب فی من نام عن صلٰوة أونسیها (ح: ٤٣٥) انیس)

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "من نسی صلٰوة فلم یذکرها إلا و هو مع الإمام فلیصل مع الإمام فإذا فرغ من صلٰوته فلیعد الصلٰوة التی نسی ثم لیعد الصلٰوة التی صلی مع الإمام. (سنن البیهقی، باب من ذکر صلٰوة وهو فی أخریٰ (ح: ٣١٩٣)/سنن الدارقطنی، باب الرجل یذکر صلٰوة وهو فی أخریٰ (ح: ١٥٤٤) انیس) ==

طلوع فجر کے بعد سنت کے علاوہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: کیا صبح کی نماز سے پہلے نوافل نہیں پڑھے جاسکتے؟

(المستفتی نمبر:۱۶۲۳، ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ/۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

ہاں طلوع صبح صادق کے بعد سوائے سنت فجر کے اور کوئی نفل نماز نہیں۔(۱) (کفایت المفتی:۶۵/۳)

صبح صادق کے بعد دو رکعت نفل:

سوال: صبح کی اذان کے بعد سنت سے قبل تحیۃ الوضوادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہجد سے قبل تحیۃ الوضو پڑھنا کتابوں سے ثابت ہے، کہ وتر پڑھ کر راحت فرمایا کرتے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سونا ناقض وضو نہیں تھا، اس لئے اسی وضو سے ادا فرماتے تھے، اسی طرح صبح کی اذان کے بعد اگر کوئی بعد الوضو تحیۃ الوضوادا کرے، تو جائز ہوگا یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد نفل یا دیگر سنت یا قضا ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدا و مصلیاً

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضو کی اجازت نہیں، سنت فجر سے تحیۃ الوضو کا بھی اجر مل جائے گا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۸۳/۵)

== عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: جعل عمر رضی اللّٰہ عنہ یوم الخندق یسب کفارھم وقال یا رسول اللّٰہ! ما کدت أصلی العصر حتی غربت الشمس، قال: فنزلنا بطحان فصلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد ما غربت الشمس ثم صلی المغرب. (الصحیح للبخاری، باب قضاء الصلوات الأولیٰ فالأولیٰ (ح:۵۹۸)/سنن الترمذی، باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بأیتهن یبدأ (ح:۱۷۹-۱۸۰)

عن عامر وعن مغیرة عن إبراهیم قالا: إذا كنت فی صلوٰة العصر فذكرت أنک لم تصل الظهر فانصرف فصل الظهر ثم صل العصر. (المصنف لابن أبی شیبة، باب: ۲۸۷، الرجل یذكر صلوٰة علیه وهو فی أخری (ح:٤٧٥٧) انیس)

(۱) (وكره نفل) ... (و) لو سنة الفجر (بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر) و (لا) يكره (قضاء فائتة و) لو وترًا، الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، قبل مطلب فی تكرار الجماعة: ٣٧٤/١، ٣٧٥، ط: سعید كمپنی)

(وكذا) الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب لعينه (بعد طلوع فجر سوى سنته) لشغل الوقت به تقديرًا. (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، قبل مطلب فی تكرار الجماعة: ٣٧٥/١، ط: سعید كمپنی)

(۲) (قوله وهی ركعتان): فی القهستانی: ركعتان أو أربع، وهی أفضل لتحية المسجد إلا إذا - ==

فجر کے وقت میں سنتِ فجر، شبہ کی وجہ سے، دہرانے کی ضرورت نہیں اور جائز بھی نہیں:

سوال: تہجد پڑھ کر کچھ تسبیحیں پڑھ کر اکڑو بیٹھا ہوا تھا، کہ کچھ غنودگی طاری ہوئی، تھوڑی سی دیر میں دیکھا، تو سنت پڑھنے کا وقت تھا، اس یقین پر کہ وضو نہیں ٹوٹا، سنت پڑھ کر مسجد گیا، وہاں پر شبہ پیدا ہوا کہ مبادا اکڑو بیٹھنے اور غنودگی سے وضو ٹوٹ گیا ہو، تازہ وضو کرکے پھر سنت دو رکعت از سر نو پڑھی، اور پھر جماعت فرض میں شریک ہوا۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہ؟

الجواب

سنت جو پہلے پڑھی تھی، وہ ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہ تھی، (۱) اور جائز بھی نہ تھی۔ (۲) لیکن بوجہ لاعلمی کے جو کچھ ہوا، اس میں کچھ مواخذہ اور عذاب نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۷)

فجر کی سنتیں قبل طلوع آفتاب ادا کرنا:

سوال: سنت فجر کی، اگر بباعث شامل ہونے فرضوں کے نہ ہوئی، اور قبل طلوع آفتاب کے، کسی نے پڑھ لی، تو وہ قابل ملامت اور مرتکب گناہ ہوتا ہے؟ اور سنت اس کے ذمہ سے ادا ہوجاتی ہے، یا نہیں ہوتی؟ زید کہتا ہے کہ قبل طلوع آفتاب کے سنت پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔ ان سنتوں کا اختلاف کس صورت پر ہے اور مفتی بہ کیا ہے؟ آیا قبل طلوع آفتاب کے پڑھنا چاہئے یا نہ پڑھنا چاہئے اور جس وقت تکبیر تحریمہ ہوگئی اور امام قراءت پڑھنے لگا، اس وقت سنت پڑھے، یا فرضوں میں شامل ہوجائے؟

الجواب

جب تکبیر نماز فرض فجر کی ہوگئی، اور امام نے فرض نماز شروع کردی، تو سنت فجر کی صف کے پاس پڑھنا، تو سب

== - دخل فيه بعد الفجر أو العصر، فإنه يسبح ويهلل و يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، فإنه حينئذٍ يؤدي حق المسجد، كما إذ دخل للمكتوبة، فإنه غير مأمور بها حينئذٍ، كما في التمرتاشي. آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد: ۱۸/۲، سعيد)

(۱) اس وجہ سے کہ وضو نہیں ٹوٹا تھا۔ "وفي الخانية: النعاس لاينقض الوضوء، وهو قليل نوم. (رد المحتار، نواقض الوضوء، قبيل مطلب نوم الأنبياء غير ناقض: ۱۳۲/۱)

جب وضو باقی تھا، تو جو نماز اس سے پڑھی، درست ہوئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) اس لئے کہ اس وقت میں سوائے سنتِ فجر کے کسی نفل کی اجازت نہیں ہے۔ "(وكذا) الحكم من كراهة نفل، الخ (بعد طلوع فجر سوى سنته). (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلٰوة، قبل مطلب في تكرار الجماعة: ۳۴۹/۱، ظفير)

کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، مگر صف سے دور جہاں پردہ ہو امام و جماعت سے، دوسرے مکان میں، اگر ایک رکعت نماز کی امام کے ساتھ مل سکے، تو سنت پڑھ کر پھر شریک جماعت کا ہو جاوے، ورنہ سنت کو ترک کرکے، جماعت میں شریک ہو جاوے اور پھر سنت کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لیوے، بہتر ہے، ورنہ کچھ حرج نہیں۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، اور قبل طلوع آفتاب، بعد فرض کے، سنت کا پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، (۱) اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک درست ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۷-۲۵۸)

فجر کی سنت کی قضا:

سوال: فجر کی سنت چھوڑنے پر سورج نکلنے سے پہلے پڑھے یا بعد میں، اگر نکلنے کے بعد پڑھے، تو اشراق سے پہلے یا بعد۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ طلوع سورج سے پہلے بھی پڑھنا ثابت ہے، احناف بعد کے قائل ہیں، تو قبل الطلوع و بعد الطلوع دونوں میں کیا فرق ہے؟

هو المصوب

احناف کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد پڑھے۔ (۲) اشراق سے پہلے پڑھے یا بعد میں پڑھے، اختیار ہے۔

اہل حدیث طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا جائز کہتے ہیں، قبل طلوع والی حدیث متعارض ہے، بعد طلوع میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے احتیاط بعد طلوع پڑھنے میں ہے۔ (۳)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۰۴)

---

(۱) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: شهد عندی رجال مرضیون وأرضاهم عندی عمر رضی اللّٰہ عنه: أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن الصلوٰۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب. (الصحیح للبخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ (ح: ۵۸۱) انیس)

(۲) من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس. (جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی إعادتهما بعد طلوع الشمس (ح: ٤٢٣)

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالإجماع؛ لکراهة النفل بعد الصبح، وأما بعد طلوع الشمس فکذلک عندهما، وقال محمد: أحب إلی أن یقضیها إلی الزوال کما فی الدرر. (رد المحتار: ۲/٥١٢)

(۳) قوله: " لأنه یبقی نفلا مطلقا " بناء علی أنه لم یرد الشرع به أوقد ورد ولکنه معارض بالنهی عن الصلاة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس فی الصحیحین فیقدم علیه کما قدمناه آنفاً. (فتح القدیر: ١/٤٩٥)

عن ابن عباس. رضی اللّٰہ عنهما... أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن الصلاة بعد الصبح حتی تشرق الشمس، وبعد العصر حتی تغرب. (الصحیح للبخاری، باب الصلاة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس (ح: ٥٨١) / الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها (ح: ١٩٣٠) انیس)

فجر کی نماز کے بعد سنت کیوں نہیں:

سوال: فجر کی سنت، فرض سے پہلے نہیں پڑھی، تو فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ فجر کا وقت باقی ہے، اگر نہیں تو دلیل کیا ہے؟

(۲) جبکہ ظہر کی سنت، ظہر کی فرض نماز کے بعد پڑھتے ہیں، تو فجر کی سنت نماز فجر کے بعد نہیں پڑھ سکتے ہیں، ایسا کیوں؟ اگر کوئی ان دونوں سنتوں کو فرض نماز کے بعد بھی نہ پڑھے، تو کیا گنہ گار ہوگا؟

هو المصوب

(۱) فجر کی سنت اگر چھوٹ جائے، تو اسے بعد طلوع آفتاب، ادا کرنے کا حکم حدیث نبوی سے ہے، امام طحاویؒ نے اپنی کتاب مشکل الآثار میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے:

عن أبی هريرة. رضی الله عنه. قال: "كان النبی صلی الله عليه وسلم إذا فاتته ركعتا الفجر صلاهما إذا طلعت الشمس". (۱)

ظہر کی نماز سے قبل کی سنت چھوٹ جائے، تو بعد نماز ظہر ادا کرنے کا حکم بھی حدیث نبوی سے ہے۔ ابن ماجہؒ کی روایت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلی الله عليه وسلم إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (۲)

امام ترمذیؒ نے بھی فجر کی سنت کے سلسلہ کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں طلوع شمس کے بعد پڑھنے کا حکم ہے:

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من لم يصل ركعتی الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس". (۳)

(۲) روایت ہے کہ بعد نماز فجر کوئی نماز نہیں ہے؛ تا آنکہ آفتاب طلوع ہو جائے۔ (۴) اس بنیاد پر فرض فجر کی

---

(۱) شرح مشكل الآثار: ۳۲۸/۱۰، ح: ٤١٤٢، قال الطحاوی: فهذا الحديث أحسن إسنادًا أولٰی بالاستعمال مما قد رويناه قبله فی هذا الباب.

وقد روی عن عبد الله بن عمر عن نفسه مثل ذلک. (مصنف ابن أبی شيبة عن الشعبی، كتاب الصلاة، باب فی ركعتی الفجر إذا فاتته: ۲٥٤/۲، ح: ٦٥٠٤)

(۲) سنن ابن ماجة عن عائشة، كتاب إقامة الصلاة والسنة، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، ح: ١١٥٨، قال أبو عبد الله لم يحدث به إلا قيس عن شعبة)

(۳) جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی إعادتهما بعد طلوع الشمس، ح: ٤٢٣، ص: ٩٦۔

(۴) إن رسول الله صلی الله عليه وسلم نهی عن الصلاة بعد الفجر حتی تطلع الشمس. (جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی كراهية الصلاة بعد العصر وبعد الفجر، ح: ١٨٣، ص: ٤٥)

ادائیگی کے بعد، طلوع آفتاب تک کوئی نماز ادا نہیں کی جاتی ہے۔ خواہ وہ سنت فجر ہو، البتہ قضا کی اجازت ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۰۷) ☆

سنت فجر وظہر کی قضا میں فرق کیوں:

سوال: صبح کی دو رکعت سنت اور ظہر کی قبل از فرض سنت مؤکدہ ہیں، پھر کیا سبب ہے کہ صبح کی سنت کی قضا بعد طلوع شمس پڑھے، بہتر ہے، اور اگر نہ پڑھے، تو کچھ مؤاخذہ نہیں، اور ظہر کی سنن قبلیہ اگر قضا ہو جاویں، تو بعد ادائے فرض ضرور ادا کرے، وجہ فرق کیا ہے؟

الجواب

اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر کا وقت باقی ہے اور صبح کا وقت بعد طلوع شمس باقی نہیں رہتا۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۷۲)

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۳، الفصل الثالث فی بيان الأوقات التی لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها.

☆ **سوال مثل بالا:**

سوال: زید فجر کی سنت، فرض سے پہلے، وقت کی قلت کی وجہ سے، نہیں پڑھ سکا، تو اس نے فرض نماز ختم ہوتے ہی سنت پڑھ لی، اس صورت میں سنت پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ کسی امام کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

هو المصوب

فجر کی سنت، اگر چھوٹ گئی ہے، تو اس کی قضا نہیں ہے، ہاں اگر فرض کے ساتھ چھوٹی ہے، تو طلوع شمس کے بعد اس کی بھی قضا کی جائے، البتہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تنہا سنت فجر کی قضا بعد طلوع کی جائیگی۔

”والسنن إذا فاتت عن وقتها لم يقضها إلا ركعتی الفجر إذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس إلیٰ وقت الزوال، ثم يسقط هكذا فی محيط السرخسی.... وإذا فاتتا بدون الفرض لايقضی عندهما خلافًا لمحمد“. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۱۲، من المندوبات صلاة الضحیٰ)

اور حدیث میں بھی فجر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (نهی عن الصلاة بعد الصبح حتی تشرق الشمس، وبعد العصر حتی تغرب. (صحيح البخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ح: ۵۸۱) فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۰۸-۳۰۹)

(۲) (وقت) صلاة (الفجر) الخ (من) أول (طلوع الفجر الثانی) الخ (إلیٰ) قبيل (طلوع ذكاء) الخ (ووقت الظهر من زواله) الخ (إلیٰ بلوغ الظل مثليه). (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب فی تعبده عليه الصلاة والسلام الخ: ۱/۳۳۱، ظفير)

فجر سے متعلق چند متفرق سوالات:

سوال: **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" لا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس ولا صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس".** (۱)

یہ حکم سنن ونوافل کے لئے ہے، یا فوت شدہ نمازوں کے لئے بھی، بعد اداء فجر قضا نمازیں قبل طلوع ۵ رمنٹ اور بعد عصر قبل غروب ۵ رمنٹ قضا نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) فجر کی اذان سوا پانچ اور نماز سوا چھ پر ہوتی ہے، سنت فجر پڑھے بغیر، دوران وقفہ قضا پڑھے یا نہیں؟

(۳) طلوع آفتاب کے کتنے منٹ بعد قضا یا اشراق پڑھے، یا اسی دن کی فجر کی قضا کتنے منٹ بعد پڑھے؟

هو المصوب

(۱) صبح کے بعد، قبل طلوع شمس یا عصر کے بعد، قبل غروب واصفرار شمس قضا نماز ادا کر سکتے ہیں، طلوع آفتاب کے بعد صاف ہوجانے پر قضا واشراق پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

(۲) قضا پڑھ سکتے ہیں۔ (۳)

(۳) جب آفتاب صاف ہوجائے۔ (۴)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۱۰-۳۱۱)

---

(۱) **الصحيح لمسلم، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، كتاب الصلٰوة، باب الأوقات التي نهى عن الصلٰوة فيها (ح: ۱۳٦۸) انيس**

(۲) **(ولا بأس بأن يصلي في هٰذين الوقتين الفوائت و يسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة)؛ لأن الكراهة كانت لحق الفرض يصير الوقت كالمشغول به لا لمعنى في الوقت فلم تظهر في حق الفرائض. (الهداية مع الفتح: ۱/ ۲٤۰)**

(۳) حوالۂ بالا۔

... ومنع عن التنفل بعد صلاة الفجر والعصر، لا عن قضاء فائتة وسجدة تلاوة وصلاة جنازة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۷٥، انيس)

(۴) **" إن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس وبعد العصر حتى تغرب". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، ح: ٥۸۱، الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها. ص: ۲۷٥، ح: ۸۲٦)**

" ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة التلاوة إذا طلعت الشمس حتى ترتفع. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/ ٥۲)

صبح وعصر کی نماز کے بعد سجدہ ونوافل:

سوال: صبح کو اور عصر کے فرضوں کے بعد، یعنی قبل نکلنے سورج اور چھپنے سورج کے کسی نماز میں سجدہ کرنا، یعنی قضا فرض جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

عصر کے بعد جب آفتاب میں زردی آجاوے اور طلوع آفتاب کے وقت آفتاب بلند ہونے سے پہلے اور زوال کے وقت مطلقاً نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا ناجائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"(لاتجوز الصلوٰة عند طلوع الشمس ولا عند قیامها فی الظهیرة ولا عند غروبها) لحدیث عقبة بن عامر رضی اللّٰه تعالٰی عنه:" ثلٰثة أوقات نهانا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن نصلی وأن نقبر فیها موتانا عند طلوع الشمس حتٰی ترتفع وعند زوالها حتی تزول وحین تضیف للغروب حتٰی تغرب. (۱)(الهدایة، کتاب الصلوٰة، فصل فی الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها: ۶۸/۱)

اور بعد نماز صبح، طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد عصر غروب سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ مگر قضا وغیرہ پڑھ سکتے ہیں۔ **کذا فی الهدایة.** (۲)(امداد المفتین: ۲۶۵/۲)

نماز فجر اور عصر کے بعد نوافل کا حکم:

سوال: فجر اور عصر کی فرض نمازوں کے پڑھنے کے بعد دوسری کوئی نماز پڑھنی کیوں ممنوع ہے؟

(المستفتی: ۱۵۲۲۔ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال) ۱۲/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ/۲۲/جون ۱۹۳۷ء)

الجواب

فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز مکروہ ہے، (۳) قضا فرض اور واجب نماز کی جائز ہے۔ (۴)(کفایت المفتی: ۶۵/۳) ☆

---

(۱) الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها (ح: ۸۳۱)، انیس

(۲) ویکره أن یتنفل بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب... ولا بأس بأن یصلی فی هٰذین الوقتین الفوائت. (الهدایة، کتاب الصلوٰة، فصل فی الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها: ۸۵/۱-۸۶)

(۳) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه. قال: " نهٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن صلاتین: بعد الفجر حتی تطلع الشمس، وبعد العصر حتی تغرب". (الصحیح للبخاری، باب لاتتحری الصلاة قبل غروب الشمس (ح: ۵۸۸)/الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها (ح: ۱۹۲۰) انیس)

(۴) منع عن التنفل فی هذین الوقتین قصدًا لا عن غیره لروایة الصحیحین: "لا صلاة بعد ==

کیا بعد الظہر کا وقت بھی مثل بعد العصر والفجر ہے:

سوال: جیسا کہ بعد العصر، بعد الفجر کسی قسم کی نوافل پڑھنا ممنوع ہے، کیا اسی طرح بعد الظہر بھی کوئی نفل نہیں پڑھ سکتا؟ اور اگر پڑھ سکتا ہے، تو کیا کسی فقہ کی کتاب سے یہ ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بعد الظہر کا وقت بھی مثل بعد العصر وبعد الفجر کی طرح ہے؟

== صلاة العصر حتى تغرب الشمس". الخ. (البحر الرائق: ۴۳۷/۱)

والحديث أخرجه البخاری فی صحيحه ،باب حج النساء (ح: ۱۸۶۴)/ومسلم عن أبی هريرة ، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فيها (ح: ۸۲۵) انيس)

"وكره نفل ولو سنة الفجر بعد الصلاة وصلاة العصر. ولايكره قضاء فائتة ولو وترًا ، الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۳۷۴/۱، ط: سعيد كمپنی)

☆ **فجر وعصر کے بعد نماز:**

سوال: کوئی شخص نماز فجر اور نماز عصر باجماعت ادا کرتا ہو، تو ایسا شخص ان دونوں نمازوں کے بعد کونسی نماز پڑھ سکتا ہے؟
(ایم، ایس، خان، اکبر باغ)

الجواب

فجر اور عصر کے بعد نفل نماز اور رکعات طواف پڑھنا مکروہ ہے، (عن عمر رضی اللّٰہ عنه أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم نهٰی عن الصلاة بعد الصبح حتی تشرق الشمس وبعد العصر حتی تغرب". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، ح: ۵۸۱ -۵۸۲- ۵۸۵)

قال فی الدرالمختار: (وكره نفل)قصدًا... (وكل ماكان واجباً)...(لغيره)... (كمنذور، وركعتی طواف).

قال فی رد المحتار: (قوله وركعتی طواف)ظاهره ولو كان الطواف فی ذٰلک الوقت المكروه ولم أره صريحًا، و يدل عليه ما أخرجه الطحاوی فی شرح معانی الآثارعن معاذ بن عفراء:

أنه طاف بعد العصرأوبعد صلاة الصبح ولم يصل،فسئل عن ذلک،فقال:" نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عن صلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس،وعن صلاة بعد العصر حتی تغرب الشمس".

ثم رأيته مصرحًا به فی الحلية و شرح اللباب.(رد المحتار كتاب الصلاة ، قبيل مطلب فی تكرار الجماعة: ۳۷۵/۱)والحديث أخرجه الطحاوی فی شرح معانی الآثار،باب الركعتين بعدالعصر (ح:۱۸۱۷)انيس)

فرائض وواجبات پڑھی جاسکتی ہیں، چنانچہ فوت شدہ نمازوں کی قضا، نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت ان اوقات میں بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔

"تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها إلا الفرائض ...فيجوز فيها قضاء الفائتة و صلاة الجنازة وسجدة التلاوة". (الفتاویٰ الهندية: ۵۲/۱)(کتاب الفتاویٰ:۲-۱۲۶)

الجواب

بعد الظہر کا وقت مثل بعد العصر وبعد الفجر کے نہیں ہے، عصر وفجر کے بعد نوافل درست نہیں ہیں۔(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۰۷-۷۱)

طلوع وغروب کے وقت نماز کی ممانعت کی وجہ:

سوال: طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنا کیوں منع ہے؟

الجواب

حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ ان وقتوں میں کفار سورج کی پرستش کرتے ہیں۔اس لئے ان وقتوں میں نماز نہ پڑھیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۳۴)

طلوع وغروب کے وقت نماز نہ پڑھنے کی وجہ:

سوال: حدیث شریف میں طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے، اور ممانعت کی وجہ "طلوع شمس بين قرني الشيطان" (۳) ہے، جس کی وجہ سے شیطان کی عبادت کا شبہ معلوم ہوتا ہے۔پھر

---

(۱) عن ابن عباس ... أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب. (الصحيح للبخاری، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس (ح: ۵۸۱)/الصحيح لمسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها(ح: ۸۲۶) انيس)

(وكره نفل)الخ (بعد صلاة فجرو)صلاة (عصر)، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، قبيل مطلب فی تكرار الجماعة: ۱/۳۴۸، ظفير)

(۲) قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: "لاتحروا بصلوٰتكم طلوع الشمس ولاغروبها فإنها تطلع بين قرني الشيطان". (متفق عليه)(الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها(ح: ۸۲۸)انيس)

وفي رواية: ثم اقصر عن الصلوٰة حين تطلع الشمس حتى ترتفع فإنها تطلع حين تطلع بين قرني الشيطان وحينئذ يسجد لها الكفار. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها(ح: ۸۳۲)انيس)

(۳) والحديث بتمامه: "عن عبد الله الصنابحي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: الشمس تطلع ومعها قرن الشيطان، فإذا ارتفعت فارقها، فإذا استوت قارنها، فإذا زالت فارقها، فإذا دنت للغروب قارنها، فإذا غربت فارقها. ونهى رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصلوٰة في تلك الساعات". (سنن النسائي، كتاب المواقيت، الساعات التي نهى عن الصلوٰة فيها: ۱/۹۵، قديمي (ح: ۵۵۹)/موطا الإمام مالك، ت: عبد الباقي (ح: ۴۴)/ومن رواية محمد بن الحسن الشيباني، الصلاة عن طلوع الشمس وعند غروبها (ح: ۱۸۱)/الصحيح لابن خزيمة، باب الزجر عن تحري الصلاة عند طلوع الشمس (ح: ۱۲۷۴)انيس)

یہ حکم عام کیوں ہے؟ اس وجہ سے کہ جو لوگ خانۂ کعبہ سے مشرق کی جانب رہتے ہیں، تو ان کے لئے غروب آفتاب کے وقت ممانعت سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ سورج مصلی کے سامنے ہوتا ہے، مگر طلوع کے وقت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، جو کہ سورج وقرنِ شیطان اور شیطان مصلی کے پیچھے ہوتے ہیں، تو اس صورت میں بجائے شیطان کی تعظیم کے توہین وتذلیل ہوتی ہے۔

جس طرح اگر تصویر مصلی کے سامنے ہو، تو نماز پڑھنے کے لئے ممانعت آئی ہے، اس لئے کہ تصویر کی تعظیم ہوتی ہے اور عبادت کا بھی شبہ ہوتا ہے، مگر جب تصویر مصلی کے پیچھے یا قدموں کے نیچے ہو، تو یہ شبہ جاتا رہتا ہے، اور بجائے تعظیم کے تذلیل ہوتی ہے، تو اس صورت میں نماز کی اجازت ہے، پھر ایک حدیث ہے:۔

إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة ولاتستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا، أو كماقال عليه السلام. (۱)

جس طرح حدیث مذکورہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لئے ارشاد فرمائی اور جو لوگ خانۂ کعبہ سے مشرق یا مغرب کی جانب رہتے ہیں، ان کے لئے ''شرقوا أو غربوا'' کا حکم نہیں ہے، اسی طرح اوپر کا مسئلہ ہونا چاہئے تھا، کہ جو لوگ خانۂ کعبہ سے مشرق کی جانب رہتے ہیں، ان کے لئے غروب آفتاب کے وقت ممانعت ہونی چاہئے تھی، اور جو لوگ خانۂ کعبہ سے مغرب کی جانب رہتے ہیں، تو ان کے لئے غروب کے بجائے طلوع کے وقت ممانعت ہونی چاہئے تھی، پھر اس حکم کو عموم پر محمول کرنے کی وجہ کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

طلوع، استوا، غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ اوقات '' **عَبَدَةُ الشمس** '' کی عبادت کے اوقات ہیں، تشبہ فی الوقت کی بنا پر منع کیا گیا ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ سورج کو سجدہ کرنا لازم آتا ہے، یا سورج کے قریب شیطان یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ مجھے سجدہ کیا جارہا ہے، ورنہ جو اشکال آپ نے مشرق اور مغرب کے رہنے والوں پر ایک ایک شق لیکر تقسیم کردیا ہے (شمال وجنوب والوں کو اشکال سے حصہ نہیں ملا) وہ اشکال استوا کے وقت کسی جگہ رہنے والوں پر بھی نہیں ہوئے۔

---

(۱) ''عن أبى أيوب الأنصارى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: '' إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولابول ولاتستدبروها، ولكن شرقوا أوغربوا''، قال: أبو أيوب: فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض قد بُنيت مستقبل القبلة فننحرف عنها، ونستغفر الله''. (جامع الترمذى، أبواب الطهارة، باب فى النهى عن استقبال القبلة بغائط أوبول: ۸/۱، سعيد) (ح: ۸) الصحيح للبخارى، باب قبلة أهل المدينة، وأهل الشام والمشرق (ح: ٣٩٤) / الصحيح لمسلم، باب الاستطابة (ح: ٢٦٤) / مستخرج أبى عوانة، بيان حظر استقبال القبلة واستدبارها (ح: ٥٠٥) انيس)

پس اس کا محل کسی خطۂ ارض کے باشندے بھی نہیں ہوں گے، حالانکہ نہی کے مخاطب ضرور ہیں، ورنہ بلا مخاطب کے نہی لازم آئے گی۔ لہٰذا مناط حکم صرف تشبہ فی الوقت ہے، نہ کہ جہتِ قبلہ معینہ، تا کہ دوسری جہات کو خارج کرنے کا واہمہ پیدا ہو، بعض وقت نفسِ وقت میں کراہت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے، جیسے تسجیر جہنم کا وقت (۱) بعض دفعہ وقت میں کسی مجاور کی وجہ سے کراہت آجاتی ہے، (۲) غرض اسباب کراہت مختلف ہوتے ہیں۔

"منع عن الصلاة، وسجدة التلاوة، وصلاة الجنازة عند طلوع الشمس والاستواء والغروب إلا عصر يومه، آه". (کنز الدقائق)

" لما روى الجماعة إلا البخاري من حديث عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال:" ثلٰث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (۳)

"والمراد بقوله:" أن نقبر "صلاة الجنازة .. عن عقبه رضي الله تعالىٰ عنه قال:"نهانا رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن نصلي علىٰ موتانا". أطلق الصلوٰة فشمل فرضها ونفلها، لأن الكل ممنوع، فإن كانت الصلوٰة فرضاً أو واجبةً فهي غير صحيحة؛ لأنها نقصان في الوقت بسبب الأداء فيه تشبيهاً بعبادة الكفار المستفاد من قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"إن الشمس تطلع

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه و نافع مولىٰ عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن عبد الله بن عمر أنهما حدثاه عن رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال:"إذا اشتد الحر، فأبردوا بالصلوٰة، فإن شدة الحر من فيح جهنم". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر: ۷٦/۱، قديمي)

(۲) "والبيع وقت النداء، مثال لما قبح لغيره مجاورًا، فإن البيع في ذاته أمر مشروع مفيد للملك، وإنما يحرم وقت النداء؛ لأن فيه ترك السعي إلى الجمعة الواجب بقوله تعالىٰ ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِاللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ وهذا المعنى مما يجاور البيع في بعض الأحيان فيما إذا باع وترك السعي، وينفك عنه في بعض الأحيان فيما إذا سعى إلى الجمعة، وباع في الطريق بأن يكون البائع والمشتري راكبين في سفينة تذهب إلى الجامع" . (نور الأنوار، مبحث النهي، بحث كون القبيح لعينه نوعين، ص: ٦۲، سعيد)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِاللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾. (سورة الجمعة: ۹)

"وأيضاً لما لم يتعلق النهي بمعنى في نفس العقد وإنما تعلق بمعنىً في غيره وهو الاشتغال عن الصلاة، وجب أن لا يمنع وقوعه وصحته، كالبيع في آخر وقت صلاة يخاف فوتها إن اشتغل به، وهو منهي عنه، ولا يمنع ذلك صحته؛ لأن النهي تعلق باشتغاله عن الصلوٰة ". (أحكام القرآن للجصاص: ٦۷۰/۳، قديمي)

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها (ح: ۸۳۱) انيس

بین قرنی الشطان،إذا ارتفعت فارقها،ثم استوت قارنها،فإذا زالت فارقها،فاذا دنت للغروب قارنها،وإذا غربت فارقها". ونهی عن الصلٰوۃ فی تلک الساعات". رواه مالک فی الموطأ،آه". (البحر الرائق: ۲۴۹/۱)(۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۵/۴/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۳/۵-۳۷۶)☆

طلوع کے بعد اور غروب سے قبل نماز کے جواز کی حد کیا ہے:

سوال: طلوع آفتاب سے کتنے منٹ کے بعد وقت مکروہ نکل جاتا ہے اور نماز اشراق جائز ہوجاتی ہے، غروب سے کتنے منٹ پہلے کراہت شروع ہوجاتی ہے۔ یہاں کے عوام کے لئے تعداد منٹ معلوم ہونے کی ضرورت ہے؟

الجواب

فی الدر المختار: وکرہ تحریمًا (إلٰی قوله) مع شروق.

فی رد المحتار: مادامت العین لاتحار فیها فهی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب أنه الأصح کما فی البحر (ح) أقول: ینبغی تصحیح مانقلوه عن الأصل للإمام محمد من أنه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح فهی فی حکم الطلوع لأن أصحاب المتون مشوا علیه فی صلٰوۃ العید،الخ. (ج: ۱،ص: ۳۸۴)

---

(۱) البحر الرائق شرح کنز الدقائق،کتاب الصلٰوۃ: ۴۳۳/۱، رشیدیة
موطاالإمام مالک،ت:عبدالباقی،باب النهی عن الصلاة بعدالصبح وبعدالعصر،ح: ۴۴. انیس

☆ طلوع آفتاب کے وقت عبادت کیوں منع ہے:

سوال: فجر کی نماز کے بعد ۲۰ منٹ تک کوئی بھی نماز منع کیوں ہے؟

الجواب بالله التوفيق

سورج نکلنے کے وقت چوں کہ عموماً شیطان کی عبادت کی جاتی ہے،اس لئے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، تا کہ مشابہت سے بچا جائے،اور سورج فوراً پورا نکل نہیں آتا، بلکہ اس کے مکمل طلوع ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے،اس لئے احتیاطاً بیس منٹ کی بات کہی جاتی ہے۔(**عن عمرو بن عبسة قال:قدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة فقدمت المدینة فد خلت علیه،فقلت:أخبرنی عن الصلٰوۃ ؟قال:"صل صلٰوۃ الصبح ثم اقصرعن الصلٰوۃ حین تطلع الشمس حتی ترتفع فإنها تطلع بین قرنی الشیطان وحینئذ یسجد لها الکفارثم صل،فإن الصلٰوۃ مشهودۃ محضورۃ حتی یستقل الظل بالرمح ثم اقصرعن الصلٰوۃ فإنها حینئذ تسجرجهنم إذا أقبل الفیء فصل...الخ. (الصحیح لمسلم،کتاب الصلٰوۃ،باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها(ح: ۸۳۲) انیس**) فقط واللہ اعلم (دینی مسائل اوران کا حل: ص ۸۱)

وفيه قدر رمح هو اثنا عشر شبراً. (ج: ۱، ص: ۸۷۰)

اس سے دوقول ثابت ہوئے، (۱) اول ایسر ہے، ثانی احوط ہے۔

۲۸ / رمضان ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۱۵۷-۱۵۸)

طلوع کے بعد اور غروب سے قبل مکروہ وقت کی مقدار:

سوال: طلوع آفتاب سے کتنی دیر بعد اور غروب آفتاب سے کتنی دیر پہلے نماز پڑھنا جائز ہے، اور کیا وقت کی کوئی ایسی مقدار مقرر ہے جو کہ ہر جگہ معتبر ہو، کوئی ایسا ضابطہ بتا دیا جائے جو پوری دنیا میں ہر جگہ کام آسکے، میں اس کے مطابق ٹورنٹو (کینیڈا) کا نقشہ بنانا چاہتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس بارے میں اصل ضابطہ جو پوری دنیا کے لیے کارآمد ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک آفتاب طلوع کے بعد اس کیفیت پر رہے کہ اس کو دیر تک دیکھنے میں آنکھوں کو دشواری اور خیرگی نہ ہو، اس وقت تک نماز پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح عصر میں جب یہ کیفیت ہو جائے، نماز مکروہ ہے، الاعصر یومہ، مگر یہ معیار اس وقت صحیح ہوگا جب مطلع پر ابر اور غبار وغیرہ نہ ہو، ورنہ کیفیت مذکورہ عوارض کی وجہ بہت دیر تک حتی کہ بعض ایام میں دوپہر تک رہتی ہے، اور بعض علاقوں میں دن بھر آفتاب کی روشنی میں تیزی نہیں آتی، ایک دوسرا معیار بھی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ جب آفتاب طلوع کے بعد افق سے ایک رمح (نیزہ) کی مقدار بلند ہو جائے، تو نماز پڑھنا درست ہے، اسی طرح عصر کے بعد جب آفتاب کی بلندی افق سے ایک رمح کی مقدار سے کم ہونے لگے، تو نماز درست نہیں، (**إلا عصر یومه**) رمح کی مقدار بارہ بالشت ہے۔

قال العلاء في بيان وقت العصر: (مالم يتغير ذكاء) بأن لاتحار العين فيها في الأصح. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله في الأصح) صححه في الهداية وغيرها، وفي الظهيرية: إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوىٰ، وفي النصاب وغيره: وبه نأخذ وهو قول أئمتنا الثلاثة ومشائخ بلخ وغيرهم، كذا في الفتاوىٰ الصوفية (إلىٰ قوله) وقيل: حد التغير أن يبقى للغروب أقل من رمح وقيل أن يتغير الشعاع على الحيطان كما في الجوهرة، ابن عبد الرزاق. (ردالمحتار: ۱/ ۳٤۱) (۲)

---

(۱) بہشتی زیور حصہ دوم ص: ۱۲ کے حاشیہ میں دونوں قولوں کو اس طرح جمع کر لیا گیا ہے ''اونچائی کی حد ایک نیزہ ہے، اور یہ وہ وقت ہے جب کہ سورج کی طرف دیکھنے سے آنکھیں چندھیانے لگیں''۔ غروب سے پہلے جب سورج میں زردی آجائے اور دھوپ کا رنگ بدل جائے اور پھیکی پڑ جائے، تو مکروہ وقت شروع ہو گیا۔ سعید پالنپوری

(۲) كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/ ۳٦۷-۳٦۸، ط: بيروت، انيس

وقال ابن عابدين أيضًا: (قوله مع شروق) وما دامت العين لاتحار فيها فهي في حكم الشروق كما تقدم في الغروب أنه الأصح كما في البحر، ح.

أقول: ينبغي تصحيح مانقلوه عن الأصل للإمام محمد من أنه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح فهي في حكم الطلوع لأن أصحاب المتون مشوا عليه في صلاة العيد حيث جعلوا أول وقتها من الارتفاع ولذا جزم به هنا في الفيض ونورالإيضاح. (رد المحتار: ۳٤٤/۱)

وقال فيه أيضاً: (قوله قدر رمح) هو اثنا عشر شبرًا. (رد المحتار: ۷۷۹/۱)(۱)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اعتبار آفتاب کی روشنی کا ہے، اور قدر رمح سے اسی کی تخمین کی جاسکتی ہے، كما يظهر من قول ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وقيل حد التغير أن يبقى للغروب أقل من رمح، درایۃ بھی تغیر شمس کو معیار قرار دینے کی وجہ معقول ہے اور قدر رمح کو مقصود بالذات قرار دینا غیر معقول ہے، إلا أن يوجه بأنه قد يعطى لقرب الشيء حكم الشيء فقدروا القرب بما دون الرمح ولكن تقدير الفاصل بين القرب والبعد بالرمح أيضاً يحتاج إلىٰ وجه، اگر قدر رمح کا مستقل قول ہونا تسلیم کرلیا جائے، تو بھی تغیر شمس کا قول راجح ہوگا، لكونه موجهًا، قدر رمح کی بجائے آفتاب میں تغیر کا معلوم کرنا سہل بھی ہے۔ غرضیکہ اصل اعتبار روشنی کا ہے، اگر کبھی فضائی اثر کی وجہ سے روشنی کا اندازہ نہ ہو سکے، تو قدر رمح سے اندازہ کیا جائے، اصل معیار تو یہی دو ہیں جو ذکر کئے گئے، کیونکہ یہ پوری دنیا کے لئے ہیں، ان کے پہچاننے میں نہ کسی آلہ کی ضرورت ہے، نہ گھڑی کی حاجت ہے، ہر عام وخاص ان کو پہچان سکتا ہے، اسلام کا دین فطرت اور عالمگیر ہونا بھی ایسے ہی معیار کو مقتضی ہے، وقت کی کوئی ایسی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی، جو ہر جگہ چل سکے، کیونکہ مختلف مقامات اور مختلف موسموں میں اس وقت کی مقدار کا مختلف ہونا ضروری امر ہے۔ بڑے شہروں میں چونکہ طلوع وغروب کے وقت آفتاب کا مشاہدہ مشکل ہے، اس لئے اس کا کوئی معیار متعین کرنے کی ضرورت ہے، چند سال پیشتر ۸ء۲۵ عرض البلد میں بندہ نے دوسرے علما کی معیت میں مشاہدہ کیا، تو طلوع سے دس منٹ بعد اور غروب سے پندرہ منٹ پہلے کا فیصلہ کیا گیا، مگر یہ یاد نہیں رہا کہ یہ مشاہدہ کس تاریخ میں کیا گیا تھا، اس لئے اس سے کوئی معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

گذشتہ رمضان میں اس مقصد کے لئے بندہ نے مدرسہ محمدیہ نز دٹنڈو آدم (طول ۷ء۶۸، عرض ۸ء۲۵) کا سفر کیا، مگر ابر کی وجہ سے مشاہدہ نہ ہوسکا، بالآخر مولوی محمد صدیق صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ ستمبر کو اپنے ساتھ کم از کم دو اور سمجھدار افراد کو لے کر تین روز تک مسلسل صبح وشام مشاہدات کر کے نتائج تحریر کریں،

---

(۱) كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۱/۱، ط بيروت، انيس

چنانچہ حسب ہدایت مشاہدات سے ثابت ہوا کہ طلوع سے نو منٹ بعد آفتاب میں معہود تمازت آگئی اور غروب سے تیرہ منٹ قبل مکروہ وقت شروع ہوا، یہ فیصلہ بہت احتیاط سے کیا گیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مکروہ وقت دونوں جانب اس سے بھی کچھ کم تھا، بندہ نے مثلث کروی کے حساب سے وقت مذکور میں آفتاب کا زاویہ ارتفاع معلوم کیا، تو نو منٹ ۴ء۱، اور تیرہ منٹ ۳ء۲، ہوا، اس تخریج میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ طلوع وغروب کے وقت آفتاب افق سے ۸ء۰ نیچے ہوتا ہے، مگر زاویہ ارتفاع افق حقیقی (۹۰ء) سے لیا گیا ہے، زاویہ ارتفاع کے تعیین کے بعد ہر مقام اور ہر موسم میں وقت مکروہ کا دائمی نقشہ تیار کیا جا سکتا ہے، چنانچہ زاویہ ارتفاع ۴ء۱ کے مطابق کراچی میں مارچ اور ستمبر میں طلوع کے بعد نو منٹ اور جون اور دسمبر میں گیارہ منٹ پر مکروہ وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا مکروہ وقت زیادہ سے زیادہ غروب سے سولہ منٹ قبل شروع ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳؍شوال ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲؍۱۴۱-۱۴۳) ☆

طلوع آفتاب، زوال اور غروب کے وقت کوئی نماز جائز نہیں، جواب دیگر:

سوال: طلوع آفتاب ونصف النہار وغروب آفتاب، ان تینوں وقتوں میں نماز، سجدۂ تلاوت و نماز جنازہ کیوں ممنوع ہے؟

(المستفتی نمبر: ۲۴۷۲، شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ، ضلع مغربی خاندیس) ۸؍صفر ۱۳۵۸ھ/ ۳۰؍ مارچ ۱۹۳۹ء)

☆ **مکروہ اوقات کی مقدار:**

سوال: طلوع آفتاب کے کتنی دیر بعد دوسری نماز پڑھ سکتے ہیں، غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد مغرب کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ظہر کا وقت شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے سے نماز یا سجدہ کا ترک کرنا ضروری ہے؟ (محمد عبدالقادر پاشاہ، سدی عنبر بازار)

الجواب

جب آفتاب پوری طرح نکل آئے، تو وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے۔ (فقہاء احناف کی کئی متداول کتابوں میں مختلف تعبیرات کے ساتھ یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے: " **ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة ... إذا طلعت الشمس حتى ترتفع**". (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۵۲) حدیث پاک میں اس حکم کے اظہار کے لیے بھی یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے: "**لاصلوة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس**". (صحيح البخاری، ح: ۵۸۶، صحيح مسلم، ح: ۸۳۱، محشی)

عام طور پر مکمل آفتاب نکلنے میں دس بارہ منٹ کا وقت لگتا ہے، اہل علم نے لکھا ہے کہ احتیاطاً بیس منٹ نماز سے توقف کیا جائے، ظہر سے پہلے جو وقت مکروہ ہے، اس کا عرصہ بمقابلہ طلوع آفتاب کے کم ہے، اس لئے ظہر کا جو وقت اوقات نماز میں لکھا ہوتا ہے، اس سے پندرہ منٹ پہلے نماز ترک کر دینی چاہئے، غروب آفتاب سے پہلے جب آفتاب زرد پڑ جائے اور اتنا تغیر ہو جائے کہ نگاہ قرص آفتاب پر ٹھہرنے لگے، تو وقت مکروہ شروع ہو جاتا ہے، اور جونہی آفتاب غروب ہو جائے وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲؍۱۲۵-۱۲۶)

الجواب

یہ تینوں وقت بتوں کی عبادت اور پوجا کے ہیں،اوران میں شیطان خوش ہوتا ہے کہ کوئی بتوں کی عبادت کرے،اورخدا کی عبادت کرنے والوں کی حالت بھی مشتبہ ہوسکتی ہے۔اس لئے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔(۱)

جواب دیگر:

فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز اس وقت نہ پڑھی جائے،آفتاب نکلنے کے بعد جب اونچا ہوجائے تو پڑھے۔(۲) فقط

(کفایت المفتی:۳/۶۸۔۶۹)

آفتاب کے طلوع واستواوغروب کے وقت سجدۂ تلاوت اورنماز جنازہ کا حکم:

سوال: صلوٰۃ جنازہ وسجدۂ تلاوت وغیرہ،طلوع واستواوغروب شمس پر درست ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز اگر پڑھ لیوے،تو ادا ہوگا یانہیں؟

---

(۱) قال عمرو بن عبسة السلمی الخ فقلت:یا نبی اللّٰه ! أخبرنی عما علّمَک اللّٰه وأَجْهلُه،أخبرنی عن الصلاة؟ قال:"صل صلاة الصبح،ثم اقصرعن الصلاة حین تطلع الشمس حتی ترتفع،فإنها تطلع حین تطلع بین قرنی شیطان، وحینئذ یسجد لها الکفار، ثم صل، فإن الصلاة مشهودة محضورة،حتی یستقل الظل بالرمح، ثم اقصرعن الصلاة فإن حینئذ تسجر جهنم، فإذا أقبل الفیء فصل،فإن الصلاة مشهودة محضورة حتی تصلی العصر،ثم اقصرعن الصلاة حتی تغرب الشمس فإنها تغرب بین قرنی شیطان وحینئذ یسجد لها الکفار".(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها(ح: ۱۹۳۰) انیس)

"(و کره) تحریمًا ، وکل ما لا یجوز مکروه (صلاة) مطلقًا ... (مع شروق) ... (و استواء) ... (وغروب...)".(الدرالمختار)

وفی الشامیة:" لکن الصحیح الذی علیه المحققون أنه لانقصان فی ذٰلک الجزء نفسه بل فی الأداء فیه لما فیه من التشبه بعبدة الشمس ، الخ".(رد المحتار،کتا ب الصلاة: ۱/۳۷۲،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت،ط:سعید کمپنی)

وفی الهندیة:" ثلٰث ساعات لا تجوز فیها المکتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة التلاوة ، الخ ، حتی ترتفع وعندالانتصاف إلٰی أن تزول وعند احمرارها إلٰی أن تغیب"،الخ.(عالمگیریة،الفصل الثانی فی بیان فضیلة الأوقات: ۱/۵۲، ماجدیة،کوئٹه)

(۲) لروایة الصحیحین:" لاصلاة بعد صلاة العصرحتی تغرب الشمس ولاصلاة بعد صلاة الفجرحتی تطلع الشمس. (البحرالرائق: ۱/۴۳۷)(صحیح البخاری ، باب حج النساء (ح: ۱۸۶۴)/ والصحیح لمسلم عن أبی هریرة،باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها (ح:۸۲۷)انیس)

الجواب

عین طلوع واستواوغروب میں نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت مکروہ تحریمہ ہے۔(۱)

مع ہذا اس وقت میں اگر پڑھ لیوے، تو ادا ہو جاتا ہے اور ذمہ سے سقوط ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اسی وقت تلاوت آیت کی ہو اور جنازہ حاضر ہوا ہو،(۲) اور جو پہلے وقت مکروہ سے، سجدہ کی آیت پڑھے اور جنازہ آیا اور مکروہ وقت میں ادا کیا، تو ادا نہیں ہوتا، دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۵۳)

آفتاب طلوع ہونے کے فوراً بعد نماز درست نہیں:

سوال: آفتاب نکلنے پر فوراً نماز پڑھنا درست ہے یا نہ، اشراق کا وقت تو نیزہ برابر آفتاب اونچا ہونے پر ہوتا ہے؟

الجواب

آفتاب کے نکلتے ہی فوراً نماز درست نہیں ہے، بلکہ بقدر ایک یا دو نیزہ کے آفتاب بلند ہونا چاہئے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۴۳)

---

(۱) قال ابن المبارك:معنى هذا الحديث أن نقبرفيهن موتانا،يعنى الصلاة على الجنازة وكره الصلاة على الجنازة عندطلوع الشمس وعند غروبها.(سنن الترمذى، باب ماجاء فى كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها(ح: ١٠٣٠) انيس)

" لاتجوزالصلٰوة وسجدة التلاوة وصلٰوة الجنازة عند طلوع الشمس وزوالها وغروبها ".(الاختيارلتعليل المختار،فصل الأوقات التى تكره فيها الصلٰوة: ٥٦/١،دارالخير.انيس)

(۲) قال:والمراد بالنفى المذكورفى صلٰوة الجنازة وسجدة التلاوة الكراهة حتى لوصلاها فيه أوتلا سجدة فيه وسجدها جاز؛لأنها أديت ناقصة كما وجبت إذ الوجوب بحضورالجنازة والتلاوة.(الهداية،فصل فى الأوقات التى تكره فيها الصلٰوة: ٦٨/١،انيس)

عن على بن أبى طالب،أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال له:ياعلى! ثلاث لاتؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازةإذا حضرت،والأيم إذا وجدت لها كفوًا.(سنن الترمذى،باب ما جاء فى الوقت الأول من الفضل (ح: ١٧١)/ السنن الكبرىٰ للبيهقى،باب اعتبارالكفاء ة (ح: ٢٤٠٩)/تخريج الأحاديث المرفوعة المسندة فى كتاب التاريخ الكبير للبخارى (ح: ١٥٠)انيس)

(۳) (كره)تحريماً،الخ،(مع شروق)،الخ،(واستواء).(الدرالمختار)

(قوله مع شروق الخ)مالم ترتفع الشمس قدررمح.(رد المحتار،كتاب الصلٰوة،مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ٣٤٤/١،ظفير)

" لاتجوزالصلٰوة وسجدة التلاوة وصلٰوة الجنازة عند طلوع الشمس وزوالها وغروبها".(الاختيارلتعليل المختار،فصل الأوقات التى تكره فيها الصلٰوة: ٥٦/١،دارالخير.انيس)

اوقات ممنوعہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت سجدۂ تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

مکروہ تحریمی ہے۔(۱)

(وكره) تحريمًا ... (صلاة) ... (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو (على جنازة وسجدة تلاوة و سهو) ... (مع شروق ... (واستواء) ... (وغروب). (الدرالمختار: ۲/ ۳۰-۳۲)(۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۳/۷/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۳۶۴)

بوقت طلوع سجدۂ تلاوت:

سوال: مکرم ومحترم جناب مولوی جمیل احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

شاید جناب کو یاد ہو کہ دوران قیام کراچی میں نے دریافت کیا تھا کہ ''اوقات ممنوعۂ نماز میں سجدۂ تلاوت کا کیا حکم ہے'' اور جناب نے فرمایا تھا کہ ''اگر سجدۂ تلاوت تازہ ہے، تو ہر وقت ادا کیا جاسکتا ہے''۔ یعنی ''اوقات ممنوعۂ صلوٰۃ میں ادائیگی کی اجازت ہے''۔

ہماری مسجد میں یہ سوال اٹھا، اور ایک صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے تحقیق کی ہے کہ 'دوران طلوع آفتاب سجدہ ادا نہ کیا جائے'۔ یہ سوال یوں پیدا ہوا کہ بعد نماز صبح، مسجد میں درس قرآن ہو رہا تھا، ایک آیت سجدہ تلاوت کی گئی، اس وقت طلوع ہو رہا تھا، یا وقت طلوع بالکل قریب تھا'۔ از راہ کرم مطلع فرمائیں کہ صحیح دین کیا ہے۔ آیا تازہ سجدۂ تلاوت ہر وقت ادا کیا جاسکتا ہے، یا کوئی قید ہے کہ فلاں وقت ادا نہ کیا جائے؟

الجوابــــــــــــ

(جواب از جامعہ اشرفیہ لاہور): مبسملاً ومحمدلاً ومصليًا ومسلمًا!

(منع عن الصلوٰة وسجدة التلاوة وصلوٰة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب، الخ)

(۱) البتہ اگر آیت سجدہ کی تلاوت اسی وقت کی گئی ہو تو سجدۂ تلاوت کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، لیکن تاخیر افضل ہے۔ (ردالمحتار: ۱/ ۳۴۷) انیس

(۲) الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/ ۳۷۰-۳۷۲، انیس

وأراد بسجدة التلاوة وصلوٰة الجنازة ما وجبت قبل هذه الأوقات،أما إذا تلاها فيها أو حضرت الجنازة فيها فأداها فإنه يصح من غير كراهة،إذ الوجوب بالتلاوة والحضور، وظاهر التسوية بين صلوٰة الجنازة وسجدة التلاوة أنه لو حضرت الجنازة فی غيرمكروه فأخرها حتى صلاها فی الوقت المكروه فإنها لاتصح وتجب إعادتها كسجود التلاوة.(البحرالرائق: ۲۴۹/۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت اگر تازہ ہو،یعنی وقت مکروہ میں تلاوت سے وجوب آیا ہو،تو وقت مکروہ میں اس کا ادا کرنا جائز ہے اور اگر وقت مکروہ سے پہلے وجوب آیا ہو،تو وقت مکروہ میں ادا کرنا جائز نہیں ہے،اگر ادا کیا،تو اس کا اعادہ واجب ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عزیز الرحمٰن نائب مفتی جامعہ اشرفیہ، نیلا گنبد، لاہور۔۱۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ؍الجواب صحیح: جمیل احمد عفا عنہ

خط بندہ رشید احمد بنام مفتی جمیل احمد صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی زیدت عنایاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج سامی بخیر ہوں گے۔

آنجناب کا ایک افتا نظر سے گذرا،جس میں تحریر ہے کہ شروق،غروب اور استوا کے وقت سجدۂ تلاوت حاضرہ جائز ہے،استدلال میں بحر کی یہ عبارت ہے:

" أما إذا تلاها فيها أو حضرت الجنازة فيها فأداها فإنه يصح من غير كراهة".(ج:۱/ص:۲۴۹)

بندہ کی رائے ناقص یہ ہے کہ آپ کے فتویٰ میں جواز سے مراد جواز مع الکراہۃ التنزیہیہ ہے اور بحر کے جزئیہ میں "من غير كراهة " سے کراہت تحریمیہ کی نفی مقصود ہے۔

قال فی العلائية:" فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما:أی تحريما.وفی التحفة:الأفضل أن لا تؤخر الجنازة.(الدرالمختار)

فی الشامية:(قوله أی تحريما)أفاد ثبوت الكراهة التنزيهية.

وأيضًا فيها تحت قوله(وفی التحفة): ... فثبتت كراهة التنزيه فی سجدة التلاوة دون صلوٰة الجنازة.(رد المحتار:۳۴۷/۱،قبل مطلب فی تكرارالجماعة)

اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے کراہت کی نفی فرمائی ہے،اس سے مراد کراہت تحریمیہ کی نفی ہے،نہ کہ کراہت تنزیہیہ کی،خود علامہ شامیؒ نے بھی بحث مذکور سے قبل "أوعلیٰ جنازة" کے تحت "وإلا فلا كراهة كما سيذكره

الشارح ''میں کراہت تحریمیہ کی نفی کی ہے، اور پھر قول شارح کے تحت علامہ شامیؒ نے کراہت تنزیہیہ کو ثابت کیا ہے، کما قدمنا، اور عالمگیریہؒ میں خلاصہؒ سے نقل کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت میں تاخیر افضل ہے۔

بہر کیف اس سے متعلق رائے سامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور ماہ مقدس کی مبارک ساعات میں دعاء خیر سے فراموش نہ فرمائیں، احسان ہوگا۔ فقط والسلام علیکم (رشید احمد عفا اللہ عنہ۔ غرہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ)

(جواب از مفتی جمیل احمد صاحب):

محترم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جزاک اللہ، راجح وقوی تنزیہی ہونا ہی ہے، اسی کو فتویٰ میں لکھنا تھا، احتیاط بھی اسی میں ہے، کیوں کہ جیسے بعض حضرات نے خلاف افضل کہا ہے، بعض نے مکروہ تحریمی بھی کہہ دیا، ''خیر الأمور أوسطها'' بھی رہا، عالمگیریؒ نے غیر افضل کہا ہے، لكن الأفضل التأخير فيها۔

خط اصل بنام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب قبلہ زادمجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا !

باعث تحریر یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے، یا اوقات ممنوعۂ صلوٰۃ میں ادا نہ کیا جائے، مولوی جمیل احمد صاحب مفتی مدرسہ اشرفیہ لاہور سے میں نے دریافت کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر سجدۂ تلاوت تازہ ہے، تو ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے، میں مطمئن ہو گیا تھا، میں نے اپنے قلب میں یہ سمجھا کہ صلوٰۃ جنازہ اور سجدہ میں فرق نہیں، دوسرے حضرت تھانوی کا ایک ارشاد یاد آیا کہ جب میں نے آپ کو اپنے معمولات لکھے تھے، تو یہ بھی تحریر کیا تھا کہ علاوہ صبح اور عصر کی نماز کے ہر نماز فرض کے بعد سجدے میں فلاں فلاں آیات قرآنی پڑھتا ہوں، اور دعا مانگتا ہوں، اس پر حضرت نے خط کھینچ کر حاشیہ پر تحریر فرمایا کہ 'سجدۂ شکر صبح اور عصر کے بعد بھی جائز ہے'، ہماری مسجد میں بعد نماز صبح درس قرآن ہو رہا تھا، طلوع کا وقت تھا کہ ایک آیت سجدہ تلاوت کی گئی، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ طلوع کے وقت سجدۂ تلاوت خواہ تازہ ہو، ادا نہیں کرنا چاہیے۔ ازراہ کرم مطلع فرمایا جائے کہ صحیح دین کیا ہے، سجدۂ تلاوت تازہ ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے، یا کوئی قید ہے، اگر ہے، تو کیا؟

(جواب از دار العلوم کراچی):

فتاویٰ عالمگیریؒ میں ہے کہ تین ساعتیں ہیں، جن میں فرض نماز اور جنازہ کی نماز اور تلاوت کا سجدہ جائز نہیں، اول سورج نکلتے وقت، دوم ٹھیک دوپہر کے وقت، سوم سورج ڈوبتے وقت۔ آگے خلاصہؒ سے نقل کیا گیا ہے، یہ حکم اس وقت

ہے کہ جب جنازہ کی نماز اور تلاوت کا سجدہ ایسے وقت میں واجب ہوئے ہوں کہ اس وقت ان کا کرنا مباح تھا اور پھر اس وقت تک اس کی تاخیر کی، تو وہ اس وقت میں قطعاً جائز نہیں، لیکن اگر ایسے وقت میں واجب ہوئے اور ایسے وقت ان کو ادا کیا، تو جائز ہے، اس لیے کہ جیسا ان کے وجوب میں نقصان تھا، ویسا ہی ان کی ادا میں نقصان ہے، یہی السراج الوہاج، کافی اور تبیین میں لکھا ہے، لیکن سجدۂ تلاوت میں تاخیر افضل ہے اور جنازہ کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے، مولوی مفتی جمیل احمد صاحب کا فرمانا بالکل صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم

احقر الانام محمد صابر عفی عنہ، نائب مفتی دار العلوم کراچی :۱- نانک واڑہ۔۱۳۸۴/۵/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔۱۳۸۴/۵/۲۳ھ

خط بندہ رشید احمد بخدمت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشفقی المکرّم زیدت عنایاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی مع الخیر ہوں گے۔

مفتی محمد صابر صاحب کا لکھا ہوا ایک فتویٰ پر آنحضرت کے بھی دستخط ہیں، ارسال خدمت ہے، اس پر چند اشکالات ہیں۔

(۱) وقت طلوع میں سجدۂ تلاوت حاضرہ کو جائز اور تاخیر کو افضل لکھا ہے۔ اس میں مناسب تھا کہ وقت طلوع میں کراہت تنزیہیہ کی تصریح فرمادی جاتی۔

قال فی العلائیة:" فلو وجبتا فیها لم یکره فعلهما أی تحریمًا ". (الدر المختار)

وفی الشامیة: (قوله: أی تحریماً) أفاد ثبوت الکراهة التنزیهیة.

وأیضًا فیها تحت: (قوله وفی التحفة)... فثبتت کراهة التنزیه فی سجدة التلاوة دون صلاة الجنازة. (رد المحتار: ۳٤٧/١، قبل مطلب فی تکرار الجماعة)

(۲) سوال میں منقول عبارت ''سجدۂ شکر صبح اور عصر کے بعد بھی جائز ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد سجدہ جائز ہے۔ حالانکہ یہاں دو جداگانہ مسئلے ہیں۔

(۱) نماز کے بعد اسی مقام پر سجدہ کرنا یہ بہرحال تحریمی ہے، خواہ کسی نماز کے بعد ہو۔

(۲) فجر اور عصر کے بعد وقت مکروہ للنوافل میں سجدۂ شکر کرنا، جو نماز سے متصل نہ ہو، یہ سجدہ صحیح ہوجائے گا، مگر کراہت تحریمہ کیساتھ۔

قال فی الشامیة تحت (قوله لاشکر): فتحصل من کلام النهر مع کلام القنیة أنها تصح مع

الکراهة: أی لأنها فی حکم النافلة. ثم قال فی النهر عن المعراج: وأما مایفعل عقب الصلاة من السجدة فمکروه إجماعاً؛ لأن العوام یعتقدون أنها واجبة أو سنة. (رد المحتار، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۱/ ۳٤٤)

غرضیکہ مسائل ذیل میں بندہ کی رائے یہ ہے:

(۱) وقت طلوع وغروب اور استواء میں سجدۂ تلاوت حاضرہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(۲) نماز کے بعد متصل سجدۂ شکر مکروہ تحریمی ہے، خواہ کوئی نماز ہو۔ البتہ اگر خلوت میں احیاناً سجدہ کرے، عادت نہ بنائے اور اس کو سنت نہ سمجھے، تو مضائقہ نہیں۔

(۳) بعد عصر اور بوقت فجر سجدۂ شکر مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ نماز کے بعد متصلاً نہ ہو۔

اس سے متعلق اپنی رائے سامی سے مطلع فرمائیں؟ رمضان المبارک میں دعوات مخصوصہ کی درخواست ہے۔ سخت محتاج ہوں۔ فقط والسلام علیکم

رشید احمد عفا اللہ عنہ۔ غرہ رمضان المبارک۔ ۱۳۸۴ھ

جواب از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جوابات صحیح ہیں، آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے دعا کا طالب ہوں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، از دار العلوم کراچی۔ ۱۲/۹/۱۳۸۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۱۳۱-۱۳۵)

اوقات منہیہ میں تلاوت کا حکم:

سوال: طلوع وغروب اور زوال میں تلاوت کی سخت ممانعت ہے یا معمولی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

" ثلاثة أوقات لایصح فیها شیء من الفرائض والواجبات الذی لزمت فی الذمة قبل دخولها. أولها: عند طلوع الشمس إلیٰ أن ترتفع وتبیض قدر رمح أو رمحین، والثانی: عند استوائها فی بطن السماء إلیٰ أن تزول: أی تمیل إلی المغرب، والثالث: عند اصفرارها إلیٰ أن تغرب، آه". (مراقی الفلاح: ۱۰۰)(۱)

ان اوقات میں نماز پڑھنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن

(۱) مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی الأوقات المکروهة، ص: ۱۸۵، قدیمی

عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور ہے۔(۱) خارج نماز تلاوت قرآن پاک ان اوقات میں منع نہیں، البتہ ان اوقات میں ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا اولیٰ ہے:

الصلاة فيها على النبي صلى الله عليه وسلم أفضل من قراء ة القرآن. (الدرالمختار)

وفي الشامية: (قوله الصلا ة فيها) أي في الأوقات الثلاثة، وكالصلاةِ الدعاءُ والتسبيحُ الخ. (٣٤٧/١) (٢) فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۰/۵)

اوقات مکروہ میں قضا نماز کا حکم:

سوال: کیا قضائے عمری نمازیں فجر کی نماز سے پہلے یا بعد میں یا عصر کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدا و مصلياً

قضا نماز ان اوقات میں بھی پڑھی جاسکتی ہے، (۳) مگر قضا نمازیں تنہائی میں پڑھنی چاہئے، کسی کو علم نہ ہو کہ یہ قضا نماز ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۱/۵)

---

(۱) عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلٰث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أونقبرفيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتٰى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتٰى تميل، وحين تضيف للغروب حتٰى تغرب. (الصحيح لمسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها: ٢٧٦/١، قديمي)

(ح: ٨٣٢)/سنن أبي داؤد، باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبها (ح: ٣١٩٢)/سنن الترمذي، باب ما جاء في كراهية الصلٰوة على الجنازة (ح: ١٠٣٠) انيس)

(٢) ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبل مطلب في تكرار الجماعة: ٣٧٤/١، سعيد

"ذكرالله من طلوع الفجر إلٰى طلوع الشمس أولٰى من قراء ة القرآن". (الدرالمختار)

واقتصر عليه في القنية حيث قال: الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والدعاء والتسبيح أفضل من قراء ة القرآن في الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها'. (رد المحتار، كتاب الحظروالإباحة، فصل في البيع: ٤٢٣/٦، سعيد)

(٣) البتہ سورج کے طلوع وغروب یا استوا کے وقت نہ پڑھے۔ (البحر الرائق: ۸۰/۲) انیس

"قال: ومنع عن التنفل بعد صلاة الفجروالعصر، لا عن قضاء فائتة وسجدة تلاوة وصلاة جنازة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ٢٣٢/١، دارالكتب العلمية، بيروت، سعيد)

"ولابأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت، ويسجد للتلاوة، ويصلي على الجنازة". (الهداية، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة: ٨٦/١، مكتبة شركة علمية، ملتان)

(٤) (ويكره قضاؤها فيه)؛ لأن التأخير معصية فلايظهرها، بزازية". (الدرالمختار)... ويظهرمن التعليل أن المكروه قضاء ها مع الاطلاع عليها ولو في غيرالمسجد، كما أفاده في المنح في باب قضاء الفوائت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ٣٩١/١، سعيد)

==

قضا نمازوں کے لئے مکروہ اوقات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قضا نمازوں کے اوقات مکروہہ کونسے ہیں، کیا زوال کے علاوہ اور بھی کوئی وقت ممنوع ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ازرم (اے سی) تبوک، سعودیہ عربیہ......۷/۷/۱۴۰۱ھ)

الجواب

صرف تین اوقات ہیں، غروب، طلوع، استوا، ان اوقات میں قضا مکروہ ہے۔ والإصفرار فی حکم الغروب(۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۶۹)

اوقات مکروہہ میں صلوٰۃ جنازہ:

سوال: زید کہتا ہے کہ جن وقتوں میں نفل نماز مکروہ ہے، ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ ہے، اور بکر کہتا ہے کہ ان وقتوں میں جنازہ کی نماز مکروہ نہیں۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامدًا و مصلیاً

جن وقتوں میں مطلقاً نماز ممنوع ہے، ان وقتوں میں نماز جنازہ بھی ممنوع ہے، (نفل کی قید صحیح نہیں) اوقات ممانعت تین ہیں: طلوع، استوا، غروب، جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو، اگر ان اوقات میں آئے، تو ممنوع نہیں۔ (۲)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۷۷)☆

== "ولایقضی الفوائت فی المسجد وإنما یقضیها فی بیته، کذا فی الوجیز للکردری". (الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱/۱۲۰، رشیدیة)

(۱) قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: ثم لیس للقضاء وقت معین بل جمیع أوقات العمر وقت له إلا ثلاثة أوقات وقت طلوع الشمس ووقت الزوال ووقت الغروب فإنه لاتجوز الصلاه فی هذه الأوقات لما مر فی محله. (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۸۰)

(۲) عن عقبة بن عامر الجهنی. رضی الله عنه. قال: ثلاث ساعات کان رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهانا أن نصلی فیهن، أو أن نقبر فیهن موتانا: حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع، و حین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل الشمس، و حین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب. (الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها (ح:۱۹۲۹) انیس)

ولایجوز فی هذه الأوقات صلوٰة الجنازة، ولاسجدة التلاوة، ولاسجدة السهو، ولا قضاء فرض ==

نصف النہار شرعی وعرفی کی پہچان اوران کے احکام:

سوال: نصف النہار شرعی اورنصف النہار عرفی سے کیا مراد ہے،اوران کے نکالنے کا کیا قاعدہ ہے؟ روزے کی نیت کس وقت تک کی جائے اورنماز،نصف النہار سے کس قدر پہلے اور بعد تک نہ پڑھی جائے؟ بینوا توجروا.

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

نصف النہار شرعی،''صبح صادق سے لیکر غروب تک کے کل وقت کا نصف''ہے،اورنصف النہار عرفی سے مراد،''طلوع آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک''کے کل وقت کا نصف ہے، یہ وقت استوامعلوم کرنے کا تقریبی طریقہ ہے، جوتقریباً چالیس عرض البلد تک کارآمد ہے، بالکل صحیح نصف النہار معلوم کرنے کے تحقیقی قاعدے جو ہرجگہ کام دیتے ہیں،میری کتاب''ارشادالعابد''میں ملاحظہ ہوں۔

نصف النہار شرعی معلوم کرنے کا آسان قاعدہ یہ ہے کہ''صبح صادق کی ابتدا سے طلوع آفتاب تک'' جتنا وقت ہو،

== ... وفی الینابیع: و لوصلی التطوع فی هذه الأوقات الثلاثة،یجوزویکره،والأولٰی أن یقطعها فی وقت مباح''.(الفتاویٰ التاتارخانیة ،کتاب الصلٰوة،نوع آخر فی بیان الأوقات التی یکره فیها الصلٰوة: ۱/۴۰۷،۴۰۸،إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة،کراچی)

☆ نماز جنازہ کس وقت مکروہ ہے:

سوال: نماز جنازہ کے لئے بھی کیا کوئی وقت حرام یا مکروہ تحریمی کا ہے؟اگر ہے،تواس کے درجہ سے آگاہی بخشیں،اس کے علاوہ کیادن رات میں ہر وقت نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ سنت مؤکدہ وغیرہ،مکروہ تحریمی،تنزیہی مستحب ہرایک کا درجہ کیا ہے؟اردو کی کتابوں میں ممنوع،ناجائزلکھا رہتا ہے،جس سے کوئی درجہ ظاہر نہیں ہوتا۔فقط (حضرت والا خادم مہجور حقیر ناچیز عبدالصبور،۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــ حامدا ومصلیاً

جن اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ تحریمی ہے،باقی سب اوقات میں درست ہے۔((کره) تحريمًا...(صلاة)...(ولو).....(علٰی جنازة وسجدة تلاوة وسهو)...(مع شروق)...(واستواء) ... (وغروب، إلا عصر یومه).(الدرالمختارعلٰی صدرالمحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت : ۱/۳۷۰، سعید)

چونکہ عوام مؤکدہ وغیرمؤکدہ،مکروہ تحریمی وتنزیہی،فرض وواجب وغیرہ کے درمیان فرق کوسمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ درجات نص، ظاہر، مفسر،محکم، قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت،ظنی الدلالۃ وغیرہ دلائل پر متفرع ہیں اورعوام کی فہم سے یہ اصطلاحات بالاتر ہیں،اس لئے اردو کی کتابوں میں ہرجگہ ان سب کی تصریحات نہیں کرتے ، بلکہ ممنوع اورناجائز وغیرہ الفاظ پراکتفا کرتے ہیں اوراہل علم درجات کوسمجھتے ہیں، وہ کتب عربیہ سے ان درجات کومعلوم کرتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۲/۱۷/ ۱۳۵۷ھ

صحیح:عبداللطیف،الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۷۷۔۳۷۸)

اس سے آدھا وقت، نصف النہار عرفی کے وقت سے کم کر دیا جائے، مثلاً ''صبح صادق کا کل وقت'' ایک گھنٹہ ہو، تو نصف النہار عرفی سے آدھا گھنٹہ پہلے نصف النہار شرعی ہوگا۔ اردو میں مسائل کی کتابوں میں نصف النہار عرفی سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل نصف النہار شرعی بتایا گیا ہے۔ اس میں تین طرح سے تسامح ہوا ہے۔

(۱) صبح کاذب کو صبح صادق قرار دیا گیا ہے، اس غلطی کی پوری تفصیل میری کتاب ''صبح صادق'' میں ہے۔

(۲) ہر موسم اور ہر مقام کے لئے ایک ہی معیار متعین کر دیا ہے۔ حالانکہ ہر مقام اور ہر موسم میں یہ وقت مختلف ہوتا ہے۔

(۳) نصف النہار عرفی سے صبح کاذب کے کل وقت کے برابر کم کیا گیا ہے، حالانکہ صبح صادق کے کل وقت کا نصف کم کرنا چاہئے۔

روزے کی نیت، نصف النہار شرعی سے قبل کرنا ضروری ہے، اور کراہت نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔

علامہ برجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے کہ 'نصف النہار عرفی کا وقت ممتد نہیں، اس لئے اس میں نماز متصور ہی نہیں ہوسکتی، تو اس سے نہی صحیح نہیں''، اس بنا پر بعض حضرات نے ''نصف النہار شرعی سے لیکر نصف النہار عرفی تک''، پورے وقت کو نماز کے لئے مکروہ قرار دیا ہے، مگر بندہ کے خیال میں صرف اس اشکال کی وجہ سے نصف النہار شرعی مراد لینے کی گنجائش نہیں، جبکہ کسی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی، بلکہ جمیع احادیث نصف النہار عرفی پر دلالت کرتی ہیں، اشکال مذکور کے متعدد جواب ہوسکتے ہیں۔

(۱) اگرچہ اس وقت میں پوری نماز متصور نہیں ہوسکتی، مگر مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی جز بھی اس وقت میں واقع نہ ہو، یہ جواب خود علامہ برجندی نے بھی دیا ہے۔ (رد المحتار: ۱/۳٤٤)

(۲) مرکز شمس کی بجائے اس کے پورے جرم کا اعتبار ہے، **كما في حديث عبد الله الصنابحي رضي الله تعالىٰ عنه: ''ثم إذا استوت قارنها فإذا زالت فارقها''.** (موطا مالک: ۲۰۱)(۱)

دائرۂ نصف النہار سے محیط شمس کا ایک کنارہ گزرنے سے لیکر دوسرا کنارہ گزرنے تک، بروئے حساب دو منٹ آٹھ سیکنڈ صرف ہوتے ہیں، اتنے وقت میں نماز متصور ہوسکتی ہے۔

(۳) احکام شرعیہ کا مدار، حسابات ریاضیہ پر نہیں، بلکہ مشاہدہ پر ہے، اور مشاہدہ میں استواء قارن سے زوال فارق تک، تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہذا نقشوں میں دیئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

---

(۱) موطأ الإمام مالك، ت: عبد الباقي، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر (ح: ٤٤)/وبرواية محمد بن الحسن الشيباني في الموطأ، باب الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها (ح: ١٨١)/وبرواية الإمام الشافعي في مسنده بترتيب السندي، الباب الأول في مواقيت الصلاة (ح: ١٦٣) انیس)

ویؤیده مانقله ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ عن الطحطاوی فی تفسیر قول شارح التنویر: **(ووقت الظهر من زواله)أی میل ذکاء عن کبد السماء،أی وسطها بحسب مایظهر لنا.ط.** (رد المحتار،مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام،ص:۳۲۲،ج:۱)

تعلیل کراہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے،نماز کی طرح عبادت شمس بھی آن واحد میں تو متصور نہیں ہوسکتی،ظاہر ہے کہ عبدۃ الشمس استوا بحسب مشاہدہ ہی کو وقت عبادت قرار دیتے ہوں گے۔فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۲۷/ربیع الاول ۱۳۸۹ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۱۳۷۔۱۳۸)

نصف النہار سے کیا مراد ہے:

سوال: نماز کے اوقات مکروہہ میں ایک وقت استوا بھی ہے،اس وقت میں نماز سے منع کیا گیا ہے،علما اس وقت کے متعلق فرماتے ہیں کہ زوال کا جو وقت نقشوں میں دیا گیا ہے،اس سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز منع ہے،لیکن شرعی دائمی جنتری (مرتبہ قاری شریف احمد صاحب مدظلہ العالی) میں اس حدیث کی تشریح میں جو وقت متعین کیا گیا ہے،وہ تقریباً ۴۰ منٹ ہوتا ہے،اس کی وضاحت میں قاری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ 'طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک جتنا وقت ہے،اس کے برابر دو حصے کرلیں،پہلے حصے کے ختم پر ابتداء نصف النہار شرعی ہے،ایسے ہی طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک جتنا وقت ہے،اس کے برابر دو حصے کرلیں،پہلے حصے کے ختم پر ابتداء نصف النہار عرفی یا حقیقی ہے،اوراس پر زوال آفتاب کا وقت ختم ہوکر ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے،اپنی اس تحقیق پر دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ (جس کی اصل قاری صاحب کے پاس موجود ہے) بھی تائید میں پیش کیا گیا ہے،جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:''اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ضحوۂ کبریٰ اور زوال شمس کے درمیان کچھ درجوں کا فاصلہ ہوتا ہے،دونوں (یعنی ضحوۂ کبریٰ اور زوال شمس) ایک نہیں ہیں،نصف النہار شرعی کا قطر اس کی فجر کے حصے کے نصف کے برابر ہے،صبح صادق سے غروب آفتاب تک جتنے گھنٹے ہوتے ہیں،اس کا نصف نہار شرعی کا آدھا ہے،وہ زوال آفتاب سے قبل کا وقت ہے،اس لیے جب مابین ان دو وقتوں کے نماز پڑھی جائے گی،تو اس میں اختلاف ہے،اس لئے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے،اس وقت سے کون سا وقت مراد ہے؟ عین وقت زوال یا ضحوۂ کبریٰ کے بعد سے زوال تک مراد ہے؟ شامی نے اس پر بحث کی ہے،اس کے بعد لکھتے ہیں:نصف النہار تو حدیث میں وارد ہے،اور چونکہ حدیث میں إلی الزوال کی قید ہے،اس بناپر نصف النہار سے ضحوۂ کبریٰ مراد لی گئی ہے،اس کو نصف نہار شرعی کہتے ہیں،جو صبح صادق سے شروع ہوتا ہے،یہی حدیث اصل ہے،بے بنیاد شے نہیں ہے۔

اسی طرح عمدۃ الفقہ کتاب الصوم کے صفحہ۲ پر نیت کے ضمن میں نصف النہار عرفی کو وقت استوا بتلایا گیا ہے،اور

نصف النہار شرعی کو ضحوۂ کبریٰ، اس طرح تو نصف النہار شرعی اور عرفی میں کافی وقت معلوم ہوتا ہے، جو کم وبیش ۴۵ منٹ بنتا ہے، لہٰذا حق وصواب سے آگاہ فرمایا جائے کہ نصف النہار عرفی کے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز منع ہے یا نصف النہار شرعی اور عرفی کے درمیان کا وقت؟

اسی ضمن میں ایک بات یہ بھی بتلائی جائے کہ جمعہ کے دن زوال کا وقت نہیں ہوتا، اس میں حق وصواب کیا ہے؟ نوافل، صلوٰۃ التسبیح وغیرہ کتنے وقت میں نہ پڑھی جائے؟ بعض علما جمعہ کے دن عین زوال کے وقت نوافل کا اہتمام فرماتے دیکھے گئے ہیں۔

الجواب

نصف النہار شرعی یا ضحوۂ کبریٰ سے زوال آفتاب تک نماز ممنوع ہونے کا قول علامہ شامی رحمہ اللہ نے قہستانی کے حوالے سے ائمۂ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے، (۱) مگر احادیث طیبہ اور اکابر امت کے ارشاد میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول معتمد نہیں، صحیح اور معتمد قول یہی ہے کہ نصف النہار عرفی کے وقت نماز ممنوع ہے، جب کہ سورج ٹھیک خط استوا سے گزرتا ہے اور یہ بہت مختصر سا وقت ہے، پس نماز کے نقشوں میں زوال کا جو وقت درج ہوتا ہے، اس سے پانچ منٹ آگے پیچھے توقف کر لینا کافی ہے۔

یہاں دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل کرتا ہوں:

سوال: (۳۷) چاشت وغیرہ کی نوافل ۱۲/ بجے پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ اور جنتری اسلامیہ میں زوال یا قضا نماز کا وقت ۱۲/ بج کر ۲۴ منٹ پر لکھا ہے۔

الجواب: زوال کے وقت نوافل وغیرہ کچھ نہ پڑھنی چاہیے، اور نہ ایسے وقت نوافل پڑھنی چاہیے کہ زوال کا وقت درمیان نماز میں ہو جائے، پس جس گھڑی کے مطابق زوال کا وقت ۱۲/ بج کر ۲۴ منٹ پر ہے، اس کے مطابق اگر ۱۲/ بجے نفل یا قضا نماز اس طرح پڑھے کہ زوال سے پہلے پہلے اس کو ختم کر دے، تو یہ جائز ہے، مگر جب زوال کا وقت قریب آ جائے، اس وقت کوئی نماز شروع نہ کرے، تا کہ ایسا نہ ہو کہ درمیان نماز میں زوال کسی وقت ہو جائے۔ فقط۔"

(فتاویٰ دارالعلوم مکمل ومدلل: ۲/۶۹)

---

(۱) وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ماوراء النهر، وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال إلى أئمة خوارزم. (رد المحتار، كتاب الصلاة: ۳۷۱/۱، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت)

(و) عند (قيامها) أي لا يجوز التلبس بشيء من تلك الثلثة عند انتصاف النهار العرفي كما ذهب إليه أئمة ماوراء النهر ويجوز أن يكون عطفاً على طلوعها والمعنىٰ من انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال كما ذهب إليه أئمة خوارزم كما في العمان. (جامع الرموز، كتاب الصلاة: ٦٦/١، مظهر العجايب كلكته. ط: ١٨٥٨م، انيس)

حضرت اقدس مفتی صاحب کے اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ نماز کے ممنوع ہونے میں ضحوۂ کبریٰ یا نصف النہار شرعی کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ عین وقت زوال کا اعتبار ہے، جس کو وقت استوا یا نصف النہار حقیقی کہتے ہیں۔

جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح ناجائز ہے، جس طرح عام دنوں میں، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں اس کی اجازت نقل کی گئی ہے۔(۱) جو حضرات جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نماز پڑھتے ہیں، غالباً وہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر عمل کرتے ہوں گے۔ لیکن فقہ حنفی میں راجح اور معتمد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول ہے۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ جمعہ کے دن بھی استوا کے وقت نماز پڑھنے میں توقف کیا جائے۔(۲) واللہ اعلم بالصواب (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۰۵-۲۰۷)

سایۂ اصلی سے کیا مراد ہے:

سوال: فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک عبارت: "**بلوغ ظل كلّ شئ مثليه سوى فئ زوال**" کا کیا مطلب ہے؟ اور اس استثنا سے کیا مراد ہے؟

الجواب

عین نصف النہار کے وقت جو کسی چیز کا سایہ ہوتا ہے، یہ سایۂ اصلی کہلاتا ہے، مثل اوّل اور مثل دوم کا حساب کرتے ہوئے سایۂ اصلی کو مستثنیٰ کیا جائے گا، مثلاً: عین نصف النہار کے وقت کسی چیز کا سایۂ اصلی ایک قدم تھا، تو مثل اوّل ختم ہونے کے لیے کسی چیز کا سایہ ایک مثل مع ایک قدم کے شمار ہوگا۔(۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۰۹)

---

(۱) أما الكلام على النهى عن الصلاة فى نصف النهار فمذهبنا إطلاق النهى للحديث المذكور فى المتن، وأما ما ورد من استثناء يوم الجمعة فقد رواه الشافعى رحمه الله، قال ... عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس إلا يوم الجمعة. (مسند الشافعى، ص: ۳۵) (مسند الشافعى، بترتيب السندى، الباب الحادى عشر فى صلاة الجمعة (ح: ۴۰۸) انيس)

وبه قال الشافعى وأبويوسف رحمهما الله من أئمتنا. (إعلاء السنن، كراهة الصلاة عند الاستواء: ۲/۵۱)

(۲) وذهب الشافعى إلىٰ أن وقت الزوال مكروه إلاّ يوم الجمعة، وذهب الجمهور إلىٰ أنه مكروه مطلقاً. (إعلاء السنن: ۲/۵۱، رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۲، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت)

(۳) وطريق معرفة زوال الشمس وفىء الزوال أن تغرز خشبة مستوية فى أرض مستوية فما دام الظل فى الانتقاص فالشمس فى حد الارتفاع وإذا أخذ الظل فى الازدياد علم أن الشمس قد زالت فاجعل علىٰ رأس الظل علامة فمن موضع العلامة إلى الخشبة يكون فىء الزوال فإذا ازداد علىٰ ذلک وصارت الزيادة مثلى ظل أصل العود سوى فىء الزوال ...إلخ. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۵۱، كتاب الصلاة، الباب الأوّل فى المواقيت وما يتّصل بها)

نصف النہار سے کیا مراد ہے:

سوال: اوقات مکروہہ ثلاثہ، غروب، طلوع اوراستوا، اکثر کتبِ متون اورشروح میں مذکور ہیں، غروب وطلوع تو معلوم ہیں، لیکن استوا کے متعلق مختلف الفاظ ہیں۔

مسلم شریف میں ہے:

"حین یقوم قائم الظهیرة". (۱)

ابوداوٗد شریف میں ہے:

"نصف النهارحتی تزول الشمس". (۲)

منیۃ المصلی میں ہے:

"وقت الزوال". (۳)

نورالایضاح میں ہے:

"استوائها". (۴)

بہشتی زیور میں ٹھیک دو پہر، اوراکثر کتب میں ضحوۂ کبریٰ ہے۔

یہ سب ایک چیز ہیں یا علیحدہ علیحدہ؟ صحیح وقت نصف النہار کب شروع ہوتا ہے، اوراس کی شناخت کیا ہے؟ کراہت نماز کے لئے نصف النہار شرعی مراد ہے یا حقیقی؟ (مولوی شاہ محمد سلیسوی)

الجواب

طحطاوی، ص:۱۰۰ میں ہے:

(قوله والثانی عند استوائها) وعلامته أن یمتنع الظل عن القصرولایأخذ فی الطول فإذا صادف أنه شرع فی ذلک الوقت بفرض قضاء أوقبله وقارن هذا الجزء اللطیف شیئًا من الصلٰوة قبل القعود قدرالتشهد فسدت.

---

(۱) الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها (ح:۱۹۲۹) انیس

(۲) عن أبی قتادة أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن الصلاة نصف النهارإلا یوم الجمعة لأن جهنم تسعر کل یوم إلا یوم الجمعة. (سنن أبی داؤد، باب الصلٰوة یوم الجمعة قبل الزوال، کتاب الصلٰوة، تفریع أبواب الجمعة (ح:۱۰۸۳)/ سنن البیهقی، باب الصلاة یوم الجمعة نصف النهارالخ (ح:۵۶۸۸) انیس)

(۳) منیةالمصلی مع الکبیری، کتاب الصلاة: ۲۳۶، مطبع سنده. انیس

(۴) نورالإیضاح، کتاب الصلٰوة. انیس

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ نصف النہار سے مراد نصف النہار حقیقی ہے اور یہی اصل ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ سایہ کم ہوجانا بند ہوجائے، اور ابھی تک بڑھنا شروع نہ ہوا ہو، البتہ ائمۂ ماوراء النہر کے ہاں، اس سے مراد نصف النہار عرفی ہے۔

وعزا فی القهستانی القول بأن المراد انتصاف النهار العرفی إلٰی أئمة ماوراء النهر، آه. (رد المحتار، کتاب الصلاة: ۳۴۵/۱، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت) **فقط واللّٰه اعلم**

از دارالافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ، رئیس الجامعہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۸۴/۲-۱۸۵)

استواء شمس معلوم کرنے کا طریقہ:

سوال: وقت مکروہ استواء شمس ہے، اس کا تعیینی وقت کتنے منٹ رہتا ہے، اور اس کے جاننے کے لئے کیا اصول ہے؟ واضح رہے کہ ایک فریق زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے قائل ہے، لیکن اس کے برعکس فریق مخالف عام طور پر شائع ہونے والے اوقات صلوٰۃ کلنڈر دیکھتے ہوئے چالیس یا پینتالیس منٹ کے قائل ہے؟

هو المصوب

(وقت الظهر من زواله) أی میل ذکاء عن کبد السماء.

(قوله عن کبد السماء) أی وسطها بحسب ما یظهر لنا، ط. (۱)

وعن محمد: یقوم مستقبل القبلة، فما دامت الشمس علٰی حاجبه الأیسر فالشمس لم تزل و إن صارت علٰی حاجبه الأیمن فقد زالت وعزاه فی المفتاح إلی الإیضاح قائلاً: إنه أیسر، مما سبق عن المبسوط من غرز الخشبة، إسماعیل. (۲)

استواء شمس معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دھوپ میں دوپہر سے قبل زمین کی سطح برابر کرکے ایک خط مستقیم جنوباً وشمالاً کھینچ دیا جائے، بعدہ اس خط کے جنوبی حصہ میں ایک لکڑی کھڑی کردی جائے، دوپہر سے قبل سایہ اس لکڑی کا عین خط پر نہ ہوگا، بلکہ اس خط سے مغرب کی طرف قدرے مائل ہوگا، پھر وقتاً فوقتاً خط کی طرف آنا شروع ہوگا، حتی کہ بالکل اس خط پر منطبق ہوجائے گا، یہ وقت عین دوپہر کا ہے۔ اس کے بعد سایہ شرق کی طرف مائل ہونے لگے گا، یہ ظہر کا وقت ہے۔ (۳)

---

(۱) ردالمحتار علی هامش الدر المختار، کتاب الصلاة، مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام: ۳۵۹/۱۔

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام، الخ.: ۳۶۰/۱۔ دار الفکر بیروت

(۳) رد المحتار: ۳۶۰/۱/ العنایة فی شرح الهدایة علٰی هامش فتح القدیر: ۲۲۱/۱۔

مشاہدہ میں استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کا تخمینہ ہے، لہذا نقشوں میں دیئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔ (احسن الفتاویٰ:۱۳۸/۲)

مندرجہ بالا اقوال فقہا سے جو اصول معلوم ہوتا ہے، اس کے مطابق زوال کا وقت مکروہ ڈھائی یا تین منٹ تخمیناً رہتا ہے، دس منٹ کے اقوال احتیاط پر مبنی ہیں۔

تحریر: محمد مستقیم ندوی، تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۲۰/۱۔۳۲۱)

زوال کے وقت کی تعریف:

سوال: نماز پڑھنے کا مکروہ وقت، یعنی زوال کے بارے میں مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔

(۱) زوال صرف ایک یا دو منٹ کے لیے ہوتا ہے۔

(۲) زوال بیس یا پچیس منٹ کے لیے ہوتا ہے۔

(۳) جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا۔

(۴) زوال کے لیے احتیاطاً آٹھ دس منٹ کافی ہیں۔

الجواب

اوقات کے نقشوں میں جو زوال کا وقت لکھا ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد نماز جائز ہے، زوال میں تو زیادہ منٹ نہیں لگتے، لیکن احتیاطاً نصف النہار سے ۵/منٹ قبل اور ۵/منٹ بعد نماز میں توقف کرنا چاہیے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کے دن استوا کے وقت نماز درست ہے(۱) اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی اور احتیاط پر مبنی ہے، اس لیے عمل اسی پر ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲۰۷/۳)

مکروہ وقت زوال ہے یا استوا:

سوال: اوقات مکروہ (میں)، وقت زوال شمس ہے یا استواء شمس؟ اور اس کے علاوہ موجودہ اوقات کے اعتبار سے کیا وقت ہے، اور کتنی دیر ہے؟

---

(۱) عن أبی قتادة أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن الصلاة نصف النهار إلا یوم الجمعة لأن جهنم تسعر کل یوم إلایوم الجمعة.(سنن أبی داؤد، باب الصلوٰة یوم الجمعة قبل الزوال، کتاب الصلوٰة، تفریع أبواب الجمعة (ح: ۱۰۸۳) وبه قال الشافعی وأبویوسف رحمهما اللّٰہ من أئمتنا. (إعلاء السنن، کراهة الصلاة عند الإستواء: ۵۱/۲، انیس)

(۲) وذهب الشافعی إلٰی أن وقت الزوال مکروه إلاّ یوم الجمعة، وذهب الجمهور إلٰی أنه مکروه مطلقاً(إعلاء السنن: ۵۱/۲ / رد المحتار، کتاب الصلاة: ۳۷۲/۱، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت)

ھو المصوب

اوقات ممنوعہ میں استواء شمس ہے، ایک مختصر لمحہ کے بعد جب زوال شمس ہوجائے، وقت ممنوع ختم ہوجاتا ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی، تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۱۹-۳۲۰)

زوال کا وقت کتنی دیر رہتا ہے:

سوال: وقت زوال کا وقفہ کتنا ہوتا ہے؟

ھو المصوب

وقت زوال کا وقفہ حساب کے اعتبار سے دو منٹ ۸/سکنڈ ہے، لیکن احکام شرع میں حساب وریاضی پر انحصار نہیں، بلکہ مشاہدہ معتبر ہے۔ اس لئے نقشہ میں جو وقت زوال ہے، اس سے پانچ منٹ قبل و پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۱۸) ☆

(۱) عقبة بن عامر الجهني. رضي الله عنه. يقول: " ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن ... حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، الخ. (الصحيح لمسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها (ح: ۱۹۲۹) / سنن أبي داؤد، باب الدفن عند طلوع الشمس و غروبها (ح: ۳۱۹۲) انيس)

" ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة... وعند الانتصاف إلىٰ أن تزول". (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۵۲)

(۲) قوله "إذا زالت الشمس" قيل: أصح ما قيل في معرفة الزوال قول محمد بن شجاع أنه يغرز خشبة في مكان ... ويجعل علىٰ مبلغ الظل منه علامة فمادام الظل ينقص من الخط فهو قبل الزوال فإذا وقف لايزيد ولاينقص فهو ساعة الزوال التي هي عبارة عن فيء الزوال فإذا أخذ الظل في الزيادة فقد علم أن الشمس قد زالت كذا في المبسوط. (العناية في شرح الهداية علىٰ هامش فتح القدير: ۱/۲۲۱)

☆ زوال سے پہلے مکروہ وقت:

سوال: جو اسلامی دائمی جنتری مسجدوں میں اوقات نماز معلوم کرنے کے لئے لگی رہتی ہے، اس میں دوپہر کا جو وقت زوال تحریر ہے، وہ وقت زوال شروع ہے، یا ختم ہے، کیوں کہ امام صاحب ختم زوال کہتے ہیں اور کچھ لوگ شروع زوال کہتے ہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں؟

ھو المصوب

وقت زوال، نہ شروع زوال ہے اور نہ ختم زوال ہے، بلکہ عین زوال کا وقت ہے، جو چند لمحوں کے لئے رہتا ہے۔ امام صاحب کی رائے درست ہے، زوال سے مراد ختم استوا ہے، اس کے بعد نماز پڑھ سکتے ہیں۔(وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلىٰ أن تزول الشمس ولايخفىٰ أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۲/۳۱)

تحریر: محمد مستقیم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۱۹)

وقت استوا:

سوال: زوال کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟ شروع اور آخر کی مقدار گھڑی رائج کے وقت سے کیا ہے، یعنی موسم گرما میں کب سے کب تک، وقت زوال کا انتظار کر کے، کوئی نفل نماز مثل تحیۃ المسجد وغیرہ شروع کی جاوے، اور موسم سرما میں موسم گرما سے کس قدر اور کتنا فرق رکھا جاوے؟ سورج کے قائم ہونے سے زوال تک، صحیح وقت اور احتیاط کا درجہ، دونوں کی مقدار کی ابتدا اور انتہا سے الگ الگ مطلع فرمادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نصف النہار یعنی استوائے شمس کے وقت، نماز مکروہ تحریمی ہے۔(۱) اور اس وقت کی مقدار اس قدر نہیں ہوتی کہ اس میں نماز ادا کی جا سکے، بلکہ بہت قلیل ہوتی ہے، گھڑی رائج الوقت کے اعتبار سے ایک منٹ بھی نہیں ہوتی، اور وقت، موسم اور بلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے، ہمارے اطراف میں ایک زمانہ میں ۱۲؍بج کر آٹھ منٹ پر ہوتا ہے اور ایک زمانہ میں ۱۲؍بج کر اڑتیس منٹ پر ہوتا ہے، بس اسی کے درمیان درمیان رہتا ہے، جیسا کہ اسلامی جنتری میں ہے، جس زمانہ میں جس وقت استوا ہو، اس وقت سے کچھ منٹ پہلے اور کچھ منٹ بعد نماز نہ پڑھنا، احتیاط ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۱۱؍۷؍۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۶/۵)

---

(۱) عن عمرو بن عبسة السلمی قال: ...قدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة فقدمت المدینة فدخلت علیه،فقلت: ... ثم صلّ فإن الصلٰوة مشهودة محضورة حتی یستقل الظل بالرمح،ثم اقصر عن الصلٰوة فإن حینئذ تسجر جهنم، فإذا أقبل الفیء فصلّ،الخ. (الصحیح لمسلم،کتاب الصلٰوة، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فیها (ح: ۸۳۲)انیس)

"(وکره)تحریمًا...(صلاة)...(ولو)...(علٰی جنازة وسجدة تلاوة وسهو)...(مع شروق)...(واستواء)... (وغروب،إلا عصر یومه)". (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۰/۱-۳۷۲،سعید)

(۲) "ولا یخفٰی أن زوال الشمس إنما هو عقیب انتصاف النهار بلا فصل، وفی هذا القدر من الزمان لا یمکن أداء صلاة فیه،فلعل المراد أنه لا تجوز الصلٰوة بحیث یقع جزء منها فی هذا الزمان،أو المراد بالنهار هو النهار الشرعی وهو من أول طلوع الصبح إلٰی غروب الشمس، وعلٰی هذا یکون نصف النهار قبل الزوال بزمان یعتد به آه،إسماعیل ونوح وحموی". (رد المحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۱/۱، سعید)

"(ووقت الظهر من زواله):أی میل ذکاء عن کبد السماء. (الدر المختار) (قوله:عن کبد السماء):أی وسطها بحسب ما یظهر لنا،ط". (رد المحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام الخ: ۳۵۹/۱،سعید)

ضحوۂ کبریٰ سے لیکر زوال تک نماز نہ پڑھی جائے:

مورخہ: ۱۸/اکتوبر کو دائمی جنتری پر گیارہ بج کر ۱۸/منٹ پر ضحوۂ کبریٰ اور گیارہ بج کر ۵۷/منٹ پر زوال تھا، تحقیق کے لئے لکھا ہے کہ اس میں مکروہ وقت کہاں سے کہاں تک ہے، مثلاً اگر کوئی جنازہ پڑھے، یا کوئی نفل وغیرہ مذکورہ وقت میں پڑھے، تو احتیاطاً کس وقت سے مکروہ وقت شروع ہوگا، اور ضحوۂ کبریٰ سے کیا مراد ہے۔ اگر کوئی جنازہ گیارہ بج کر ۱۸/منٹ کے بعد بیس یا پچیس منٹ پر پڑھا گیا، تو کیا یہ مکروہ وقت میں ہے، یا بلا کراہت جائز ہے؟

الجواب ___________________

اس کے بارے میں احتیاط یہ ہے کہ ضحوۂ کبریٰ سے لے کر زوال تک نماز نہ پڑھے، **للاختلاف**. (۱)
چاشت کی نماز ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے پڑھ لے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان۔ ۱۷/۱۰/۱۴۰۶ھ۔
الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۸۳/۲)

استواء شمس کے وقت نماز درست نہیں:

سوال: چاشت وغیرہ کی نوافل، ۱۲/بجے پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ اور جنتری اسلامیہ میں زوال یا قضا نماز کا وقت بارہ بج کر ۲۴/منٹ پر لکھا ہے۔

الجواب ___________________

زوال کے وقت نوافل وغیرہ کچھ نہ پڑھنی چاہئے، اور نہ ایسے وقت نوافل پڑھنی چاہئے کہ زوال کا وقت درمیان نماز میں ہوجائے۔ پس جس گھڑی کے موافق زوال کا وقت ۱۲ بج کر ۲۴/منٹ پر ہے، اس کے مطابق اگر ۱۲/بجے نماز نفل یا قضا نماز اس طرح پڑھے کہ زوال سے پہلے پہلے اس کو ختم کردے، تو یہ جائز ہے، مگر جب قریب زوال کا وقت آجاوے، تو اس وقت کوئی نماز شروع نہ کرے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ درمیان نماز میں زوال کا وقت ہوجاوے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶۹/۲)

---

(۱) وفي القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل: من نصف النهار إلى الزوال، لرواية أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن الصلوٰة نصف النهار حتى تزول الشمس، قال ركن الدين الصباغي وما أحسن هذا، لأن النهي عن الصلوٰة فيه يعتمد تصورها فيه. آه، وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلىٰ أئمة ماوراء النهر وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرى إلى الزوال إلىٰ أئمة خوارزم. آه. (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۱/۱)

(۲) (وكره) تحريمًا، وكل مالايجوز مكروه (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبةً أو نفلاً أو ==

زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا:

سوال: نماز جنازہ ٹھیک بارہ بجے دن کے، پڑھنا کیسا ہے؟ دیگر کیا مذکورالصدر نماز میں کوئی زوال کا وقت قرار پایا جاتا ہے۔ رقم شدہ سوال کا جواب احادیث نبویہ سے ومعتبر فقہ کتب حنفی سے سرفراز فرماویں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر جنازہ نصف النہار سے پہلے آیا ہو، تو عین نصف النہار کے وقت نماز جنازہ درست نہیں۔ حدیث میں ہے:

’’نہانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (إلٰی قولہ) أو أن نقبر فیہا موتانا. کذا فی الہدایۃ. (۱)

لیکن نصف النہار کا وقت، موسموں میں اور مختلف شہروں میں ہمیشہ مختلف رہتا ہے، جو جنتریوں سے معلوم ہوسکتا ہے، بارہ بجے کی کوئی تخصیص نہیں۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی أعلم (امداد المفتین: ۲/۲٦۵)

صلوٰہ جنازہ بوقتِ استوا:

سوال: اگر ظہر کے وقت جنازہ حاضر کیا جائے، تو اسی وقت صلوٰۃ جنازہ جائز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدا ومصلیاً

عین استوا کے وقت اگر جنازہ حاضر ہو، تو اسی وقت صلوٰۃ جنازہ مکروہ نہیں، لیکن اگر استوا سے قبل حاضر ہو، تو عین استوا کے وقت مکروہ تحریمی ہے۔

== (علٰی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو) لاشکر. قنیۃ (مع شروق) الخ (واستواء). (الدر المختار علٰی ہامش رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳٤۳-۳٤٤)

لماروی مسلم وغیرہ من حدیث عقبۃ بن عامر. رضی اللّٰہ عنہ: ثلٰث ساعات کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینہانا أن نصلی فیہن أو أن نقبر موتانا حین تطلع الشمس بازغۃً حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظہیرۃ حتی تمیل الشمس وحین تضیف للغروب حتی تغرب. (غنیۃ المستملی: ۲۳۵، ظفیر)

الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا (ح: ۱۹۲۹)/ سنن أبی داؤد، باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبہا (ح: ۳۱۹۲)/ سنن الترمذی، باب ما جاء فی کراہیۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ (ح: ۱۰۳۰) انیس)

(۱) (لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامہا فی الظہیرۃ ولا عند غروبہا) لحدیث عقبۃ بن عامر قال: ثلثۃ أوقات نہانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن نصلی فیہن وأن نقبر فیہا موتانا عند طلوع الشمس حتی ترتفع وعند زوالہا حتی تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب. والمراد بقولہٖ وأن نقبر صلوٰۃ الجنازۃ؛ لأن الدفن غیر مکروہ. (الہدایۃ، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الأوقات التی تکرہ فیہا الصلوٰۃ: ۱/٦۸)

والحدیث فی الصحیح لمسلم، باب الأوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا (ح: ۱۹۲۹) انیس)

”(وکره)تحريمًا ... (صلاة) ...(ولو) ...(علىٰ جنازة وسجدة تلاوة وسهو)...(مع شروق) ...(واستواء)...(وغروب،إلاعصريومه)...(وينعقد نفل بشروع فيها)بكراهة التحريم (لا)... (الفرض) ... (وسجدة تلاوه وصلاة جنازة تليت) الآية (فى كامل وحضرت) الجنازة (قبل) لوجوبه كاملاً فلا يتأدى ناقصًا،فلووجبتا فيها،لم يكره فعلهما،آه.(الدرالمختارمختصرًا)

قال الشامى:”(قوله:فلووجبتا فيها)أى بأن تليت الآية فى تلك الأوقات أوحضرت فيها الجنازة،آه.(رد المحتار:۳۸۸)(۱)فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور-۳/۲/۱۳۵۶ھ-

صحیح:عبداللطیف-الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ-(فتاویٰ محمودیہ:۳۷۶/۵)

ظہر کا ابتدائی وقت کیا ہے اور گیارہ بجے نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: ظہر کا ابتداء وقت کیا ہے اور اگر کوئی شخص بوجہ اشد ضرورت گیارہ بجے دن کے نماز پڑھ لے،تو کیا نماز ہوگی؟

الجواب

ظہر کا ابتداء وقت زوال آفتاب کے بعد سے ہے،(۲)جو آج کل قریب ساڑھے بارہ بجے،ریلوے ٹائم سے

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار،كتاب الصلوٰة،مطلب يشترط العلم بدخول الوقت:۳۷۰/۱-۳۷٤،سعيد

”الأوقات التى يكره فيها الصلوٰة الخمسة،ثلاثة يكره فيها التطوع والفرض:وذلك عند طلوع الشمس ووقت الزوال وعند غروب الشمس، إلا عصريومه،فإنها لايكره عند غروب الشمس ... وفى التحفة:أن الأفضل فى صلوٰة الجنازة فى هذه الأوقات أن يؤديها و لا يؤخرها،وكذا سجدة التلاوة ، فإنه إنما يكره فى هذه الأوقات فيما إذا كانت التلاوة فى غيرهذه الأوقات،أما لوتلا فى وقت مكروه وسجدها فيه،جازمن غيركراهة“.

”ولايجوزفى هذه الأوقات صلوٰة الجنازة،ولاسجدة التلاوة،ولاسجدة السهو،ولا قضاء فرض ... وفى الينابيع: ولوصلى التطوع فى هذه الأوقات الثلاثة، يجوزويكره، والأولىٰ أن يقطعها ويقضيها فى وقت مباح“.(الفتاوىٰ التاتار خانية،كتاب الصلوٰة،نوع آخرفى بيان الأوقات التى يكره فيها الصلوٰة: ٤٠٧/١-٤٠٨،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية،كراچى)

(۲) وأوّل وقت الظهرإذا زالت الشمس لإمامة جبريل فى اليوم حين زالت الشمس.(الهداية،كتاب الصلوٰة، باب المواقيت:٤٦/١)

أخبرنى ابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم قال:” أمنى جبرئيل.عليه السلام.عند البيت مرتين فصلى الظهرفى الأولىٰ منهما حين كان الفىء مثل الشراك،ثم صلى العصرحين كان كل شىء مثل ظله ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ثم صلى الفجرحين برق الفجروحرم الطعام على الصائم، وصلى المرة الثانية الظهرحين كان ظل كل شىء مثله لوقت العصربالأمس ==

ہوتا ہے۔ زوال سے پہلے کسی طرح اور کسی وقت اور کسی ضرورت سے درست نہیں۔ پس گیارہ بجے کسی طرح نماز ظہر ادا نہیں ہوسکتی۔(۱)

بعد از وقت تو نماز بطریق قضا صحیح ہو جاتی ہے، مگر قبل از وقت جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔(۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۲/۷۴-۷۵)

جمعہ کے دن دو پہر میں نفل درست ہے یا نہیں:

السوال: إن الصلٰوة النافلة نصف النهاريوم الجمعة،هل تباح أوتكره؟(۳)

الجواب

أقول وبالله التوفيق:إن الاحتياط فى عدم التنفل فى ساعة الزوال يوم الجمعة كما عليه الشروح والمتون ومذهب الإمام راجح من حيث الدليل فينبغى عليه التعويل.(۴)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۶۸)☆

== ثم صلى العصرحين كان ظل كل شيء مثليه ثم صلى المغرب لوقته الأول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين أسفرت الأرض ثم التفت إلى جبرئيل.عليه السلام.فقال:'' يا محمد! هذا وقت الأنبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين''.(سنن الترمذى،باب ماجاء فى مواقيت الصلٰوة عن النبى صلى الله عليه وسلم، أبواب الصلٰوة (ح:۱۴۹)/سنن أبى داؤد،باب المواقيت(ح:۳۹۳)انيس)

(۱) (وقت الظهرمن زواله)أى ميل ذكاء عن كبد السماء(إلٰى بلوغ الظل مثليه)(الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،كتاب الصلٰوة،مطلب فى تعبده صلى الله عليه وسلم: ۱/۳۳۲،ظفير)

(۲) وشرط فى أدائها، الخ،دخول لوقت واعتقاد دخوله.(الدرالمختار)(لوقت)أى وقت المكتوبة....(واعتقاد دخوله)أومايقوم مقام الاعتقاد من غلبة الظن،فلوشرع شاكاً فيه لاتجزيه. (ردالمحتار،باب صفة الصلٰوة،بحث شروط التحريمة: ۱/۴۵۱،۴۵۲،ظفير)

(۳) ترجمۂ سوال: جمعہ کے دن دو پہر میں نفل نماز درست ہے یا مکروہ؟ انیس

(۴) ترجمۂ جواب: جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نہ پڑھنا ہی احتیاط ہے، جیسا کہ تمام متون وشرح میں ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک دلیل کی بنیاد پر راجح ہے، لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا چاہئے۔ انیس

(لاتجوزالصلٰوة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها فى الظهيرة ولاعند غروبها)لحديث عقبة بن عامر، الخ. (الهداية،باب المواقيت،فصل فى الأوقات التى تكره فيها الصلٰوة: ۱/۶۸،ظفير)

عن عقبة بن عامر.رضى الله عنه.قال:ثلٰثة أوقات نهانارسول الله عليه السلام أن نصلى وأن نقبرفيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيّف للغروب حتى تغرب.(الصحيح لمسلم،باب الأوقات التى نهى عن الصلاة فيها (ح:۱۹۲۹) انيس) ==

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا:

سوال: جمعہ کے دن زوال کے وقت حنفی اور شافعی کو نفل نماز پڑھنا چاہیے یا کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نفل پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔(کما فی الشامی:۳۴۵)(۱)

== والمراد بقوله وأن نقبر صلٰوة الجنازة لأن الدفن غیرمکروه والحدیث بإطلاقه حجة علی الشافعی فی تخصیص الفرائض وبمکة،وحجة علٰی أبی یوسف فی إباحة النفل یوم الجمعة وقت الزوال.قال:(ولاصلٰوة جنازة لما روینا(و لاسجدة تلاوة)؛لأنها فی معنی الصلٰوة(إلا عصریومه عند الغروب).(الهدایة،فصل فی الأوقات التی تکره فیها الصلٰوة: ۶۸/۱،انیس)

”(وکره)تحریماً الخ(صلاة)مطلقاً الخ(مع شروق)الخ(واستواء)إلا یوم الجمعة علٰی قول الثانی المصحح المعتمد،کذا فی الأشباه.(الدرالمختار)

(قوله إلا یوم الجمعة):لما رواه الشافعی فی مسنده:”نهی عن الصلاة نصف النهارحتی تزول الشمس إلا یوم الجمعة“،قال الحافظ ابن حجر:فی إسناده انقطاع الخ (قوله:المصحح المعتمد)اعترض بأن المتون والشروح علٰی خلافه الخ لکن شراح الهدایة انتصروا لقول الإمام وأجابوا عن الحدیث المذکور،الخ.(رد المحتار،کتاب الصلاة، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۳۴۳/۱-۳۴۵،ظفیر)

☆ **نصف النہار میں جمعہ کے دن نفل درست نہیں:**

سوال(۱) جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نفلی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جمعہ کے پہلے کی سنتیں نصف النہار کے وقت جائز نہیں:

سوال(۲) جمعہ کی سنتیں نصف النہار میں پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجوابــــــــــــــــ

۱۔ موافق مذہبِ امام ابوحنیفہ صحیح نہیں ہے،اور امام ابو یوسف صحیح کہتے ہیں،لیکن احوط قول امام اعظم کا ہے۔((وکــــره) تحریماً، الخ (صلاة)مطلقاً(ولو)قضاء أوواجبةً أونفلاً الخ(مع شروق)الخ(واستواء)إلا یوم الجمعة علٰی قول الثانی المصحح المعتمد،کذا فی الأشباه.(الدرالمختار)....لکن شراح الهدایة انتصروا لقول الإمام وأجابوا عن الحدیث المذکوربأحادیث النهی عن الصلٰوة وقت الاستواء فإنها محرمة.(ردالمحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۳۴۵/۱)

۲۔ نہیں پڑھ سکتے۔((وجمعة کظهرأصلاً واستحباباً)فی الزمانین لأنها خلفه.(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب فی طلوع الشمس: ۳۴۰/۱)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۷۱-۷۲)

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلٰوة،مطلب یشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۰/۱-۳۷۲،دارالفکر-انیس

شوافع کا مسلک، بہتر یہ ہے کہ محققین شوافع ہی سے دریافت کیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۲۲/۱۰/۱۳۸۸ھ۔الجواب صحیح:محمود عفی عنہ۔
الجواب صحیح:سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۲۶۔۲۷)

جمعہ کے دن بوقت زوال تلاوت اور نفل کا کیا حکم ہے:

سوال: عین زوال کے وقت یا دوپہر کے وقت تلاوت قرآن شریف اور نوافل کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عین زوال کے وقت یا یوں کہئے کہ استوا اور دوپہر کے وقت تلاوت قرآن شریف درست ہے اور نوافل امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ناجائز ہیں، اور امام ابویوسف جائز فرماتے ہیں۔درمختار میں ہے:

”(وكره)تحريمًا(صلوٰة)مطلقاً (ولو)قضاء أوواجبةً أونفلاً ،الخ(مع شروق)الخ(واستواء) إلا يوم الجمعة علىٰ قول الثانى المصحح المعتمد،الخ.

وفى الشامي:لكن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام“.(۲)

اور احتیاط قول امام اعظمؒ میں ہے اور اوسع قول امام ابویوسفؒ کا ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۷۳)

جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو نماز تسبیح پڑھنے کا حکم:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ میں سہارنپور گیا تھا، وہاں جا کر دیکھا، تو جمعہ مسجد میں جمعہ کے وقت ٹھیک دوپہر بارہ بجے صلوٰۃ التسبیح پڑھنے لگے، میں نے کہا کہ زوال کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے، انہوں نے کہا کہ جمعہ کو جائز ہے، تم دریافت کرو، آپ فرماویں کہ یہ کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) علامہ نووی رحمہ اللہ کی تشریح کے مطابق جمعہ کے روز استواء شمس کے وقت نفل پڑھنا جائز ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے۔قال:

الصلوٰة المنهى عنها فى هذه الأوقات يستثنى منها زمان ومكان،أما الزمان فعند الاستواء يوم الجمعة ولايلحق به باقى الأوقات يوم الجمعة على الأصح،فإن ألحقنا جازالتنفل يوم الجمعة فى الأوقات الخمسة لكل أحد، وإن قلنا بالأصح فهل يجوز التنفل لكل أحد عند الاستواء،وجهان:أصحهما:نعم،والثانى لايجوزلمن ليس فى الجامع وأما من فى الجامع ففيه وجهان:أحدهما يجوز مطلقاً والثانى يجوزبشرط أن يبكرثم يغلبه النعاس وقيل يكفى النعاس بلاتبكير، وأما المكان فمكة-زادهاالله شرفًا-لاتكره الصلوٰة فيها فى شيء من هذه الأوقات سواء صلوٰة الطواف وغيرها.وقيل إنما يباح ركعتا الطواف والصواب الأول،والمراد بمكة جميع الحرم وقيل إنما يستثنى نفس المسجد الحرام والصواب المعروف هوالأول. (روضة الطالبين وعمدة المفتين،كتاب الصلوٰة،باب الأول فى المواقيت، فصل الصلوٰة المنهى عنها فى هذه الأوقات:۱/۱۹٤، المكتب الإسلامى للطباعة والنشر،انيس)

(۲) دیکھئے:رد المحتار، كتاب الصلوٰة،مطلب يشترط العلم بدخول الوقت:۱/۳٤۳. ظفیر

الجواب

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے دن ٹھیک دو پہر کو نماز پڑھنا جائز ہے،(۱) اور بعض علما نے ان کے قول پر فتویٰ بھی دیا ہے، لیکن ہمارے اور اکثر محقق فقہا وعلما کے نزدیک امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہے کہ جمعہ کے دن بھی مثل اور دنوں کے اس وقت نماز جائز نہیں، جیسا کہ شامی (۲) اور بدائع میں مصرح ہے، بوجہ طوالت کا رڈ میں عبارت نہیں لکھی گئی۔

نوٹ: ٹھیک دو پہر ریلوے کے بارہ بجے نہیں ہوتا، بلکہ کچھ منٹ بعد ہوتا ہے اور ہر موسم میں کچھ فرق ہوتا رہتا ہے۔

کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ۔ (امدادالاحکام: ۲/۲۲-۲۳)

(۱) الهداية،فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلوٰة: ۱/۸۶،انيس

(۲) (وكره)تحريماً(صلوٰة)مطلقاً(ولو)قضاء أو واجبةً أو نفلاً الخ(مع شروق)الخ(واستواء)إلايوم الجمعة على قول الثاني المصحح المعتمد ...لكن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة،مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۱-انيس)

☆ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: زوال کے وقت نماز پڑھنے کے متعلق جمعہ کے دن درمختار میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کو مخدوش کر دیا ہے، لیکن خود کوئی فیصلہ نہیں کیا، اب قول فیصل کیا ہے؟

الجواب

علامہ شامی نے صاف طور پر ترجیح دی ہے قول امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور فتح القدیر نے جو قول ابو یوسف کو ظاہراً ترجیح دی ہے، اس کے متعلق لکھا ہے۔" لكن لم يعول عليه في شرح المنية والإمداد،علىٰ أن هذا ليس من المواضع التي يحمل فيها المطلق على المقيد كما يعلم من الأصول.وأيضاً فإن حديث النهي صحيح رواه مسلم وغيره فيقدم بصحته،واتفاق الأئمة على العمل به وكونه حاظرًا،الخ.

اوراخیر میں اپنی تائید میں تحریر فرماتے ہیں:ورأيت في البدائع أيضًا مانصه: ما ورد من النهي إلا بمكة شاذ لايقبل في معارضة المشهور، وكذا رواية استثناء يوم الجمعة غريب فلا يجوزتخصيص المشهوربه،آه ولله الحمد.(رد المحتار، كتاب الصلوٰة،مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۲،انيس)

اس سے صاف واضح ہے کہ راجح قول امام صاحب کا ہے، اور جمعہ کو بھی دیگر ایام کی طرح استوا کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

۳ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۴)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنا:

سوال: جمعہ کے روز دو پہر کو بھی نماز پڑھنا جائز ہے؟ جس وقت میں اور دنوں میں نماز کو منع کرتے ہیں، جائز ہے، یا کیا حکم ہے؟

الجواب

جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن زوال کے وقت تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــ وباللہ التوفیق

زوال کے وقت کوئی نماز جائز نہیں ہے، جمعہ کا دن ہو یا کوئی دن۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۳۰/۷/۵/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۰۷)

مکہ مکرمہ میں اور جمعہ کے دن بھی زوال کا وقت ہوتا ہے:

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ خانۂ کعبہ میں زوال کا وقت کبھی نہیں آتا اور عبادت کبھی نہیں رکتی؟ اور عام جگہوں پر جمعہ کو زوال کا وقت نہیں ہوتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــ

زوال کے وقت (اور اسی طرح دوسرے مکروہ اوقات میں) نماز ممنوع ہے، خواہ مکہ مکرمہ میں ہو یا غیر مکہ میں، اور جمعہ کا دن ہو یا کوئی اور۔(۲)

== بعض علما کے نزدیک درست ہے۔(بعض علما سے علماء شوافع اور امام ابو یوسف مراد ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الهداية، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلٰوة: ۸۶/۱/روضة الطالبين وعمدة المفتين، كتاب الصلٰوة، باب الأول في المواقيت، فصل الصلٰوة المنهى عنها في هذه الأوقات: ۱۹٤/۱، المكتب الإسلامي للطباعة والنشر، انيس)

(بدست خاص، ص۴۱)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۵)

(۱) "ففي هذه الأوقات الثلاثة يكره كل تطوع في جميع الأزمان يوم الجمعة وغيره، وفي جميع الأماكن بمكة وغيرها، وسواء كان تطوعًا مبتدأً لاسبب له أوتطوعًا له سبب كركعتي الطواف وركعتي تحية المسجد ونحوهما ... وما روى من النهي إلابمكة شاذ لا يقبل في معارضة المشهور، وكذا رواية استثناء يوم الجمعة غريبة فلا يجوز تخصيص المشهور بها". (بدائع الصنائع تحت بيان ما يكره من التطوع: ۷٤۲/۲-۷٤۳)

(۲) ثلاث ساعات لاتجوزفيها المكتوبة ولاصلاة الجنازة ولاسجدة التلاوة إذ طلعت الشمس حتى ترتفع وعند الانتصاف إلٰى أن تزول وعند احمرارها إلٰى أن تغيب، الخ. (الفتاوىٰ الهندية: ۵۲/۱)

أيضاً: فإن حديث النهي صحيح رواه مسلم وغيره فيقدم بصحته، واتفاق الأئمة على العمل وكونه حاظرًا، ولذا منع علماؤنا عن سنّة الوضوء وتحية المسجد وركعتي الطواف ونحوذلك فإن الحاظرمقدم على المبيح.

وقد قال أصحابنا: إن الصلاة في هٰذه الأوقات ممنوع منها بمكة وغيرها آه. ورأيت في البدائع أيضاً ما نصه: ماورد من النهي إلا بكمة شاذ لايقبل في معارضة المشهور، وكذا رواية استثناء يوم الجمعة غريبة فلا يجوز تخصيص المشهور به، اهـ. (رد المحتار، كتاب الصلٰوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۲/۱)

امام شافعی اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک تحیۃ الوضواور تحیۃ المسجد ہر وقت جائز ہے، اسی طرح جمعہ کے دن زوال کے وقت دوگانہ جائز ہے۔(۱)

ان حضرات کی دیکھا دیکھی ہمارے لوگ بھی مکروہ اوقات میں نماز شروع کردیتے ہیں، یہ نتیجہ ہے، شرعی مسائل سے ناواقفی کا۔ (آپ کے مسائل اوران کاحل:۲۰۸/۳)

عصر کے فرض کے بعد کوئی سنت نفل نہیں ہے:

سوال: عصر کا بعد بھی مثل وقت فجر کے نوافل کو مانع ہے؟ ــــــــــــ اطلاع چاہتا ہوں۔

الجواب ــــــــــــ

عصر کی نماز کے بعد بھی کوئی نماز سوائے قضا نماز کے جائز نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۷۰/۲)

عصر و مغرب کے درمیان نماز وغیرہ کا حکم:

سوال: اس مسئلہ میں علماءِ دین کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ درمیانِ عصر ومغرب سجدۂ تلاوت ونمازِ جنازہ وقضا فرض یا اور کوئی نماز کسی طرح کی، ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) لما رواه الشافعی فی مسنده:"نهی عن الصلاة نصف النهارحتی تزول الشمس إلا يوم الجمعة"،قال الحافظ ابن حجر:فی إسناده انقطاع الخ(قوله:المصحح المعتمد)اعترض بأن المتون والشروح علٰی خلافه الخ لكن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام وأجابوا عن الحديث المذكورالخ.

(تنبيه) علم ممّا قررناه المنع عندنا وإن لم أره ممّا ذكره الشافعية من إباحة الصلاة فی الأوقات المكروهة فی حرم مكة استدلالا بالحديث الصحيح" يا بنی عبد مناف لاتمنعوا أحدًا طاف بهذا البيت وصلی أية ساعة شاء من ليل أو نهار"فهومقيد عندنا بغيرأوقات الكراهة؛لما علمته من منع علمائنا عن ركعتی الطواف فيها وإن جوزوا نفس الطواف فيها الخ.(رد المحتار،كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۳۷۱/۱ـ۳۷۲، دارالفكربيروت،انيس)

(۲) أما الوقتان الأخران،الخ،فإنه يكره فيهما التطوع فقط ولايكره فيهما الفرض الخ وهما أی الوقتان المذكوران مابعد طلوع الفجرإلٰی أن ترتفع الشمس فإنه يكره فی هذاالوقت النوافل كلها إلا سنة الفجرالخ،وما بعد صلٰوة العصرإلٰی غروب الشمس؛لحديث ابن عباس،الخ. (غنية المستملی: ۲۳۷/۱،ظفير)

(عن ابن عباس.رضی اللّٰه عنهما...أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم نهٰی عن الصلاة بعد الصبح حتی تشرق الشمس، وبعد العصرحتی تغرب. (الصحيح للبخاری،باب الصلاة بعد الفجرحتی ترتفع الشمس (ح: ۵۸۱)/ الصحيح لمسلم، باب الأوقات التی نهی عن الصلاة فيها(ح:)

عن الاشتر قال:كان خالد بن الوليد رضی اللّٰه عنه يضرب الناس علی الصلٰوة بعد العصر. (شرح معانی الآثار،باب الركعتين بعدالعصر (ح:۱۸۳۵)وكذايضرب عمربن الخطاب.(موطاالإمام محمد(ح:۱۵۲)انيس)

الجواب

درمیان عصر و مغرب قبل تغیر شمس، سجدۂ تلاوت ونماز جنازہ وقضا فرض ووتر جائز ہے، اور نوافل وسنن ممنوع ہیں، اور وقت تغیر شمس کے یہ سب چیزیں ممنوع ہیں۔(۱)

" تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها إلا الفرائض هٰكذا في النّهاية والكفاية فيجوز فيها قضاء الفائتة وصلٰوة الجنازة وسجدة التلاوة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان.

(وقال بعد أسطر): منها ما بعد صلٰوة العصر قبل التغير، هٰكذا في النّهاية والكفاية. (الهندية: ۵۱/۱)

" ثلٰث ساعات لايجوز فيها المكتوبة ولاصلٰوة الجنازة ولاسجدة التلاوة إذا طلعت الشّمس حتٰى ترتفع وعند الانتصاف إلٰى أن تزول وعند احمرارها إلٰى أن تغيب". (الهندية: ۵۲/۱) واللّٰه أعلم

(امداد، ص: ۱۷۷، ج: ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۴۸-۱۴۹)

نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے، اگر یہ صحیح ہے، تو فقہ کی کتابوں میں نفل نماز کے سوا دیگر نمازوں کا جواز کیوں بتایا ہے؟

(المستفتی نمبر ۴۰۱، محمد عبدالحفیظ (ضلع نیل گری) ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ، م ۲۶/ ستمبر ۱۹۳۴ء)

الجواب

بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، اس میں نفل نماز کی ہی ممانعت مراد ہے، یہ تصریح نہیں ہے کہ نفل وفرض کوئی نماز نہیں ہوسکتی۔(۲) فقط (کفایت المفتی: ۳/۶۴)

عصر کی فرض نماز کے بعد نوافل یا قضا نمازوں کا پڑھنا کیسا ہے:

سوال: عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد عصر کی سنت یا کوئی قضا نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) لیکن اسی روز کی عصر کی نماز پڑھ لینا چاہئے۔ سعید احمد

(۲) عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: "شهد عندي رجال مرضيون وأرضاهم عمر رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهٰى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس وبعد العصر حتى تغرب". (صحيح البخاري، باب الصلاة بعد الفجر حتٰى ترتفع الشمس: ۸۲/۱، ط قديمي كتب خانه، كراچي)

"منع عن التنفل في هذين الوقتين قصدًا لا عن غيره لرواية الصحيحين" لاصلاة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس" الخ. (البحر الرائق: ۴۳۷/۱)

الجواب ـــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ـ ۱۳۷۱/۱۰/۲۳ھ ـ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۰۸/۲) ☆

بعد نماز عصر سجدۂ تلاوت جائز ہے:

سوال: ایک شخص بعد نماز عصر تلاوت کر رہا ہے، درمیان میں سجدۂ تلاوت آ گیا، کیا وہ عصر اور مغرب کے درمیان سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جائز ہے، البتہ دھوپ پھیکی پڑ چکی ہو، تو مکروہ تنزیہی ہے، یہ حکم تلاوت حاضرہ کا ہے۔ اگر غیر مکروہ وقت میں تلاوت کی ہو، تو اوقات مکروہہ (طلوع، غروب، نصف النہار) میں سجدۂ تلاوت مکروہ تحریمی ہے، نماز جنازہ کا بھی یہی حکم ہے، البتہ جنازہ وقت مکروہ ہی میں تیار ہوا ہو، تو اسی وقت نماز پڑھ لی جائے، اس میں سجدۂ تلاوت حاضرہ کی طرح کراہت تنزیہیہ نہیں۔

قال فی التنویر: بعد صلاة فجر وعصر لا قضاء فائتة وسجدة تلاوة وصلاة جنازة. (تنویر الأبصار متن الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الصلاة، قبیل مطلب فی تکرار الجماعة الخ: ۳۷۵/۱، بیروت)

---

(۱) عن رافع بن خديج يحدث عن أبيه قال: "فاتتني ركعتان من العصر فقمت أقضيهما، فقال ظننتک تصلی بعد العصر ولو فعلت ذلک لفعلت بک وفعلت". (شرح معانی الآثار، باب الرکعتین بعد العصر (ح: ۱۸۳۲) انیس)

عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد نوافل وسنن کا پڑھنا مکروہ ہے، قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلا کراہت درست ہے۔ [مجاہد]

(وکره نفل)... (بعد صلاة فجر) صلاة (عصر) ... (لا) يكره (قضاء فائتة و) لو وترًا أو (سجدة تلاوة وصلاة جنازة). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، قبیل مطلب فی تکرار الجماعة الخ: ۳۶/۲-۳۷)

☆ **نماز عصر کے بعد قضا نماز اور سجدۂ تلاوت کا حکم:**

سوال: نماز عصر کے بعد قضا نماز اور سجدۂ تلاوت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کرنا شرعاً جائز و درست ہے، ایسے وقت میں نوافل پڑھنا ممنوع ہے۔

"(ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب)؛ لما روى أنه عليه السلام نهى عن ذلک، (ولا بأس بأن يصلّى فى هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة و يصلّى على الجنازة)". (الهداية: ۸۵/۱، ۸۶، فصل فی الأوقات التی تکره فیها الصلوٰة) **فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

سہیل احمد قاسمی، ۱۲/رجب ۱۴۱۴ھ ـ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۱۶/۲)

وأیضاً فیه(أی فی التنویر):وکره صلاة ولوعلٰی جنازة وسجدة تلاوة وسهومع شروق واستواء وغروب،إلا عصریومه(إلٰی قوله)وسجدة تلاوة،وصلاة جنازة تلیت فی کامل وحضرت قبل.

لوجوبه کاملاً فلایتأدی ناقصاً،فلووجبتا فیها لم یکره فعلهما: أی تحریمًا.وفی التحفة: الأفضل أن لاتؤخرالجنازة.

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی:(قوله أی تحریمًا)أفاد ثبوت الکراهة التنزیهیة.

وقال تحت(قوله وفی التحفة):فثبتت کراهة التنزیه فی سجدة التلاوة دون صلاة الجنازة. (تنویرالأبصاروالدرالمختارورد المحتار،کتاب الصلاة،قبیل مطلب فی تکرار الجماعة، الخ: ۱/ ۳۷۰-۳۷٤،انیس)فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۲۰/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/ ۱۳۵-۱۳٦)

عصر کے بعد قضا نماز:

سوال: عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

جائز ہے،(۱) جب تک آفتاب غروب کے قریب نہ ہو۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/ ۳۸۲)☆

(۱) عن کریب مولی ابن عباس ... قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:" یا ابنة أبی أمیة ! سألتِ عن الرکعتین بعد العصر،إنه أتانی أناس من بنی عبد القیس بالإسلام من قومهم،فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظهر،فهما هاتان".(الصحیح لمسلم، قبیل باب استحباب الرکعتین قبل المغرب (ح: ۸۳٤)/الصحیح للبخاری،باب ما یصلی بعد العصرمن الفوائت ونحوها(ح:۵۹۰-۱۲۳۳-٤۳۷۰)انیس)

(۲) (وکره نفل)... (بعد صلاة فجرو) صلاة(عصر) ... (لا) یکره (قضاء فائتة و)لووترًا أو(سجدة تلاوة أوصلاة جنازة).(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،قبیل مطلب فی تکرار الجماعة،الخ:۲/ ۳٦،۳۷)

☆ **عصر کے بعد تحیۃ الوضو یا کوئی نماز:**

سوال: عصر اور مغرب کے درمیان تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

نہیں پڑھ سکتے۔(ویکره أن یتنفل بعد الفجرحتی تطلع الشمس وبعد العصرحتی تغرب. (الهدایة،فصل فی الأوقات التی تکره فیها الصلوٰة: ۱/ ٦۸)اورتحیۃ الوضو نفل نماز ہے۔انیس)(فتاویٰ رحیمیہ:۱/ ۲۳۹)

عصر اور مغرب کے درمیان کونسی نماز درست ہے:

سوال: عصر اور مغرب کے درمیان کونسی نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے یعنی آفتاب کی تیزی باقی رہے، وہاں تک فرض وواجب کی قضا پڑھ سکتے ہیں (لیکن تنہائی میں پڑھے، لوگوں کے سامنے نہ پڑھے)، نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی جائز ہے، آفتاب کی تیزی ختم ہونے کے بعد یعنی آفتاب زرد ہونے کے بعد اجازت نہیں، ہاں! اگر اس وقت جنازہ آیا یا سجدۂ تلاوت واجب ہوا تو کراہت (۱) کے ساتھ جائز ہے، اگر اس دن عصر کی نماز نہ پڑھی ہو، تو ایسی حالت میں بھی پڑھنا چاہئے (اگر چہ اتنی تاخیر سے پڑھنا، مکروہ تحریمی ہے) قضا نہ ہونے دے، کیونکہ قضا کا گناہ بہت بڑا ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۲۳۹/۱-۲۴۰)

کیا عصر کے بعد نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے:

سوال: کیا عصر ومغرب کے درمیان نماز جنازہ جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

درست ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۳۵۰/۸/۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۷۶/۲)

---

(۱) یہاں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے، مگر جنازہ میں کراہت نہیں ہے۔

(وصلاة الجنازة) التي حضرت في الوقت الصحيح أما المتلوة و الحاضرة فيه و لايكره أي تحريماً إلا أن التأخير أفضل. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ١٦٥/١. انيس)

(۲) (ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب؛ لما روى أنه عليه السلام نهٰى عن ذلک، (ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة) لأن الكراهة كانت لحق الفرض ليصير الوقت كالمشغول به لا لمعنى في الوقت فلم تظهر في حق الفرائض وفيما وجب لعينه كسجدة التلاوة، وظهر في حق المنذور ؛لأنه تعلق وجوبه بسبب من جهته و في حق ركعتي الطواف وفي الذي شرع فيه ثم أفسده؛ لأن الوجوب لغيره وهو ختم الطواف وصيانة المؤدّى عن البطلان. (الهداية، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلوٰة: ٦٨/١-٧٠. انيس)

(۳) (وكره نفل) ... (بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر) ... (لا) يكره (قضاء فائتة و) لو وترًا أو سجدة (تلاوة و صلاة جنازة). (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ٣٦/٢-٣٧)

عصر کے بعد نماز طواف:

سوال: اگر کوئی حنفی المسلک حاجی عصر کی نماز کے بعد طواف کرے، تو مقام ابراہیم کے مقابل کی دو رکعات واجب طواف، فوری ادا کرسکتا ہے؟ (عبدالحفیظ، مولا علی)

الجواب

نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک حنفیہ کے نزدیک نماز طواف پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کوئی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

لہٰذا ایسی صورت میں دوگانہ طواف کو مؤخر کردے، مغرب کی فرض ادا کرنے کے بعد پہلے طواف کی دو رکعتیں ادا کر لے، پھر مغرب کی سنت پڑھے۔

ولو طاف بعد العصر يصلى المغرب ثم ركعتي الطواف ثم سنة المغرب. (ردالمحتار: ۵۱۲/۳)

(کتاب الفتاویٰ: ۱۲۶/۲ و ۱۲۷)

بعد عصر اور فجر طواف کے بعد کی نفلوں کا وقت:

سوال: عصر اور فجر کے طواف کے بعد کی نفلیں واجب ہیں، دو رکعت فوراً ادا کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ یہ وقت مکروہ ہے یا حرام؟ اس میں طواف کی دو رکعت پڑھنی جائز ہے؟

الجواب

عصر اور فجر کے بعد چونکہ نفل پڑھنا جائز نہیں، لہٰذا عصر و فجر کے بعد دوگانہ طواف نہ پڑھے، بلکہ غروب شمس اور طلوع شمس کے بعد پڑھے، یہ وقت مکروہ ہے، اور اس میں طواف کی دو رکعت پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۱۴/۳)

(۱-۲) دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۲۵۔ محشی

عن ابن عباس. رضى الله عنهما. قال: "شهد عندى رجال مرضيون وأرضاهم عمر رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس وبعد العصر حتى تغرب". (صحيح البخارى، باب الصلاة بعد الفجر حتىٰ ترتفع الشمس (ح: ۸۲۵)

(وكره نفل) قصدًا... (وكل ما كان واجباً)... (لغيره)... (كمنذور، وركعتي طواف)... (قوله وركعتي طواف) ظاهره ولو كان الطواف فى ذٰلك الوقت المكروه ولم أره صريحًا، و يدل عليه ما أخرجه الطحاوى فى شرح معانى الآثار عن معاذ بن عفراء "أنه طاف بعد العصر أو بعد صلاة الصبح ولم يصل، فسئل عن ذلك، فقال:" نهى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم عن صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس، وعن صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس". ثم رأيته مصرحًا به فى الحلية وشرح اللباب. (رد المحتار، كتاب الصلاة، قبيل مطلب فى تكرار الجماعة: ۳۷۵/۱، انيس)

توضیح وقت کراہتِ عصر:

سوال: احقر جب دورۂ حدیث میں تھا، اس وقت موسم جاڑہ میں ترمذی شریف بعد عصر ہوتی تھی۔ اس وقت حضرت استاذ نا مولانا صاحب مدظلہ العالی کو کئی روز یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عصر کی نماز میں تاخیر ہوجاتی ہے، بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ حد اصفرار کو پہنچ گیا، اس وجہ سے میں اکثر ـــــــــ کی مسجد میں عصر پڑھتا ہوں، وہاں.....کی مسجد سے قبل نماز ہوتی ہے، حضرت والا جس وقت ـــــــــ کی مسجد میں نماز ہوتی تھی، بعد فراغ صلوٰۃ کم وبیش ایک گھنٹہ یا کچھ زیادہ دن رہتا تھا، اس سے شبہ ہوتا تھا کہ اب اصفرار کیسے ہوگا؟ مگر یہ سمجھ کر کہ ـــــــــ صاحب کو پہچان زیادہ ہے، عصر کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل پڑھ لیتا تھا، اگر تاخیر ہوجاتی تو ایک بے چینی ہوتی تھی (اور چونکہ یہاں پر جب نمازی آجاتے ہیں؛ جماعت ہوجاتی ہے، کوئی وقت گھڑی کے حساب سے مقرر نہیں ہے) اور اگر مصلی سب نہ آئے ہوں، یا دو چار آدمی وضو سے رہ گئے ہوں، ان کا انتظار نہ کئے نماز شروع کردیتا تھا، اس خیال سے کہ کبھی وقت اصفرار نہ آجائے اور نماز مکروہ تحریمی نہ ہوجائے۔

اب ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا ـــــــــ قدس سرہ سے سنا کہ وقت اصفرار قبیل غروب ہوتا ہے، جب ٹکیہ آفتاب پر اچھی طرح نظر کرسکے۔ اب اس سے تردد ہوگیا۔

اب حضرت والا ارشاد فرماویں کہ جب دن چھوٹا ہوتا ہے، جیسے آج کل کے دن ہیں، اس وقت غروب سے کتنا پہلے وقت اصفرار شروع ہوتا ہے؟ گھڑی کے حساب سے تخمینہ کرکے بتلاویں تاکہ اس پر عمل کرے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

في الدر المختار: (ما لم يتغير ذكاء) بأن لاتحار العين فيها في الأصح.

في رد المحتار: (قوله في الأصح) صححه في الهداية وغيرها، وفي الظهيرية: إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوىٰ، وفي النصاب وغيره: وبه نأخذ، وهو قول أئمتنا الثلاثة ومشائخ بلخ وغيرهم كذا في الفتاوىٰ الصوفية، آه. (وفي المسئلة أقوال أُخَر أيضاً). (١)

اس عبارت میں تغیر کی جو حد ہے کہ آفتاب کی طرف دیکھنے سے یا دیر تک دیکھنے سے چشم خیرہ نہ ہو، وہ ایک امر محسوس ہے، اس میں گھنٹہ گھڑی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس تغیر کے قبل عصر سے فارغ ہوجانا چاہئے۔

(ص:۹، ج:۲/۲؍۱۳۴۳ھ تتمہ خامسہ (ص:۳۶۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۵۱-۱۵۲)

---

(١) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ١/٣٦٧-٣٦٨، انيس

آخر عصر میں اسی روز کی عصر ادا کرنا:

سوال: کتاب ''علم الفقہ'' میں لکھا ہے کہ'' نماز اسی دن کی عصر کی، مکروہ وقت یعنی قریب غروب آفتاب پڑھنا، کراہت تحریمیہ کے ساتھ ہے، جس کو باطل کر کے اچھے وقت ادا کرنا واجب ہے''۔ کیا یہ صحیح ہے اور قابل عمل ہے؟ اکثر لوگ بوجہ عدیم الفرصتی اپنے پیشہ کے، مکروہ وقت میں نماز ادا کرتے ہیں، تو کیا ان کو اعادہ کر لینا چاہئے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

یہ تو صحیح ہے کہ اس وقت عصر کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس قدر دیر کرنا سخت گناہ ہے۔ لیکن اس عصر کو اس وقت توڑ دینا اور اس کو دوبارہ پڑھنا، جو ''علم الفقہ'' میں لکھا ہے، صحیح نہیں، غالباً مؤلف سلمہ نے شامیؔ سے لیا ہے، اس میں اس موقع پر عبارت شبہ میں ڈالنے والی ہے، مؤلف کا ذہن اس طرف گیا، لیکن شامیؔ نے طحطاوی کا حوالہ دیا ہے، اس میں دیکھا، تو صاف موجود ہے کہ عصر کو اسی وقت پڑھے، نہ قطع کرے اور نہ دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

کیوں کہ شامیؔ میں ہے:

۔۔۔ إلا صلٰوة جنازة حضرت فيها و سجدة تليت آيتها فيها و عصر يومه و النفل و النذر المقيد بها وقضاء ماشرع به فيها ثم أفسده، فتنعقد هذه الستة بلا كراهة أصلاً فی الأولٰی منها، و مع الكراهة التنزيهية فی الثانية و التحريمية فی الثالثة، و كذا فی البواقی، لكن مع وجوب القطع و القضاء فی وقت غير مكروه۔ (: ۱/۳۸۷) (كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۳، انیس)

اس میں ''مع وجوب الخ'' فقط ''بواقی'' کے ساتھ ہے، ثالثہ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے، جیسا کہ مؤلف علم الفقہ نے خیال کیا ہے۔

چنانچہ طحطاویؔ میں ہے:

فيجب القطع و القضاء فی غير النوعين إلاّ عصر يومه فإنه لا يجوز قطعه، الخ۔(۱)

کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰/ شعبان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۳)

جس نے نماز عصر نہ پڑھی ہو، اس کے لئے نماز عصر سے پہلے نفل پڑھنا، قابل اعتراض نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد میں نماز عصر کی جماعت ہو گئی ہے، ایک آدمی اکیلے نماز کے لئے آیا، دوسرے نے آکر کہا 'ذرا صبر کریں، میں ذرا وضو کرلوں، تو جماعت کریں

(۱) حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلاة۔ انیس

گئے، اب یہ آدمی جماعت ثانیہ سے پہلے اور جماعت اولیٰ کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ نیز ظہر کے وقت فرض اور سنن کے درمیان نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالرحمٰن، لکی مروت......۳۰/۷/۱۹۷۷ء)

الجواب

جس شخص نے نماز عصر نہ پڑھی ہو، اس کے لئے اصفرار سے قبل نوافل پڑھنا مشروع ہے، (۱) **کما صرح به جميع الفقهاء.** (۲) نیز کسی فقیہ نے ظہر کے سنن قبلیہ اور فرض کے درمیان نوافل پڑھنے سے منع نہیں کیا ہے، **كما لايخفى.** (۳) **وهو الموفق.** (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۱۶۳-۱۶۴)

نماز عصر نصف غروب آفتاب کے وقت جائز ہے یا نہیں:

سوال: فرض عصر کے، غروب آفتاب کے وقت، اگر سورج نصف اندر اور نصف باہر ہو، جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب

نمازِ عصر اسی دن کی ایسے وقت میں ادا ہو جاتی ہے، یعنی اگر ایسا وقت ہو جاوے اور نماز عصر کی نہ پڑھی ہو، تو پڑھ لینی چاہئے۔ (۴) مگر قصداً ایسا وقت نہ کرنا چاہئے کہ معصیت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۳۴) ☆

---

(۱) عن ابن عباس قال: شهد عندي رجال مرضيون وأرضاهم عندي عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس وبعد العصر حتى تغرب. (البخاري، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس (ح: ۵۸۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد نفل نماز منع ہے اور یہ شخص ابھی عصر نہیں پڑھا ہے۔ لہذا اس کا نفل پڑھنا عصر سے قبل ہوا۔ اسی وجہ سے کسی فقیہ نے اس کو منع نہیں کیا ہے۔ انیس

(۲) قال العلامة المرغيناني: (لاتجوز الصلاة عند طلوع الشمس ولاعند قيامها في الظهيرة ولاعند غروبها) لحديث عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه قال: "ثلثة أوقات نهانا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن نصلي وأن نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (الهداية، فصل في الأوقات التي تكره فيه الصلاة: ۱/ ۶۸)

(۳) قال العلامة الحصكفي: (ولوتكلم بين السنة والفرض لايسقطها ولكن ينقص ثوابها) وقيل تسقط (وكذا كل عمل ينافي التحريمة على الأصح). قنية. (الدرالمختار على صدر رد المحتار، قبيل مبحث مهم في الكلام على الضجعة بعد سنن الفجر: ۲/۱۹-۲۰)

(۴) عن كريب مولى ابن عباس. رضي الله عنهما.... قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا ابنة أبي أمية! سألتِ عن الركعتين بعد العصر، إنه أتاني أناس من بني عبد القيس بالإسلام من قومهم، فشغلوني عن الركعتين اللتين بعد الظهر، فهما هاتان. (الصحيح لمسلم، قبيل باب استحباب الركعتين قبل المغرب (ح: ۸۳۴)/ الصحيح للبخاري، باب ما يصلى بعد العصر من الفوائت ونحوها (ح: ۵۹۰) انيس

==

سورج غروب ہونے سے پہلے مغرب کی نماز صحیح نہیں:

سوال: مغرب کی اذان سے پہلے سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ اذان سے پانچ منٹ پہلے نماز کی نیت باندھ لی، بعد میں اذان ہوئی، تو کیا کریں؟

الجواب

اگر سورج غروب ہو چکا ہو، تو مغرب کی اذان سے پہلے سجدہ جائز ہے، اور اگر غروب نہیں ہوا تو جائز نہیں، جب اذان میں پانچ منٹ باقی تھے، تو نماز کا وقت نہیں ہوا، لہٰذا نماز توڑ دینی چاہیے تھی۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۰۷/۳)

بوقت غروب سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ:

سوال: جنازہ کی نماز یا سجدہ کی آیت اگر عصر کے بعد وقتِ ناقص میں ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت غروب سورج ہو جائے، تو وہ بھی **عصر یوم** کی طرح ناقص ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصلیاً

اگر آیت سجدہ بھی اسی وقت پڑھی اور جب ہی سجدہ کرلیا، تو یہ "**عصر یومه**" کی طرح ناقص ادا ہو گیا، اور اگر وقت کامل میں آیت سجدہ پڑھی، اور سجدہ وقتِ غروب کیا، تو یہ "**عصر یومه**" کی طرح نہیں، بلکہ یہ ادا ہی نہیں ہوا، اسی طرح

== "(لاتجوز الصلٰوة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها ولا عند غروبها) الخ (إلا عصر يومه عند الغروب). (الهداية، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلٰوة: ۶۸/۱، ظفير)

☆ **غروب آفتاب کے وقت نمازِ عصر:**

سوال: اگر کوئی شخص عصر کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو، تو کس وقت تک اس کو پڑھنے کی گنجائش ہے؟ کیا سورج ڈھلنے کے بعد بھی عصر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

سورج جب ڈوبنے کے قریب ہو جائے، یعنی یہ کیفیت ہو کہ سورج کی ٹکیہ پر نگاہ ٹھہرنے لگے، تو اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر اس دن کی عصر نہ پڑھی ہو، تو اس مکروہ وقت میں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

"**إلا عصر يومه ذلك، فإنه يجوز أداء ه عند الغروب**". (الفتاوىٰ الهندية: ۵۲/۱) (کتاب الفتاویٰ:۱۲۷/۲)

(۱) (وكره) تحريماً، وكل ما لايجوز مكروه (صلاة) مطلقاً (ولو قضاء) أو واجبة أو نفلاً أو (علىٰ جنازة وسجدة تلاوة وسهو) لا شكر، قنية (مع شروق) ... (وغروب، إلاّ عصر يومه) فلا يكره فصله لأدائه كما وجب. (الدر المختار مع الشامي: ۱/ ۳۷۰-۳۷۲، كتاب الصلاة)

اگر جنازہ وقتِ ناقص میں آیا، تو یہ ”عصر یومہ“ کی طرح ہے۔ اگر وقتِ کامل میں آیا، تو نماز جنازہ وقت ناقص میں ادا ہی نہیں ہوئی۔

ومنع عن الصلاة، وسجدة التلاوة المتلوة فی غیر هذه الأوقات، وصلاة الجنازة حضرت قبلها؛ لأن ما وجب كاملاً لایتأدی بالناقص، وأما المتلوة أو الحاضرة فیها لایكره: أی تحریماً؛ لأنها وجبت ناقصةً، أدیت فیها كما وجبت، آه. (سكب الأنهر: ۷۲/۱)(۱) فقط والله سبحانه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۸/۵-۳۷۹)

غروب کے وقت سجودِ شمس:

سوال: اختلاف مطالع کی بنیاد پر سورج طلوع وغروب ہوتا رہتا ہے اور عندالطلوع نکلنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور عندالغروب زیرِ عرش سجدہ بھی کرتا ہے، تفسیر معارف القرآن میں سجدہ بمعنی اطاعت کے تحریر فرمایا ہے۔(۲) اطاعت تو ہر وقت ہی کیا کرتا رہتا ہے، اس اطاعت کی بنا پر مسافت طے کرتا ہے۔ تو احادیث میں عندالغروب سجدہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ عندالغروب کی قید کس وجہ سے ہے؟ دل میں خلجان آتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟

الجواب ______________ حامدًا ومصلیاً

ہر مخلوق ہر آن طاعت خالق میں قہراً یا اختیاراً مشغول ہے، تکویناً ہو یا تشریعاً، آفتاب غروب ہوتے وقت اس کی ہیئت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سجدہ کر رہا ہے، اسی کو سجدۂ تحت العرش فرمایا، یہ ذکر کردہ روایت کے اعتبار سے ہے،(۳) اور ہر آن کسی نہ کسی جگہ وہ سجدہ میں ہے، وہاں کے دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ رات طویل ہوگی اور سورج کو مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ مغرب سے طلوع ہوگا، جس کو دیکھ کر دنیا چلّا اٹھے گی، اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، پھر کسی کا ایمان قبول نہیں ہوگا، چونکہ عدم اجازت بھی حدیث پاک میں مذکور ہے، اس لئے اس ہیئت کو ”سجدہ“ اور اجازت کو ”طلوع“ سے بیان کیا گیا، جو کہ اقرب الی الفہم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۲/۵)

---

(۱) سكب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة: ۱۰۰/۱، المكتبة الغفارية، كوئٹه

(۲) معارف القرآن (سورة الحج: ۸): ۲۴۷/۶، ادارۃ المعارف، کراچی

(۳) ”عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”أتدری أین تذهب هذه الشمس“؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: فإنها تذهب فتسجد تحت العرش، ثم تستأمر فیوشک أن یقال لها: ارجعی من حیث جئت“. (تفسیر ابن كثیر (الحج: ۱۸): ۲۸۴/۳، دار الفیحاء، دمشق)

نصف شب کے بعد نماز مکروہ تحریمی ہے یا نہیں:

سوال: نمازِ عشا بعد نصف شب کے، مکروہ تحریمی ہے یا نہیں، اور اگر بعد نصف شب کے پڑھی جاوے، تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ مولانا عبدالحئ صاحب ''مجموعہ فتاویٰ'' جلد اول، ص:۳۴۳، میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''مکروہ تحریمی ہے نماز عشا کی، بعد نصف شب کے، اور واجب الاعادہ ہے، اور اگر اعادہ نہ کرے گا، تو گنہگار ہوگا''۔

اور مولانا اشرف علی تھانوی ''بہشتی زیور'' میں لکھتے ہیں کہ ''نماز کا وقت صبح صادق تک ہے، اور بعد نصف رات کے مکروہ ہے، اور ثواب کم ہوجاتا ہے''۔

ان دونوں تحریروں میں کونسی تحریر صحیح ہے؟ اگر کبھی نماز عشا، بعد نصف رات کے پڑھی جاوے، تو اس کا اعادہ کیا جاوے یا نہیں، اور اگر واجب الاعادہ نہیں ہے، تو مولوی عبدالحئ صاحب کے فتوے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

بعد نصف شب کے، عشا کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بعض نے مکروہ تحریمی فرمایا ہے، اور بعض نے مکروہ تنزیہی۔

''(فإن أخرها إلٰی ما زاد علی النصف) کره لتقلیل الجماعة''. (الدرالمختار)(قوله کره)أی تحریماً، کما یأتی تقییده فی المتن،أوتنزیهاً وهو الأظهر، کما نذکره عن الحلیة.(شامی)(۱)

ثم قال تحت قول الماتن تحریماً: کذا فی البحرعن القنیة،لکن فی الحلیة:أن کلام الطحاوی یشیرإلٰی أن الکراهة فی تأخیر العشاء تنزیهیة وهو الأظهر.(شامی)(۲)

پس جو فقہا مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، ان کے نزدیک واجب الاعادہ ہے، اور جو مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں، ان کے نزدیک واجب الاعادہ نہیں؛ کیونکہ مکروہ تنزیہی کا مآل خلاف اولیٰ کی طرف ہے، اور علامہ شامیؒ کے قول اور حلیہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی ہونا اظہر ہے۔ اور وجہ اظہر ہونے کی یہ ہے کہ علت اس کراہت کی تقلیل جماعت ہے، نہ یہ کہ وقت میں کوئی خرابی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مولانا عبدالحئ صاحب نے اگر واجب الاعادہ لکھا ہے، تو مکروہ تحریمی کی روایت کو لیکر احتیاطاً واجب الاعادہ لکھا، اور مولانا اشرف علی تھانوی کا مطلب اگر مکروہ تنزیہی ہے، تو انہوں نے دوسرے قول کو جو اظہر ہے، اختیار فرمایا، اور یہی اقرب الی الصواب ہے کہ کراہت تنزیہی ہے، اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۳-۴۷)

کیا دن کی طرح آدھی رات کو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: نصف النہار یعنی زوال کے وقت نماز منع ہے، کیا ایسا رات کو بھی ہے کہ ٹھیک آدھی رات کو زوال کا وقت ہوتا ہے، تو اس وقت بھی نماز منع ہے؟

(۱-۲) ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۴۱-۳۴۲، ظفیر

الجواب ــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

تین وقت ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنا منع ہے: اول جب سورج نکلتا ہے، دوسرے جب سورج بالکل سر پر ہو، تیسرے جب سورج غروب ہوتا ہے۔ رات کے کسی بھی حصہ میں نماز ممنوع نہیں، بارہ بجے ہوں یا کم وبیش۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۹/۷/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۵/۵)

رات کے بارہ بجے زوال کا تصور غلط ہے:

سوال: سندھ کے اکثر علاقوں میں لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح دو پہر کو بارہ بجے زوال کا وقت ہوتا ہے، اسی طرح رات کو بارہ بجے بھی زوال کا وقت ہوتا ہے، اگر کہیں کوئی میت ہو جائے، تو نہ صرف یہ کہ زوال کے وقت نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، بلکہ یوں بھی ہوتا ہے کہ میت کو دفنانے کے لیے قبرستان پہنچے، وہاں پہنچتے پہنچتے دن کے یا رات کے بارہ بج گئے، تو مردے کو دفنایا بھی نہیں جاتا، وہیں بیٹھ کر زوال کا وقت گزرنے کا انتظار کیا جاتا ہے، اور پھر بعد میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔ ازراہ کرم یہ بتائیے کہ کیا رات کو بارہ بجے بھی زوال کا وقت ہوتا ہے؟ اور زوال کے وقت کن کن کاموں کے کرنے کی ممانعت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

زوال کا وقت دن کو ہوتا ہے، رات کو نہیں۔ (۲) رات کے کسی حصے میں نماز اور سجدہ کی ممانعت نہیں، البتہ عشا کی نماز آدھی رات تک مؤخر کر دینا مکروہ ہے۔ (۳) رات کے بارہ بجے زوال کا تصور غلط ہے، اور دن میں بھی زوال کا وقت بارہ بجے سمجھنا غلط ہے؛ کیوں کہ مختلف شہروں اور مختلف موسموں کے لحاظ سے زوال کا وقت مختلف ہوتا ہے اور بدلتا رہتا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۰۷/۳-۲۰۸)

☆☆☆

(۱) عن عقبة بن عامر الجهني قال: ثلٰث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلى فيهن أونقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغةً حتٰى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتٰى تميل، وحين تضيف للغروب حتٰى تغرب. (جامع الترمذى،أبواب الجنائز، باب ما جاء فى كراهية الصلٰوة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها: ۲۰۰/۱، سعيد)

(۲) زوال الشمس:هو ميلها عن كبد السماء أى وسطها بحسب ما يظهر لنا إلٰى جانب المغرب.(قواعد الفقه،ص: ۳۱۵،حرف الزاء،طبع صدف پبلشرز، كراچى)

(۳) والتأخير إلٰى نصف الليل مباح ... فيثبت الإباحة إلى النصف وإلى النصف الأخير مكروه؛لما فيه من تقليل الجماعة.(الهداية: ۶۶/۱-۶۸، كتاب الصلاة، قبيل فصل فى الأوقات التى تكره فيها الصلاة)

اذان کے مسائل

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینا ثابت ہے یا نہیں:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان واقامت کہی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اذان واقامت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے صحابہ نے فرمائی ہے، اذان دینے والے چند مخصوص صحابہ ہیں اور جن کے ذمہ اذان دینا ہوتا ہے، ان ہی کو اقامت کہنے کا بھی حق ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۳/۲/۴/۱۳۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۱۱/۲)

(۱) کسی بھی صحیح اور صریح روایت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا ثابت نہیں ہے، البتہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی، جس پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے اور دوسرا مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، حضرت بلالؓ نے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اذان دی، اس لئے اذان کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردی گئی، ملاحظہ ہو: ترمذی شریف کی روایت:

”عن عمرو بن عثمان بن يعلىٰ بن مرة عن أبيه عن جده: ”هم كانوا مع النبى صلى الله عليه وسلم في سفر فانتهوا إلىٰ مضيق فحضرت الصلوٰة فمطروا السماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم،فأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو علىٰ راحلته وأقام فتقدم علىٰ راحلته فصلى بهم يومى إيماءً يجعل السجود أخفض من الركوع“.(الجامع للترمذى ،باب ماجاء فى الصلاة على الدابة فى الطين والمطر: ۹٤/۱)(ح:٤۱۱)

اس روایت کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں:

هذا حديث غريب تفرد به عمر بن الرماح البلخى لايعرف إلا من حديثه“ .

یعنی یہ حدیث غریب ہے، تنہا عمر بن رماح بیان کرنے والے ہیں، سہیلی اور علامہ نووی اسی روایت کی بنیاد پر اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی ہے، لیکن مسند احمد میں یہی روایت ہے، جس میں بجائے ”أذّن رسول اللّٰه“ کے ”فأمر المؤذن فأذّن وأقام ثم تقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ راحلته“ ہے، یعنی مؤذن کو حکم دیا، مؤذن نے اذان واقامت کہی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر آگے بڑھے اور نماز پڑھائی، ملاحظہ ہو! مسند احمد کی پوری روایت:

”عن عمرو بن عثمان بن يعلىٰ بن مرة عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انتهىٰ إلىٰ مضيق هو و أصحابه وهو علىٰ راحلته والسماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم فحضرت الصلوٰة فأمر المؤذن فأذن وأقام ثم تقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ راحلته فصلى بهم يومى إيماءً يجعل السجود أخفض من الركوع أويجعل سجوده أخفض من ركوعه“.(مسند أحمد: ۱۸٤/۵)(ح:۱۷۵۷۳)حديث يعلى بن مرة الثقفى)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینے کا ثبوت:

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان نہیں دی ہے؟

ھو المصوب

بعض روایتوں سے بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینے کا ثبوت ملتا ہے۔

عن الشعبی عن عبد اللّٰہ بن زید الأنصاری - رضی اللّٰہ عنہ - قال: سمعت أذان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان أذانہ وإقامتہ مثنٰی مثنٰی. (۱)

== حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، ان کا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دینا ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباریؒ میں پہلے سہیلیؒ اور امام نوویؒ کے نظریہ کو بیان کیا ہے، پھر مسند احمدؒ کی مذکورہ روایت کو پیش کر کے یہ لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ترمذیؒ کی روایت مختصر ہے، اور ''أذن رسول اللّٰہ'' کا مطلب یہ ہوا کہ '' أمر بلالاً ''، یعنی حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور اس روایت میں اذان کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی ہی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ نے فلاں عالم کو ایک ہزار دیا، حالانکہ دینے والا کوئی دوسرا شخص ہوتا ہے، دینے کی نسبت خلیفہ کی طرف اس لئے ہوتی ہے کہ خلیفہ کے حکم سے دینے والا دیتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان دی، اس لئے ترمذیؒ شریف کی روایت میں اختصاراً اذان کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی گئی، ملاحظہ ہو! فتح الباریؒ کی پوری عبارت:

ومما کثر السوال عنہ ھل باشر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الأذان بنفسہ، وقد وقع عند السھیلی: '' أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أذن فی سفر وصلی بأصحابہ وھم علٰی رواحلھم السماء من فوقھم والبلۃ من أسفلھم''. أخرجہ الترمذی من طریق تدور علٰی عمر بن الرماح یرفعہ إلٰی أبی ھریرۃ، اھـ، ولیس ھو من حدیث أبی ھریرۃ وإنما ھو من حدیث یعلٰی بن مرۃ، وکذا جزم النووی بأن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أذن مرۃ فی السفر وعزاہ الترمذی وقواہ، ولکن وجدناہ فی مسند أحمد من الوجہ الذی أخرجہ الترمذی ولفظہ ''فأمر بلالا فأذن'' فعرف أن فی روایۃ الترمذی اختصارًا وأن معنی قولہ ''أذن'' أمر بلالاً بہ کما یقال أعطی الخلیفۃ العالم الفلانی ألفاً، وإنما باشر العطاء غیرہ ونسب للخلیفۃ لکونہ آمرًا بہ''. (فتح الباری: ۶۴/۲) (قولہ باب بدء الأذان/ کذافی شرح الزرقانی علی الموطأ، باب ماجاء فی النداء للصلاۃ: ۲۶۳/۱، انیس)

خلاصہ یہ ہے کہ سفر یا حضر میں کسی جگہ بھی صحیح اور صریح روایت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا ثابت نہیں ہے، البتہ ترمذیؒ کی ایک روایت سے ایک سفر میں اذان دینے کا کچھ ثبوت بھی ملتا ہے، تو اولاً اس روایت پر کلام ہے، ثانیاً اس میں اختصار ہے۔ دوسرے طرق سے اس کا مفہوم بھی یہی متعین ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اذان واقامت کہی اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص حضرت بلالؓ سفر وحضر ہر جگہ ساتھ رہا کرتے تھے اور وہی اذان واقامت کہتے تھے۔ [مجاہد]

(۱) المسند الصحیح لأبی عوانۃ، کتاب الصلاۃ: ۳۱/۱، بحوالہ آثار السنن، ص: ۱۱۱، ح: ۲۳۶. (المستخرج لأبی عوانۃ، باب بیان أذان أبی محذورۃ وایجاب الترجیع (ح: ۹۶۵) انیس)

البتہ صحیح رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان نہیں دی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۴۹/۱) ☆

اذان کا شرعی حکم:

سوال: اذان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کن کن نمازوں کے لئے اذان دینی چاہئے؟

الجواب

اذان پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لئے دینا سنت مؤکدہ ہے، (۲) فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر پوری قوم

---

(۱) وفی شرح البخاری لابن حجر: ومما یکثر السوال عنه، هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الأذان بنفسه؟ وقد أخرج الترمذی: أنه علیه السلام أذن فی سفر وصلی بأصحابه ، وجزم به النووی وقواه ولکن وجد فی مسند أحمد من هذا الوجه "فأمر بلا لا فأذن" فعلم أن فی روایة الترمذی اختصارًا وأن معنی قوله "أذن" أمر بلا لاً. (رد المحتار، آخر باب الأذان، مطلب هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الأذان بنفسه: ۷۱/۲)

☆ **آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اذان دینے کا ثبوت:**

مسئلہ: عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اذان نہیں دی، مگر تقریرات رافعی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ایک مرسل روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اذان دی ہے۔ (الحجة علیٰ ما قلنا ما فی الحدیث النبوی: عن یعلیٰ بن مرة عن أبیه عن جده: "أنهم کانوا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی سفر فانتهوا إلیٰ مضیق فحضرت الصلاة فمطروا السماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم، فأذن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وهو علیٰ راحلته وأقام، فتقدم علیٰ راحلته فصلیٰ بهم، یؤمی إیماءً یجعل السجود أخفض من الرکوع". (جامع الترمذی: ۹٤/۱، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی الصلاة علی الدابة) (ح: ٤۱۱)

ما فی تقریرات الرافعی علیٰ حاشیة الشامیة: ذکر السندی ما نصه، وفی السراج: روی عقبة بن عامر قال: کنت مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی سفر فلما زالت الشمس أذن بنفسه وأقام وصلی الظهر.

وقال السیوطی: ظفرت بحدیث آخر مرسل أخرجه سعید بن منصور فی سننه قال: "أذن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مرة فقال: "حی علی الصلاة" وهٰذه روایة لا تقبل التأویل. (۱۳/٦٥، باب الأذان)

(کذا فی العنایة شرح الهدایة، باب الأذان: ۲٤۹/۱. انیس)

ما فی الدر المختار مع الشامیة: وفی الضیاء: أنه علیه الصلاة والسلام أذن فی سفر بنفسه وأقام وصلی الظهر. (۲/ ۲۷۱، باب الأذان، مطلب هل باشر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الأذان بنفسه؟/ الفقه الإسلامی وأدلته: ۷۲۰/۲، أحکام الإقامة) (اہم مسائل: ۵۹/۳)

(کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الأذان: ۱۹۷/۱. انیس)

(۲) ﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا﴾. (سورة المائدة: ۵۸)

==

بالاتفاق اذان ترک کردے، تو اس کے ساتھ قتال کیا جائے، البتہ پانچ وقتہ نماز اور جمعہ کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں مثلاً صلوٰۃ کسوف وخسوف، تراویح یا جنازہ وغیرہ کے لئے اذان نہیں دی جائے گی۔

لما قال العلامة الحصكفي:

"(وهو سنة) للرجال في مكانٍ عالٍ (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (في وقتها ولو قضاءً) لأنه سنة للصلوٰة حتى يبرد به لا للوقت (لا) يسن (لغيرها) كعيد.

قال ابن عابدين تحت قوله كعيد: أي ووتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح الخ. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة: ۳۸٤/۱) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۴۶/۳)

اذان اور اقامت کی اہمیت:

سوال: ازروئے شرع اذان اور اقامت کی اہمیت کیا ہے؟ اگر سنت کے حوالہ سے کہیں چھوڑ دی جائے، تو اس کا نتیجہ کیا رہے گا؟

== "أن ابن عمر . رضي الله عنهما . كان يقول: "كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوٰة ليس ينادى لها فتكلموا يوماً في ذلك، فقال بعضهم: " اتخذوا ناقوسًا مثل ناقوس النصارى"، وقال بعضهم: " بل بوقا مثل قرن اليهود"، فقال عمر . رضي الله عنه: " أولا تبعثون رجلاً ينادى بالصلوٰة" ؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا بلال! قم فنادِ بالصلوٰة ". (الصحيح للبخاري، باب بدأ الأذان (ح: ٦٠٤) / الصحيح لمسلم، باب بدأ الأذان (ح: ٣٧٧) / مصنف عبدالرزاق الصنعاني، باب بدء الأذان (ح: ١٧٧٦) / مسند الإمام أحمد (ح: ٦٣٥٧)

"عن عبد الله بن زيد بن عبد ربه رضي الله عنه قال: " لما أمر النبي صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلوٰة، طاف بي وأنا نائم رجل يحمل ناقوسًا في يده، فقلت له: " يا عبد الله أ تبيع الناقوس" ؟ فقال: ماتصنع به؟ فقلت: " ندعوبه إلى الصلوٰة"، قال: أفلا أدلك علىٰ ما هوخير من ذلك؟ فقلت له: بلىٰ، قال: " تقول الله أكبر، الله أكبر...، فذكر الأذان والإقامة، قال: فلما أصبحت أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرته بمارأيت، فقال: " إنها لرؤيا حق إن شاء الله، فقم مع بلال"، فجلعت ألقيها عليه ويؤذن به، قال: " سمع ذلك عمر بن الخطاب . رضي الله عنه . وهو في بيته فخرج يجرر داءه يقول: " والذي بعثك بالحق يارسول الله ! لقد رأيت مثل مارأى"، فقال عليه الصلوٰة والسلام: " فلله الحمد". (سنن ابن ماجة، باب بدء الأذان (ح: ٧٠٦) / سنن أبي داؤد، باب كيف الأذان (ح: ٤٩٩) / مسند أحمد، حديث عبدالله بن زيدبن عبدربه (ح: ١٦٤٧٨) / المنتقى لابن الجارود، باب ماجاء في الأذان (ح: ١٥٨) / صحيح ابن حبان، ذكر الخبر المصرح بأن النبي صلى الله عليه وسلم (١٦٧٩) انيس)

(۱) قال العلامة صدرالشريعة: "وهو سنة للفرائض الخمس والجمعة وليس بسنة في النوافل". (شرح الوقاية)

قال العلامة عبد الحي اللكهنوي (تحت قوله وليس بسنة في النوافل): أراد بالنوافل ماسوى الفرائض فإن كل ماوراء الفرائض نافلة، أي زائدة عليها. (السعاية: ۹/۲، باب الأذان)

الجواب

اذان اور اقامت، دین کے اہم امور میں سے ہیں، (۱) بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں اور بعض کے نزدیک واجب ہیں، اگر کسی محلّہ والے دائمی اذان واقامت چھوڑ دیں، تو ان سے قتال کرنے کا بھی حکم ہے۔

قال ابن عابدین: "(قوله هي كالواجب) بل أطلق بعضهم اسم الواجب عليه لقول محمد:" لو اجتمع أهل بلدة علىٰ تركه قاتلتهم عليه ولو تركه واحد ضربته وحبسته"، وعامة المشائخ علی الأول، والقتال عليه لما أنه من أعلام الدين وفی تركه استخفاف ظاهر به". (رد المحتار: ۳۸٤/۱، باب الأذان) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۵۰/۳)

اذان کی بے ادبی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ فجر کی اذان کے وقت دو اشخاص میں یہ جھگڑا ہوا کہ ایک نے کہا کہ میں اذان دیتا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں اذان دیتا ہوں، تو ایک شخص نے ۴ بجکر ۳۰ منٹ پر اذان دے دی اور دوسرے نے ۴ بجکر ۳۵ منٹ پر دے دی اور کہا کہ ۴ بجکر ۳۰ منٹ پر اذان دینا جائز نہیں ہے۔ دوسرے مؤذن نے یہ کہا جس نے ناجائز قرار دیا ہے، اس نے دراصل یہ الفاظ کہے ہیں کہ ۴ بجکر ۳۰ منٹ پر اذان دینا حرام ہے، لیکن ہم یہ الفاظ لکھنا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن مسئلہ پوچھنا ہے؛ اس لئے لکھے گئے ہیں؟

(السائل: صوفی نثار احمد، بستی ساہو، ڈاکخانہ خاص ضلع ملتان شہر)

الجواب

دراصل کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ یہ اذان قبل از وقت ہے اور قبل از وقت اذان دینا جائز نہیں ہے، ایسے کلام کے کہنے سے کوئی تعزیر یا گناہ لازم نہیں آتا۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

محمود عفا اللہ عنہ، مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔ (فتاویٰ مفتی محمود: ۸٦/۱۱)

(۱) عن مالک بن حويرث أتيت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فی نفر من قومی فأقمنا عنده عشرين ليلةً وكان رحيماً رفيقاً فلما رأی شوقنا إلی أهالينا؛ قال: ارجعوا فكونوا فيهم وعلموهم وصلوا فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم. (الصحيح للبكاری، باب من قال ليؤذن فی السفر مؤذن واحد (ح: ٦٢٨) / الصحيح لمسلم، باب من أحق بالإمامة (٦٧٤) انيس)

(۲) قال ابن نجيم: (قوله سن للفرائض) أی سن الأذان للصلوٰة الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتیٰ أطلق بعضهم عليه الوجوب ولهذا قال محمد: " لو اجتمع أهل بلد علیٰ تركه قاتلناهم عليه"، وعند أبی يوسف يحبسون ويضربون وهو يدل علیٰ تأكده لا علیٰ وجوبه لأن المقاتلة لما يلزم من الاجتماع علیٰ تركه من استخفافهم بالدين بخفض أعلامه لأن الأذان من أعلام الدين. (البحر الرائق: ٢٥٥/١، باب الأذان)

(۳) كذا فی الدر المختار مع رد المحتار: (فيعاد أذان وقع) بعضه (قبله) كالإقامة. (الدر المختار)

بدون اذان کے جماعت کرنا:

سوال: اگر اذان کے بغیر مسجد میں یا بیرون مسجد جماعت کی جائے، تو نماز ہو جائے گی، یا اس میں کچھ فساد آئے گا؟ اور اگر وقت سے پہلے اذان کہی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ عموماً صبح کی اذان نقشہ میں صبح صادق کے درج شدہ وقت کے فوراً ہی بعد کہہ دی جاتی ہے، حالانکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت صبح نہیں ہوتی، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ باسم ملهم الصواب

نماز تو ہو جاتی ہے، لیکن سنت مؤکدہ ترک کرنے کا سخت گناہ ہوگا، البتہ اگر اسی شہر کی کسی ایک مسجد میں اذان ہو گئی ہو اور ان لوگوں نے سنی ہو، تو اذان ترک کرنے سے گنہگار نہ ہوں گے۔

قال فی شرح التنوير:

(وهو سنة) للرجال فی مكان عال (مؤكدة) هی كالواجب فی لحوق الإثم. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ: (قوله هی كالواجب)... قال فی النهر: ولم أرحكم البلدة الواحدة إذا اتسعت أطرافها كمصر، والظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرىٰ يسقط عنهم لا إن لم يسمعوا" اه. (ردالمحتار: ۳۵۷/۱)(۱)

جب تک صبح ہونے کا یقین نہ ہو، اذان درست نہیں۔ اگر اذان کا ایک کلمہ بھی وقت سے پہلے ہو گیا، تو اذان کا اعادہ لازم ہے۔

قال فی العلائية: "(فيعاد أذان وقع) بعضه (قبله) كالإقامة خلافاً للثانی فی الفجر". (الدرالمختار)

وفی الشامية: (قوله خلافاً للثانی) هذا راجع إلى الأذان فقط فإن أبايوسف يجوز الأذان قبل الفجر بعد نصف الليل، ح. (رد المحتار: ۳۵۸/۱)(۲) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۲۹/ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۸۱/۲-۲۸۲)

== (قوله وقع بعضه) وكذا كله بالأولىٰ، (قوله كالإقامة) أی فی أنها تعاد إذا وقعت قبل الوقت، الخ. (كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان فی غير الصلاة: ۳۸۵/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی)

هكذا فی بدائع الصنائع: وقت الأذان والإقامة: فوقتهما ماهو وقت الصلوات المكتوبات، حتىٰ لو أذن قبل دخول الوقت لايجزئه ويعيده إذا دخل الوقت فی الصلوات، الخ. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۵٤/۱، طبع رشيدية كوئٹة)

هكذا فی الهندية: تقديم الأذان على الوقت فی غير الصبح لايجوز اتفاقاً ... وإن قدم يعاد فی الوقت الخ، (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۵۳/۱، طبع بلوچستان بكڈپو، كوئٹة)

(۱-۲) ردالمحتار، باب الأذان، قبيل مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان فی غير الصلاة، انيس

اذان کے بغیر نماز:

سوال: تاڑی خانہ محبّ اللہ پور میں تقریباً پچاس تجار حضرات رہتے ہیں، وہاں کافی دور مسجد ہے۔اس لیے کچھ دیندار حضرات ایک صاحب کی دکان کے پچھلے کمرہ میں نماز با جماعت کا نظم کرنا چاہتے ہیں،لیکن اس کمرہ میں صرف تین ہی نمازیں ظہر،عصر،مغرب ادا کی جائیں گی، کیوں کہ تجار حضرات فجر اور عشا کے وقت مسجد یا گھر پر ہی نماز ادا کریں گے، یا اپنے اپنے گھروں پر رہتے ہیں۔ مذکورہ صورت میں اذان کہنی ضروری ہے یا تکبیر سے نمازیں ادا ہو جائیں گی؟ مسجدوں کی اذانیں سنائی دیتی ہیں۔

هو المصوب

صورت مسئولہ میں اذان کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی،لیکن اذان نہ صرف سنت ہے، بلکہ شعائر اسلام میں سے ہے اور اعلان توحید ہے۔لہذا اذان کہہ کر نماز ادا کی جائے۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۵۰)

سوال مثل بالا:

سوال: بغیر اذان کے اگر نماز شروع ہو جائے،تو کیا نماز کا توڑوانا صحیح ہے،یا نماز مکمل کرنا؟ اور اگر جان بوجھ کر یا بھولے سے نماز مکمل کر لی،تو ان دونوں صورتوں میں نماز ادا ہو گی کہ نہیں؟

هو المصوب

اگر بغیر اذان کے نماز شروع کی گئی،تو نماز درست ہو جائے گی،اذان نہ ہونے سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۵۰)

---

(۱) وعامة مشائخنا قالوا:إنهما سنتان مؤكدتان ... والقولان لايتنافيان لأن ترك السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصًا السنة التى هى من شعائر الإسلام فلا يسع تركها ومن تركها فقد أساء؛لأن السنة المتواترة يوجب الإساءة وإن لم تكن من شعائر الإسلام فهذا أولٰى.(بدائع الصنائع: ۱/ ۳٦٤)

اذان اسلام کا اہم ترین شعار ہے؛اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ذکر ہے؛اس میں توحید و رسالت کی شہادت کا اعلان ہوتا ہے؛جس سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شہر(گاؤں)والے اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اذان چھوڑ دی جائے تو ان لوگوں سے جنگ کی جائے گی کیوں کہ اذان کو چھوڑنا دین کی کھلی توہین (استخفاف ظاہر) ہے۔(شامی:۱/۲۵۷)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل۔انیس)

(۲) الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواهما للنقل المتواتر.(الهداية مع الفتح: ۱/۲٤۳)

ويكره أداء المكتوبات بالجماعة فى المسجد بغير أذان وإقامة ولايكره تركهما لمن يصلى فى المصر إذا وجد فى المحلة ولا فرق بين الواحد والجماعة.(الفتاویٰ الهندية: ۱/ ٥٤،الفصل الأول فى صفة الأذان وأحوال المؤذن)

مسجد میں مؤذّن نہ ہو، تب بھی اذان کا اہتمام کریں:

سوال: کیا مسجد میں نماز ظہر کے وقت اذان دینا ضروری ہے؟ یہاں کوئی مؤذن مقرر نہیں ہے، جو کارکن پہلے آتا ہے، اذان دے دیتا ہے، اور بعض اوقات بھول جاتا ہے، اس طرح بغیر اذان کے نماز ہو جاتی ہے، اور ہم بھروسے میں رہتے ہیں کہ اذان ہوگئی، کیا بغیر اذان کے ہماری باجماعت نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب

اذان کے بغیر نماز ہو جاتی ہے، مگر خلاف سنت ہوگی اور ترک سنت کا وبال ہوگا، مسجد میں اذان کا اہتمام ضروری ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ جو جماعت اذان کے بغیر ہو، معتبر نہیں۔ بعد میں آنے والوں کو چاہیے کہ اذان کے ساتھ جماعت کرائیں۔(۱)۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۰)

زیر تعمیر مسجد میں بھی اذان دی جائے:

سوال: کیا فرماتے علماء دین دریں مسئلہ کہ! ایک مسجد جس کی دیواریں تقریباً پانچ فٹ کی ہیں اور تعمیر ہو رہی ہے اور اس میں تین نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں اور اس میں اذان وغیرہ نہیں دیتے، سوال کرتے ہیں کہ مسجد نامکمل اور نئی ہے، اس لئے اذان دینا جائز نہیں ہے اور نماز بھی باجماعت ادا کی جاتی ہے، اب فرمائیے کہ اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بحالت مذکورہ اذان نہ چھوڑی جائے۔

ہدایہ میں ہے:

"**الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة لا سواها**".(۲)

اور ان لوگوں کا کہنا کہ مسجد نامکمل میں اذان نہ دی جائے، غلط ہے۔ اذان کے مسنون ہونے کے لئے مسجد شرط نہیں ہے، بلکہ اذان فرائض کے لئے مسنون ہے۔

---

(۱) **الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة ... ويكره أداء المكتوبة بالجماعة فى المسجد بغير أذان و إقامة.(الفتاوىٰ الهندية: ۱/۵۳-۵٤، كتاب الصلاة، الباب الثانى فى الأذان)**

(۲) **الهداية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۸٤، طبع رحمانيه، لاهور)**

هكذا فى البحر الرائق: أى سن الأذان للصلوات الخمس والجمعة، الخ.(كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۵۵، طبع ماجدية، كوئٹة)

ردالمحتار میں ہے:

"وهو سنة مؤكدة للفرائض". (ص:۳۸۳)(۱)

بہر حال اذان کا ترک کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود:۱/۸۶۵)

جس مسجد میں پنج گانہ نماز نہ ہوتی ہو، اس میں بلا اذان نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک مسجد میں ایک شخص نماز ظہر کے وقت تنہا داخل ہوا، اس مسجد میں پابندی سے نماز نہیں ہوتی ہے، یہ معلوم ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص کو تنہا نماز ظہر بلا اذان پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

تمام محلّہ والوں پر ضروری ہے کہ مسجد میں باقاعدہ جماعت پنج گانہ کا انتظام رکھیں، اگر اس میں کوتاہی ہوگی، تو جو شخص جس قدر بااختیار ہوگا، اتنا ہی اس سے باز پرس عنداللہ ہوگی۔(۲)

نیز ایسے موقعہ پر اگر ایک ہی شخص تنہا آ کر اذان دیکر کچھ انتظار کر کے تنہا نماز ادا کر کے مسجد کا حق ادا کرے گا، تو اس کو مصلیوں سے بھری ہوئی مسجد کی جماعت کا ثواب ملے گا۔

بہر حال ایسے موقعہ میں بھی اذان دیکر جماعت کا انتظار کر کے اگر کچھ مصلی آ جائیں تو جماعت سے پڑھنا چاہیے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ۔ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۱۱/۶ھ۔

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ ۱۳۸۸/۱۱/۸ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۰۴)

---

(۱) التنوير متن الدر المختار علىٰ صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸٤/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی)
هكذا في الهندية: الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة كذا في قاضي خان، الخ، الباب الثاني في الأذان: ۵۳/۱، بلوچستان بكڈپو، كوئٹة)

(۲) وأما الإنكار باللسان واليد فإنما يجب بحسب الطاقة، وقال ابن مسعود: يوشك من عاش منكم أن يرى منكراً لايستطيع له غير أن يعلم اللّٰه من قلبه أنه له كاره. (جامع العلوم والحكم، الحديث الرابع والثلاثون: من منكم: ۲٤۵/۲)
عن أبي هريرة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من حضر معصية فكرهها فكأنه غاب عنها، ومن غاب عنها فأحبها فكأنه حضرها. (الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لابن أبي الدنيا: ۱٤۰/۱ (ح:۱۹۹) انيس)

(۳) عن أبي هريرة يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ... فإذا صلى لم تزل الملائكة تصلي عليه مادام في مصلاه اللهم صل عليه اللّٰهم ارحمه ولا يزال أحدكم في صلاة ماانتظر الصلاة. (الصحيح للبخاري، باب فضل صلاة الجماعة (ح:٦٤٧) انيس)

میدان یا جنگل میں تنہا ہونے کی صورت میں بغیر اذان و اقامت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر اکیلے کسی جگہ ہو، جنگل، میدان یا سمندر میں ہو، تو نماز کے وقت پر اذان دیکر نماز پڑھنا ضروری ہے، یا بغیر اذان دیئے صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعض لوگ صرف مغرب کی نماز اذان دیکر پڑھتے ہیں، باقی نمازوں میں اذان دیئے بغیر صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ لیتے ہیں، کیا مسئلہ ہے؟ بیان کیجئے۔ والسلام

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر جنگل و میدان وغیرہ کسی جگہ میں اکیلے ہوں، تو اذان دینا سنت ہے۔ اس لیے اذان دیکر نماز پڑھنا افضل ہے، باقی اگر بغیر اذان دیئے محض اقامت پڑھ کر نماز پڑھ لیں، جب بھی نماز بلا کراہت ادا ہوجائے گی۔ اس حکم میں نماز مغرب و غیر مغرب سب برابر ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۰۵)

بغیر اذان دیئے تنہا نماز پڑھ لینے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں!

(۱) اگر کوئی شخص بلا اذان دیئے ہوئے تنہا نماز پڑھ کر چلا جائے، تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص کسی معمولی کام کے لیے، جماعت تیار ہے، مگر وہ تنہا نماز پڑھ کر چلا گیا، تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) اگر وہ شخص اس مسجد کا مصلی نہیں ہے، یا عذر مبیح لہذا الامر ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ تارک جماعت کا مجرم ہوگا۔(۲)

(۲) اس کا حکم نمبر (۱) کے جز و اخیر یا عذر مبیح، الخ میں گذر چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۰۲)

---

(۱) عن سعيد بن المسيب أنه كان يقول: من صلى بأرض فلاة صلى عن يمينه ملك وعن شماله ملك فإن أذن وأقام الصلاة أو أقام صلى وراء ه من الملائكة أمثال الجبال. (موطا الإمام مالک، النداء فی السفر (ح:۱۳) ت: عبدالباقی: ۷۴/۱. انیس)

(۲) فصل: يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئا، منها: مطر وبرد وخوف ظالم وظلمة شديدة في الصحيح وحبس معسر أو مظلوم وعمى ومفلج وقطع يد ورجل وسقام واقعاد ووحل بعد انقطاع مطر، قال صلى الله عليه وسلم: إذا ابتلت النعال فالصلاة فى الرحال، وزمانة وشيخوخة وتكرار فقه لا نحو ولغة بجماعة تفوته ولم يداوم على تركها وحضور طعام تتوقه نفسه لشغل باله كمدافعة الأخبثين أو الريح وإرادة سفر تهيأ له وقيامه بمريض يستضر بغيبته وشدة ريح ليلا لا نهاراً للحرج. (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة مدخل: ۱۱۳/۱. انیس)

مسجد سے باہر اکیلا نماز پڑھنے والا اذان کہے یا نہ کہے:

سوال: اگرکسی کو اکیلے ہی نماز پڑھنی ہو مسجد سے باہر، تو کیا اذان دے یا نہ دے؟ بینوا توجروا۔
(عتیق الرحمان، ساہیوال)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

آبادی میں اذان کا ترک جائز ہے، بشرطیکہ محلّہ میں اذان ہو چکی ہو۔

ولایکرہ ترکھما لمن یصلی فی المصر إذا وجد فی المحلة،آہ. (الفتاویٰ الهندية: ۲۸/۱)(۱)**فقط واللّٰہ أعلم**

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ ھٰذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۵/۲)

کیا اذان واقامت کی ولایت بانیٔ مسجد کو حاصل ہے:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اذان واقامت کی ولایت بانیٔ مسجد کو حاصل ہے، وہ جب مناسب سمجھے اذان دلوائے اور جتنے فاصلہ سے چاہے اقامت کہلوائے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًاو مصليًا

اگر بانیٔ مسجد مستحب اوقات کی رعایت کرتا ہے، تو اذان واقامت کی ولایت بانیٔ مسجد کو حاصل ہے۔

”ولاية الأذان والإقامة لباني المسجد مطلقاً وكذا الإمامة لوعدلاً“. (الدرالمختار: ۲٦۸/۱)(۲)
فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۶۸/۲-۶۹)

---

(۱) (لالمصل فی بیته فی المصر) أی لایکرہ ترکھما لمن یصلی فی المصر إذا وجد فی مسجد المحلة لأن المقیم قد وجد الأذان والإقامة فی حقه ولهذا قال ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه: أذان الحی یکفینا وھذا؛ لأنه لما نصبوا مؤذنا صار فعله کفعلهم حکماً بالاستنابة وروی أبو یوسف عن أبی حنیفة فی قوم صلوا فی المصر فی منزل واکتفوا بأذان الناس أجزأھم وقد أساء وا ففرق بین الواحد والجماعة فی ھذہ الروایة. (تبیین الحقائق کنز الدقائق، أذان الجنب والمرأة والمحدث والسکران: ۹٤/۱. انیس)

(لا) یکرہ ترکھما (لمصل فی بیته فی المصر) لوجودھما فی حقه حکماً بأذان الحی وإقامته بخلاف المسافر حتی لو لم یؤذن الحی کرہ ترکھما، والتقیید بالبیت اتفاقی إذ المسجد کذلک وکذا القریة وإن لامسجد بها فکالعمران. (النهر الفائق، باب الأذان: ۱۸۰/۱. انیس)

(۲) الدرالمختار علٰی صدر ردالمحتار، قبیل باب شروط الصلاة: ٤۰۰/۱، انیس

بہت سی مساجد کی اذانوں سے راحت یا تکلیف:

سوال: آج کل مسجدوں میں کئی کئی مائیکروفون لگے ہوئے ہیں اور اذان ہوتی ہے تو چاروں طرف کی مسجدوں کی آواز ایک ساتھ ٹکراتی ہے، جب کہ ہم نے سنا ہے کہ ایک مسجد کی آواز اتنی ہو کہ دوسری مسجد کے ساتھ نہ ٹکرائے، جبکہ حال یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں کئی مسجدیں ہیں، ہر دوسری گلی میں ایک مسجد ہے، جب اذان ہوتی ہے یا وعظ ہوتا ہے، تو مسجد کے پاس گھروں میں آواز اس قدر تیز ہوتی ہے کہ بعض اوقات (نعوذ باللہ) پریشانی سی محسوس ہوتی ہے، کبھی ٹیلی فون پر بات کرتے ہیں اور اذان ہو رہی ہو، تو بات کرنا دوبھر ہو جاتا ہے، یا کسی کی طبیعت خراب ہو یا کوئی امتحان کی تیاری میں مصروف ہو تو (وعظ کی) اتنی تیز آواز ہوتی ہے کہ پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ مسجدوں کی آوازیں اس طرح بڑھا دینے سے اسلام پھیل رہا ہے، یا نمازی زیادہ ہو رہے ہیں؟ کیا اسلام میں اس طرح کی ضد، بحث ایک دوسرے سے جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

اذان تو لاؤڈ اسپیکر پر ہونی چاہیے کہ اذان کی آواز دور دراز تک پہنچانا مطلوب ہے، (۱) لیکن اذان کے علاوہ وعظ وغیرہ کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا بے ہنگم استعمال جس سے اہل محلّہ کا سکون غارت ہو جائے، نہ دین کا تقاضا ہے، نہ عقل کا، وعظ کے لیے یا نماز کے لیے اگر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ضرورت ہو، تو اس کی آواز مسجد تک محدود رہنی چاہیے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۲-۳۰۳)

نماز کے لئے مواقع اذان واقامت کی تفصیل:

سوال: منفرد کے لئے اقامت کہنا، سنت مؤکدہ ہے یا مستحب؟ نیز قضا ہو، تو اقامت کہے یا نہیں؟ جہراً کہے یا سراً۔ **بینوا بالتفصیل أجركم الجليل.**

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قال في التنوير: وهو سنة مؤكدة للفرائض في وقتها ولو قضاءً. (متن الدر المختار)

وفي الشامية: (قوله للفرائض الخمس) دخلت الجمعة. بحر. وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة (إلٰى قوله) لكن لايكره تركه لمصلي في بيته في المصر، لأن أذان الحي يكفيه

---

(۱) (ويؤذن المؤذن حيث يكون أسمع للجيران) لأن المقصود إعلامهم ويرفع صوته لأن الإعلام لايحصل إلابه. (المبسوط للسرخسي، التلحين في الأذان: ۱/۱۳۸. انيس)

كما سيأتى،وفى الإمداد أنه يأتى به ندباً.(رد المحتار: ۱/۳۵۷)(۱)

وفى التنوير:والإقامة كالأذان.(رد المحتار: ۱/۳٦۰)(۲)

وفى العلائية:(و)يسن أن(يؤذن ويقيم لفائتة)رافعاً صوته لوبجماعة أوصحراء لابببيته منفردًا.

قال فى الشامية:(قوله لوبجماعة)أى فى غيرالمسجد بقرينة مايذكره قريباً من أنه لايؤذن فيه للفائتة،ثم هذا قيد لقوله رافعًا صوته،وقد ذكره فى البحربحثاً وقال لم أره فى كلام أئمتنا و استدل لرفع المنفرد فى الصحراء بالحديث الصحيح" إذاكنت فى غنمك أوباديتك فأذنت للصلٰوة فارفع صوتك بالنداء فإنه لايسمع مدى صوت المؤذن إنس ولاجن ولامدرإلا شهد له يوم القيمة"آه.وأقره فى النهر.

أقول:يخالفه ما فى القهستانى من أنه يجب يعنى يلزم الجهربالأذان لإعلام الناس فلوأذن لنفسه خافت لأنه الأصل فى الشرع كما فى كشف المنار،آه.(۳)

علٰى أن ما استدل به يفيد رفع الصوت للمنفرد فى بيته أيضاً لتكثيرالشهود يوم القيامة،إلا أن يقال المراد المبالغة فى رفع الصوت والمؤذن فى بيته يرفع دون ذلك فوق ما يسمع نفسه و عليه يحمل ما فى القهستانى فليتأمل.(رد المحتار: ۱/۳٦۳)(۴)

وفى شرح التنوير:(ولا فيما يقضى من الفوائت فى مسجد)لأن فيه تشويشاً وتغليطاً(ويكره قضاؤها فيه)لأن التأخيرمعصية فلا يظهرها.بزازية.(الدرالمختار)

وفى الشامية:(قوله لأن فيه تشويشاً الخ)إنما يظهرإن لوكان الأذان لجماعة وأما إذاكان منفردًا ويؤذن بقدرما يسمع نفسه فلا ط.وفى الإمداد أنه إذاكان التفويت لأمرعام فالأذان فى المسجد لايكره لانتفاء العلة كفعله صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة التعريس،آه،لكن ليلة التعريس كانت فى الصحراء لا فى المسجد.(رد المحتار: ۱/۳٦۳)(۵)

وفيه:(وكره تركهما)معاً(لمسافر)ولومنفردًا(وكذا تركها)لا تركه لحضورالرفقة(بخلاف مصل)ولوبجماعة(فى بيته بمصر)أوقرية لها مسجد فلا يكره تركها إذ أذان الحى يكفيه.

قال فى الشامية:(قوله لمسافر)أى سفرًا لغويا أوشرعياً كما فى أبى السعود ط(قوله ولو منفردًا)لأنه إن أذن وأقام صلى خلفه من جنود اللّٰه ما لايرى طرفاه،رواه عبد الرزاق، الخ (قوله

(۱)　باب الأذان،قبيل مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان فى غيرالصلاة،انيس

(۲)　باب الأذان،مطلب فى أول من بنى المنابرللأذان،انيس

(۳)　جامع الرموز،فصل الأذان: ٦۹،مظهرالعجائب كلكته.انيس

(۴-۵)　باب الأذان،مطلب فى أذان الجوق،انيس

لاترکه)الظاهر أن المراد نفی الكراهة الموجبة للإساءة وإلا فقد صرح فی الكنز بعد ذلک بندبه للمسافر وللمصلی فی بيته فی المصر الخ(قوله إذ أذان الحی يكفيه)لأن أذان المحلة و إقامتها كأذانه وإقامته لأن المؤذن نائب أهل المصر كلهم(إلٰی قوله)وظاهره أنه يكفيه أذان الحی وإقامته وإن كانت صلٰوته فی اٰخر الوقت،تأمل.وقد علمت تصريح الكنز بندبه للمسافر و للمصلی فی بيته فی المصر فالمقصود من كفاية أذان الحی نفی الكراهة المؤثمة.(ردالمحتار: ۳٦۷/۱)(۱)

عبارات بالا سے امور ذیل ثابت ہوئے۔

(۱) اذان واقامت ہر فرض نماز کے لئے سنت مؤکدہ ہے،خواہ ادا ہو یا قضا مسافر ہو یا مقیم،جماعت کے ساتھ ہو یا منفرداً۔

(۲) اگر گھر میں با جماعت یا منفرداً نماز پڑھ رہا ہو اور محلّہ کی مسجد میں اذان واقامت ہوگئی ہو،تو گھر میں اذان واقامت مستحب ہے۔مگر منفرداً پڑھنے کی صورت میں اذان زیادہ بلند آواز سے نہ کہے۔

(۳) اگر کسی کے سامنے قضا نماز منفرداً پڑھ رہا ہو،خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں،تو اذان واقامت سراً کہے، تاکہ قضا کا اظہار نہ ہو،کیونکہ اظہار معصیت بھی معصیت ہے۔

(۴) اگر کسی عام حادثہ کی وجہ سے سب کی نماز قضا ہوگئی ہو،تو اس کے لئے اذان واقامت بلند آواز سے کہی جائے گی،اگرچہ مسجد میں ہو۔

(۵) سفر میں اگر سب رفقا حاضر ہوں،تو اذان مستحب ہے اور اقامت سنت مؤکدہ ہے۔اقامت کا ترک مکروہ ہے،اذان کا نہیں۔سفر عام ہے خواہ شرعی ہو یا لغوی۔

اس سے ثابت ہوا کہ سفر میں منفرد کے لئے اذان سنت مؤکدہ نہیں،بلکہ مستحب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶؍محرم ۱۳۸۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/ ۲۷۹-۲۸۱)

ریل گاڑی میں اذان کہنا:

سوال: ریل گاڑی میں اگر جماعت سے نماز ادا کریں،تو اذان کہنا مسنون ہے یا نہیں؟ اگر مسنون ہے،تو ہر ڈبہ میں اذان کہنا مستحب ہے،یا ایک ڈبہ کی اذان پوری ریل گاڑی والوں کو کافی ہوگی۔خواہ دوسرے ڈبہ والوں نے اس کی اذان کی آواز سنی ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) باب الأذان،قبل مطلب فی كراهة تكرار الجماعة فی المسجد،انيس

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

سفر خواہ شرعی ہو یا لغوی، اس میں اگر سب رفقا موجود ہوں، تو اذان کہنا مستحب ہے، اور اقامت سنت مؤکدہ، سفر میں تنہا نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے، (۱) ریل کے ڈبہ میں چونکہ سب لوگ یکجا ہی ہوتے ہیں، اس لئے اس میں خواہ باجماعت نماز ہو یا تنہا، دونوں صورتوں میں اذان مستحب ہے، اور اقامت سنت مؤکدہ، چلتی ریل میں ایک ڈبہ کے مسافروں کا دوسرے ڈبہ والوں سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے ہر ڈبہ میں اذان و اقامت مستقل ہوگی۔ اگرچہ دوسرے ڈبے سے اذان کی آواز پہنچ چکی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ /صفر ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۳-۲۹۴)

اذان میں گھڑی کا اعتبار ہے یا علامات سماویہ کا:

سوال: گھڑی کے اعتبار پر اذان ہونی چاہیے، یا علامات سماویہ پر؟

الجواب ــــــــــ

اصل تو علامات سماویہ ہی ہیں، لیکن اگر گھڑی کا تطابق اس کے ساتھ متیقن یا مظنون ہو، تو گھڑی پر عمل بھی جائز ہے۔ کطبل السّحور. (۲)

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ۔ (النور، شعبان ۱۳۴۹ھ)۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۵۷)

مطلع ابر آلود ہو تو اذان میں تاخیر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مغرب کی نماز کے وقت اگر بادل چھائے ہوئے ہوں، تو ایک پارٹی کہتی ہے کہ اذان چار منٹ پہلے پڑھنی چاہئے، دوسری پارٹی کہتی ہے کہ چار منٹ بعد میں اذان پڑھنی چاہئے، اس کے متعلق حکم صادر فرماویں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۱) عن سلمان الفارسی قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا كان الرجل فی أرض قیّ فحانت الصلاة فلیتوضأ فإن لم یجد ماءً فلیتیمم فإن أقام صلی معه ملكاه، وإن أذن وأقام صلی خلفه من جنود اللّٰه مالایریٰ طرفه. (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب الرجل یصلی بإقامة وحده (ح: ۱۹۵۵) انیس)

قلت: أرأیت إن كانوا جماعة فی سفر؟ قال: الجماعة فی هذا والواحد سواء وعلیهم أن یؤذنوا ویقیموا وإن لم یفعلوا فقد أساؤا وصلاتهم تامة. قلت: فإن أقاموا وتركوا الأذان قال: یجزیهم. قلت: وترخص للمسافرین فی هذا ولاترخص للمقیمین؟ قال: نعم. (الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب الأذان: ۱/۱۳۳. انیس)

(۲) وإن أراد أن یتسحر بضرب طبل سحری فإن كثر ذلك الصوت من كل جانب وفی جمیع أطراف البلدة فلا بأس به، وإن كان یسمع صوتاً واحدًا، فإن علم عدالته یعتمد علیه وإن عرف فسقه لایعتمد علیه وإن لم یعرف حاله یحتاط ولایأكل. (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، الفصل الأول فی بیان وقت الصوم: ۲/۳۷۴. انیس)

الجواب

ابروغبار کے روز ہمیشہ فجر، ظہراور مغرب کی نماز ذرادیر کرکے پڑھنا بہتر ومستحب ہے، تاکہ وقت پوری طرح ہوجائے اور شبہ نہ رہے۔

قال فی الهداية، ج:۱/ص:۸٤: "**وإذا كان يوم غيم فالمستحب فی الفجر والظهر والمغرب تأخيرها وفی العصر والعشاء تعجيلها**". (۱)

اگرگھڑی کے ذریعہ ٹھیک اوقات معلوم ہوسکتے ہوں، تو پھر ہرنماز کو اس کے معمولہ وقت میں پڑھے اور بلاوجہ جلدی یا دیر نہ کرے، بادل کے دن میں جب شرعاً ذرا تاخیر کرنا مستحب ہے، تو چار منٹ پہلے اذان کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸٦۷)

اذان سن کر کتے کا رونا:

سوال: یہاں سے قریب ایک بستی ہے، موضع سپناوت، وہاں ایک مسجد ہے، ایک صاحب عرصہ سے وہاں اذان دیتے ہیں، تقریباً پندرہ بیس دن سے جب اذان ہوتی ہے، تو گاؤں کے کتے روتے ہیں اور گیدڑ بھی بولتے ہیں، اس کی وجہ سے نمازی لوگ بہت متحیر ہیں اور اس کو خرابی پر محمول کرتے ہیں۔ اور آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟ میں نے ان کو سمجھایا، مگر وہ مطمئن نہیں ہوئے۔

(محمد یوسف، مؤذن مسجد سپناوت، میرٹھ)

الجواب　　حامدًا و مصليًا

اذان سن کر ایک کتا ہمارے مدرسہ کے سامنے ہمیشہ روتا ہے اور چلاتا ہے، اور جگہ بھی ایسا ہوتا ہے، یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے۔ (۲)

بعض دفعہ بعض جانوروں کو بھی وہ نظر آتا ہے، اس سے گھبرا کر روتے اور آواز کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۴۲-۴۴۳) ☆

---

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۸۱، طبع رحمانية، لاهور

وهكذا فی التنوير وشرحه: "(وتأخير ظهر الصيف) ... (و) تأخير (عصر) صيفاً وشتاءً ... (والمستحب تعجيل ظهر شتاءً) ... (و) تعجيل (عصر وعشاء يوم غيم، و) تعجيل (مغرب مطلقاً)، الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۳٦٦-۳٦۹، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی)

(۲) عن أبی سفيان عن جابر (رضی الله تعالىٰ عنه) قال: سمعت النبی صلی الله عليه وسلم يقول: ==

اذان مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا:

سوال: عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد لائٹ روشن کر دی جاتی ہے اور اس کے بعد جماعت ہوتی ہے کیونکہ کچھ اندھیرا ہو جاتا ہے، ایک صاحب کو اس پر اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آتش پرستی کے مشابہ ہے، اتفاق سے بجلی کا بلب امام کے کھڑے ہونے کی جگہ لگا ہوا ہے، اس لئے انھیں خلجان رہتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد بلب روشن کیا جانا چاہئے۔ از روئے شرع کیا حکم ہے، کیا ان کا یہ خلجان صحیح ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

(فیض احمد باندہ)

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

یہ خلجان لغو اور بے اصل ہے، آتش پرستی سے اس کو کوئی مشابہت نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۳/۵)

== إن الشيطان إذا سمع النداء بالصلاة،ذهب حتیٰ يكون مكان الروحاء". قال سليمان: فسألته عن الروحاء، فقال: هی من المدينة ستة وثلاثون ميلاً.

عن أبی هريرة (رضی الله تعالیٰ عنه) عن النبی صلی الله عليه و سلم قال: إن الشيطان إذا سمع النداء بالصلاة، أحال له ضراط حتیٰ لا يسمع صوته، فإذا سكت رجع فوسوس، فإذا سمع الإقامة ذهب حتیٰ لا يسمع صوته، فإذا سكت رجع فوسوس. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان و هرب الشيطان عند سماعه: ١٦٧/١، قديمی)

☆ اذان کے وقت کتے کا رونا:

سوال: مسجد میں مؤذن نہیں ہیں، ایک شخص جب بھی اذان دیتا ہے، کتے رونا شروع کر دیتے ہیں اور دو تین ماہ سے غور کر رہا ہوں، دوسرا کوئی اذان دیتا ہے، تو کوئی بات نہیں ہوتی؟

هـــو المصـــوب ــــــــــــــ

اس کی کوئی شرعی اصل نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے کہ مؤذن جب اذان دیتا ہے، تو اس کی آواز سن کر شیطان خروج ریح کی آواز کرتے بھاگتا ہے۔ ("إذا نودی للصلاة أدبر الشيطان له ضراط حتی لا يسمع التأذين" (صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب فضل التأذين: ٨٥/١، الصحيح لمسلم، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه. ح: ٣٨٩) آپ کو کتے کے رونے میں غور و فکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایک مسلمان اس طرح کے امور میں اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا، ہاں اگر غور و فکر سے یہ عبرت حاصل کرے کہ توحید کی پر ہیبت آواز نے کتوں اور یہ ہوسکتا ہے کہ بصورت کتا شیطانوں کو اظہار غم کے طور پر رونے پر مجبور کر دیا ہے، تو ایسا ہوسکتا ہے۔

تحریر: محمد مستقیم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۹۱/۱-۳۹۲)

(۱) "ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لا يكره فی كل شیٔ، فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون، إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً، وفيما يقصد به التشبه، كذا ذكره قاضی خان فی شرح الجامع الصغير، فعلی هذا لو لم يقصد التشبه لا يكره عندهما". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس و الزينة: ٨٨/٤، دار العلوم، كراچی)

فرض نماز کے لئے اذان سنت مؤکدہ ہے:

سوال: بغیر اذان مسجد میں جماعت کرتے ہیں اور جب کہو تو کہتے ہیں کہ کیا نماز اذان کے سوا بھاگتی ہے، اس کا جواب حدیث وفقہ سے عنایت فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

فرض نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے، چونکہ یہ شعائر اسلام سے ہے، اس کے تارک کو گناہ بہت ہوگا۔ بلکہ اگر کسی شہر والے مصر ہوں تو فقہا ان سے جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں۔(۱) (کفایت المفتی: ۴۵/۳۔۴۶)

نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: کیا اذان کا تعلق اول وقت سے ہے کہ جیسے ہی وقت ہو جائے، اذان دینی چاہئے، یا نماز سے ہے کہ اگر نماز میں تاخیر ہو تو اذان بھی تاخیر سے دے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اذان کا تعلق نماز سے ہے نہ کہ وقت سے لہٰذا اگر نماز تاخیر سے پڑھی جارہی ہو تو اذان بھی تاخیر سے دی جائے گی اور اگر نماز عجلت سے ادا کی جارہی ہے تو اذان بھی عجلت سے دی جائیگی مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان دے وقت سے پہلے اذان ادا نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو! بخاری شریف میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللّٰہ عنه قال: کنا مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر فأراد المؤذن أن یؤذن فقال: أبرد، ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد، ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد.

وفی روایة للبخاری أیضاً: أو قال: انتظر انتظر حتی ساوی الظل التلول، فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: "إن شدة الحر من فیح جهنم". (صحیح البخاری: ۸۶/۱، فیصل)

شامی میں ہے:

"وحکم الأذان کالصلاة تعجیلاً وتأخیرًا". (رد المحتار، باب الأذان: ۳۸۴/۱، سعید)

درمختار میں ہے:

"(...وهو سنة) للرجال فی مکان عال (مؤکدة) هی کالواجب فی لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (فی وقتها ولو قضاءً) لأنه سنة للصلاة حتی یبرد به لا للوقت". (الدرالمختار: ۳۸۴/۱، باب الأذان) واللّٰه سبحانه وتعالیٰ أعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۱۱۱/۲)

(۱) (وهو سنة)...(مؤکدة) هی کالواجب فی لحوق الإثم. (الدرالمختار)
(قوله هی کالواجب) بل أطلق بعضهم اسم الواجب علیه، لقول محمد: لو اجتمع أهل بلدة علیٰ ترکه قاتلتهم علیه، ولو ترکه واحد ضربته وحبسته. (رد المحتار، باب الأذان: ۳۸۴/۱، ط: سعید)

کلماتِ اذان کی بیل:

سوال: آج کل گھروں میں ایسی بیل لگائی جاتی ہے جس میں اذان کے کلمات ریکارڈ ہوتے ہیں اور بعض میں صرف ''اللّٰہ أکبر'' کی آواز ہوتی ہے، ایسی بیل لگانے کا کیا حکم ہے؟ (محمد عبدالمتین، یادگیر)

الجواب

اذان کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کا نام نامی قابلِ احترام ہے اور کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا بھی بے احترامی میں شامل ہے۔ چنانچہ فقہانے اس بات کو منع کیا ہے کہ چوکیدار محض لوگوں کو جگانے کے لئے '' **لا الٰــــه الا الــلّٰـــه**'' پڑھے۔(۱)

اس لئے میرے خیال میں الارم اور بیل وغیرہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں، قرآن مجید کی آیتوں اور اذان کے کلمات کا استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۶-۱۴۷) ☆

بلاوقت، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اَذان کا شرعی حکم:

سوال: کہتے ہیں کہ اوقاتِ نماز کے علاوہ بے وقت اذان نہیں دینی چاہیے۔ یا صرف اس وقت اذان دینی چاہیے جب کوئی بچہ پیدا ہو، یا کوئی بڑی آفت سے نجات پانی ہو، مثلاً: زیادہ بارش کے وقت، لیکن ہمارے یہاں ٹیلی ویژن پر جب لاہور میں عشا کا وقت ہوتا ہے، تو اذان پورے پاکستان میں نشر ہوتی ہے، حالانکہ جب لاہور میں عشا کا وقت ہوتا ہے، تو کراچی میں عشا کی اذان میں تقریباً ایک گھنٹہ ہوتا ہے، اسی طرح پاکستان کے ایک شہر میں اذان کا

(۱) دیکھئے: الفتاوىٰ الهندية:۵/۳۱۵- كتاب الكراهية. محشی

☆ گھڑی میں اذان کا الارم:

سوال: آج کل گھڑی کے الارم میں اذان بھری گئی ہے، بغیر وقت نماز کے الارم لگا کر اذان سننا جائز ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، پھولانگ)

الجواب

الارم کے طور پر اذان لگانے میں کچھ حرج نہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لئے بلاتے ہوئے ''الـصـلوٰة خير من النوم'' کی صدا لگاتے تھے، (دیکھئے: مجمع الزوائد :۱/۳۳۰، کنز العمال، حدیث نمبر:۲۳۲۴۵-۲۳۲۴۶- محشی) جو اذان ہی کا ایک فقرہ ہے، البتہ دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے، ایک تو لہو ولعب کے مقام پر ایسا الارم لگانا مناسب نہیں کہ خلاف ادب ہے، دوسرے وقت نماز شروع ہونے سے کچھ پہلے الارم لگایا اور اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والے یا روزہ رکھنے والوں کو التباس ہو جائے گا، تو جائز نہیں، کیونکہ دھوکہ دینا سخت گناہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۶)

وقت ہوتا ہے، تو دوسرے شہروں میں نہیں ہوتا، لیکن اذان سب اسٹیشنوں پر ایک ساتھ نشر ہوتی ہے، تو کیا یہ گناہ نہیں ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

آپ کا خیال صحیح ہے، اذان نماز کے لیے ہوتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جو اذان نشر ہوتی ہے، وہ کسی نماز کے لیے نہیں، بلکہ محض شوقیہ ہے، شریعت کے کسی قاعدے کے ماتحت نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۸/۳)

ٹیپ ریکارڈ سے دی ہوئی اذان صحیح ہوگی یا نہیں:

سوال: ٹیپ ریکارڈ میں اذان ٹیپ کر لی اور ہر نماز کے وقت اس کو چالو کر دیں تو اس طرح ٹیپ میں دی ہوئی اذان صحیح ہے یا نہیں؟ اور اسی ٹیپ پر دی ہوئی اذان پر نماز پڑھی جائے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ

ٹیپ ریکارڈ سے اذان دی جائے گی تو وہ اذان معتبر نہیں ہوگی، پھر سے اذان دینا ضروری ہے، (۲) اگر صحیح طریقہ سے دوبارہ اذان نہ دی گئی تو وہ نماز بغیر اذان کے پڑھی ہوئی شمار ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۲/۴)

ٹیپ ریکارڈر سے یا جوتے پہن کر اذان دینا:

سوال: ٹیپ رکارڈر سے اذان دینا، یعنی اذان ٹیپ کر لی جائے اور ہر نماز کے وقت اس کو بجادیا جائے، تو یہ اذان معتبر ہے یا نہیں، نیز جوتے پہن کر اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ٹیپ ریکارڈر سے اذان دینا جائز نہیں، (۳) اور ناپاک جوتا پہنے ہوئے اذان دینا مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۔ ۲/۸/۱۴۱۱ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، محمد ظفیر الدین مفتاحی، کفیل الرحمٰن ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۱۵/۱) ☆

---

(۱) (باب الأذان)هو لغة الإعلام ... وشرعاً إعلام مخصوص فی وقت مخصوص، إلخ. (البحر الرائق: ۲٦۸/۱)
وأيضاً: (قوله وشرعاً إعلام مخصوص) أی إعلام بالصلاة. (رد المحتار: ۳۸۳/۱، باب الأذان)

(۲-۳) الأذان سنة هو قول عامة الفقهاء وكذا الإقامة وقال بعض مشايخنا واجب لقول محمد: لو اجتمع أهل بلد على تركه قاتلناهم عليه، وأجيب بكون القتال لما يلزم الاجتماع على تركهم من استخفافهم بالدين بخفض أعلامه لأن الأذان لذلك لا على نفسه. (فتح القدير، باب الأذان: ۲٤۰/۱)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اذان دین کا ایک حصہ ہے، اور دین کے اس حصہ کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تبع تابعین سے مؤذن کے اذان دینے کی شکل میں ثابت ہے۔ ==

ٹیپ کی اذان ناکافی ہے:

سوال: ٹیپ میں سجدۂ تلاوت کی قراءت ہوئی، تو سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہے کہ نہیں ہے؟ اور ٹیپ کی اذان کو ہر صلوٰۃ کے وقت لگادیا جائے، تو درست اور کافی ہوگا؟

== اس لیے فقہا نے اس باب میں منقول احادیث کی بنا پر اذان دینے والے میں اسلام، عقل، بلوغ، عدالت وغیرہ کی شرط عائد کی ہے اور یہ ٹیپ ریکارڈ میں مفقود ہے۔ انیس

☆ **ٹیپ ریکاڈر سے اذان دینے کا حکم:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ٹیپ ریکاڈر سے اذان دینے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی عبداللہ کلے ڈاکخانہ ہوارہ چارسدہ......۲۴ رذی الحجہ ۱۴۰۲ھ)

الجواب

ٹیپ ریکاڈر سے اذان کا عکس سنا جاتا ہے نہ کہ اذان، لہٰذا اس عکس اذان پر اکتفا کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی۔ (قال العلامة ابن عابدين: أن أذان الصبي الذي لا يعقل لايجزى ويعاد؛ لأن ما يصدر لاعن عقل لايعتد به كصوت الطيور، آه ... أن المقصود الأصلي من الأذان في الشرع الإعلام بدخول أوقات الصلاة ثم صار من شعار الإسلام في كل بلدة أوناحية من البلاد ... لابد من الإسلام والعقل والبلوغ والعدالة. (رد المحتار علىٰ هامش الدر المختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه : ۲۹۱/۱) جیسا کہ محراب میں ٹیپ ریکاڈر سے جماعت ادا نہیں ہو سکتی ہے، ورنہ مؤذن اور امام کی مؤذنت سے نجات حاصل ہوتی۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۷۳/۲)

ٹیپ رکارڈ سے اذان:

سوال: کیا ٹیپ ریکارڈ سے اذان ہوسکتی ہے یا نہیں؟

ھو المصوب

اذان واقامت ایک اہم عبادت ہے جو قلب کی کیفیت کے ساتھ انجام دی جاتی ہے اور ٹیپ ریکارڈ ایک جامد اور غیر حساس شئی ہے، جس کی آواز کو عبادت نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے ٹیپ ریکارڈ سے اذان درست نہ ہوگی۔ (اذان کا اعلام ہونا اسلام، عقل، بلوغ، عدالت وغیرہ جیسے شرائط کے ساتھ مقید ہے، جو ٹیپ ریکارڈ میں مفقود ہے، جیسا کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت پر سجدہ تلاوت لازم نہیں ہوگا۔ انیس

لا تجب (أي سجدة التلاوة) بسماعه من الصدى والطيور من كل تالٍ حرفا ولابالتهجي. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۸۳/۲)

وأما أذان الصبي الذي لايعقل فلايجزى ويعاد لان مايصدر لا عن عقل لايعتد به كصوت الطيور. (بدائع الصنائع، فصل بيان سنن الأذان: ۱۵۰/۱، منحة الخالق، أذان الجنب وأقامته وأذان المرأة والفاسق: ۲۷۸/۱. انيس)

تحریر: محمد مستقیم ندوی ۔تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۸۵/۱)

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس میں اگر کوئی آیتِ سجدہ پڑھی جائے، تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا؛ کیونکہ فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ سامع پر وجوبِ سجدہ کے لیے یہ شرط ہے کہ پڑھنے والے میں خود بھی وجوبِ سجدہ کی اہلیت وصلاحیت ہو، گو بالفعل اس کے ذمہ واجب ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے سونے والے آدمی یا مجنون مطبق کی زبان سے اگر آیت سجدہ نکل جائے یا کسی جانور طوطے وغیرہ کو آیت سجدہ سکھادی جائے، تو ان سب صورتوں میں اس کے سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا؛ کیونکہ ان میں اہلیت وجوبِ سجدہ کی نہیں ہے، بخلاف حیض ونفاس والی عورت کے، کہ اگر وہ آیتِ سجدہ پڑھ دیں، تو گو اس وقت ان کے ذمہ سجدہ واجب نہ ہوگا؛ مگر ان میں اہلیتِ وجوب موجود ہونے کی وجہ سے سننے والوں پر سجدہ واجب ہوجائے گا۔ (آلات جدیدہ: ۱۳۵، ۱۳۶)

ٹیپ میں بند کی ہوئی اذان کو ہر نماز کا وقت آنے پر لگا دینا کافی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اذان کا مقصود وقتِ نماز کے داخل ہونے کی خبر دینا ہے، اور یہ وہ خبر ہے جس کا تعلق دیانت سے ہے اور ایسی خبر کے معتبر اور مقبول ہونے کے لیے اسلام، عقل، بلوغ، عدالت وغیرہ کی ضرورت ہے، جو ٹیپ میں موجود نہیں ہے۔

أن المقصود الأصلي من الأذان في الشرع الإعلام بدخول أوقات الصلٰوة، ثم صار من شعار الإسلام في كل بلدة، أو ناحية من البلاد الواسعة علٰى مامر، فمن حيث الإعلام بدخول الوقت، و قبول قوله لابد من الإسلام، و العقل، البلوغ، و العدالة، الخ. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب فى أذانه: ۱/ ۲۹۰) **فقط و اللّٰه تعالٰى أعلم** (محمود الفتاویٰ: ۴/ ۲۲۷) ☆

☆ **ٹیپ سے نشر کی ہوئی اذان معتبر نہیں ہے:**

سوال: اگر اذان کے وقت بجائے تازہ اذان دینے کے حرم مکہ کی ریکارڈ کی ہوئی اذان لگادی جائے، تو کیا وہ اذان کے قائم مقام ہوجائے گی یا نہیں؟

(محمد انور ۳۴۲/ نقشبند کالونی، خانیوال روڈ، ملتان)

الجواب ــــــــــــــ

ٹیپ سے نشر ہونے والی اذان شرعاً اذان مشروع کے حکم میں نہیں، اس لئے سنت اذان ادا نہ ہوگی۔ حسب معمول مؤذن سے اذان کہلوائی جائے۔

وذكر فى البدائع أيضاً: أن أذان الصبى الذى لايعقل لايجزى ويعاد؛ لأن ما يصدر لا عن عقل لايعتد به كصوت الطيور آه۔ (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب فى أذانه: ۱/ ۲۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء، ۲۷/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۲۲۵)

ریڈیو وغیرہ سے اذان کا حکم:

سوال: آجکل ریڈیو میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہے، کیا اس اذان پر اکتفاء کرکے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اسی طرح ٹیپ ریکاڑد وغیرہ کی کیسٹوں کے ذریعے دی گئی اذان کا کیا حکم ہے؟

الجواب

شریعت مقدسہ میں اذان دینے والے کا عاقل ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ ''صبی لایعقل'' کی اذان کالمعدوم ہے، چونکہ ریڈیو، ٹیپ ریکاڑد اور ٹی وی میں یہ شرائط موجود نہیں، اس لئے ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو وغیرہ کی اذان، اذان نہیں، اس سے اذان کی سنیت ادا نہ ہوگی۔

قال العلامة أبوبکر الکاسانی: وأما أذان الصبی الذی لایعقل فلایجزیء ویعاد لأن مایصدر لا عن عقل لایعتد به کصوت الطیور. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۰، فصل بیان سنن الأذان)(۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/ ۵۹)

اذان کا ضد کی وجہ سے نہ دینا:

سوال: ایک مسجد میں دو امام ہیں اور دونوں حقیقی بھائی ہیں آپس میں نزاع رہتا ہے، اس لئے مسجد میں اذان نہیں کہتے اس خیال سے کہ شاید دوسرے نے اذان کہہ دی ہو اور جو امام آتا ہے جماعت کرا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں شرعاً نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز ہو جاتی ہے مگر ترک سنت اذان کا گناہ ان کے ذمہ رہتا ہے۔

قال فی الدر المختار: (...وهو سنة) للرجال فی مکانٍ عالٍ (مؤکدة) هی کالواجب فی لحوق الإثم. (۲) **فقط** (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۰۸)

جماعت میں عدم حاضری کی وجہ سے گھر میں اذان کہنا کیسا ہے:

سوال: اگر بوجہ کسی عذر قوی کے مسجد میں نہ پہنچ سکے یا اذان مسجد و جماعت میں تاخیر ہو اور اس کو بوجہ بیماری یا کسی اور عذر کے نماز میں تعجیل ہو تو مکان میں اذان کہہ کر نماز پڑھنا جائز ہوگا یا ناجائز، مسجد کی اذان و جماعت تک تاخیر نماز نہیں کر سکتا بوجہ عذر کے اور اگر نماز اذان کہہ کر نہیں پڑھتا تو ثواب سے محروم رہتا ہے۔ ایسے موقعہ میں کیا کرے، اذان کہے یا نہ کہے، یا اذان مسجد تک توقف کرے؟

(۱) رد المحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۰۔
(۲) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۵۶، ظفیر

الجواب

اگر عذر کی وجہ سے جماعت ساقط ہوگئی اور وہ شخص مصر میں ہے، تو اذان بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

شامی جلد اول صفحہ ۲۸۳:

لكن لايكره تركه لمصلٍ في بيته في المصر لأن أذان الحي يكفيه. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۸۵/۲)

گھر پر نماز کے لئے اذان واقامت:

سوال (۱) ایک ایسی بستی کے محلے میں زید رہتا ہے، اس محلّہ میں کوئی مسجد نہیں، دوسرا محلّہ اتنی دور ہے کہ کبھی اذان کی آواز آتی ہے کبھی نہیں، یہ شخص اگر گھر پر تنہا نماز پڑھے، تو اذان واقامت ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص ایسے محلّہ میں ہے کہ وہاں آواز اذان آتی ہی نہیں، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اگر اذان دینے سے اہل ہنود سے نزاع کا اندیشہ ہو (**لكثرتهم وغلبتهم**) تو ایسا شخص کیا کرے؟

(۳) ہر دو صور بالا میں اگر چند اشخاص بوقت نماز جمع ہو گئے تو اس وقت اذان کا کیا حکم ہے؟ اگر فتنہ وفساد کے خیال سے آہستہ اذان دی جائے کہ اہل خانہ سن لیں (کیونکہ آس پاس گھر مسلمانوں کے نہیں) تو سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمایا جائے۔ (ابرار الحق)

الجواب حامدًا ومصلياً

(۱) **"وكره تركها للمسافر لا لمصل في بيته في المصر، وندباً لهما، آه.** (الكنز علىٰ هامش البحر: ۲٦٥/۱) (۲)

("قوله: في بيته): أي فيما يتعلق بالبلد من الدار والكرم وغيرهما، قهستاني، في التفاريق وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفي بأذان القرية أو البلدة إن كان قريباً، وإلا فلا، وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منها، آه، إسماعيل، والظاهر أنه لايشترط سماعه بالفعل، تأمل آه. (ردالمحتار: ۴۰۹/۱) (۳)

ضروری بمعنی "فرض" کا تو احتمال ہی نہیں، البتہ صورت مسئولہ میں اذان واقامت مستحب ہے۔ **كما في الكنز**، سنتِ مؤکدہ نہیں۔ (۴)

---

(۱) (بخلاف مصلٍ) ولو بجماعة (في بيته بمصر) أو قرية لها مسجد فلايكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الأذان: ۳٦۳/۱، ظفير)

(۲) كنز الدقائق علىٰ هامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٦۰/۱، رشيدية

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹٥/۱، سعيد

(۴) (فإن صلى في بيته في المصر يصلي بأذان وإقامة) ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة ==

(۲) ایسے شخص کو خود اذان واقامت کہ کر نماز پڑھنا چاہئے کیونکہ اذان کی آواز آتی ہی نہیں تو وہ اس کے حق میں بمنزلۂ عدم کے ہے، **كذا فی العبارة المذكورة من رد المحتار**، (۱) جب نزاع کا ظن غالب ہے اور اس کا نتیجہ اس کے حق میں نقصان اور مغلوبیت ہے تو اذان زیادہ بلند آواز سے نہ کہے بلکہ معمولی طریقہ سے کہ دے۔(۲)

(۳) ہو جائے گی۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۲۶/۱۱/۱۳۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۴/۵-۳۹۶)

گھر کے اندر اذان و جماعت:

سوال (ا) زید کے مکان سے ملحق ایک مسجد ہے، جو اس وقت شیعوں کے قبضہ میں ہے، وہ اپنے طریقہ پر اذان کہتے اور نماز پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں اگر زید اپنے گھر میں اذان کہہ کر نماز باجماعت ادا کرے، تو کیا حکم ہے؟ اندر مکان کے اذان کہنا کیسا ہے؟

گھر میں جماعت کرنے سے مسجد کی جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں:

(۲) اس صورت میں مسجد کا ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اگر گھر میں اذان، بچوں کو عادی بنانے کیلئے دی جائے، تو کیا حکم ہے:

(۳) محض ضلالت کے سدباب کے لئے گھر میں اذان کہی جاتی ہے، تا کہ لڑکے اپنی اذان اور نماز کو نہ بھول جائیں۔

== وإن تركهما جازلقول ابن مسعود: أذان الحيّ يكفينا. (الهداية، باب الأذان)

(فإن صلى رجل فی بيته فاكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزأه) لما روى أن ابن مسعود رضی الله عنه صلى بعلقمة والأسود فی بيت فقيل لی ألاتؤذن فقال: أذان الحی يكفينا. (مبسوط السرخسی: ۱۳۳/۱)

عن أم ورقة الأنصاری أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يقول: انطلقوا بنا إلى الشهدة فنزورها، فأمر أن يؤذن لها ويقام و يؤم أهل دارها فی الفرائض. (سنن البيهقی، باب سنة الأذان والإقامة فی البيوت وغيرها (ح: ۱۹۰۹) / مصنف ابن أبی شيبة، فی الرجل يصلی فی بيته يؤذن ويقيم أم لا (ح: ۲۲۸٤)

اس حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھی۔ انیس

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۵/۱، سعيد

(۲-۳) "والمؤذن فی بيته يرفع دون ذلک فوق ما يسمع نفسه، و عليه يحمل ما فی القهستانی، فليتأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۰/۱، سعيد)

"درء المفاسد أولى من جلب المصالح". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۲۲٤/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

الجواب

(۱) مکان میں اذان کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ محلّہ کی مسجد کی اذان کافی ہے، (۱) البتہ تکبیر کہہ کر جماعت کرلی جاوے، لیکن بحالت موجودہ بوجہ صحیح نہ ہونے اذان مسجد محلّہ کے اور نیز بغرض تعلیم اطفال درست ہے۔ (۲)

(۲) مسجد کا ثواب نہ ہوگا، لیکن جماعت کا ثواب ملے گا۔ (۳)

(۳) یہ وجہ معقول ہے، اس حالت میں گھر میں اذان کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۱۴)

نماز کیلئے مکان ودکان یا جنگل میں اذان کہے یا نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص نمازِ پنجگانہ، مکان میں یا دکان یا جنگل میں پڑھے، تو اذان وتکبیر کہنا کیسا ہے؟

الجواب

جماعت سے پڑھے، تو اذان وتکبیر کہے، (۴) اکیلے کو ضروری نہیں اور اگر کہے تو کچھ حرج نہیں۔ (۵)

(فتاویٰ دارالعلوم: ۲/۱۲۹)

---

(۱) عن عكرمة قال: إذا صليت في منزلک أجزأک مؤذن الحي. (مصنف ابن أبي شيبة، من كان يقول يجزءه أن يصلي بغير أذان ولا إقامة (ح: ۲۲۹۱) انیس)

(۲) وكره تركهما لمسافر ولو منفردًا، الخ (بخلاف مصلٍّ) ولو بجماعة (في بيته بمصر) أو قرية لها مسجد فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. (الدرالمختار)

وعن أبي حنيفة لو اكتفوا بأذان الناس أجزأهم وقد أساؤا، ففرق بين الواحد والجماعة في هذه الرواية، بحر، (قوله في بيته) أي فيما يتعلق بالبلد من الدار والكرم وغيرهما، قهستاني الخ (قوله لها مسجد) أي في أذان وإقامة و إلا فحكمه كالمسافر، صدرالشريعة. (رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳٦٦_۳٦۷، ظفير)

(۳) والجماعة سنة مؤكدة للرجال الخ وأقلها اثنان واحد مع الإمام الخ في مسجد أوغيره (الدرالمختار) قال في القنية: واختلف العلماء في إقامتها في البيت والأصح أنها كإقامتها في المسجد إلا في الأفضلية، آه. (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۱۵_۵۱۷، محمد ظفیر الدین غفرلہ)

(۴) عن مالک بن الحويرث رضي الله عنه قال: أتى رجلان النبي صلى الله عليه وسلم يريدان السفر فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "إذا أنتما خرجتما فأذنا ثم أقيما ثم ليؤمكما أكبركما. (صحيح البخاري، كتاب الأذان (ح: ٦۳۰_٦۵۷)/الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة (ح: ٦۷٤) انیس)

(۵) عن الأسود وعلقمة قالا: أتينا عبد الله رضي الله عنه في داره فقال: أ صلى هؤلاء خلفكم؟ قلنا: لا، قال: قوموا، ولم يأمر بأذان وإقامة. (مصنف ابن أبي شيبة (ح: ۲۲۸۹)/صحيح ابن حبان (ح: ۱۸۷۵)/السنن الكبرىٰ للنسائي (ح: ۷۹۸)/السنن الكبرىٰ للبيهقي (ح: ۱۷٦۹) انیس)

مدرسہ میں اذان وجماعت:

سوال: ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا نام سراج العلوم ہے، کنگرولی میں اہل سنت والجماعت کی تین مساجد ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ مذکورہ میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، طلبا ومدرس نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں کہ مساجد شہر سے کچھ فاصلہ پر ہیں۔ آپ سے استفتایہ ہے کہ مدرسہ مذکورہ میں اذان وجماعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہاں آکر اہل محلہ بھی نماز ادا کرتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدا ومصلیاً

اذان وجماعت کے لئے مسجد شرط نہیں ہے، مسجد کے علاوہ جنگل میں، مکان میں، اسٹیشن میں، مدرسہ میں سب جگہ میں درست ہے۔ (۱) لیکن مسجد کی فضیلت مسجد ہی میں پڑھنے سے حاصل ہوگی۔ (۲)

مسجدوں کو بالکلیہ چھوڑ کر مستقلاً مدرسہ میں اذان وجماعت کرنا درست نہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ آدمی مسجد میں چلے جائیں، کچھ مدرسہ میں پڑھیں۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۹۰/۵/۲۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۲/۵-۳۹۳)

---

(۱) ”عن عبد الرحمٰن بن أبی صعصعة الأنصاری ثم المازنی عن أبیه أنه أخبره أن أبا سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال له: إنی أراک تحب الغنم والبادیة، فإذا کنت فی غنمک أوبادیتک، فأذنت للصلاة، فارفع صوتک بالنداء، فإنه لایسمع مُدی صوت المؤذن جن لا أنس ولاشئ، إلا شهد له یوم القیامة“. قال أبوسعید: سمعته من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم“. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۸۵/۱، قدیمی)

”ویسن أن یؤذن ویقیم لفائتة رافعاً صوته لوبجماعة أوصحراء، لابیته منفردًا“. (الدرالمختار)

”(قوله: ولوبجماعة الخ): أی فی غیرالمسجد بقرینة ما یذکره قریباً من أنه لایؤذن فیه للفائتة“ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۰/۱، سعید)

”والضابطة عندنا: أن کل فرض أداءً کان أوقضاءً یؤذن له ویقام سواء أداه منفردًا أوجماعة إلا الظهریوم الجمعة فی المصر، فإن أداء ه بأذان وإقامة مکروه، کذا فی التبیین“. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، فصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة: ۵۵/۱، رشیدیة)

(۲) وعن أبی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: ”أحب البلا د إلی الله مساجدها وأبغض البلاد إلی الله أسواقها. (رواه مسلم) (باب فضل الجلوس فی مصلاه بعدالصبح (ح: ۶۷۱) انیس)

”وعن أنس بن مالک رضی الله تعالٰی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: ”صلاة الرجل فی بیته صلاة وفی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلاة، وصلاته فی المسجد الذی یجمع فیه بخمس مائة صلاة، وصلاته فی المسجد الأقصی بخمسین ألف صلاة، وصلاته فی مسجدی بخمسین ألف صلاة، وصلاته فی المسجد الحرام بمائة ألف صلاة“. (رواه ابن ماجة) (باب ماجاء فی الصلاة فی المسجد (ح: ۱۴۱۳) انیس)

(۳) ”قال رحمه الله تعالٰی: الجماعة سنة مؤکدة ...

==

جیل میں اذان دی جائے یا نہیں:

سوال: جیل میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے وہاں اذان کہنا چاہئے یا نہیں یا صرف تکبیر پر اکتفا کیا جائے؟

الجواب

اگر وہاں اذان کی روک ٹوک اور ممانعت نہ ہو تو اذان کہنا اچھا ہے اور ثواب ہے اور اگر نہ کہیں اور صرف اقامت پر اکتفا کریں تو یہ بھی بلا کراہت درست ہے۔

درمختار میں ہے:

(بخلاف مصلٍّ) ولو بجماعة (فی بیته بمصر) أو قریة لها مسجد فلایکره ترکهما إذ أذان الحی یکفیه. (۱)

اور شامی میں ہے:

(قوله فی بیته) أی فیما یتعلق بالبلد من الدار والکرم وغیرهما، الخ. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۵/۲)

جیل میں قیدیوں کے لئے اذان کا مسئلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نوشہرہ حوالات میں زمانہ قدیم سے یہ طریقہ تھا کہ وہاں پر قیدی نماز باجماعت بھی پڑھتے تھے اور اذان بھی دیتے تھے۔ اب ایک مولوی صاحب نے قیدیوں کو اس سے منع کیا ہے کہ تم اذان بھی نہ دو اور جماعت بھی نہ کرو۔ یہ شرع میں منع ہے۔ اس لئے کہ اذان اس جگہ دینی چاہئے جہاں دروازے کھلے ہوں اور عام لوگ بلا قید و قیود آ جا سکتے ہوں۔ مولوی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ہم مجرم ہیں اور مجرم کی اقتدا صحیح نہیں۔ لہٰذا التماس ہے کہ شرع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ مدلل تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد سیف اللہ......۳۱ جولائی ۱۹۷۳ء۔)

== تشبه الواجب فی القوة حتی استدل بملازمتها علیٰ وجود الإیمان ... ثم منهم من یقول: إنها فریضة کفایة ... واستدل بقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلاة الرجل فی جماعة تزید علیٰ صلاته فی بیته، وصلاته فی سوقه بسبع وعشرین درجة". وهذا یفید الجواز، ولو کانت فرض عین، لما جازت صلاته" (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۰-۳۴۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۱) قوله (ولوبجماعة) وعن أبی حنیفة: لو اکتفوا بأذان الناس أجزأهم وقد أساؤا. (ردالمحتار، باب الأذان، قبل مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۳۶۶/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اچھا یہی ہے کہ اذان دی جائے۔ ظفیر

(۲) دیکھئے: ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۱۶۶، حوالۂ بالا ظفیر

الجواب

نماز جمعہ کو حوالات میں پڑھنا الگ چیز ہے اور نماز با جماعت الگ چیز ہے اور اس دوسری صورت میں اذان نہ دینا بے قاعدہ حکم ہے۔(۱) اگر اس مولوی صاحب کو جزئیہ معلوم ہو تو ہمیں روانہ کریں۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۰)

مجبوری کی صورت میں بغیر اذان کے نماز درست ہے:

(از ہفتہ وار مسلم دہلی مورخہ ۲۴/ اپریل ۱۹۲۲ء)

سوال (۱) جیل میں اگر اذان سے روک دیا جائے تو پھر کیا کرنا چاہئے؟

(۲) جیل میں اگر پانی نہ ملے یا جیل والے عمداً پانی نہ لینے دیں تو نماز کی ادائیگی کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

(۳) جیل میں اگر وہ با جماعت نماز نہ پڑھنے دیں تو کیا صورت ہوگی؟

(۴) مقاطعۂ جوعی بطور احتجاجی بر خلاف بدسلوکی کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

(المستفتی: دفتر مجلس خلافت پنجاب (لاہور)

الجواب

(۱) اذان دینے کی کوشش کرنی چاہئے اور جب کہ کسی طرح جابر حکام اجازت نہ دیں، تو بغیر اذان نماز پڑھ لی جائے۔(۲)

(۲) جیل میں اگر جابر حکام وضو کے لئے پانی نہ دیں اور کسی طرح پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمّم سے نماز پڑھ لیں۔(۳)

(۳) جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت کے لئے کوشش کی جائے اور کسی طرح بھی اجازت نہ ملے تو فرداً نماز پڑھ لی جائے۔(۴)

(۴) مقاطعۂ جوعی اس حد تک کہ ہلاکت کا گمان غالب نہ ہو جائے جائز ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ غفرلہ۔ (کفایت المفتی:۳/۴۹۱)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: (قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة. بحر. وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة، قال في مواهب الرحمٰن ونور الإيضاح ولو منفردًا أداء أو قضاءً سفرًا أو حضرًا. (رد المحتار علىٰ هامش الدر المختار، باب الأذان: ۱/۲۸۳)

(۲) وهو سنة مؤكدة للفرائض في وقتها ولو قضاءً الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الأذان: ۱/۳۸٤، ط: سعيد)

(بخلاف مصلٍّ) ولو بجماعة (في بيته بمصر) أو قرية لها مسجد فلا يكره تركهما، إذ أذان الحي يكفيه، الخ. (التنوير وشرحه، رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۵، ط: سعيد)

==

غیر مسلموں کی بستی میں اذان کا حکم:

سوال: جس گاؤں میں مسجد نہ ہوں اور اذان کی آواز نہ آتی ہو، نیز ہندوؤں کی زیادتی ہو تو کیا اذان کہے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز وہاں رہنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر زیادہ بلند آواز سے اذان پر قدرت نہ ہو تو پست آواز سے اذان کہے، (۱) اذان سنت ہے، نماز بغیر اذان بھی درست ہو جاتی ہے، البتہ سنت ترک ہوتی ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۳/رجب/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ ۱۴/رجب ۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۶/۵-۳۹۷)

قریب قریب دو مسجدوں میں اذان کہنا:

سوال: دو مسجدیں قریب قریب ہیں، ایک مسجد کی اذان دوسری تک سنائی دیتی ہے، تو کیا ایک ہی مسجد میں پڑھنا کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی نہیں تو دوسری مسجد والے کہ جس میں اذان نہیں ہوتی تھی گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟

==(۳) من عجز عن استعمال الماء لبعده ميلا أو لمرض أو برد أو خوف عدو... تيمم. (تنوير الأبصار متن الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب التيمم: ۲۳۲/۱-۲۳۶، ط، سعيد)

(۴) والجماعة سنة مؤكدة للرجال وأقلها اثنان ...فتسن أو تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج، الخ. (تنوير الأبصار علىٰ صدر رد المحتار، باب الإمامة: ۵۵۲/۱-۵۵۴، ط، سعيد)

(۵) ومثل هذا إذا أكره على شرب الدم أو أكل لحم الخنزير وهذا إذا كان أكبر رأيه أنهم يوقعون به ماتوعّدوه به أو غلب على ظنه ذلك، أما إذا لم يكن ذلك لم يسعه تناوله. (الجوهرة النيرة، بما يثبت حكم الإكراه: ۲۵۴/۲. انيس)

حاشیہ صفحہ هذا:

(۱) والمؤذن في بيته يرفع دون ذلك فوق ما يسمع نفسه، وعليه يحمل ما في القهستاني، فليتأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ۳۹۰/۱، سعيد)

ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۲۵۲/۱، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية)

(۲) (وهو سنة) ...(مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الاثم (للفرائض) الخ. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۴/۱، سعيد)

"قوله: سن للفرائض: أي سن الأذان للصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب، حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب ......وفي غاية البيان والمحيط......لأن السنة المؤكدة في معنى الواجب في حق لحوق الإثم لتاركهما". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۴/۱-۴۴۵، رشيدية)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے، صرف ایک پر اکتفا کرنا خلاف سنت ہے، جو لوگ ایسا کریں گے وہ تارک سنت ہوں گے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۹/۵)

قریب قریب میں واقع دو مسجدوں میں آگے پیچھے اذان دینے کا حکم:

سوال: دو مسجدیں قریب قریب ہیں، ایک مسجد والے صحیح ٹائم پر اذان پڑھتے ہیں، دوسری مسجد والے انتظار کرتے ہیں اذان ختم ہونے کا، جس میں تقریباً چار پانچ منٹ لگ جاتے ہیں، چاہے مغرب کا ٹائم ہو، جس کی وجہ سے روزہ دار روزہ دیر سے کھولتے ہیں اور اذان دیر سے دینے میں کوئی نقصان تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

دوسری مسجد میں جو ذرا دیر سے یعنی ۴/۶ منٹ دیر کر کے اذان دیتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ دونوں مسجدوں میں ساتھ ساتھ اذان دینے سے یہ تاخیر بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۴۰۹/۲/۱۴ھ

الجواب صحیح: کفیل الرحمٰن نشاط، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۹۶)

---

(۱) الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. وقيل: إنه واجب، والصحيح أنه سنة مؤكدة، كذا في الكافي، وعليه عامة المشايخ، هكذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۵۳/۱، رشيدية)

"الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواهما". (الهداية)

(قوله: الأذان سنة) هو قول عامة الفقهاء، وكذا الاقامة. وقال بعض مشائخنا: واجب لقول محمد". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲۴۰/۱، مصطفى ألباني الحلبي مصر)

"ويؤذن له ... الصلوات المكتوبة التي تؤدى بجماعة مستحبة في حال الإقامة" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان: ۶۵۰/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

"وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام علىٰ حدة ومؤذنهم واحد، لابأس به، و الأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، باب مايفسد الصلاة: ۶۲/۲، رشدية)

قلت: أرأيت القوم يكون بينهم المسجد ومؤذنهم واحد فاقتسموا المسجد بينهم فضربوا حائطاً وسطه ولكل طائفة إمام على حدة هل يجزيهم أن يكون مؤذنهم واحداً؟ قال: نعم، ولكن لاينبغي لهم يقتسموا المسجد ولا تجوز القسمة فيه، الخ. (الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني، باب من نسى صلاة ذكرها من الغد: ۱۴۳/۱. انيس)

ایک مسجد کی اذان دوسری متصل مسجد کے لئے کافی نہیں:

سوال: سوال یہ ہے کہ دو مسجدیں بالکل متصل ہیں ایک چھوٹی ہے ایک بڑی، دونوں میں الگ الگ جماعتیں ہوتی ہیں، تو کیا ایک مسجد کی اذان کافی نہیں ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

جب دو مسجدیں مستقل ہیں اور دونوں میں جدا گانہ جماعت ہوتی ہے، ہر مسجد میں اذان بھی جماعت کے لئے مستقل کہی جائے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۳/۸/۱۳۸۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۹۹/۵۔۴۰۰)

بیک وقت دولوگوں کی اذان:

سوال: لائٹ کی عدم موجودگی میں دو شخص کسی ایسی مسجد میں جس میں مشرقی ومغربی سمتوں میں دو دروازے ہیں، بیک وقت اذان دے سکتے ہیں؟

هــو المـصـوب ـــــــــــــــــــ

اگر دو مؤذنوں کی اذان کی بیک وقت ضرورت ہو تو شرعا دو شخص بیک وقت اذان دے سکتے ہیں:

وإذاكان الإعلام لايحصل بواحد أذنوا بحسب ما يحتاج إليه،إما أن يؤذن كل واحد فى منارة أوناحية أوأذنوا دفعة واحدة فى موضع واحد وإن خافوا من تأذين واحد بعد الآخر فوات أول الوقت،أذنوا جميعًا دفعةً واحدةً.(۲)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۸۰/۱)

اذان سے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتا:

سوال: مکتوم مباد کہ اذان نماز پنجگانہ در مسجد دادن وشباں گا چراغ روشن کردن اگر جماعت نباشد و چوں گا ہے گردد وگا ہے نہ گردد، پس چہ حکم دارد واذان محض بر جماعت مسنون است یا برائے مسجد نیز شرط است و چوں گا ہے ترک

(۱) ”ويؤذن له ... الصلوات المكتوبة التى تؤدى بجماعة مستحبة فى حال الإقامة“.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة، فصل فى بيان محل وجوب الأذان: ١/ ٦٥٠،دار الكتب العلمية،بيروت)

”وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام علىٰ حدة ومؤذنهم واحد،لابأس به، و الأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن“.(البحرالرائق،باب مايفسد الصلاة: ٦٢/٢،رشدية)

(۲) المغنى لابن قدامة: ٤٢٩/١،الموسوعة الفقهية الكويتية:٣٧١/٢۔

گردد چہ لازم آید وبعض مؤذنان ایں اطراف گاہ بگاہ بدعوت رود وآنجا نماز باجماعت خواند پس اذان جا آمدہ اذان دادہ بکارِ خویش مشغول شود، پس اذان دریں صورت مسنون است یا نہ، جملہ صور مفصلاً تحریر فرمودہ ممنون سازند؟(۱)

الجواب

اذان در ہر مسجد سنتِ مؤکدہ مثل واجب ہست خواہ جماعت باشد یا شخصے تنہا نماز گزارد ولیکن اگر از محلّہ ثانیہ آواز رسیدہ باشد آں کفایت کند واذان کسے دہد کہ نماز دریں مسجد گزارد واذان شخصیکہ نماز بمسجد دیگر خواندہ است کراہت دارد وہمچنیں بعد اذان بمسجد دیگر رفتن ممنوع ست۔ (۲)

كما قال الشامي: ١/ ٣٥٧، تحت قول الدر (للفرائض الخمس):

دخلت الجمعة (بحر) وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة، قال في مواهب الرحمٰن ونور الإيضاح: ولو منفردًا أداءً أو قضاءً سفرًا أو حضرًا، آه.

وفيه أيضًا تحت (قوله كالواجب): ... قال في النهر: ولم أر حكم البلدة الواحدة إذا اتسعت أطرافها كمصر والظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرىٰ يسقط عنهم لا إن لم يسمعوا، آه.

وأيضًا فيه: ١/٣٧٣، تحت قوله (ويكره له أن يؤذن في مسجدين):

لأن (٣) الأذان للمكتوبة وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة فلا ينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة وهو لا يساعدهم فيها، آه، بدائع.

وفيه أيضاً: ١/٦٦٨: (وكره) تحريما للنهي (خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه). (٤)

---

(۱) ترجمہ: ایک مسجد ہے، جہاں کبھی نماز پنجگانہ کی جماعت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ہے، ایسی مسجد میں نماز پنجگانہ کی اذان دینا اور راتوں میں چراغ جلانا شرعاً کیسا ہے؟ کیا اذان جماعت کے لیے مسنون ہے یا مسجد کے لیے بھی شرط ہے، اھر کبھی اذان نہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اس حلقہ کے موذن حضرات بعض دفعہ دعوت میں چلے جاتے ہیں اور وہیں نماز باجماعت ادا کر لیتے ہیں، واپسی پر اپنی اپنی مسجدوں میں اذان دے کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں، ایسی صورت میں یہ اذان مسنون ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرما کر احسان فرمائیں؟ (انیس)

(۲) اذان ہر مسجد میں سنت مؤکدہ واجب کی مانند ہے، خواہ جماعت سے نماز ہو یا کوئی آدمی تنہا نماز ادا کرے، البتہ دوسرے محلّہ سے اذان کی آواز آتی ہو تو کافی ہوجائے گی۔ جو شخص کسی مسجد میں اذان دے وہ نماز اسی مسجد میں ادا کرے، ایک مسجد میں نماز ادا کر کے اذان دوسری مسجد میں دینا مکروہ ہے، اسی طرح ایک مسجد میں اذان دے کر دوسری مسجد میں جانا ممنوع ہے۔

مالك أنه بلغه أن سعيدبن المسيب قال: يقال: لايخرج من المسجد أحد بعد النداء إلاأحد يريد الرجوع إليه إلامنافق. (موطأالإمام مالك، انتظار الصلاة والمشي إليها، ت: الأعظمي (ح: ٥٥٨) انيس)

(٣) قلت: علم من التعليل أن التأذين مكروه لمن قد صلّى سواء أذن في مسجد آخر أو لا، فافهم. منه

(٤) الدرالمختار، باب ادراك الفريضة: ٢/٥٤، دارالفكر. انيس

ولیکن چراغ روشن کردن پس حکم آں نیافتم کہ سنت است یا مستحب آرے ایں قدر معلوم است کہ ایں فعل از زمانۂ قدیم متوارث است، ونیز آنکہ دریں امر نیز جماعت رادخل نیست بلکہ بہر حال روشن کردن مساوی ہست خواہ دراں مسجد جماعت باشد خواہ منفرداً نماز خواندہ شود، البتہ مسجد یکہ آمدن کسے دراں احتمال ندارد، چنانکہ بعض مساجد درخرابہ ہا با شد دریں چنیں مسجد چراغ روشن کردن ندانم چہ حکم دارد۔(۱) واللہ اعلم

۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔(امداد الاحکام:۲؍۴۸۔۴۹)

اذان ومؤذن سے متعلق چند مسائل:

سوال (۱) مؤذن کا بغیر وضو کے اکثر اذان دینا کیسا ہے؟

(۲) مؤذن پر اگر غسل واجب ہو تو اس کی اذان کا کیا حکم ہے؟

(۳) مؤذن اگر محلوق اللحیہ ہو تو اس کی اذان کا کیا حکم ہے؟

(۴) فجر کی اذان اگر وقت سے تین یا پانچ منٹ قبل دے دی گئی ہو تو وہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟

(۵) بلا عذر شرعی اگر مؤذن اذان بیٹھ کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) اذان ذکر اعظم ہے، اس کی عظمت کے پیش نظر فقہا نے باوضو اذان دینے کو باعث ثواب کہا ہے۔ البتہ بغیر وضو کے اذان بلا کراہت جائز ہے، (۲) لیکن اس کی عادت بنالینا اچھا نہیں ہے، اس لئے باوضو اذان دینا چاہئے۔(۳)

---

(۱) ترجمہ: لیکن چراغ جلانے کا حکم مجھے معلوم نہیں کہ وہ سنت ہے یا مستحب، البتہ اتنا معلوم ہے یہ عمل زمانہ قدیم سے معمول بہا ہے، نیز اس عمل میں جماعت کا کوئی دخل نہیں ہے، نماز خواہ تنہا پڑھی جائے یا جماعت سے حکم یکساں ہے۔ البتہ وہ مسجد جس میں کسی کے آنے کا احتمال نہ ہو جیسا کہ بعض ویران مساجد، ایسی مسجدوں میں چراغ جلانا چاہئے یا نہیں، معلوم نہیں۔(انیس)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من أسرج فی مسجد من مساجد اللّٰہ سراجاً لم تزل الملائکة وحملة العرش یستغفرون لہ مادام فی ذلک المسجد ضوء من ذلک السراج. (مسند الحارث، باب فیمن أسرج فی المسجد (ح:۱۲۷) انیس)

(۲) عن إبراهیم قال: لابأس أن یؤذن علٰی غیر وضوء. (مصنف ابن أبی شیبة، فی المؤذن یؤذن وهو علٰی غیر وضوء (ح:۲۱۸۹) انیس)

عن أبی سعید الخدری قال: أول من أسرج فی المساجد تمیم الداری. (سنن ابن ماجة، باب تطهیر المساجد وتطییبها (ح:۷۶۰) / المعجم الکبیر، تمیم بن أوس الداری (ح:۱۲۴۷) انیس)

(۳) عن أبی هریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لایؤذن إلا متوضی. (الترمذی، باب ما جاء فی کراهیة الأذان بغیر وضوء (ح:۲۰۰) انیس)

(۲) حالت جنابت میں اذان مکروہ تحریمی ہے،اس کا اعادہ مستحب ہے۔(۱)

(۳) ڈاڑھی منڈوانے یا کتروانے والا فاسق ہے۔اس لئے اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے۔

(۴) وقت سے پہلے دی گئی اذان کا اعادہ ضروری ہے.

تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً و كذا في الصبح عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله وإن قدم يعاد في الوقت وعليه الفتوىٰ. (الفتاویٰ الهندية: ۵۳/۱،بدائع الصنائع: ۱۵٤/۱)

(۵) بلاعذرشرعی بیٹھ کر اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔اس کا اعادہ مستحب ہے۔

ويكره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه وأذان امرأة وفاسق وسكران وقاعد الخ و يعاد أذان جنب،زاد القهستاني والفاجر والراكب والقاعد والماشي والمنحرف عن القبلة. (رد المحتار: ۲٦۳/۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۷۸/٦-۸۰)

اذان دینے کا حق مؤذن کو ہے:

سوال: جامع مسجد شاداب کالونی لکھنؤ میں ایک مقتدی جو کہ تقریباً ۸۵ سال کے ہیں،وہ صاحب مسجد میں اذان دینے کے لئے بضدر ہتے ہیں،جبکہ مقتدیوں کی اکثریت ان کی مندرجہ ذیل کمیوں کی بناپر معترض ہے۔نمازیوں کی زیادہ تعداد ان کواذان دینے سے منع کرتی ہے۔امید ہے کہ آپ شرعی اعتبار سے اس کا کوئی حل تجویز فرمائیں گے؟

(۱) ان صاحب کی عمر زیادہ ہونے سے وہ اذان دینے کے لئے سیدھے کھڑے ہونے سے معذور ہیں، مائک پر جب کھڑے ہوتے ہیں،تو دیوار پکڑ کر اذان دیتے ہیں اور کان میں ایک ہاتھ کی انگلی ہی لگا کر اذان دیتے ہیں،دوسرا ہاتھ ان کا دیوار پر رہتا ہے۔

(۲) اذان دینے کے بعد امام کے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں،وہ کھڑے ہوکر تکبیر نہیں کہہ سکتے ہیں،ان کی جگہ پر کوئی دوسرا تکبیر کہتا ہے،تقریباً یہ روز کا معمول ہے۔

(۳) مقتدیوں کا کہنا ہے کہ جب مؤذن اس کے لئے مقرر ہے،تو اس کو اذان دینا چاہئے،جبکہ مؤذن نئی عمر کے حافظ قرآن ہیں اور اچھی اذان دیتے ہیں۔

(۴) مقتدی حضرات ان کی اذان اور تلفظ کو صحیح نہیں مانتے ہیں، ان حالات میں جو شرعی تجویز ہو، تحریر فرمائیں۔

---

(۱) مؤذن أذن علىٰ غير وضوء وأقام ؟ قال:لايعيد،والجنب أحب إلى أن يعيد.(الجامع الصغير،باب الأذان: ۸٤/المحيط البرهاني في الفقه النعماني،الفصل السادس في التغني والألحان: ۳٤٤/۱-انيس)

هــو المصــوب

جو مؤذن مقرر شدہ ہیں، انہیں کو اذان دینا چاہئے، (۱) دوسرے کو ان کی موجودگی میں اذان دینا درست نہ ہوگا۔ خاص طور پر جو صحیح اذان دینے پر قادر نہ ہو، اس کو اذان دینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے اور جو اذان دے گا، وہی تکبیر کہے گا۔ (۲)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۵۶-۳۵۷)

کیا اذان دینا امام کی ذمہ داری ہے:

سوال: امام مسجد پر اذان کہنا، صاف صفائی کرنا و انتظام دیکھنا کیا شرعاً واجب ہیں؟

هــو المصــوب

امام مقرر کرتے وقت تمام باتوں کی وضاحت کر دینا لازم ہے۔ حسب معاہدہ ہر ایک کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۶۶)

کیا امام اذان دے سکتا ہے:

سوال: محلّہ کی مسجد میں امام تو ہیں، مگر کوئی مؤذن نہیں ہے، ایک صاحب محلّہ کے ناخواندہ ہیں، ان کی زبان سے حروف صحیح نہیں نکلتے، أنون أن لا إلــه إلا الـلّٰــه کہتے ہیں، ان کو اذان دینے کی اجازت کا مسئلہ ہے، اگر اذان دینے والا نہ ہو، تو امام دے سکتا ہے؟

هــو المصــوب

ایسے شخص کو اذان دینی چاہئے جو کلمات صحیح طور پر ادا کرتے ہوں، اگر کسی وقت مؤذن نہ ہو تو امام بھی اذان دے سکتا ہے۔ (۳) أشھد کی جگہ انون کہنا صحیح نہیں ہے۔

تحریر: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۶۶)

---

(۱) ومنها أن يكون مواظبا على الأذان لأن حصول الإعلام لأهل المسجد بصوت المواظب أبلغ من حصوله لصوت من لا عهد لهم بصوته فكان أفضل. (بدائع الصنائع: ۱/۳۷۳)

(۲) زياد بن الحارث الصدائي قال: لماكان أول أذان الصبح أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت فجعلت أقول: أقيم يارسول الله؟ فجعل ينظر إلى ناحية المشرق من الفجر، فيقول: لا، حتى إذاطلع الفجر نزل فبرز، ثم انصرف إليّ وقد تلاحق أصحابه - يعني فتوضأ - فأراد بلال أن يقيم، فقال له نبي الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء هو أذن ومن أذن فهو يقيم، قال: فأقمت. (سنن أبي داؤد، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر (ح: ۵۱۴) انیس)

البتہ یہ ضروری نہیں ہے، روایت میں ہے: عن بعض مؤذني النبي صلى الله عليه وسلم قال: كان ابن أم مكتوم يؤذن ويقيم بلال، وربماأذن بلال وأقام ابن أم مكتوم. (مصنف ابن أبي شيبة، في الرجل يؤذن ويقيم غيره (ح: ۲۲۴۳) انیس)

(۳) الأفضل كون الإمام هو المؤذن. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۷۱)

مؤذن کے لئے خاص مصلیٰ:

سوال: زید نے مؤذن کی حیثیت سے عام نمازیوں سے ممتاز رکھنے کے لئے ایک مصلیٰ امام کے پیچھے بچھا دیا، کیا زید کا یہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

هو المصوب

کسی مقتدی کا اپنے لئے کسی جگہ کا خاص کر لینا اور اپنی جگہ کو عام نمازیوں سے ممتاز رکھنا شرعاً درست نہیں ہے،(۱) البتہ مؤذن کے لئے ایسا انتظام کیا جا سکتا ہے۔تا کہ موذن کی جگہ دوسرے نہ لیں اور انتشار نہ ہو۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۸۰)

مؤذن کو چھٹی کا استحقاق:

سوال: ہماری مسجد کے امام وخطیب صاحب ماشاءاللہ حافظ وقاری عالم وفاضل ہیں اور ایک جامعہ میں عالم کورس کے وسطیٰ وعلیا درجات کے مدرس ہیں اور بعض دینی تنظیموں کے رکن بھی ہیں۔ہم تمام مصلیان کرام امام صاحب کے خطبۂ جمعہ روزانہ درس قرآن، درس حدیث انفرادی واجتماعی خاص خاص مواقع کی نصیحتوں اور مختلف مسائل میں رہنمائی سے کافی مستفید ہوتے ہیں۔امام صاحب کا مطالبہ ہے کہ قابل مؤذن کا تقرر کر کے امام ومؤذن کو ہفتہ میں یا عشرہ میں مقررہ کوئی بھی ایک ایک دن اس طرح چھٹی دی جائے کہ جس دن امام صاحب کو چھٹی ہو موذن صاحب اذان کے ساتھ امامت کی ذمہ داری بھی نبھائیں اور جس دن مؤذن صاحب کو چھٹی ہو امام صاحب اذان وغیرہ کی بھی ذمہ داری نبھائیں تا کہ امام ومؤذن اپنی گھریلو خاندانی تنظیمی ضروری تقاضوں کی تکمیل کر سکیں، لیکن مسجد کی کمیٹی اس کے لئے بالکل تیار نہیں ہے۔امام صاحب اپنے مطالبہ پر اٹل ہیں، ورنہ وہ مستعفی ہو جانا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں کس کا موقف درست ہے یا کس کا موقف قابل ترجیح ہے؟ امام صاحب کا یا کمیٹی کا؟

نوٹ: مسجد ۷۰ فیصد شیعہ اور ۳۰ فیصد سنیوں کہ مشترکہ آبادی میں واقع ہے۔

(۲) قابل امام مؤذن کا معقول مشاہرہ ومسجد کے دیگر اخراجات مسجد کے کرایوں اور عموعی چندہ سے پورے بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳) امام وموذن کیلئے فیملی کے ساتھ رہائش کا بھی نظم ہے۔

---

(۱) عبد اللّٰہ بن عمر یقول: نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن يقيم الرجل أخاه من مقعده ويجلس فيه، قلت لنافع: الجمعة؟ قال: الجمعة وغيرها. (الصحيح للبخاري، باب لايقيم الرجل أخاه يوم الجمعة ويقعد (ح: ۹۱۱)/ مسند البزار، مسند عبدالله بن عمر (ح: ۵۷۷۹)/ صحيح ابن خزيمة، باب الأمر بالتوسع والتفسح (ح: ۱۸۲۲) انيس)

هـــو المـصـــوب

صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی میں گنجائش ہے تو مؤذن مقرر کرلینا بہتر ہے۔(۱) امام اور مؤذن کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے مناسب چھٹی کا حق ہے، کمیٹی کو اس کے لئے چھٹی کی تعیین کرنی چاہئے۔ بہرحال ایسی کوئی صورت نہ اپنانی چاہئے، جس میں انتشار پیدا ہو، اگر منتظمین کے سامنے کوئی ایسی دشواری ہو، جس کی وجہ سے ایسا نہیں کرسکتے تو افہام وتفہیم سے کام لے کر لوگوں کو مطمئن کریں۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۸۴-۳۸۵)

مؤذن کی تنخواہ سے متعلق ایک سوال:

سوال: زید مسجد کا مؤذن ہے، مسجد کے متولی صاحب نے مؤذن کی شرح یوں رکھی ہے کہ ۳۰۰ روپئے میں (متولی) دیا کروں گا، باقی اپنی گولک گھما کر جتنی وصولیابی کرلو، سب تمہاری شرح ہوگی۔ مسجد میں اور جو کچھ مثلاً غلہ وغیرہ آئے، سب تمہارا ہے، زید نے متولی کی شرط مان کر مؤذنی کے فرائض انجام دینے شروع کردیئے، اب مؤذن کو متولی صاحب ۳۰۰ روپئے دیتے ہیں، باقی زید گولک مسجد میں اور شہر میں گھما کر وصولیابی کرتا ہے، گولک میں جو بھی آتا ہے، مؤذن شرح سمجھ کر سب ہی رکھ لیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید (مؤذن) متولی صاحب سے ۳۰۰ روپئے لے کر باقی گولک مسجد میں اور شہر میں گھما کر جو کچھ آتا ہے، سب کا سب رکھ لیتا ہے، کیا زید کا یہ عمل از روئے شریعت درست ہے؟

هـــو المـصـــوب

مذکورہ معاملہ درست نہیں ہے، (۲) طرفین کی رضامندی سے متولی پر اجرت متعین لازم کرکے دینا لازم ہے، مؤذن جو وصول کرے گا، وہ مسجد کے لئے ہوگا۔

تحریر: محمد مستقیم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۸۲)

---

(۱) ولو استأجر رجلًا ليكنس المسجد ويغلق الباب ويفتحه بمال المسجد جاز، لأنه ليس على المتولى ذلک. (المحيط البرهاني، الفصل الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة: ٧/٤٨١)

ولا يجوز له إعطاء الأجرة من مال الوقف و لو استأجر لكنس المسجد و فتحه و إغلاقه بمال المسجد يجوز، آه. (البحر الرائق، أوقاف ضيعة على فقراء قرابته أوفقراء قريته: ٥/٢٦١. انيس)

(۲) إذا كان ما وقع عليه الإجارة مجهولاً في نفسه أوفي أجرة أوفي مدة الإجارة أوفي العمل المستأجر عليه فالإجارة فاسدة. (البحر الرائق: ٧/٥٣٠)

اجرت پر اذان وامامت کا ثواب ملے گا یا نہیں:

سوال: اذان اورامامت کی اجرت لینے کی تو متاخرین نے اجازت دی ہے، مگر اذان دینے کا اورنماز پڑھانے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ جواب سے ممنون فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ثواب ملنا کام کرنے والے کی نیت پر موقوف ہے، اگر نیت ہی تحصیل زر کی ہے تو ثواب نہ ملے گا اور اگر نیت تو عبادت کی ہے، مگر گزارے کے لئے اجرت قبول کر رہا ہے تو ثواب ملے گا۔(۱) فقط واللہ تعالی اعلم

۲۴/صفر ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۳)

اذان پر اجرت لے سکتا ہے یا نہیں:

سوال: مؤذن کے لئے اذان پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(سائل: مولانا محمد غوث بلال مسجد، گل گشت کالونی، ملتان)

الجواب ــــــــــــــــ

اگر ضرورت نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ مؤذن اذان کی اجرت نہ لے اور اگر اپنے اور اہل وعیال کے لئے نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو، تو اجرت لے سکتا ہے، اس اجرت ملنے کے باوجود اسے اذان دینے کا ثواب بھی ملے گا، بشرطیکہ اذان ثواب کی نیت سے دیتا ہو:

وإنما يستحق ثواب المؤذنين إذاكان عالماً بالسنة والأوقات ولوغير محتسب، آه. (الدرالمختار)

(قوله غير محتسب) إن كان قصده وجه الله تعالىٰ لكنه بمراعاته للأوقات والاشتغال به يقل اكتسابه عمايكفيه لنفسه وعياله فيأخذ الأجرة لئلا يمنعه الاكتساب عن إقامة هٰذه الوظيفة الشريفة ولولاذلک لم يأخذ أجرًا فله الثواب المذكوربل يكون جمع بين عبادتين وهما الأذان والسعي على العيال وإنما الأعمال بالنيات (رد المحتار: ۱/۲۸۸) فقط والله تعالىٰ أعلم

احقر مفتی محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۔۲۲/۱۱/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۲۲)

---

(۱) عمربن الخطاب يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنماالأعمال بالنيات وإنما لامرى مانوى فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلى دنيايصيبهاأوامرأة يتزوجها فهجرته إلى ماهاجرإليه. (موطاالإمام مالک رواية محمدبن الحسن الشيبانى، باب النوادر (ح: ۹۸۳)/ مسند الحميدى، أحاديث عمربن الخطاب (ح: ۲۸)/الصحيح للبخارى، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۱)/الصحيح لمسلم، باب قوله صلى الله عليه وسلم إنماالأعمال بالنية (ح: ۱۹۰۷) انيس)

مؤذن کی کوتاہی سے متعلق ایک سوال:

سوال: مؤذن کی غیر ذمہ داری اور لاپروائی کی وجہ سے اکثر بغیر اذان کے نماز ہوتی ہے، جو بغیر اذان کی نماز مسجد میں باجماعت ہوتی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے، نیز بے وضو اذان کہنا مستقل مزاج ہو گیا ہے، اور اگر کبھی اذان بھی کہتے ہیں تو بغیر نماز پڑھے سو جاتے ہیں، ایسا شخص مؤذن کے لائق ہے یا نہیں؟

هو المصوب

اگر فی الواقع ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ بیان کر رہے ہیں تو بغیر اذان کے نماز نہیں پڑھی جائے، اذان دینا چاہئے، پھر نماز ادا کریں۔ دوسری صورت میں عادت بنالینا مکروہ ہے، کبھی کبھار ضرورۃً اجازت ہے۔(۱)

تیسری صورت میں ایسا شخص اگر نماز چھوڑ دیتا ہے تو گنہگار ہوگا اور توبہ کرلے تو ٹھیک ہے، ورنہ عادت بنالینے کی صورت میں اذان دینے کے لائق نہیں ہے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۸۳)

مؤذن کو کرایہ مکان وبجلی کی سہولت:

سوال: اشرف آباد میں ایک قدیم مسجد ہے، اس کے بغل میں ایک گھر ہے جو مسجد کی ملکیت میں وقف ہے، اس میں ایک مؤذن صاحب رہتے ہیں، پہلے مؤذن صاحب سے اس گھر کا کرایہ لیا جاتا تھا لیکن اب لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ ان سے کرایہ نہ لیا جائے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ پانی کا کنکشن مسجد اور گھر کا ایک ہی ہے۔ اس پر لوگوں کا اعتراض ہے کہ وہ اپنا کنکشن الگ کرلیں جب لوگ مسجد کی ملکیت کا گھر دے سکتے ہیں تو پانی دینے میں کیا حرج ہے۔

هو المصوب

منتظمین مسجد کرایہ مکان اور بجلی کی سہولت مؤذن کو دے سکتے ہیں۔(۲)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۸۲-۳۸۳)

---

(۱) عن أبی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: لا يأذن إلا متوضی ... قال أبوعيسٰی: وحديث أبی هريرة لم يرفعه ابن وهب وهو أصح من حديث الوليد بن مسلم. (سنن الترمذی، أبواب الصلٰوة، باب ما جاء فی كراهية الأذان بغير وضوء (ح: ۲۰۰)

ولا يكره أذان المحدث فی ظاهر الرواية هكذا فی الكافی وهذا الصحيح، كذا فی الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۵٤)

(۲) أما على المختار للفتویٰ فی زماننا فيجوز أخذ الأجر للإمام والمؤذن والمعلم والمفتی كما صرحوا به فی كتاب الإجارات. (البحر الرائق: ۱/٤٤۳)

فائتہ نمازوں کیلئے اذان گھر میں اور صحرا میں:

سوال: گھر میں اور صحرا میں فائتہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

گھر میں یا صحرا میں فوائت نمازوں کیلئے اذان واقامت مسنون ہے۔ درمختار میں کہا کہ پہلی فائتہ کیلئے اذان مسنون ہے اور باقی کے لئے اختیار ہے، لیکن کہنا اذان کا نہ کہنے سے بہتر اور اقامت کل کے لئے مسنون ہے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹۶/۲)

قضا نمازوں کے لئے تکبیر واذان کا کیا حکم ہے اور مرد وعورت کا ایک حکم ہے یا الگ الگ:

سوال: قضا نمازوں کے لئے تکبیر کہنا اور اذان کہنا چاہئے یا نہیں؟ مرد وعورت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب

قضا نماز کے لئے تکبیر واذان کہے اگر جماعت سے پڑھے، مسجد سے باہر اور مسجد میں اذان وتکبیر نہ کہے اور عورتیں نہ کہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۹/۲)

---

(۱) عن يزيد بن أبي عبيد، عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه: أنه كان إذا لم يدرك الصلوٰة مع القوم أذن وأقام ويثني الإقامة. (سنن الدارقطني، باب ذكر الإقامة واختلاف الروايات فيها (ح: ٩٣٢) / انيس)

ويسن أن يؤذن ويقيم لفائتة رافعاً صوته لو بجماعة أو صحراء، لا ببيته منفردًا، وكذا يسنان لأولٰى الفوائت لا لفاسدة ويخير فيه للباقي لو في مجلس وفعله أولٰى ويقيم للكل (الدر المختار) أي لا يخير في الإقامة للباقي بل يكره تركها. (ردالمحتار، باب الأذان: ٣٦٢/١ ـ ٣٦٣، ظفير)

(۲) غزوہ خیبر میں فجر کی نماز قضا ہوگئی تھی جس میں حضرت بلال کو اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ روایت میں ہے:

عن أبي هريرة في هذا الخبر قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تحولوا عن مكانكم الذي أصابتكم فيه الغفلة، قال: فأمر بلالا فأذن وأقام وصلى. (سنن أبي داؤد، باب في من نام عن صلوٰة أو نسيها (ح: ٤٣٦) انيس)

في الهندية، ج: ١، باب الأذان: والضابطة عندنا أن كل فرض أداءً كان أو قضاءً يؤذن له ويقام سواء أداه منفردًا أو بجماعة إلا الظهر يوم الجمعة في المصر الخ وإن قضوها بعد الوقت قضوها في غير ذلك المسجد بأذان وإقامة الخ وليس على النساء أذان ولا إقامة.

وفي الشامي (ص: ٤٠٥): لو أذن لنفسه خافت، الخ.

وفيه: لا (يسن) فيما يقضى من الفوائت في مسجد، الخ. (ص: ٤٠٩)

(بخلاف مصلٍّ) ولو بجماعة (في بيته بمصر) أو بقرية لها مسجد فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه لأن أذان المحلة وإقامتها كأذانه وإقامته، الخ.

وفيه (ص: ٥٩٠): تكره تحريماً جماعة النساء.

جس مسجد کے لئے امام ومؤذن مقرر نہ ہوتو واردین کے لئے اذان واقامت افضل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالت سفر میں اکثر مساجد میں جو جماعت ثانیہ کی جاتی ہےتو اس حالت میں اقامت کہنا بہتر ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مفتی بدر منیر مہتمم دارالعلوم مدینہ بٹ خیلہ ملا کنڈ ایجنسی ......۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ)

الجواب

جس مسجد کے لئے امام ومؤذن مقرر نہ ہوتو واردین کے لئے افضل یہ ہے کہ اذان واقامت کریں۔

کمافی الهندية: ۱/ ۵۶:

"مسجد ليس له مؤذن و إمام معلوم يصلي فيه الناس فوجاً فوجاً بجماعة فالأفضل أن يصلي كل فريق بأذان و إقامة علٰى حدة، كذافي فتاوىٰ قاضي خان۔(۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ۲۱۱)

قضا نماز کے لئے اذان:

سوال: ایک شخص کی سالوں کی نماز قضا ہوئی ہے اور اب وہ مستحباب بھی چھوڑ نا نہیں چاہتا ہے، وہ مسجد میں ظہر ادا نماز پڑھنے کے بعد یا پہلے قضا نماز پڑھےتو اذان کہے جب کہ وہاں اذان ہو چکی ہو؟

الجواب حامدًا و مصليًا

وہاں اذان نہ کہے، بلکہ وہاں نماز قضا بھی کسی کے سامنے نہ پڑھے، قضا نماز مخفی طور پر پڑھ لی جائے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۴۵۱)

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الأول في صفته و أحوال المؤذن: ۱/ ۵۵۔

عن أبي بكرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا، فمال إلى منزله، فجمع أهله، فصلى بهم۔(المعجم الأوسط، باب من اسمه عبدان (ح: ۴۶۰۱) / قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله ثقات۔(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب فيمن جاء إلى المسجد فوجد الناس قد صلوا: ۲/ ۴۵) انیس)

عن أبي عثمان قال: رأيت أنساً وقد دخل مسجدا قد صلى فيه فأذن و أقام۔(مصنف عبدالرزاق الصنعاني، باب الرجل يصلي في المصر بغير إقامة (ح: ۱۹۶۷) انیس)

جاء أنس بن مالك إلى مسجد قد صلى فيه فأذن و أقام و صلى جماعة۔(الصحيح للبخاري تعليقاً، باب فضل صلاة الجماعة (قبل ح: ۶۴۵) انیس)

(۲) "ويسن ذلك (أي الأذان)۔۔۔ ولا فيما يقضي من الفوائت في مسجد۔۔۔ كأن فيه تشويشاً و تغليطًا، ==

قضا نماز کے لئے اذان واقامت کا حکم:

سوال: بہشتی گوہر کا ایک حصہ آپ سے سمجھنے کے لئے لکھ رہا ہوں:

''اگر کئی نمازیں قضا ہوئی ہوں اور سب ایک ہی وقت پڑھی جائیں تو صرف پہلی نماز کی اذان دینا سنت ہے اور باقی نمازوں کے لئے صرف اقامت، ہاں یہ مستحب ہے کہ ہر ایک نماز کے لئے واسطے اذان بھی علیحدہ دیجائے''۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

غزوۂ خندق میں مشغولی کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازیں قضا ہوگئی تھیں، جب ان کو عشا کے وقت آپ نے پڑھا تو جماعت کے ساتھ پڑھا، پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کہی گئی، بقیہ کے لئے اقامت پر اکتفا کیا گیا، یہی مسئلہ بہشتی گوہر میں بیان کیا گیا ہوگا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۵۳)

نماز کا اعادہ جب کئی روز بعد ہو، کیا اس میں اذان واقامت دوبارہ کہی جائے:

سوال: اگر چند دنوں کے بعد نماز با جماعت نہ ہونے کی تحقیق ہو تو ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

صورتِ مذکورہ میں اذان اور اقامت کے ساتھ با جماعت نماز ادا کریں:

''وفی المجتبٰی:قوم ذكروا فساد صلاة صلوها فی المسجد فی الوقت،قضوها بجماعة فيه،

== ويكره قضائها فيه؛لأن التأخير معصية فلا يظهرها،بزازية ''.(الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۳۹۱،سعيد)

''وفی المجتبٰی معزياً إلى الحلوانی:أنه سنة القضاء فی البيوت دون المساجد فإن فيه تشويشاً وتغليظاً آه،وإذا كانوا قد صرحوا بأن الفائتة لا تقضى فی المسجد لما فيه من إظهارالتكاسل فی إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء، فالأذان للفائتة فی المسجد أولٰى بالمنع''.(البحرالرائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۴۵۵،رشيدية)

(۱) عن أبی عبيدة بن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:قال عبد اللّٰه:إن المشركين شغلوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق،حتٰی ذهب من الليل ما شاء اللّٰه،فأمر بلالاً فأذن ثم أقام،فصلی الظهر،ثم أقام فصلی العصر،ثم أقام فصلی المغرب،ثم أقام فصلی العشاء''.(سنن الترمذی،أبواب الصلاة،باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ: ۱/۴۳، سعيد)

''قال رحمه اللّٰه تعالٰی:وكذا الأولٰی الفوائت:يعنی وكذا إذا فاتته صلوات يؤذن للأولٰی منها،ويقيم لما روينا''. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۲۴۷،دارالكتب العلمية،بيروت)

لایعیدون الأذان والإقامة. وإن قضوها بعد الوقت، قضوها فی غیر ذلک المسجد بأذان وإقامة". (ردالمحتار: ۳٦٣/۱)(۱)

"وفی الجامع الهارونی: قوم ذکروا فساد صلاة صلوها فی غیر وقت تلک الصلاة، قضوها بأذان وإقامة فی غیر المسجد الذی صلوا فیه تلک الصلاة مرة، فإن ذکروها فی وقتها، صلوها فی ذلک المسجد ولایعیدون الأذان والإقامة. فإن صلوها فائتة فی ذلک المسجد صلوها وحداناً". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، نوع آخر فیمن یقضی الفوائت یقضیها بأذان و إقامة أو غیرهما: ۵۲٤/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی)

"وفی الإمداد: أنه إذا کان التفویت لأمر عام، فالأذان فی المسجد لایکره لانتفاء العلة". (کذا فی ردالمحتار: ۳٦٣/۱)(۲)

مگر مسجد کے علاوہ دوسری جگہ پڑھیں اور اذان اتنی بلند نہ ہو کہ دوسرے لوگ اشتباہ میں پڑ جائیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۸/۷/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۸/۷/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۲/۵)

بھول کر دوبارہ دی جانے والی اذان کا حکم:

سوال: اذان ہو چکی ہو، اور کوئی دوسرا شخص بھولے میں پوچھے بغیر اذان شروع کردے اور جب وہ آدھی اذان پر پہنچے اور اسے علم ہو جائے یا کوئی بتادے، تو کیا اس صورت میں اذان مکمل کرے یا چھوڑ دے؟

الجواب

جب ایک بار اذان ہو چکی ہے، تو دوسری اذان کی ضرورت نہیں، اسے چھوڑ دے۔(۴)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۸/۳)

(۱-۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۱/۱، سعید

(۳) "قلتُ: الحق هو التفصیل بأن القضاء لو کان لأمر أعم یؤذن فیه، وإن کان فی المسجد لیحضر من فاته الصلاة لکن لایجهر کثیر فی المسجد، لئلا یشوش فیه علیٰ غیرهم من الناس، وأما إذا لم یکن کذلک فلا یؤذن له فی المسجد لخوف التشویش. وأحب أن یؤذن لنفسه بحیث لایسمعه من سواه". (السعایة فی کشف مافی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۰/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۴) ولو صلّی فی مسجد بأذان و إقامة هل یکره أن یؤذّن ویقام فیه ثانیًا ... وإن صلّی فیه أهله بأذان وإقامة أو بعض أهله یکره، إلخ. (بدائع الصنائع: ۱۵۳/۱، کتاب الصلاة، فصل فی بیان محل وجوب الأذان)

منفرد کے لئے اذان واقامت:

سوال: اگرا کیلے کسی جگہ ہو جنگل میدان یا سمندر میں ہو نماز کے وقت پراذان دیکر نماز پڑھانا ضروری ہے یا بغیر اذان دیئے صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ لینا کافی ہے بعض لوگ صرف مغرب کی نماز اذان دیکر پڑھتے ہیں باقی نمازیں اذان دیئے بغیر صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ لیتے ہیں کیا مسئلہ ہے؟

(عبدالستار اسماعیل (شری گونکر ایس، بی، ٹی جبیل الخبیر سعودی عرب)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر جنگل ومیدان وغیرہ کسی جگہ میں اکیلے ہوں تو اذان دینا سنت ہے،اس لئے اذان دیکر نماز پڑھنا افضل ہے، باقی اگر بغیر اذان دئے محض اقامت پڑھ کر نماز پڑھ لیں، جب بھی نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی، (۱) اس حکم میں نماز مغرب وغیر مغرب سب برابر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۱۶/۱)

بعد نماز جمعہ ظہر کی نماز کے لئے اذان دینا کیسا ہے:

سوال: جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں اذان پکاری تو کیا ظہر کی نماز کے لئے اذان پکاری جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز کے لئے اذان اور پھر ظہر کی نماز دونوں غلط ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالصمد رحمانی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۰۰/۲-۳۰۱)

---

(۱) عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر كان لا يزيد على الإقامة فى السفر إلا فى الصبح،فإنه كان ينادى فيها ويقيم وكان يقول:إنما الأذان للإمام الذى يجتمع إليه الناس. (موطاالإمام مالک،النداء فى السفروعلى غيروضوء (ح:۲۳۷)/الجامع لابن وهب،من كتاب الصلاة (ح: ٤٥٥)/سنن البيهقى،باب قول من اقتصرعلى الإقامة فى السفر (ح:١٩٤٤)/مصنف ابن أبى شيبة،فى المسافرين يؤذنون أوتجزئهم الإقامة ؟(ح:٢٢٥٨)انيس)

(۲) جب کہ جمعہ کی نماز پڑھ چکا ہو۔[مجاہد]

(وكره)تحريمًا(لمعذورومسجون)ومسافر(أداء ظهربجماعة فى مصر)قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة... (وكذا أهل مصرفاتتهم الجمعة،فإنهم يصلّون الظهربغيرأذان ولا إقامة ولاجماعة.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ٣٢/٣-٣٣)/كذا فى البحرالرائق،باب شروط وجوب الجمعة: ١٦٦/٢.انيس)

عن أبى هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أدرك الركوع من الركعة الآخيرة يوم الجمعة فليضف إليهاأخرىٰ،ومن لم يدرك الركوع من الركعة الأخيرة فليصل الظهرأربعا.(سنن الدارقطنى،باب فيمن يدرك من الجمعة ركعة أولم يدركها (ح:١٦٠٣)انيس)

کیا محلّہ کی اذان کافی ہے:

سوال: ایک ایسا مقام جو بہ طور عبادت گاہ نماز کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، یعنی جو مسجد کے مقصد سے تعمیر نہیں کیا گیا، جس میں محراب بھی نہیں ہے، لیکن جائے نماز بچھی رہتی ہے، جہاں مستقل طور پر کوئی پیش امام یا مؤذن بھی مقرر نہیں ہے، نماز سے پہلے کوئی صاحب اذان دیتے ہیں، تو کوئی صاحب امامت کرتے ہیں، فجر اور مغرب کی نماز ختم ہونے کے بعد ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ کیا آپ میں سے کسی نے اذان دی تھی، اگر جواب ملا کہ کسی نے بھی اذان نہیں دی تو کہا جاتا ہے کہ بغیر اذان کے نماز نہیں ہوتی، پھر اذان دی جاتی ہے، اور یہ صاحب امامت کرتے ہیں، ان مراحل کے طے ہونے تک نماز کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، اس بلڈنگ کے اطراف بہت سی مساجد ہیں، جہاں سے مسلسل ایک کے بعد ایک اذان کی آواز آتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اطراف کی مساجد میں دی جانے والی اذانوں سے یہاں ادا کی گئی نماز ہو جائے گی، یا اس کے لئے علاحدہ اذان دینا چاہئے، جبکہ نماز کا وقت نکل چکا ہوتا ہے؟

(محمد وہاج الدین نظیر، راجولر، کرناٹک)

الجواب

جس جگہ نماز ادا کی جاتی ہو لیکن باضابطہ مسجد شرعی نہ ہو، اذان دی جانی ضروری نہیں، ایسی جگہ یا باغ یا گھر وغیرہ میں جماعت سے نماز پڑھی جائے تو اذان دینا بہتر تو ہے، لیکن اگر مسجد محلّہ کی اذان کی آواز وہاں تک پہونچتی ہو تو بغیر اذان کے نماز پڑھ لینے میں کوئی کراہت نہیں، عالمگیری میں ہے:

"وإن كان في كرم أوضيعة يكتفي بأذان القرية ... و إن أذنوا كان أولٰى". (۱)

اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ! محلّہ کی اذان اس محلّہ کے مکانات وغیرہ کے لئے بھی کافی ہے۔

" إذ أذان الحي يكفيه". (۲)

لہذا یہ کہنا کہ اذان نہ دینے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی درست نہیں، بلکہ نماز تو مسجد میں بھی خدانخواستہ اگر کبھی اذان نہ ہو پائی تو ہو جاتی ہے، البتہ مسجد میں اذان نہ دینا سخت گناہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۳۱/۲-۱۳۲)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية: ٥٤/١. الفصل الأول فی صفة الأذان وأحوال المؤذن

(۲) رد المحتار: ٦٢/٢.

كذا فی المبسوط للسرخسی، أذان المرأة: ١٣٣/١.

وفی السنن الكبریٰ للبيهقی، باب الإكتفاء بأذان الجماعة وإقامتهم (ح: ١٩١١): عن علقمة قال: صلی عبدالله بن مسعود بی وبالأسود بغير أذان ولا إقامة وربّما قال: يجزئنا أذان الحی وإقامتهم. انيس

جہاں محلّہ کی اذان پہنچتی ہو، وہاں اذان دینا کیسا ہے:

سوال: جس جگہ کے لئے اذان محلّہ کی کفایت کرتی ہے، اگر اس جگہ بھی اذان پکار کر نماز پڑھی جائے، تو کیسا ہے؟

الجواب

ایسی جگہ بھی اذان کہنی جائز ہے۔(۱) فقط (کفایت المفتی:۳/۲۵-۲۶)

کیا منیٰ میں ہر خیمے میں اذان دی جائے:

سوال: دورانِ حج منیٰ میں ہر خیمے میں علاحدہ علاحدہ اذان اور جماعت ہوتی ہے، ایک دفعہ میں اپنے دوست کے خیمے میں گیا، عشا کا وقت تھا، انہوں نے بغیر اذان کے جماعت کرادی، اور امامت مجھے کرانی پڑی، میں نے اذان نہ دینے کا سبب دریافت کیا، تو انہوں نے یہ تاویل دی کہ چونکہ اذان کا مقصد وقت کا تعین ہوتا ہے اور وہ ہم ساتھ والے خیمے سے اذان سن کر کر لیتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا اس طرح بغیر اذان کے باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں (یاد رہے کہ منیٰ میں تین دن رہنا پڑتا ہے اور پانچ نمازیں باجماعت روزانہ ادا کرنا پڑتی ہیں)، اور کسی اور جگہ کی اذان سن کر ہم اپنی علاحدہ جماعت کرا سکتے ہیں، بغیر اذان کی جماعت پر میرا امامت کرانا کیسا رہا؟

الجواب

اگر محلے کی مسجد میں اذان ہوگئی ہو، تو بغیر اذان کے جماعت کرا سکتے ہیں، صرف اقامت کہہ لینا کافی ہے، یہی حکم منیٰ کے خیموں میں ہونے والی جماعتوں کا ہے کہ جب برابر والے خیمے میں اذان ہوگئی، تو دوسرے خیمے میں اذان ضروری نہیں، صرف اقامت کافی ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۳۱۷)

---

(۱) قال:(لایجوز لأهل المسجد أن یقتسموا المسجد وینصبوا وسطه حائطاً)لأن بقعة المسجد تحررت عن حقوق العبد فصار خالصاً للّٰه تعالیٰ والقسمة من التصرفات فی الملک فلایشتغل بها فی المسجد کالزراعة وغیرها فإن فعلوا ذلک فلیصل کل فریق منهم بإمام ومؤذن علی حدة مالم ینتقضوا القسمة لأنهمافی حکم مسجدین متجاورین فینبغی أن یکون لکل واحدٍ منهماإمام ومؤذن علی حدة. واللّٰه أعلم.(المبسوط للسرخسی، باب أذان السکران والمجنون: ١/١٤٠، انیس)

(۲) قوله (للفرائض الخمس) ... لکن لایکره ترکه لمصلّی فی بیته فی المصرلأن أذان الحی یکفیه ...الخ.(رد المحتار: ١/٣٨٤)باب الأذان)

ولم أرحکم البلدة الواحدة إذا اتسعت أطرافها کالمصر و الظاهرأن أهل کل محلة سمعوا الأذان ولومن محلة أخریٰ یسقط عنهم لا إن لم یسمعوا.(النهرالفائق شرح کنزالدقائق، باب الأذان: ١/١٧١. کذا فی منحة الخالق علی هامش البحرالرائق، الجمع بین الصلاتین فی وقت بعذر: ١/٢٦٩. انیس)

اذان کے الفاظ نامکمل سنائی دیں:

سوال: بعض مرتبہ اذان کے الفاظ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مکانوں کے اندر نامکمل سنائی دیتے ہیں، یعنی مؤذن صاحب کامل اذان دیتے ہیں، مگر لاؤڈ اسپیکر کے کچھ فنی نقص کے باعث اذان کے کچھ حروف نشر نہیں ہوتے، سننے والوں کو اذان ادھوری اور بے ربط سنائی دیتی ہے، جب آواز ہی نہ آئے یا ادھورے الفاظ سنائی دیں، تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ نئے آلہ کی خریداری عدمِ گنجائش کی مرہونِ منت ہے۔ (محمد ادریس معتمد مسجد گاڈر)

الجواب

اگر اذان کے الفاظ نامکمل سنائی دیں، جب بھی چوں کہ سننے والوں کو اس بات کی اطلاع ہوجاتی ہے کہ اذان دی جارہی ہے۔ اس لئے اذان کا جواب دینا چاہئے۔ (۱) اذان کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اذان کے کلمات صحیح صحیح اور مکمل طور پر سننے میں آئیں۔ البتہ چونکہ اذان کا مقصد نماز کے بارے میں اطلاع وخبر دینا ہے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ یہ مقصد بہتر طور پر پورا ہوتا ہے۔ اس لئے مسجد کے منتظمین کو چاہئے کہ وہ ترجیحی بنیاد پر لاؤڈ اسپیکر ٹھیک کرائیں اور مسجد میں نماز پڑھنے والوں اور دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس کارِ خیر میں انتظامیہ کی مدد کریں، انشاء اللہ اس میں بڑے اجر وثواب کی توقع ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۳۴/۲-۱۳۵)

(۱) عن أبی سعید الخدری أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن. (موطا الإمام مالک بروایة محمد بن الحسن الشیبانی، باب الأذان والتثویب (ح: ۹۱)

عن عبداللّٰہ بن علقمة بن وقاص قال: إنی لعند معاویة إذا أذن مؤذنه فقال معاویة: کما قال مؤذنه حتی إذا قال: حی علی الصلاة، قال: لاحول ولاقوة إلا باللّٰہ ولما قال: حی علی الفلاح، قال: لاحول ولاقوة إلا باللّٰہ (ولاحول ولا قوة إلا باللّٰہ، قیل معناه لاحول عن المعصیة ولاقوة علی الطاعة إلا بتوفیق اللّٰہ وقیل الحول الحرکة تقول حال الشخص إذا تحرک فالمعنی لاحرکة ولااستطاعة إلا بمشیة اللّٰہ وقیل الحول والحیلة والاحتیال والتحیل الحذق وجودة النظر والقدرة علی دقة التصرف أی لا إجادة للعمل ولا قدرة للانسان علیه إلا بمعونة اللّٰہ وقد فهم من هذا أن السنة أن یتابع السامع المؤذن فیما یقول إلا فی الحیعلتین فله أن یتابعه بدل ماقال المؤذن لاحول ولاقوة إلا باللّٰہ وهکذا مذهب الحنفیة) ثم قال بعد ذلک ما قال المؤذن، ثم قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ذلک. (مسند الشافعی بترتیب السندی، الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۸۲)

قال العینی بعد ذکر حدیث إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن، الخ:

... ثم الذی یستفاد من عموم هذا الحدیث أن یقول من یسمع الأذان مثل مایقول المؤذن حتی یفرغ من أذانه کله وهو مذهب الشافعی وعند أصحابنا یقول مثل مایقول المؤذن فی التکبیر والشهادتین ویقول فی الحیعلتین: لاحول ولاقوة إلا باللّٰہ، لحدیث عمر لمایجی الآن وقالوا: إن حدیث أبی سعید الخدری مخصوص بحدیث عمر رضی اللّٰہ عنه. (شرح سنن أبی داؤد للعینی، باب مایقول إذا سمع المؤذن: ۴۷۸/۲) انیس)

اذان کے لئے اسپیکر کا استعمال مباح ہے:

سوال: اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے منارے پر آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔

(المستفتی نمبر ۱۴۴۶، امام عبد الصمد (جنوبی افریقہ) ۹؍ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، م ۲۰؍مئی ۱۹۳۷ء)

الجواب

اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے منارے پر لاؤڈ اسپیکر لگانا مباح ہے۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۵۲/۳)

لاؤڈ اسپیکر سے اذان:

سوال: لاؤڈ اسپیکر سے نماز پڑھانے اور اذان دینے میں چند قباحتیں ہیں، نماز و اذان کے درمیان اکثر و بیشتر خراب ہونا، مختلف اذانوں کی آوازوں میں باہم خلط ملط ہونا، غیر مسلموں سے تصادم ہونا، وغیرہ تو کیا اس کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

هــو المـصــوب

اذان دینا ایک مسنون طریقہ ہے، (۲) لوگوں کو نماز کے لئے پکارا جاتا ہے اور خیر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، دور دور سے اذان کی آواز سن کر لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور نماز و عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اس شور و ہنگامہ میں بسا

---

(۱) وينبغي للمؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته. (البحر الرائق، باب الأذان: ۲۶۸/۱، ط بيروت، لبنان)

"منها: أن يجهر بالأذان فيرفع صوته لأن المقصود هو الإعلام يحصل به ... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها". (بدائع الصنائع، فصل في بيان سنن الأذان: ۱۴۹/۱. انيس)

واضح رہے کہ موجودہ زمانہ میں زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ دور تک اونچی آواز پہونچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے علاوہ دوسری کوئی شکل نہیں ہے، ہوسکتا ہے دور تک آواز پہونچانے کی کوشش میں نقصان ہوجائے، نفس کو نقصان پہونچانے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اس سے منع فرمایا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے:

يا أبا محذورة ما أندى صوتك؟ أما تخشى أن تنشق مريطاؤك من شدة صوتك؟ ثم قال: يا أبا محذورة إنك بأرض شديدة الحر فأبرد عن الصلاة ثم أبرد عنها ثم أذن ثم أقم تجدني عندك. (كنز العمال، الإبراد والتعجيل والتأخير (ح: ۲۲۶۳۷)/مسند الفاروق لابن كثير، كتاب الصلاة: ۱۴۳/۱. انيس)

(۲) ... والفرق أن الأذان من سنن الصلاة و المقصود منه الإعلام، الخ. (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر لابن نجيم، ما افترق فيه الأذان والإقامة: ۸۵/۴. انيس)

اوقات اذان کی آواز لوگوں تک نہیں پہونچتی ہے، تو اس مقصد کے لئے مسلمانوں نے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شروع کیا جو مستحسن طریقہ ہے، اس میں کسی کو اذیت پہونچانا یا کسی کو انتشار میں مبتلا کرنا مقصود نہیں ہے، نہ فی الواقع کوئی اذیت وانتشار ہے۔ اب ادھر غیر مسلموں نے مسلمانوں اور اسلام کی ہر نشانی کو مٹانے کا پروگرام بنالیا ہے تو ہر چیز پر ان کو اعتراض ہونے لگا ہے اور بہانہ بنا کر فساد پر آمادہ ہورہے ہیں، مسلمانوں کو ذلیل کرنا اور ان کی ہر علامت کو مٹانا ان کا پروگرام بنتا جارہا ہے۔ ان حالات میں ہم کو اپنی استطاعت تک کسی چیز سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے۔ (۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۷۷)

لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے جواز کی دلیل:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان در لاؤڈ اسپیکر درست است یا نہ؟ اگر درست است بہ کدام دلائل متقدمین یا متأخرین دریں مسئلہ بحث قوی است یا نہ، واگر درست نیست بچہ وجہ معتبر فی زماننا است؟ بینوا توجروا۔ (۲)

(المستفتی: غلام محمد خطیب جامع مسجد چمڑ یری ضلع مردوان......۹/۵/۱۹۶۹ء)

الجواب

چونکہ در اذان رفع صوت مطلوب ومحمود است، (۳) لہٰذا در آلۂ مکبر الصوت اذان کردن مشروع بود۔ (۴)

والدليل على حسن رفع الصوت ما ورد أنه عليه السلام قال: قم مع بلال فألق عليه مارأيت فليؤذن فإنه أندىٰ وأمدُّ صوتاً منك. رواه الترمذی، وروی ابن ماجة أنه عليه السلام أمر بلالاً أن يجعل أصبعيه فی أذنيه، و قال: إنه أرفع لصوتك. (۵)

---

(۱) "فإذا كنت فی غنمك أوباديتك فأذنت بالصلاة فارفع صوتك بالنداء". (صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت بالنداء، رقم الحديث: ۶۰۹)

ذكر مايستفاد منه فيه: استحباب رفع الصوت بالأذان ليكثر من يشهد له ولو أذن علىٰ مكان مرتفع ليكون أبعد لذهاب الصوت وكان بلال يؤذن علىٰ بيت امرأة من بنی النجار، بيتها أطول بيت حول المسجد. (عمدة القاری: ۵/۱۶۱)

(۲) ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں؟ متقدمین ومتأخرین فقہا کے مابین اختلاف ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو اس زمانہ میں ان کے معتبر ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ (انیس)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: وفی السراج: وينبغی للمؤذن فی موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته ولايجهد نفسه ؛لأنه يتضرر. (ردالمحتار علىٰ هامش الدرالمختار، قبيل مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان: ۱/۲۸۳)

(۴) ترجمہ: چونکہ اذان میں بلند آواز مطلوب وپسندیدہ ہے، لہٰذا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا جائز ہے۔ (انیس)

(۵) سنن الترمذی، باب ماجاء فی بدء الأذان (ح: ۱۸۹)/ سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ۷۱۰) انيس

وقال العلامة الشامی:ناقلاً عن النهاية:وإذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترک الناس البیع، ذکر المؤذنين بلفظ الجمع إخراجاً للكلام مخرج العادة فإن المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ أصواتهم إلى أطراف المصر الجامع،آه. (رد المحتار: ۶۲/۱)(۱)

پس چونکہ نفس الامر میں اذان کے کلمات پڑھ چکے ہیں تو سنت بہر حال ادا ہوئی ہے اور اس کے علاوہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ رفع صوت کا مقصد نور علیٰ نور کے طریق سے حاصل ہو رہا ہے۔لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔فقط

(فتاویٰ فریدیہ:۱۹۰/۲)

لاؤڈ اسپیکر پر اذان کی تحقیق:

سوال (۱) کیا مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ اذان کا ہونا دوسرے مساجد کے لئے بھی کافی ہے؟ جب کہ مقصد اذان، اعلام عام پورا ہو جاتا ہے۔بالخصوص وہ مساجد جو قریب قریب دوسرے محلّہ میں واقع ہوں درمیان میں صرف بازار ہو اور چند مکانوں کا فاصلہ ہو۔

(۲)　　لاؤڈ اسپیکر پر اذان کہنا ضروری ہے، مستحب ہے، مستحسن ہے، کیا ہے؟

(۳)　　عین وقت اذان پر بجلی نہ تھی، تو اذان بدوں اس کے کہہ دی گئی۔پھر دس منٹ کے بعد بجلی اسپیکر کی آ گئی، تو دوبارہ اسپیکر پر کہنے کی تاکید کی جائے، تو کس اذان کا اعتبار ہوگا، جس کا نہیں ہوتا، اس میں شرعاً کیا سقم ہے۔عمداً تکرار اذان کیا حکم رکھتا ہے اور جب کہ امام ہی اس بات مصر ہو اور مفتی ہو۔

(۴)　　نمازوں میں کثرت مقتدیوں کے باعث اسپیکر کو اس طرح نصب کیا جاتا ہے کہ میکروفون بالکل امام کے منہ کے محاذی ہوتا ہے، جس سے تمام مقتدی امام کی قراءت اور تکبیرات انتقالی بخوبی سن سکتے ہیں، مزید مکبروں کی ضرورت نہیں۔یہ شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۵)　　مشکوۃ شریف، ج:۱،ص:۹۵، پر ہے کہ ایک نابینا صحابی جبکہ انہوں نے نماز میں حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ بیان کر کے رخصت طلب کی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

”هل تسمع النداء بالصلوٰة؟قال نعم، قال فأجب“. (الحديث)(۲)

---

(۱)　　رد المحتار علىٰ هامش الدر المختار، باب الأذان،مطلب فی أذان الجوق: ۲۸۷/۱۔

(۲)　　**مسند اسحاق بن راهويه،مايروی عن رجال أهل الجزيرة وأهل الشام (ح: ۳۱۳)/الصحيح لمسلم،باب يجب إتيان المسجد على من سمع (ح: ۶۵۳)/سنن النسائی،المحافظة على الصلوات حيث ينادی بهن (ح: ۸۵۰)/مستخرج أبی عوانة،بيان إيجاب إتيان الجماعة (ح: ۱۲۶۱)/حديث السراج،الجزء الخامس من حديث أبی العباس (ح:۹۹۸)انيس**

ایک واقعی معذور شرعی جو اپنے محلّہ کی مسجد کی اذان نہ سننے پر گھر پر رخصت پر عمل کرلیتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر کی زوردار آواز لازمی اس کے کانوں میں پڑ جاتی ہے، تو کیا وہ پھر بھی (اس محلّہ کا ہو یا دوسرے کا) اس رخصت پر عمل کرسکتا ہے یا مسجد میں حاضری واجب ہے۔ اور پھر حاضری اپنے محلّہ والی مسجد میں یا جہاں سے آواز سنی ہے۔ اور عدم حاضری سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

”وإذا قسم أهل المحلة المسجد أوضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام علٰى حدة ومؤذنهم واحد لابأس به والأولٰى أن يكون لكل طائفة إمام ومؤذن“،الخ. (البحرالرائق: ۳۸/۲)

عبارت بالا کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد کے لئے الگ مؤذن ہونا چاہئے، اگر چہ ایک کی اذان ہی کافی ہوجاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر چہ آلۂ مکبر الصوت کی آواز دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ہر مسجد میں اذان الگ ہونی چاہئے۔ تعامل بھی اسی پر ہے۔ ہر مسجد میں نماز کے اوقات کا متحد ہونا بھی ضروری نہیں۔ پس متعدد مساجد کے لئے اذان واحد کافی نہیں ہوسکتی۔

(۲) زیادہ سے زیادہ مستحسن ہے۔(۱)

(۳) تکرار اذان مذکورہ درست نہیں، پس پہلی اذان جو کہ بجلی نہ ہونے کی حالت میں کہی گئی تھی، کافی ہے، دوبارہ اذان نہ دی جائے۔(۲)

(۴) جائز ہے، خلاف احتیاط ہے، مکبروں کے ذریعہ تکبیرات معلوم کرانے کا انتظام ہونا چاہئے۔ آلۂ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں شرعاً پسندیدہ نہیں، بلکہ قریب بہ کراہت ہے۔ تکبیرات انتقال کی اطلاع کرنے کا انتظام مکبروں کے ذریعہ ہونا چاہئے۔(۳)

(۵) ”فأجب“: أى فأت الجماعة،قال الطيبى: فيه دليل علٰى وجوب الجماعة وقيل: حثّ ومبالغة فى الأفضل الأليق بحاله ،الخ. (كذا فى المرقات، كذا فى الحواشى)(۴)

(۱) ولهذا كان الأفضل أن يؤذن فى موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها“. (بدائع الصنائع،فصل فى بيان سنن الأذان: ۱۴۹/۱. انيس)

(۲) الحديث يدل وجوب الجماعة وقد اختلف العلماء فيه وظاهرنصوص الشافعى رضى الله عنه تدل على أنها من فروض الكفايات،وعليه أكثر الصحابة ... وذهب الباقون منهم إلى أنهاسنة وليست بفرض، وهومذهب أبى حنيفة ومالك رضى الله عنهما. (شرح المشكاة للطيبى،باب الجماعة وفضلها: ۱۱۲۸/۴. انيس)

(۳) یہ حکم اس وقت کا تھا جب کہ مائک امام کے سامنے رکھا جاتا تھا، موجودہ دور میں وائروالے مائک کا استعمال ہوتا ہے۔ انیس

(۴) مرقاة المفاتيح،باب الجماعة وفضلها: ۸۳۴/۳/شرح المشكاة للطيبى،باب الجماعة وفضلها: ۱۱۲۸/۴/ معرفة السنن والآثار،العذرفى ترك الجماعة بالبردوالريح (۵۶۴۳)انيس

حدیث مذکور بروایت ابوداؤد وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"قال: تسمع النداء؟ قال نعم، قال: لا أجد لک رخصة". (۱)

تو اس آخری الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے شیخ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومعناه لا أجد لک رخصة تحصل لک فضیلة الجماعة من غیر حضورها لا الإیجاب علی الأعمٰی فإنه علیه الصلوٰة والسلام رخص لعتبان بن مالک. رضی اللّٰه عنه. علٰی ما فی الصحیحین، الخ. (الکبیری شرح منیة المصلی: ۴۷۲)(۲)

شراح حدیث کی تشریح بالا سے معلوم ہوا کہ "فأجب" کا امر ایجاب کے لئے نہیں تھا، بلکہ فضیلت کا تھا، اعمٰی پر اذان سننے کے باوجود بھی مسجد میں آنا واجب نہیں ہے۔ اعمٰی کے لئے مطلقاً رخصت ثابت ہے۔ کما فی الصحیحین. (۳)

اور بلاشبہ فضیلت حاضری میں ہی ہے، جب کہ بلا تکلیف ہو سکے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی۔ ۱۳۸۱/۵/۲۳ھ۔

الجواب صحیح، محمد عبداللہ غفرلہ مفتی جامعہ ہذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۰۳-۲۰۵)

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مسجد کے اندر سے اذان دینا مکروہ نہیں:

سوال: زید اور عمرو کا اذان کے مسئلہ پر اختلاف پیدا ہوا ہے کہ مسجد کے اندر سے اذان دینا درست نہیں، جب کہ لاؤڈ اسپیکر عموماً مسجد کے اندر ہوتی ہے اور اذان اندر سے دی جاتی ہے تو اس مسئلہ میں کیا تطبیق کی جاوے گی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: قاضی محمد زماں کوہاٹ......۲۲/دسمبر ۱۹۸۳ء)

(۱) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب من سمع النداء (ح: ۱۳۱۹)/مسند الإمام أحمد، حدیث عمرو بن أم مکتوم (ح: ۱۵۴۹۰)/سنن أبی داؤد، باب فی التشدید فی ترک الجماعة (ح: ۵۵۲)/المستدرک للحاکم، أما حدیث عبد الرحمن بن مهدی (ح: ۹۰۳) انیس

(۲) ومعناه: لا أجدلک رخصة تُحصِّل لک فضیلة الجماعة من غیر حضورها، لاالإیجاب علی الأعمیٰ. (مرقاة المفاتیح، باب الجماعة وفضلها: ۸۳۴/۳) وکذا فی فتح القدیر، باب الإمامة: ۳۴۵/۱)

أی لاأجد لک رخصة تلحق فضیلة من حضرها. (السنن الکبریٰ للبیهقی، باب ماجاء فی التشدید فی ترک الجماعة من غیر عذر (ح: ۴۹۵۰) انیس)

(۳) عن محمود بن الربیع الأنصاری، أن عتبان بن مالک کان یؤم قومه وهو أعمیٰ وأنه قال لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إنها تکون الظلمة والمطر والسیل وأنا رجل ضریر البصر فصل لی یارسول اللّٰه من بیتی مکاناً أتخذه مصلی قال: فجاء ہ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: أین تحب أن أصلی؟ فأشار له إلی مکان من البیت فصلی فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (موطاالإمام مالک بروایة أبی مصعب الزهری، جامع الصلاة (ح: ۵۷۲)/الصحیح للبخاری، باب الرخصة فی المطر والعلة أن یصلی فی بیته (ح: ۶۶۷) الصحیح لمسلم، باب الرخصة فی التخلف عن الجماعة بعذر (ح: ۳۳)/سنن ابن ماجة، باب المساجد فی الدور (ح: ۷۵۴) الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم (ح: ۱۹۳۱) انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینا جائز ہے اور اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے۔(۱) اور ترک اولیٰ سے کراہیت لازم نہیں ہوتی (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۸۱-۱۸۲)

مائک اذان کے لیے خارج مسجد رکھنے کا حکم:

سوال: گذارش ہے کہ جامع مسجد کرت پور میں لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا ہے، لیکن مائک جامع مسجد کے اندر شہ نشیں کے پاس رکھ دیا ہے اور لاؤڈ اسپیکر دو میناروں کے درمیان رکھ دیا ہے، جس میں اذان کی آواز نکلتی ہے، بہت سے آدمی کہتے ہیں کہ مائک اندر مسجد کے رکھ کر اذان نہیں دینی چاہیے، مائک باہر رکھ کر اذان دو۔

اس مسئلہ میں علماء دین کا کیا خیال ہے؟ تا کہ اس پر عمل کیا جاوے، حالاں کہ عیدین کے موقع پر بھی خطبہ اور اذان وہیں پر ہوتی ہے۔ عندالشرع کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے اور جہاں مائک ہوتا ہے، اسی جگہ سے دیجاتی ہے۔ اس لیے مائک کو بھی مسجد کے باہر ہونا چاہیے اور عیدین کی نماز میں اذان تو ہوتی نہیں، (۳) صرف خطبہ ہوتا ہے اور خطبہ منبر پر ہوتا ہے۔ اس لیے خطبہ میں مائک منبر کے پاس رکھا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۵/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ، ۱۳۸۸/۵/۲۳ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۹۵)

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: (قوله: في مكان عال) في القنية: ويسن الأذان في موضع عال والإقامة على الأرض... وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته ولايجهد نفسه ؛لأنه يتضرر. (إلىٰ أن قال) وقال ابن سعد بالسند إلىٰ أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلىٰ أن بنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم مسجده فكان يؤذن بعد علىٰ ظهر المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره. (ردالمحتار هامش الدرالمختار، باب الأذان: ۱/۲۸۳-۲۸۵)

(۲) قال الشيخ محمد أمين ابن عابدين: وأما المستحب أو المندوب فينبغي أن لايكره تركه أصلاً لقولهم: يستحب يوم الأضحىٰ أن لايأكل أولا إلا من أضحيته ولو أكل من غيرها لم يكره فلم يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة ...في البحر في صلاة العيد عند مسئلة الأكل: بأنه لايلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة إذ لابد لها من دليل خاص. (ردالمحتار هامش الدرالمختار، مطلب في بيان السنة والمستحب والمندوب والمكروه: ۱/۴۸۳)

(۳) (الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواهما للنقل المتواتر) أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أذن للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواهما من الوتر والعيدين والكسوف والخسوف والاستسقاء وصلاة الجنازة والسنن والنوافل. (العناية شرح الهداية، باب الأذان: ۱/۲۴۰. انيس)

عن جابر بن سمرة قال: صليت مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم العيدين غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة. (مسند الإمام أحمد، حديث جابر بن سمرة (ح:۲۰۸۴۷)/الصحيح لمسلم، كتاب صلاة العيدين (ح:۸۸۷) انيس

مسجد کی زمین پر بذریعہ لاؤڈ اسپیکر اذان دینا بدعت نہیں:

سوال: محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب، مفتی اعظم دار العلوم حقانیہ!

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ کے بعد مسئلہ ذیل کی وضاحت فرما کر مشکور وممنون فرماویں کہ!

ہمارے ہاں ایک مولانا نے مسجد کی زمین پر بذریعہ لاؤڈ اسپیکر اذان دینا بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی قرار دیا ہے کیا ان کا یہ مسئلہ صحیح ہے، مع حوالہ جات کتب کے لکھ کر ہمیں مطمئن کریں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولانا سید شاہ جہان صادق گونڈ اشبقدر فورٹ چارسدہ)

الجواب

افضل یہ ہے کہ اذان مسجد سے خارج مقام پر دی جائے۔(۱)

كما في الهندية: ۵۷/۱ :وينبغي أن يؤذن على المأذنة أوخارج المسجد ولايؤذن في المسجد، كذا في فتاویٰ قاضي خان.(۲)

باقی رہا لاؤڈ اسپیکر میں اذان، تو نہ ممنوع ہے اور نہ مطلوب ہے۔(۳) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۹۱-۱۹۲)

---

(۱) تا کہ دور تک آواز جاسکے۔جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان اول کا اضافہ کیا اور اس کو اونچی جگہ جسے زوراء کہا جاتا تھا، وہاں سے دلوایا۔

عن السائب بن يزيدقال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذاجلس الإمام على المنبرعلى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكروعمررضي الله عنهمافلماكان عثمان رضي الله عنه وكثرالناس زادالنداء الثالث على الزوراء.قال ابوعبدالله:موضع بالسوق بالمدينة.(الصحيح للبخاري،باب الأذان يوم الجمعة (ح:۹۱۲)

والمراد بالنداء الثالث هوالنداء قبل خروج الإمام ليحضرالقوم ويسعواإلى ذكرالله وإنمازادعثمان رضي الله عنه هذاالنداء الثالث لكثرة الناس.(شرح المشكاة للطيبي،باب الخطبة والصلاة:۱۲۸۱/٤.انيس)

قوله بالأذان الثالث:إنماسمي ثالثاًباعتباركونه مزيداًلأن الأول هوالأذان عندجلوس الإمام على المنبروالثاني هوإقامة الصلاة والثالث عنددخول الوقت.(شرح سنن أبي داؤدللعيني،باب النداء في يوم الجمعة:٤/٤٢٥.انيس)

(۲) الفتاویٰ الهندية،الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۵۵/۱۔

(۳) قال العلامة ابن عابدين الشامي:إن الأصل الإباحة،أقول:هذا الجواب نافع فيما سكت عنه الشارع وبقي على الإباحة الأصلية أما ما نص علىٰ إباحته أوفعله عليه السلام فلا ينفع.وقد نص في التحرير:علىٰ أن المباح يطلق علىٰ متعلق الإباحة الأصلية كما يطلق علىٰ متعلق الإباحة الشرعية فالأحسن في الجواب أن يقال المراد بقوله في التعريف ما ثبت ثبوت طلبه لا ثبوت شرعيته والمباح غيرمطلوب الفعل وإنما هو مخيرفيه.(رد المحتارهامش الدرالمختار،مطلب المختارأن الأصل في الأشياء الإباحة: ۷۸/۱)

مائک سے اذان دینا:

سوال(۱) کیا مائک سے اذان پڑھنا بدعت ہے، نیز اس سے اذان کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

جدید آلات کا استعمال:

(۲) بعض مولوی حضرات کا (جو زمانہ آدم سے تعلق رکھنے والے ہیں) فتویٰ ہے کہ تمام جدید آلات کا استعمال، مثلاً گھڑی ٹیلیفون وغیرہ بدعت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) اہل سائنس کی تحقیق کے مطابق لاؤڈ سپیکر کی آواز متکلم ہی کی آواز ہوتی ہے، البتہ اس میں آواز بلند ہوجاتی ہے اور اذان میں رفع صوت مطلوب بھی ہے۔

کما فی البحر: "یرفع للترغیب الوارد فی الحدیث فی رفع صوت المؤذن لایسمع مدی صوت المؤذن إنس ولاجن ولا مدر إلا شهد له یوم القیامة". (البحر: ۳۶۶/۱)(۱)

اس لئے اس میں اذان بلا کراہیت جائز ہے۔

(۲) ہر جدید آلہ کا استعمال ناجائز اور بدعت نہیں ہے، بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ جو آلات لہو ولعب کے لئے موضوع ہیں؛ ان کا استعمال ناجائز ہے اور جو نہ لہو ولعب کے لئے موضوع ہوں اور نہ ہی ان کا استعمال لہو ولعب میں متعارف ہوگیا ہو، ان کا استعمال جائز ہے، مزید تفصیل (امداد الفتاویٰ: ۸۴۰/۱) پر ملاحظہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور۔ ۲۱/۱/۱۴۱۱ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۲۰/۱)

مائک پر اذان وغیرہ کا حکم:

سوال: مائک پر اذان کہنا درست ہے یا نہیں؟ دائیں اور بائیں کرنا چاہئے یا نہیں؟ اذان کہنے کے بعد مؤذن مائک ہی میں بلند آواز سے پہلے درود ابراہیمی جو نماز میں پڑھا جاتا ہے وہ پڑھ کر اذان دے، پھر اس کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھے، تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

---

(۱) **عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن أبی صعصعة المازنی عن أبیه أنه أخبره أن أباسعیدالخدری قال له: إنی أراک تحب الغنم والبادیة فإذا كنت فی غنمک أوفی بادیتک فأذنت بالصلاة فارفع صوتک بالنداء فإنه لایسمع مدی صوت المؤذن إنس ولاجن إلاشهدله یوم القیامة قال أبوسعیدالخدری: سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم. (موطاالإمام مالک بروایة أبی مصعب الزهری، باب ماجاء فی النداء (ح: ۱۸۳)/ مسندالشافعی، الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۷۶) انیس)**

ھــو المـصــوب

مائیک پراذان دے سکتے ہیں،(۱) مائیک کی اذان بعینہٖ اذان دینے والی کی آواز ہے اور حصول مقصود کیلئے زیادہ مفید ہے۔حتی الامکان مائک میں بھی ''حی علی الصلوٰۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کہتے وقت چہرہ کو دائیں اور بائیں گھمالے۔(۲)

اور جہاں تک اذان کے بعد درود اور اذان کی دعا اور کلمہ پڑھنے کی بات ہے تو صرف اذان کی دعا پڑھنے کا ثبوت ہے،(۳) بقیہ چیزیں بالالتزام پڑھنا درست نہ ہوگا اور اذان کی دعا بھی مائک پر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۷۸)

---

(۱) وينبغي للمؤذن أن يوذن في موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته.(البحر الرائق: ١/٤٤٤)

(۲) إلا... أنه إذا انتهٰى إلى الصلاة والفلاح حول وجهه يمينا وشمالا كذا فعل النازل من السماء ولأن هذا خطاب للقوم فيقبل بوجهه إليهم إعلاما لهم كالسلام في الصلاة وقدماه مكانتهما ليبقى مستقبل القبلة بالقدر الممكن.بدائع الصنائع: ١/ ٣٧٠)

عن عبدالله بن زيدالأنصاري قال:هم رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرالصلاة حتى نعس أو كاد، قال:فانصرفت إلى أهلي فأتيت بالعشاء فقلت:لاحاجة لي فيه،رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قدهمه أمر الصلاة قال: فرأيت في المنام رجلاعليه ثوبان أخضران قائماًعلى حائط المسجد مستقبل القبلة،فقال:الله أكبر،الله أكبرمرتين،أشهدأن لاإله إلاالله مرتين،أشهدأن محمدارسول الله مرتين،ثم التفت عن يمينه فقال:حتى على الصلاة مرتين،ثم التفت عن شماله فقال:حي على الفلاح مرتين،ثم استقبل القبلة فقال:الله أكبر،الله أكبر،لاإله إلاالله ثم قعدقعدة ثم قام فاستقبل القبلة فقال:الله أكبر،الله أكبر مرتين،أشهدأن لاإله إلاالله مرتين،أشهدأن محمدرسول الله مرتين،ثم التفت عن يمينه فقال:حي على الصلاة مرتين،ثم التفت عن شماله فقال:حي على الفلاح مرتين،ثم استقبل القبلة فقال:قدقامت الصلاة مرتين،الله أكبر،الله أكبرمرتين،لاإله إلاالله،قال:فغدوت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:فقلت له:لولاأنهافي نفسي لقدرأيت أني لم أكن نائما،ورأيت رجلا على المسجد عليه ثوبان أخضران مستقبلا القبلة فوصفت الأذان ،قال:فقال لي:علمهابلالاً،الخ.(المسند للشاشي،ماروى عبدالله بن زيدبن الحارث بن عبدربه:٣/٣٨.(بعدح: ١٠٨١)انيس)

(۳) من قال حين يسمع الدعاء:اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة ...حلت له شفاعتي يوم القيامة.(صحيح البخاري،كتاب الأذان،باب الدعاء عند النداء،ح:٦١٤)

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلى عليّ صلاة صلى الله بها عشرًا.ثم سلوا الله لي الوسيلة.(الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يسأل له الوسيلة ،ح:٣٨٤)

نماز جمعہ کے لئے مدرسہ کے اسپیکر سے اذان دینا:

سوال: ہمارے یہاں مدرسہ میں اسپیکر ہے، اس میں پنج وقتہ اذانیں دی جاتی ہیں اور اذانِ جمعہ بھی مدرسہ میں اسپیکر میں دی جاتی ہے اور مسجد میں بغیر اسپیکر کے اذان دی جاتی ہے، مدرسہ کے اسپیکر کی آواز سن کر لوگ اپنے کھیتوں سے نمازِ جمعہ صحیح وقت پر ادا کر لیتے ہیں، مدرسہ میں نمازِ جمعہ نہیں ہوتی، مدرسہ گاؤں کے کنارے پر ہے، مسجد اور مدرسہ کا فاصلہ تقریباً ایک فرلانگ ہے، براہ کرم فرمائیں کہ مدرسہ میں اذان جمعہ دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جب مدرسہ میں جمعہ کی نماز ادا نہیں کی جاتی تو وہاں اذانِ جمعہ کی ضرورت نہیں، مسجد کے آس پاس ہی اسپیکر سے اذان دی جائے تو مناسب ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۱/۵)

اذان مائک سے ایک جگہ پر، جماعت دوسری جگہ پر:

سوال: مدرسہ میں لاؤڈ اسپیکر ہے اور جامع مسجد میں نہیں ہے، اعلان کے لئے جمعہ کی اذان پہلے مدرسہ میں لاؤڈ اسپیکر سے دے دی جاتی ہے اور پھر جامع مسجد میں بھی اذان بغیر اسپیکر کے ہوتی ہے، لیکن نمازِ جمعہ پابندی سے جامع مسجد میں ہوتی ہے، مدرسہ میں نمازِ جمعہ نہیں ہوتی، تو یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

جمعہ کی اذان اگر لاؤڈ اسپیکر سے مدرسہ میں دی جائے اور نماز جامع مسجد میں ہو اور جامع مسجد میں بھی جمعہ کی اذان بغیر لاؤڈ اسپیکر کے کسی منارہ وغیرہ پر ہو تو بھی درست ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۱/۵-۴۰۲)

---

(۱) قال ابن سعد بالسند إلٰى أم زيد : كان بيتي أطول بيت حول المسجد ، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلٰى أن بنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعد علىٰ ظهر المسجد، و قد رُفع له شئ فوق ظهره. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۷/۱، سعيد)

الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، أم عبيد بنت سراقة: ۳۰۹/۸، دارالكتب العلمية بيروت. انيس

(۲) ويعاد أذان جنب ندباً، وقيل: وجوباً؛ لا إقامته لمشروعية تكراره في الجمعة دون تكرارها. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۳۹۳/۱، سعيد)

اذان گاہ پر گھنٹہ بجانا:

سوال: شہر پیران پٹن گجرات میں مسجدوں کی اذان گاہ پر ایک پیتل کی تختی جسے گھنٹہ کہتے ہیں صلوٰۃ خمسہ کی اذان مسنون کے بعد بجایا جاتا ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر:۵۵۱، محمد سعید، بمبئی۔ ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، م ۲۷/جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

شریعت مقدسہ نے صلوات خمسہ کی اطلاع کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور وہ شعائر اسلامیہ میں سے ہے، اذان کے بعد کوئی اور چیز اطلاع اور اعلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور ائمہ عظامؒ نے تعلیم نہیں کی، اذان کے بعد مساجد میں گھنٹہ بجانے کا طریقہ مقرر کرنے سے اذان کی بے وقعتی اور کفار کی مشابہت ہوتی ہے، اس لئے یہ بدعت ہے اور اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۴۹/۳)

اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹہ بجانا:

سوال: مسجد میں قبل اذان یا بعد اذان کانسی کی گھنٹی ہاتھ سے بجانا جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر ۲۸۳، سید محمد شاہ، ضلع احمد آباد ۲۹/محرم ۱۳۵۳ھ م ۱۴/مئی ۱۹۳۴ء)

الجواب

اگر مسجد بڑی ہو جس کے مختلف گوشوں میں متعدد مؤذن اذان کہتے ہوں جیسے دہلی کی جامع مسجد اور ان مؤذنوں کو وقت اذان کی اطلاع دینے کے لئے گھنٹہ بجایا جائے یعنی اذان سے پہلے اس لئے کہ سب مؤذن ایک وقت میں ایک ساتھ اذان کہیں تو یہ جائز ہے، نمازیوں کو اطلاع دینے کی غرض سے اذان کے قائم مقام گھنٹہ بجانا جائز نہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۴۸/۳)

---

(۱) عن ابن عمر .رضی اللّٰہ عنہما: کان المسلمون حین قدموا المدینۃ یجتمعون، فیتحینون الصلوات ولیس ینادی بھا أحد فتکلموا فی ذلک یوماً، فقال بعضھم: "اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصاریٰ". وقال بعضھم: "اتخذوا قرناً مثل قرن الیہود". قال: فقال عمر .رضی اللّٰہ عنہ.: "أولا تبعثون رجلاً ینادی بالصلوٰۃ". فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "یابلال! قم فناد بالصلوٰۃ". (سنن الترمذی، باب ماجاء فی بدء الأذان: ۴۸/۱، ط: سعید کمپنی)

(۲) ولا تثویب إلا فی صلاۃ الفجر، لماروی أن علیا .رضی اللّٰہ عنہ. رأی مؤذنا یثوب فی العشاء، فقال: "أخرجوا ھذا المبتدع من المسجد، الخ". (المبسوط للسرخسی، باب الأذان: ۱۳۰/۱، ط: دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان)

اذان سے قبل یا بعد میں گھنٹہ بجانا:

سوال: بعض شہروں میں اذان کے بعد مسجد میں گھنٹہ بجا کر وقت کا اعلام کیا جاتا ہے، آیا یہ امر بدعت حسنہ جائز ہے یا نہیں اور کلاک مسجدوں میں رکھی جاتی ہے۔ اس میں بھی ہر ایک کلاک پر وقت کا اعلام اور کلاکوں کی تعداد کا گھنٹہ بجتا ہے اور یہ امر بھی مروج ہے، آیا یہ بھی بدعت حسنہ ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان کے بعد اعلام الصلوٰۃ کی غرض سے گھنٹہ بجانا بدعت ہے۔ اگرچہ بعض فقہا نے تثویب کی اجازت دی ہے اور تثویب کی صورتوں کو تعارف پر چھوڑ دیا ہے۔ (۱) لیکن راجح قول یہی ہے کہ تثویب مکروہ و بدعت ہے، وھو الموافق للسنۃ.

ہاں مسجدوں میں گھڑی لگانا اور اس کے گھنٹوں کے موافق گھنٹہ بجانے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ گھنٹہ شرعی جہت سے نہیں بجایا جاتا، بلکہ وقت کا اعلام ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم (کفایت المفتی: ۴۶/۳)

اذان سے پہلے یا بعد میں نقارہ بجانا درست نہیں:

سوال: ضرب نقارہ قبل اذان یا بعد اذان برائے ہوشیاری و بیداری غافلین جو کہ مسجدوں سے دور رہتے ہیں اور اذان کی آواز ان تک نہیں پہنچتی جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر: ۴۹۳، محمد صالح، مدراسی۔ ۱۹/ربیع الاول ۱۳۵۴ھ، م ۲۲/جون ۱۹۳۵ء)

الجواب

ضرب نقارہ سلف صالحین میں مروج نہ تھی اور ممکن ہے کہ عوام اس کو شرعی چیز سمجھنے لگیں، اس لئے اس کا رواج قابل ترک ہے اور اذان کے بعد تو اس کو تثویب کی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو مکروہ اور بدعت ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۴۹/۳)

---

(۱) (والتثويب في الفجر حي على الصلاة حي على الفلاح مرتين بين الأذان والإقامة حسن) لأنه وقت نوم وغفلة (وكره في سائر الصلوات) ومعناه العود إلى الإعلام بعد الإعلام وهو على حسب ماتعارفوه وهذا التثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة رضي الله عنهم لتغير أحوال الناس وخصوا الفجر لماذكرنا، والمتأخرون استحسنوا في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية. (الهداية مع الفتح، باب الأذان: ۲۴۵/۱، انيس)

(۲-۳) ولا تثويب إلا في صلاة الفجر لما روى أن عليا. رضي الله عنه. رأى مؤذنا يثوب في العشاء، فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد الخ". (المبسوط للسرخسي، باب الأذان: ۱۳۰/۱، ط دار المعرفة، بيروت، لبنان) ==

اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹی بجانے کا حکم:

سوال: اگر محلّہ کی اذان اہل محلّہ نہیں سن سکتے جس کی وجہ سے نمازیوں کو بہت دقت ہوتی ہو، تو اگر اذان سے قبل یا بعد کوئی گھنٹی وغیرہ بجادی جائے، تو یہ گھنٹی بجانا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

اعلام بعد الاذان کو جسے تثویب بھی کہتے ہیں، علماء متقدمین نے مکروہ اور بدعت کہا ہے اور علماء متأخرین نے بوجہ تساہل کے جائز رکھا ہے۔ پس بر بناء مذہب متأخرین اگر کوئی صورت جماعت کے انتظام کی نہ ہو، تو گھنٹی یا نقارہ کے ساتھ اعلام جائز ہے۔

كما في الدر المختار والشامية:" ويثوب بين الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه كتنحنح أو"قامت قامت"أو"الصلوٰة الصلوٰة"ولو أحدثوا إعلاما مخالفًا كذلك جاز. نهر عن المجتبىٰ. (۱/ ۲۶۱)

لیکن اگر اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے، تو بلاضرورت نقارہ بجانے سے بچنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔ ۲۸/۴/۷ ۱۳۸ھ/ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۱۹۹)

اذان کے بعد کسی اور طریقہ سے اطلاع کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر محلّہ کی مسجد کی اذان اہل محلّہ نہیں سن سکتے جس کی وجہ سے نمازیوں کو بہت دقت ہوتی ہے، تو اگر اذان سے قبل یا بعد کوئی گھنٹی وغیرہ بجادی جائے، تو یہ گھنٹی بجانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

گھنٹی بجانے کی تجویز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پیش ہوئی تھی، لیکن نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی بنا پر اسے رد کردیا گیا تھا اور نماز کو بلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اذان نازل فرمائی، جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ اس لئے اگر اذان سننے میں نہیں آئے، تو کسی بلند آواز والے مؤذن کا تقرر کیا جائے۔ بہر حال گھنٹی بجانا سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور نا درست ہے۔

== **عن بلال قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تثوبنّ في شيء من الصلوات إلا في صلوٰة الفجر. (الترمذي، باب ما جاء في التثويب في الفجر (ح: ۱۹۸)**

عن مجاهد قال: كنت مع ابن عمر فثوب رجل في الظهر أو العصر، قال: أخرج بنا فإن هذه بدعة. (سنن أبي داؤد، باب في التثويب (ح: ۵۳۸) انيس)

”عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: ذکروا النار والناقوس فذکروا الیهود والنصاریٰ فأمر بلالاً أن یشفع الأذان وأن یوتر الإقامة، قال إسمٰعیل فذکرته لأیوب فقال إلا الإقامة. متفق علیه(مشکوٰة المصابیح: ٦٢)(۱) فقط واللّٰہ أعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۳۴-۸۳۵)

متعین امام کی بغیر اجازت امامت واذان درست ہے یا نہیں:

سوال: مؤذن وامام کی بغیر اجازت اذان کہنا اور امام ہونا کیسا ہے؟

الجواب

مؤذن وامام مقرر کی بلا اجازت اذان کہنا اور امام ہونا مکروہ ہے۔ اس سے احتراز چاہئے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۱۲۲-۱۲۳)

امام ومؤذن نہ ہونے کی صورت میں اذان واقامت کا حکم:

سوال: اگر گھر سے مسجد تقریباً دو فرلانگ اور وہاں کی نماز کا کوئی وقت امام مؤذن کچھ نہ ہو، ایسی حالت میں اگر گھر میں اذان کہے اور گھر میں جماعت کرے، جس میں بیوی ماں بچے ہوں تو ظاہر ہے کہ اقامت ماں، بیوی، کہیں گی کیا یہ مکروہ ہے، جماعت افضل ہوگی یا انفراد؟

(۱) الصحیح للبخاری، باب بدء الأذان (ح: ٦٠٣)، باب الإقامة واحدة (ح: ٦٠٧)/ الصحیح لمسلم، باب الأمر بشفع الأذان وإیتار الإقامة (ح: ٣٧٨)/ سنن أبی داؤد، باب فی الإقامة (ح: ٥٠٨)

خیر الفتاویٰ کے مدمقابل فتاویٰ مفتی محمود کا فتویٰ قرین قیاس اور مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہے۔ انیس

(۲) عن أبی مسعود الأنصاری قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ”لایؤمّن الرجلُ الرجل فی سلطانه ولایقعد فی بیته علیٰ تکرمته إلا بإذنه“. (الصحیح لمسلم، باب من أحق بالإمامة (ح: ٦٧٣)/ مصنف ابن أبی شیبة، باب من قال یؤم القوم أقرء هم لکتاب اللّٰہ (ح: ٣٤٥١)/ مسند الإمام أحمد، بقیة حدیث أبی مسعود البدری الأنصاری (ح: ١٧٠٩٢)/ صحیح ابن حبان، باب ذکر الأخبار عمن یستحق الإمامة للناس (ح: ٢١٣٣) انیس)

وصح عن ابن عمر: أن إمام المسجد مقدم علیٰ غیر السلطان (إلیٰ قوله) ولاعلیٰ إمام الحی ورب البیت إلا بالإذن، قاله الطیبی. (المرقات: ١/٩٠)

أقام غیر من أذن بغیبته أی المؤذن لایکره مطلقاً وإن بحضوره کره إن لحقه وحشة کماکره مشیه فی إقامته. (الدر المختار) (قوله إن لحقه وحشة) أی بأن لم یرض به، وهذا اختیار خواهرزاده، ومشی علیه فی الدرر والخانیة، لکن فی الخلاصة: إن لم یرض به یکره، وجواب الروایة أنه لابأس به مطلقاً، آه.

قلت: وبه صرح الإمام الطحاوی فی مجمع الآثار معزیاً إلیٰ أئمتنا الثلاثة، وقال فی البحر: ویدل علیه إطلاق قول المجمع ولانکرهها من غیره، فما فی شرحه لابن ملک: أنه لو حضر ولم یرض یکره اتفاقاً، فیه نظر آه وکذا یدل علیه إطلاق الکافی معللاً بأن کل واحد ذکر، فلابأس بأن یأتی بکل واحد رجل آخر، ولکن الأفضل أن یکون المؤذن هو المقیم آه أی لحدیث: ”من أذن فهو یقیم“ وتمامه فی حاشیة نوح. (رد المحتار، باب الأذان: ١/٣٦٧، ظفیر)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایسی حالت میں مسجد جا کر اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھنا افضل ہے، اگر چہ وہاں تنہا ہی نماز پڑھنے کا موقع ملے کہ اس میں مسجد کی آبادی ہے، مکان پر تنہا یا جماعت سے پڑھنے میں وہ فضیلت نہیں ہوگی ،(۱) مکان پر جماعت کرتے وقت مرد جب کہ امام بنتا ہے، تو خود ہی اقامت بھی کہہ لے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۴۰۵/۵)

صبح کی اذان کس وقت کہی جاوے:

سوال: بعض لوگ بوقت ۴/ بجے صبح کی اذان کہہ دیتے ہیں، صبح کی اذان کس وقت کہنی چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

صبح کی اذان کا وقت صبح صادق ہونے کے بعد ہوتا ہے،(۳) آجکل صبح صادق ۵ بجے ہوتی ہے، اس سے پہلے اذان نہ کہنی چاہئے، وقت سے پہلے اذان نہیں ہوتی۔ اگر وقت سے پہلے اذان کہی گئی تو لوٹائی جاوے۔

درمختار میں ہے:

فیعاد أذان وقع قبله،الخ. (ردالمحتار: ۴۰۰/۱)(۴)

اور نیز درمختار میں ہے:

وإنما یستحق ثواب المؤذنین إذاكان عالماً بالسنة والأوقات. (۴۰۶/۱)(۵)

یعنی اذان کا ثواب اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ اذان طریق سنت کے موافق کہنا جانتا ہو اور وقت کو پہچانتا ہو۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۲۳/۲-۱۲۴)

---

(۱) ”وإن لم یكن لمسجد منزله مؤذن،فإنه یذهب إلیه ویؤذن فیه ویصلی وإن كان واحدًا؛لأن لمسجد منزله حقاً علیه،فیؤدی حق مؤذن مسجد لا یحضر مسجده أحد،قالوا:هویؤذن ویقیم ویصلی وحده،وذاک أحب من أن یصلی فی مسجد آخر“.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۵۵۵/۱،سعید)

(۲) ... إذا أقام الإمام بنفسه فی مسجد فلایقفوا حتی یتم إقامته،ظهیریة.وإن خارجه قام كل صف ینتهی إلیه.(الدرالمختار،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۴۷۹/۱ .انیس)

(۳) عن أبی هریرة قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:إن للصلاة أولاًوآخراً،وإن أول وقت العشاء حین یغیب الأفق وإن آخروقتها حین ینتصف اللیل وإن أول وقت الفجر حین یطلع الفجروإن آخروقتها حین تطلع الشمس.(شرح معانی الآثار،باب مواقیت الصلاة (ح:۹۴۱)انیس)

(۴) الدرالمختارعلی هامش رد المحتار، باب الأذان: ۳۵۸/۱،ظفیر

(۵) الدرالمختارعلی هامش رد المحتار،باب الأذان: ۳۶۴/۱،ظفیر

صبح صادق سے پہلے اذان اور بعد میں فوراً جماعت:

سوال: ایک غیر مقلد بے علم شرّی، تندخو ہے، اس لئے اہل محلّہ نے مسجد میں نماز پڑھنی چھوڑ دی، اور باوجودیکہ امام طالب علم ولائتی اور حنفی ہے، مگر زید کے تقاضہ سے امام نماز میں رکوع وسجود وقومہ وجلسہ طول وطویل کرتا ہے اور صبح کی اذان صبح صادق سے بیس منٹ پہلے کہلا کر صبح ہوتے ہی نماز تنہا یا ایک دو کوئی آ گیا، لیکر امام کو تقاضہ کر کے پڑھ لیتا ہے۔ دیگر مقتدیان کو کیا کرنا چاہئے؟ وہ جماعت ثانیہ علیٰحدہ کریں، یا دوسری مسجد میں جاویں؟

الجواب

صبح صادق سے پہلے عندالحنفیہ اذان صبح کی جائز نہیں ہے۔

إلا روايةً عن الإمام الثانى أى أبى يوسف رحمه الله.(۱)

اور اسفار نماز صبح میں سنت ہے۔(۲)

پس مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو ان امور کی ہدایت کریں، اگر وہ نہ مانے، تو اس کو علیٰحدہ کر دیں اور اگر اس میں فتنہ ہو، تو دوسری مسجد میں نماز پڑھیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳/۹۶-۹۷)

جمعہ کی اذان کا وقت:

سوال: جمعہ کے روز اذان ونماز کا وقت کیا ہونا چاہئے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کی اذان اور نماز کا وقت وہی ہے جو ظہر کی اذان اور نماز کا وقت ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۔۲۴/۲/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۱۶)

(۱) فيعاد أذان إن وقع بعضه وكذا كله بالأولىٰ قبله كالإقامة خلافاً للثانى فى الفجر. (الدرالمختار)
(قوله خلافاً للثانى) هذا راجع إلى الأذان فقط فإن أبايوسف يجوز الأذان قبل الفجر بعد نصف الليل. (رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۵۸، ظفير)

(۲) والمستحب للرجل الابتداء فى الفجر بإسفار والختم به هو المختار. (الدر المختار)
لقوله عليه السلام: ''أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر''. رواه الترمذى وحسنه وروى الطحاوى بإسناد صحيح. (رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳۳۹، ظفير) (سنن الترمذى، باب ما جاء فى الإسفار بالفجر (ح: ۱۵٤)/سنن أبى داؤد، باب وقت الصبح (ح: ٤۲٤)/وفى سنن الدارمى، باب الإسفار بالفجر (ح: ۱۲۵٤) بلفظ: نوروا. انيس)

(۳) (و) الثالث (وقت الظهر فتبطل) الجمعة (بخروجه) مطلقًا. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۳/۱۸-۱۹)

اذان جمعہ سے قبل گھنٹہ بجانا کیسا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ہمارا گاؤں ایک بڑا گاؤں ہے، اذان کی آواز پورے گاؤں میں نہیں جاتی ہے، اس لیے اذان سے پہلے گھنٹہ بجاتے ہیں، یعنی جمعہ کی اذان ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے، اس سے پہلے گھنٹے میں بجا کر اذان پڑھتے ہیں، تو گھنٹہ بجانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان یا نماز کے لیے گھنٹہ نہ بجایا جائے، بلکہ گھنٹہ بجانے کے لیے خاص اوقات مقرر کئے جائیں، اس سے نماز کے وقت کا اندازہ ہوجایا کرے گا اور پھر وقت نماز کے لیے اذان دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۶/۷/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۰۲-۱۰۳)

جمعہ کی اذان نصف النہار کے وقت درست ہے یا نہیں:

سوال: جمعہ کی اذان نصف النہار میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اذان قبل الوقت درست نہیں ہے، اسی لئے فقہا اعادہ کا حکم فرماتے ہیں۔ (۱)

اور وقت جمعہ کا مثل ظہر کے بعد زوال کے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اذان جمعہ بعد زوال کے ہونی چاہئے، قبل زوال درست نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۵-۹۶)

زوال سے قبل جمعہ کی اذان وسنت کی ادائیگی:

سوال: یہاں سعودی میں جمعہ کے روز زوال سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے جمعہ کی اذان جامع مسجد میں دے دی جاتی ہے اب اگر کوئی شخص زوال سے پہلے جمعہ کی چار رکعت سنت پڑھے تو جائز ہے یا نہیں جبکہ زوال ہونے کے بعد فوراً ہی خطیب خطبہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے سنت پڑھنے کے لئے پہلے وقت ہی نہیں ملتا، جبکہ خطبہ جاری رہتا ہے اسکے بارے میں اگر زوال سے پہلے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ واضح فرمائیں۔

(۱) (... وهو سنة) ... (مؤكدة) ... (للفرائض) الخمس (في وقتها) الخ (فيعاد أذان وقع) بعضه (قبله). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۵٦، ظفير)

(۲) وجمعة كظهر أصلاً واستحباباً في الزمانين لأنها خلفه. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلوٰة: ۱/۳٤۰)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

جمعہ کے دن بھی زوال سے پہلے کی اذان معتبر نہیں،(۱) اس طرح زوال سے پہلے جمعہ کی سنت پڑھنا بھی صحیح نہیں، جمعہ کی سنت بھی زوال کے بعد پڑھے زوال سے پہلے جو سنت پڑھی جائے گی وہ کافی نہ ہوگی، زوال کے بعد پھر پڑھنی پڑے گی۔ پس اگر کوئی شخص جمعہ کے دن زوال سے پہلے آجائے اور نماز پڑھنا چاہے تو نفل کی نیت سے پڑھے پھر جب زوال ہوجائے سنت جمعہ کی پڑھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۴/۲/۳/۱۴۰۲ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۲۴/۱)

جمعہ کی اذان وقت معینہ سے قبل دینے کا حکم:

سوال: مؤذن نے جمعہ کے روز وقت معینہ بارہ بجے سے پندرہ منٹ قبل اذان دے دی، اس صورت میں اذان کا اعادہ ضروری تھا یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اذان نماز کے وقت سے پہلے دی جائے تو اس کو دہرانا چاہئے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۹/۲/۳/۱۳۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۱۴/۲)

(۱) عن شيبان رضى الله تعالىٰ عنه قال: تسحرت ثم أتيت المسجد فاستندت إلىٰ حجرة النبى صلى الله عليه وسلم فرأيته يتسحر، فقال: أبويحىٰ، قلت: نعم، قال: هلم إلى الغداء، قلت: إنى أريد الصيام، قال: وأنا أريد الصيام لكن مؤذننا هذا فى بصره سوء أوقال شيء، وإنه أذن قبل طلوع الفجرثم خرج إلى المسجد فحرم الطعام. وكان لايؤذن حتى يصبح. (فوائدابن أخى ميمى الدقاق، الجزء الرابع (ح: ٣٩١)/تخريج الأحاديث المرفوعة المسندة فى كتاب التاريخ الكبير للبخارى (ح: ٧٢٩) انيس)

(۲) جمعہ کا وقت بھی وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے، زوال سے قبل دی جانے والی اذان خواہ جمعہ کے لئے ہو یا ظہر کے لئے معتبر نہیں ہے۔ اگر زوال سے قبل اذان دے دی گئی تو بعد زوال اس کا اعادہ لازم ہے، البتہ اگر اذان وقت مقررہ سے پہلے لیکن زوال کے بعد دی جائے تو وہ شرعا معتبر ہے۔ اس کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ کسی موسم میں زوال ۱۲/ بجے ہوتا ہے اور کسی میں ۱۲/ بجے کے بعد اور کسی موسم میں ۱۲/ بجے سے پہلے ہی ہوجاتا ہے۔ ہر موسم میں زوال کا وقت یکساں نہیں رہتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں اگر جمعہ کی اذان اس کے وقت معینہ سے پندرہ منٹ زوال سے پہلے دی گئی تو اذان نہیں ہوئی۔ زوال کے بعد اس کا اعادہ ہونا چاہئے۔ اور اگر زوال کے بعد اذان دی گئی تو پھر اعادہ کی ضرورت نہیں، اذان صحیح ہوئی۔ [مجاهد]

(و) الثالث (وقت الظهر فتبطل) الجمعة (بخروجه) مطلقًا. (الدرالمختار، باب الجمعة: ١٨/٣-١٩)

(ووقت الظهرمن زواله). (تنويرالأبصارعلىٰ هامش رد المحتار: ١٤/٢)

وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ما هووقت الصلوات المكتوبات حتى لوأذن قبل دخول الوقت لايجزئه و يعيده إذا دخل الوقت فى الصلوات كلها فى قول أبى حنيفة ومحمد. (بدائع الصنائع: ٤٢١/١)

وقت سے پہلے اذان سے متعلق چند سوالات:

سوال: جامع مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے مقرر کردہ مؤذن نے ۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۲۰۰۴ء کو مائک پر مغرب کی اذان (۵.۳۵) پر غلطی سے دینا شروع کر دیا، جبکہ اس دن افطار کا وقت جنتری/ کلینڈر راخبار میں ۵.۳۸ ہونا درج تھا اور اخبار ہی میں اسی دن غروب آفتاب کا وقت (۵.۳۲) درج تھا۔ ایسی صورت میں اگر جنتری کا وقت صحیح مانیں، تو تین منٹ قبل اذان شروع ہوئی اور غلطی کے احساس پر روک کر اطلاع کی گئی کہ غلطی سے اذان کچھ پہلے شروع ہوگئی اور اگر اخبار میں درج شدہ وقت غروب (۵.۳۲) صحیح مانا جائے، تو تین منٹ بعد میں اذان شروع ہوئی جس میں افطار کرنے پر تاخیر کے علاوہ کوئی روزہ کے پورا ہونے کے بارے میں اشکال نہیں ہے۔ اذان تین منٹ کے بعد دوبارہ شروع ہوئی۔ اس حالت میں درج ذیل نکات پر استفتا پیش ہے۔

(۱) کیا غلطی سے وقت پر اذان شروع نہ کرنے کی بنیاد پر مؤذن کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی انتظامیہ کمیٹی کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اذان مغرب کے لئے بنیاد اسلامی جنتری رکلینڈر راخبار کو بنایا جائے یا اخبار کے غروب آفتاب کے وقت کو؟

(۳) کچھ لوگوں نے افطار اذان شروع ہوتے ہی کر لیا، لیکن غلطی کے اعلان پر کھانا، پینا چھوڑ دیا اور منھ صاف کر لیا۔ جب دوبارہ اذان ہوئی تو روزہ کھولا۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کا روزہ پورا ہوا کہ نہیں اور اگر نہیں تو قضا ہوگی یا کفارہ

(۴) کچھ لوگوں نے روزہ افطار کرنے کی غلطی کی اطلاع پر بھی کھانا پینا اس بنیاد پر جاری رکھا کہ اب تو روزہ جاتا ہی رہا اور کھانا پینا جاری رکھا، ان کا روزہ ہوا کہ نہیں اگر نہیں تو روزہ کی قضا ہوگی یا کہ کفارہ بھی؟

هو المصوب

(۱) جو غلطی سہواً ہو جائے، اس پر تادیبی کارروائی نہیں کریں گے، متنبہ کر دینا کافی ہے۔

(۲) مشاہدہ سے جس کی تائید ہو، اس کا اعتبار ہوگا۔

(۳) روزہ نہ ہوگا، ان کو قضا کرنا ہوگا۔

(۴) قضا کرنا ہوگا، کفارہ نہ ہوگا۔

نوٹ: کلینڈر میں اگر احتیاط کی وجہ سے غروب کے چند منٹ بعد افطار لکھا ہے، تو روزہ ہو جائے گا اور اگر غروب اور افطار کا وقت ایک ہی ہے، تو روزہ نہیں ہوگا۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۵۳-۳۵۴)

اذان دیئے بغیر نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک دن مسجد میں عصر کی نماز اذان کے بغیر جماعت کے ساتھ پڑھ لی گئی، جماعت ختم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ اذان نہیں ہوئی تھی، کیا اس صورت میں اذان دے کر دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ لوگوں نے اذان دے کر دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی بھی ہے، دونوں گروپ کا یہ فعل ازروئے شرع کیسا ہے؟

هو المصوب

صورت مسئولہ میں بغیر اذان کے نماز پڑھ لی گئی ہے، تو نماز ہو جائے گی۔ البتہ اس سلسلہ میں تیقظ کی ضرورت ہے۔ اذان شعائر اسلام میں سے ہے، لیکن جماعت یا نماز کے لئے اذان کی شرط نہیں ہے۔(۱)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔

نوٹ: دوبارہ نماز باجماعت اذان دے کر پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ ناصر علی (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۵۰-۳۵۱)

وقت سے پہلے اذان کا حکم:

سوال: مغرب کا وقت ۶.۳۰ بجے ہے، لیکن مسجد کی گھڑی تین منٹ فاسٹ ہے اور اذان اسی گھڑی سے ہوتی ہے، جبکہ اصل وقت ۶.۲۷ بجے ہوا ہے، کیا تین منٹ پہلے اذان ہو جائے گی یا نہیں؟

هو المصوب

قبل از وقت اذان دینا درست نہیں ہے، وقت کے اندر دوبارہ اذان کا اعادہ کیا جائے۔(۲) لیکن اگر تین منٹ پہلے وقت ہو گیا تھا اور گھڑی میں ۶.۳۰ بجے احتیاطی وقت ہے، تو اذان معتبر ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۵۲)

---

(۱) فقد ذكر محمد ما يدل على الوجوب...وعامة مشايخنا قالوا: إنهما سنتان مؤكدتان...والقولان لايتنافيان لأن السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصًا السنة التى هى من شعائر الإسلام فلا يسع تركها ومن تركها فقد أساء لأن ترك السنة المتواترة يوجب الإساءة وإن لم تكن من شعائر الإسلام فهو الأولٰى. (بدائع الصنائع: ١/٣٦٤)

(۲) ولايؤذن لصلاة قبل دخول وقتها ويعاد فى الوقت لأنه للإعلام وقبل الوقت تجهيل. (الهداية مع الفتح، باب الأذان: ١/٢٥٩)

عن ابن عمر قال: إن بلالاً أذن قبل طلوع الفجر فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يرجع فينادى ألا إن العبد قد نام فرجع فنادىٰ ألا إن العبد قد نام، ألا إن العبد قد نام. (المنتحب من مسند عبد بن حميد، أحاديث ابن عمر (ح: ٧٨٢) / سنن أبى داؤد، باب فى الأذان قبل دخول الوقت (ح: ٥٣٢)

رمضان میں اذان کے اوقات:

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ روزہ افطار کے وقت اذان نہیں دینی چاہیے، بلکہ دس منٹ بعد اذان دو، کیوں کہ اس وقت مغرب کا وقت نہیں ہوتا اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ’سحری بند ہوتے وقت بھی اذان کی ضرورت نہیں، کیوں کہ کراچی میں سحری کا وقت اگر چار بج کر پچیس منٹ ہوتو اذان کا وقت چار بج کر چالیس منٹ پر داخل ہوتا ہے، اس سے پہلے اگر اذان ہوئی تو وہ اذان نہیں ہوگی، بلکہ لوٹانی ہوگی۔

الجواب

افطار کے وقت اذان کا وقت ہوجاتا ہے، اذان فوراً دے دینی چاہیے، سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد اذان کا وقت ہوجاتا ہے، مگر انتہائے سحری کے وقت کے بعد چند منٹ احتیاط کرنی چاہیے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۱۸/۳)

اذان کہاں دی جائے:

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان مسجد کے اندر ہوتی تھی جیسا کہ آج کل لوگوں نے رواج بنالیا ہے؟ ہم نے اپنی مسجد کے لوگوں سے کہا کہ باہر اذان دی جائے تو وہ ہم پر برس پڑے کہ ساری دنیا میں اندر ہی سے اذان دی جاتی ہے، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں؟ (فرقان علی، مقام غیر مذکور)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اذان مسجد سے باہر ہوا کرتی تھی، (۱) بلکہ لاؤڈ اسپیکر کے رواج سے پہلے تک بھی مسجد کے ساتھ الگ اذان خانہ کا رواج تھا، جس سے اذان دی جاتی تھی، جب سے لاؤڈ اسپیکر کا سلسلہ شروع ہوا یہ سلسلہ متروک ہوگیا، فقہا نے لکھا ہے کہ اذان مسجد کے باہر دی جانی چاہئے نہ کہ مسجد کے اندر۔

فتاوی خانیہ میں ہے:

”ینبغي أن یؤذن في المئذنة أو خارج المسجد ولایؤذن في المسجد“. (۲)

(۱) چنانچہ بنی نجار کی ایک خاتون کی روایت ہے کہ میرا مکان مسجد نبوی کے اردگرد سب سے اونچا تھا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان اسی پر سے دیا کرتے تھے“۔ (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۱۹، باب الأذان فوق المنارة)

نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت موسیٰ کی روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے لیے مقام ابطح میں تشریف لے جاتے“ ”رأیت بلالا خرج إلی الأبطح فأذن“ (أبو داؤد، حدیث نمبر: ۵۲۰)

اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ اذان مسجد کے باہر سے دیا کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک آواز پہنچ سکے۔ محشی

(۲) الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاویٰ الهندیة: ۷۸/۱، ط: مکتبہ زکریا دیوبند۔ محشی

’’مناسب ہے کہ اذان خانہ پر یا مسجد سے باہر اذان دی جائے مسجد میں اذان نہ دی جائے‘‘۔

مسجد سے باہر اذان دینے کا مقصود یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اذان کی آواز پہنچ جائے، اب لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اس کے بغیر بھی دور تک آواز پہونچانے کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے اس طرح بھی اذان دینے کی گنجائش ہے، مگر سنت سے قریب تر طریقہ یہ ہے کہ مسجد کے حدود سے باہر خواہ مسجد سے متصل ہی ہو، ایک کمرہ اذان کے لئے بنا دیا جائے، جس میں لاؤڈ اسپیکر نصب ہو اور وہاں سے اذان دی جائے، اس طرح ایک سنت پر بھی عمل ہوجائے گا، اور دور تک آواز پہونچانے کا مقصد بھی حاصل ہوگا، بہر حال ایسے مسائل پر باہمی الجھاؤ مناسب نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۳۰-۱۳۱)

مسجد کی چھت پر اذان کہنا سنت ہے یا واجب؟ اور بلندی پر اذان کہنے سے بے پردگی ہو تو کیا حکم ہے:

سوال: ردالمحتار اردو میں تحریر ہے کہ اذان بلند جگہ پر کہنی چاہئے جو اس کے خلاف کرے گا وہ گناہگار ہوگا، یہاں اس پر عمل ہونے سے کوئی کہتا ہے مکانوں کی بے پردگی ہوتی ہے، بے پردگی کے انتظام کے لئے کہا جاتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ قدیم سے جہاں اذان ہوتی آئی ہے وہاں ہونی چاہئے کیا پہلے دنیا میں مولوی نہیں تھے، اب نئی نئی باتیں کہاں سے نکل آئیں، اکثر اس مسجد میں علماؤں کی آمد ورفت رہی ہے، کبھی کسی صاحب نے اعتراض نہیں کیا، ایسی صورت میں بموجب شرع شریف کیا کرنا چاہئے، آیا چھت مسجد یا غسل خانہ کی چھت پر یا سقاوہ کی چھت پر یا نالیوں پر جو کہ فرش مسجد سے کسی قدر اونچی ہیں، اذان کہی جاوے، امید کہ پیمائش کی تعداد حضور فرما کر اطلاع بخشیں، تا کہ شر رفع ہو۔

الجواب

قال فی الدرالمختار: (...وهو سنة) للرجال فی مكان عال (مؤكدة) آه. (۳۹۸/۱)

قال الشامی: فی القنية: ويسن الأذان فی موضع عال والإقامة على الأرض وفی أذان المغرب اختلاف المشائخ والظاهر أنه يسن المكان العالی فی المغرب أيضاً كما سيأتی. وفی السراج: و ينبغی أن يؤذن فی موضع يكون أسمع للجيران ويرفع صوته ولا يجهد نفسه، آه.

وفی الشامية أيضاً: قال ابن سعد بالسند إلٰى أمّ زيد بن ثابت كان بيتی أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلٰى أن بنی رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مسجده فكان يؤذن بعد علٰى ظهر المسجد وقد رفع له شیء فوق ظهره، آه. (۴۰۲/۱)(۱)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۷/۱، سعيد كمپنی لاهور. انيس

قلت:هذا أثرحسن كما ذكرته فى الأعلاء معزيا إلىٰ أبى داؤد. (۲/۱۱۰)(۱)

وفى الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح:ويكره أن يؤذن فى المسجد ،كما فى القهستانى عن النظم فإن لم يكن ثمه مكان مرتفع للأذان يؤذن فى فناء المسجد ، آه. (ص:۱۱٤)

عربی درمختار میں لکھا ہے کہ اذان بلند مکان میں کہنا سنت ہے،اس میں یہ نہیں لکھا کہ جواس کے خلاف کرے گا،وہ گناہ گار ہوگا۔ہاں اس کے بعد مطلق اذان کے متعلق کہا ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے، **كالواجب فى لحوق الإثم** . لیکن اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر فرض نماز کے لئے اذان بالکل نہ دی جائے تو گناہ ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ بلند جگہ میں اذان نہ دی جائے گی تو گناہ ہوگا،خوب سمجھ لو۔بہرحال اس میں شک نہیں کہ اذان کا بلند جگہ میں ہونا مسنون ہے،مگر بلند جگہ میں ہونا سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ سنن زوائد سے ہے،جس کا کرنا موجب ثواب ہے اور ترک سے گناہ نہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے او رو ہاں کوئی بلند جگہ اذان کے لئے ان کے واسطے بنادی گئی تھی،لیکن ہر جگہ کے لئے یکساں بلندی نہیں مقرر ہوسکتی، بلکہ اس کا معیار اہل محلّہ کو آواز پہنچنے پر ہے،پس جتنی بلندی سے محلّہ کے اکثر گھروں میں آواز بسہولت پہنچ جائے،اتنی بلند جگہ پر اذان دی جائے۔(۲) بشرطیکہ اتنی بلندی سے مسلمانوں کے گھروں کے بے پردگی نہ ہوتی ہو،اور بے پردگی ہوتی ہوتو ایسی بلند جگہ اختیار کی جائے جہاں بے پردگی نہ ہوتی ہواور اس کا انتظام نہ ہوسکے تو پھر اذان مسجد کے حصۂ زیریں میں حدِ مسجد سے باہر نالی وغیرہ پر دی جائے اور سنت ارتفاع کی رعایت میں محرم کا ارتکاب نہ کیا جائے۔واللہ اعلم

۱۸رصفر ۱۳۴۵ھ۔ (امدادالاحکام:۲/۳۱-۳۳)

اذان بہتر دینے کیلئے بہتر جگہ کونسی ہے:

سوال: اذان کے لئے کونسی جگہ موزوں ہے؟ اگر کسی اونچی جگہ سے اذان دینے میں قرب وجوار میں سے بے پردگی کا احتمال ہوتو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

== كذا فى الطبقات الكبرىٰ لابن سعد،أم عبيد بنت سراقة: ۳۰۹/۸،دارالكتب العلمية بيروت/سيرة ابن هشام،ماكان يقوله بلال قبل الأذان: ۵۰۹/۱،ت:السقا/الروض الأنف،خبرالأذان،ت:السلامى: ۱۸۸/٤ .انيس

(۱) عن امرأة من بنى نجاز قالت : كان بيتى من أطول بيت حول المسجد وكان بلال يؤذن عليه الفجر فيأتى بسحر فيجلس على البيئت ينظرإلى الفجر فإذا رآه تمطى،ثم قال: اللهم إنى أحمدك واستعينك على قريش أن يقيموا دينك،قالت:ثم يؤذن قالت:والله ماعلمته كان تركها ليلة واحدة تعنى هذه الكلمات.(سنن أبى داؤدباب الأذان فوق المنارة (ح:۵۱۹)/السنن الكبرىٰ للبيهقى،الأذان فى المنارة(ح:۱۹۹۵)انيس)

(۲) عن ابن عمرقال: كان ابن أم مكتوم يؤذن فوق البيت .(نصب الراية،باب الأذان: ۲۹۳/۱ .انيس)

الجواب

اذان کے لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد کے باہر اور بلند جگہ پر کھڑے ہوکر دی جائے، البتہ اگر ایسا کرنے سے بے پردگی کا احتمال ہو تو احتیاط بہتر ہے۔

لما قال العلامة قاضی خان: وینبغی أن یؤذن علی المئذنة أو خارج المسجد ولایؤذن فی المسجد. (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندية: ۷۸/۱)(۱)(فتاویٰ حقانیہ: ۵۴/۳)

اذان مسجد سے باہر اونچی جگہ پر دینا بہتر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں ایک چھوٹی بستی ہے، جس کی مسجد کے بیرونی دروازہ پر زمین سے کئی فٹ اونچا ممبر ہے اور مؤذن اس پر اذان دیا کرتا ہے، بعض خواتین منع کرتی ہیں کہ یہاں سے مکانات نظر آتے ہیں، لہٰذا اذان نیچے زمین پر دیا کریں، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: غلام صادق مسجد چک نمبر ۵۳ بھکر میانوالی...... ۲۳/۴/۱۴۰۱ھ۔)

الجواب

بہتر یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر اونچی جگہ پر دی جائے۔

لأن بلالاً رضی اللّٰه تعالیٰ عنه کان یؤذن علیٰ بیت امرأة من بنی النجار وکان أطول بیت حول المسجد، کما فی أبی داؤد، ص: ۷۷. (۲)

وفی الهندية: ۵۷/۱: وینبغی أن یؤذن علی المئذنة أو خارج المسجد ولایؤذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان. (۳)

نوٹ: تاہم پردہ کا انتظام ضروری ہے۔ وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۳/۲)

---

(۱) قال ابن نجیم: وینبغی للمؤذن أن یؤذن فی موضع یکون أسمع للجیران ویرفع صوته ولایجهد نفسه لأنه یتضرر بذلک، وفی الخلاصة: ولایؤذن فی المسجد. (البحر الرائق: ۲۵۵/۱، باب الأذان)

والسنة الأذان فی موضع عالٍ والإقامة علی الأرض. (قنیة المنیة لتتمیم الغنیة، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۱/۱-۱۲، مخطوطة مکتبة جامعة الملک سعود، انیس)

(۲) عن عروة بن الزبیر عن امرأة من بنی النجار قالت: کان بیتی من أطول بیت کان حول المسجد فکان بلال یؤذن علیه الفجر فیأتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر إلی الفجر، الخ. (سنن أبی داؤد، باب الأذان فوق المنارة: ۸٤/۱)(ح: ۵۱۹)

(۳) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة وکیفیتهما: ۵۵/۱۔

مسجد سے دور اذان دینا:

سوال: جس جگہ سے اذان دی جاتی ہے، وہ جگہ مسجد سے تقریباً چالیس فرلانگ ہوگی اور مسجد اور اذان کی دوری میں سڑک بھی حائل ہے، اذان یہاں دینے سے اور لاؤڈ اسپیکر مسجد میں لگانے سے اذان ہو جائے گی یا نہیں؟

ھو المصوب

سنت یہی ہے کہ اذان مسجد کے اتنے قریب میں دی جائے کہ وہ مسجد کی ہی اذان سمجھی جائے، لیکن اگر محلّہ دور ہو یا کوئی مجبوری ہو تو بر بنائے عذر دور سے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اسی مسجد کے لئے یہ اذان ہے، لیکن اتنی دور ہے کہ اس مسجد کی اذان ہی نہ سمجھی جائے، یہ مسجد کی اذان قرار نہیں دی جا سکتی۔ (۱)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۷۶-۳۷۷)

دروازہ پر نماز ہو تو اذان کہاں دی جائے:

سوال: مسجد ٹوٹ کر نئے سرے سے تعمیر ہو رہی ہے اور نماز ایک دروازے پر ہوتی ہے، تو اذان مسجد میں ہونی چاہئے یا جہاں نماز ہوتی ہے وہاں ہونی چاہئے؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مسجد کی تعمیر جدید کے سبب دوسری جگہ جو جماعت کی جا رہی ہے، وہ جائز و درست ہے۔ اذان وہیں پر دیجئے یا مسجد کے احاطے میں دیجئے، اختیار ہے۔ (۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۹/۷/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۱۴)

کیا اذان کے لئے کوئی سمت متعین ہے:

سوال: کیا اذان دینے کی کوئی سمت متعین ہے یا کوئی سمت افضل ہے؟ اگر مسجد کی چھت سے اذان دی جائے تو کیسا ہے؟ کیا بے حرمتی نہیں ہوگی؟ تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

(۱) عن عروة بن الزبير عن امرأة من بني النجار قالت: كان بيتي من أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن عليه الفجر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الأذان فوق المنارة، رقم الحديث: ٥١٩)

ولم أر حكم البلدة الواحدة إذا اتسعت أطرافها كالمصر و الظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرىٰ يسقط عنهم لا إن لم يسمعوا. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، باب الأذان: ١/١٧١. انيس)

(۲) اس لئے کہ اذان جس جگہ بھی ہو خواہ جماعت کی جگہ پر ہو یا مسجد کے احاطہ میں ہو، ظاہر ہے کہ اسی جماعت کے لئے ہو رہی ہے۔ لہذا اس سے اذان کی سنیت ادا ہو جائے گی۔ مجاہد

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اذان کے لئے اتنا خیال رکھا جائے کہ قبلہ رو ہو۔(۱)اور بلند جگہ پر ہوتا کہ دور تک آواز پہنچ سکے۔(۲)مینار پر ہو یا مسجد کی دیوار پر ہو، سب درست ہے، خواہ داہنے مینار ہو یا بائیں پر۔غرض اذان کا معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ بچہ کے دائیں کان میں اذان ہوتی ہے اور بائیں میں تکبیر۔(۳)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۱۳۸۷ھ۔

الجوب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۱۳۸۷۔(فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۶/۵-۳۸۷)

اذان کیلئے مخصوص جگہ کا ثبوت:

سوال: مسجد کے دائیں یا بائیں اذان کے لئے جگہ بنانے کا شریعت میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو باحوالہ تحریر فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اذان کے لئے مخصوص جگہ بنانا جائز ہے۔

والمئذنة بكسر الميم وسكون الهمزه ... وهى محل التأذين ويقال لها منارة والجمع منائر باليـاء التحية وأول من أحد ثها بالمساجد سلمة بن خلف الصحابى رضى الله عنه وكان أميرًا

(۱) "يستقبل القبلة بهما،ويكره تركه تنزيهاً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۹/۱، سعيد)

عن ابن سيرين قال: يستقبل القبلة فى الأذان والإقامة ولايتكلم فيهما. (مصنف عبدالرزاق،باب الكلام بين ظهرانى الأذان (ح: ۱۸۱۰)انيس)

(۲) "(...وهوسنة)للرجال فى مكان عالٍ" . (الدرالمختار)

"(قوله: فى مكان عال)فى القنية: ويسن الأذان فى موضع عال والإقامة على الأرض. وفى السراج: وينبغى للمؤذن أن يؤذن فى موضع يكون أسمع للجيران،ويرفع صوته،ولايجهد نفسه؛ لأنه يتضرر". (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸٤/۱، سعيد)

(۳) "فمنها عند ولادة المولود، فإنهم صرحوا بسنية الأذان،فالأذان فى أذن الولد اليمنٰى والإقامة فى الأذن اليسرىٰ". (السعاية: ٤٤/۲، باب الأذان،سهيل اكيڈمى، لاهور)

عن حسين قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من وُلد له ولد،فأذن فى أذنه اليمنٰى وأقام فى أذنه اليسرىٰ،لم تضره أم الصبيان. (مسند أبى يعلى الموصلى، مسند الحسين بن على بن أبى طالب (ح: ٦۷۸۰)/عمل اليوم والليلة لابن السنى،باب مايعمل بالولد إذا ولد (ح: ۲۲۳)/المقصدالعلى فى زوائد أبى يعلى الموصلى،العقيقة والأذان فى أذن الغلام (ح: ٦٤۹) انيس)

علیٰ مصرفی زمن معاویة. رضی اللّٰہ عنہ. وکان بلال یأتی بسحور لأطول بیت حول المسجد لامرأة من بنی نجار یؤذن علیه، آه. (الطحطاوی علی المراقی، باب الأذان: ۱۰۳)

اوراہل مسجد کواختیار ہے کہ دائیں یا بائیں جس طرف چاہیں بنائیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔ ۲/۵/۲۷ ۱۳ھ / الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۰۱-۲۰۲)

فرش مسجد پر اذان جائز ہے یا نہیں:

سوال: مسجد کے فرش پر کھڑے ہوکر اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب

اذان پنجگانہ مسجد کے فرش پر جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اونچی جگہ کھڑے ہوکر مسجد سے باہر کہے۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۸۳)

اذان مسجد کے اندر ہو یا باہر:

سوال: اذان، مسجد کے فرش سے باہر ہونی چاہئے یا فرش مسجد پر، اکثر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ مسجد سے باہر اذان نہ دینا چاہئے فرش پر اذان کہنا چاہئے، مسجد سے باہر اذان کہنا منع ہے اوراس کے ثبوت میں خطبہ سے قبل جواذان پڑھی جاتی ہے پیش کرتا ہے۔ یہ اذان مسجد میں کیوں ہوتی ہے؟ اس میں اور پنجگانہ اذان میں کیا فرق ہے اوروہ مسجد کے اندر پڑھی جانی چاہئے یا نہیں؟ اوراگر مسجد سے باہر کوئی اونچی جگہ بنادی جائے اس پر اذان کہی جاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

سوائے خطبہ کی اذان کے باقی پنجگانہ نمازوں کیلئے اذان کسی بلند جگہ پر کہنا افضل ہے اور مسجد سے خارج بہتر ہے اگرچہ مسجد میں بھی جائز ہے، چنانچہ خطبۂ جمعہ کی اذان مسجد میں پیش منبر ہونا، اس کی دلیل کافی ہے اور بلند جگہ پر ہونا اذان کا، اس لئے مشروع ہے کہ آواز دور تک پہنچ جاوے اورآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اذان پنجگانہ خارج عن المسجد ہوتی تھی اور وجہ یہی تھی کہ بلند جگہ پر کہنے کی وجہ سے بعض مکانات متصل مسجد کی چھت پر اذان ہوتی تھی۔ پس اس زمانہ خیرالازمنہ کے اس فعل سے خارج عن المسجد اذان پنجگانہ کا ہونا افضل معلوم ہوا۔ (۲)

(۱-۲) وینبغی أن یؤذن علی المئذنة أوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد، کذا فی فتاویٰ قاضی خان، والسنة أن یؤذن فی موضع عالٍ یکون أسمع لجیرانه یرفع صوته. (عالمگیری کشوری، الباب الثانی فی الأذان: ۱/۵۴، ظفیر)

سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الأذان فوق المنارة، رقم الحدیث: ۵۱۹. انیس

لیکن ممانعت مسجد میں اذان کہنے سے بھی نہیں ہے اور کوئی وجہ بھی ممانعت کی نہیں ہے کہ مسجد ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہے، اور اذان بھی ذکر اللہ ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ﴾ (الآیۃ) (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۱۰۰-۱۰۱)

مسجد میں اذان جائز ہے یا نہیں:

سوال: اذان پنجگانہ و جمعہ کی اذان مسجد میں جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب ___

کوئی اذان مسجد میں مکروہ نہیں ہے، خصوصاً اذان خطبۂ جمعہ مسجد میں خطیب کے سامنے مسنون ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۸۴-۸۵)

اندرون مسجد اذان دینا:

سوال: فتاویٰ قاضی خاں، تبیین الحقائق اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں یہ عبارت ہے:

"وینبغی أن یؤذن علی المئذنۃ أو خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش العالمگیریۃ: ۱/۷۸)

تو کیا آج کل مسجد کے برآمدہ کی یا مسجد کے بغل کی کوٹھری میں اسپیکر سے جو اذان دیتے ہیں وہ مناسب نہیں ہے جبکہ اذان کا مقصد پوری طرح حاصل ہو رہا ہے کیا اسپیکر سے عین مسجد میں اذان دیجائے تو مکروہ ہے؟ تمام جوابات مفصل مدلل کتابوں کے حوالے سے ارقام کیا جائے ان مسائل میں یہاں ایک شخص نے آج کل ایک فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ یہ صاحب اپنے آپ کو شیخ الحدیث اور مفتی بھی بتاتے ہیں۔　　(محمد ادریس (راجستھان))

الجواب ___ وباللّٰہ التوفیق

"وینبغی أن یؤذن علی المئذنۃ أو خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد" کا ترجمہ عربی میں یہ ہے کہ!

"یندب أن یؤذن علی المئذنۃ أو خارج المسجد ولا یؤذن ندباً فی المسجد".

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۱۴۔

عالمگیری میں ہے: " ولا یؤذن فی المسجد ".

اس کا منشا یہ ہے کہ اولیٰ کے خلاف ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز نہیں۔ ظفیر

(۲) ویؤذن ثانیاً بین یدیہ أی الخطیب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۷۷۰)

اردو ترجمہ یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اذان میذنہ پر یا خارج مسجد دی جائے مسجد کے اندر اذان دینا مندوب وبہتر نہیں ہے۔
یعنی ''ینبغی'' کا معنیٰ ''یجب'' کے نہیں ہے اور نہ ''لایؤذن'' کے معنیٰ ''لایجوز'' کے ہیں، ورنہ دور صحابہ وتابعین میں کبھی کوئی اذان اندرون مسجد نہ دیجاتی، حالانکہ اذان خطبہ ہشام بن عبدالملک کے دور سے جو دور تابعی یقیناً اور دور صحابہ بھی فی معنیٰ کہا جاسکتا ہے۔ برابر مسجد میں متوارث طور پر بلانکیر چلی آئی ہے۔(۱)

اور مسجد سے باہر میذنہ وغیرہ پر دینے کا اور مسجد کے اندر نہ دینے کا استحباب اس وجہ سے ہے کہ اذان میں جہاں تک ہوسکے آواز بلند کرنا اور دور تک پہنچانے کی سعی کرنا اور زیادہ سے زیادہ غائبین کو اعلام کرنا مطلوب شرعی ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف وغیرہ صحاح ستہ وغیرہ کی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمات اذان خواب میں عبداللہ بن زید کو فرشتہ نے بتلایا، مگر سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان حضرت بلالؓ سے ''انـه أندى صوتًا منک''. (۲) کہہ کر دلوائی اور اس ارشاد نبوت کی وجہ سے موذن کا جہرالصوت ہونا افضل کہا گیا اور کیوں اس لئے تاکہ دور تک آواز پہنچے اور اعلام کامل ہو اور اسی وجہ سے جب حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں مسلمان کثیر ہوگئے تو حضرت عثمان غنیؓ نے جو اذان زائد کہلوائی تو اس کو مقام زوراء جو ایک بلند مقام تھا کہلوائی اور تمام صحابہ کرام نے اس کے جواز پر اجماع کرلیا پس معلوم ہوا کہ میذنۃ وغیرہ مقصود بالذات نہیں ہے اور نہ اندرون مسجد اذان کہنا ممنوع وناجائز ہے بلکہ یہ محض اسوجہ سے ہے کہ میذنۃ وغیرہ سے اعلام غائبین کامل ہوگا اور اندرون مسجد سے اعلام غائبین ناقص ہوگا پس اب اس آلہ (لاؤڈ اسپیکر) کیوجہ سے یہ اکمال واہتمام بغیر میذنۃ کے بھی ہوتا ہے اور اندرونِ مسجد سے بھی ہوتا ہے جبکہ مائک اوپر منارہ وغیرہ پر رکھدیا جائے لہذا اب یہ اعتراض کہ مائک باہر رہتے ہوئے بھی اندرونِ مسجد ممنوع ہے یا مکروہ ہے صحیح نہ ہوگا، بلکہ جس شکل میں اعلام غائبین اچھی طرح ہوگا اور آواز دور دور تک پہنچے گی وہ اولیٰ وافضل عندالشرع شمار ہوگی۔(۳)

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۲۱-۲۲۳)

---

(۱) ویؤذن ثانیاً بین یدیه أی علی سبیل السنیة. (رد المحتار علی الدرالمختار: ۳/۳۸)
وفی البحر: بذلک جری التوارث. (البحرالرائق: ۲/۲۷٤) مرتب

(۲) سنن أبوداؤد: ۱/۱۳۵، کتاب الصلاة، باب کیف الأذان، رقم الحدیث: ٤۹۹، حدیث طویل ہے متعلقہ حصہ یہ ہے:
''فلما أصبحت أتیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فأخبرته بما رأیت، فقال: إنها لرؤیا حق إن شاء اللّٰه فقم مع بلال فألق علیه ما رأیت فلیؤذن فإنه أندی صوتاً منک ...''الحدیث. مرتب

(۳) حالات کے اعتبار سے تبدیلی ہوتی رہی ہے۔

وقال ابن سعد بالسند الی أم زید بن ثابت: کان بیتی أطول بیت حول المسجد، فکان بلال یؤذن فوقه من أول ما أذن إلی أن بنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مسجده فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد، وقد رفع له شئ فوق ظهره. (رد المحتار علی الدرالمختار: ۲/٥٤) مرتب

مسجد کے اندر اذان دینا کیسا ہے:

سوال: حدود مسجد میں اذان دینا صحیح ہے یا نہیں؟ مسجد کے اوپر لاؤڈ اسپیکر ہو اور مسجد میں اذان دی جائے، ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان خطبہ کے علاوہ پنجگانہ نمازوں کے لئے اذان خارج مسجد کسی بلند جگہ پر دینا افضل اور بہتر ہے، اگرچہ مسجد میں بھی جائز ہے اور یہ افضلیت بھی اس لئے ہے تاکہ اذان جس کا مقصد اعلان ہے، اس کی آواز زیادہ سے زیادہ دور تک پہونچ جائے، اسی لئے فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ اذان اونچی جگہ پر ہونی چاہئے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"(وھو سنة) للرجال فی مکان عال". (۱)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وینبغی أن یؤذّن علی المئذنة أو خارج المسجد ولا یؤذّن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان. والسنة أن یؤذّن فی موضع عال یکون أسمع لجیرانه ویرفع صوته. (۲)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ اذان خارج مسجد اونچی جگہ پر ہو، لیکن اگر کسی وجہ سے مسجد ہی میں اذان دی جائے تو جائز ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں اگر خارج مسجد کوئی ایسی جگہ نہ ہو، جہاں لاؤڈ اسپیکر کو بحفاظت رکھ کر اذان دی جاسکے تو اندرون مسجد اذان دینا جائز ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۲/۲۷ / ۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۷)

مسجد میں اذان کا حکم:

سوال: ایک مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کا انتظام ہے مگر اس کے لئے کوئی کمرہ مخصوص نہیں ہے، چنانچہ مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان دی جاتی ہے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا پھر مسجد کے باہر والے حصہ میں ہی اذان دینا ضروری ہوگا؟

ھو المصوب ــــــــــــــــ

مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان دینا صحیح ہے، کراہت نہیں ہے۔ مقصد مسجد کے باہر سے اذان دینے کا زیادہ دور

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ۴۸/۲۔

(۲) الفتاویٰ الهندیة: ۵۵/۱، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة

تک آواز پہنچانا ہے اور وہ یہاں مسجد کے اندر ہی حاصل ہوجاتا ہے اور اگر لاؤڈ اسپیکر کو باہر رکھیں گے تو چوری ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے اور مسجد کے اندر وہ محفوظ ہے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۷۶/۱)

مسجد کے اندر اذان دینا:

سوال: بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تنزیہی ہے، اور اس کی تشریح نہیں لکھی ہے، براہ کرم اس کی تشریح اور تفصیل سے آگاہ فرمائیں، کہ مکروہ ہونے کا کیا سبب ہے، بینوا توجروا

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بہشتی گوہر میں مسئلہ صحیح لکھا ہے مسجد میں اذان دینا خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ اذان سے مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہوجائے کہ جماعت قائم ہونے والی ہے اور ظاہر ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینے سے آواز اتنی دور نہیں جاتی، جتنی مسجد سے باہر اونچی جگہ پر اذان دینے سے جاتی ہے.

قال فی الهندية: وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن فی المسجد كذا فی فتاویٰ قاضی خان. والسنة أن يؤذن فی موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه كذا فی البحر الرائق. (الفتاویٰ الهندية: ۵۵/۱)

وفی الشامية تحت (قوله فی مكان عال): فی القنية: ويسن الأذان فی موضع عال والإقامة على الأرض (إلٰی قوله) وفی السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن فی موضع يكون أسمع للجيران و يرفع صوته ولا يجهد نفسه لأنه يتضرر، آه. (رد المحتار: ۳۵۷/۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خارج مسجد اذان دینے سے مقصد صرف تبلیغ صوت ہے، چنانچہ جمعہ کی اذان ثانی کا اندرون مسجد ہی تعامل ہے، کیونکہ اس میں صرف حاضرین تک آواز پہنچانا مقصود ہے، آجکل عام طور پر لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے؛ جس کی وجہ سے مسجد میں اذان دی جائے یا کسی دوسری نیچی جگہ پر رفع صوت بہر حال ہوجاتا ہے، اس لئے لاؤڈ اسپیکر پر مسجد کے اندر اذان دینے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں معلوم ہوتی۔ نیز قاضی خان کی عبارت مذکورہ میں "**على المأذنة أو خارج المسجد، علٰی سبيل الترديد**" سے معلوم ہوا کہ اذان علی المأذنۃ کی صورت میں خارج مسجد کی ضرورت نہیں، بلکہ عام تعامل یہی ہے کہ مأذنہ فوق المسجد ہوتا ہے خارج مسجد نہیں ہوتا۔

ويؤيده العبارات الاٰتية، قال ابن عابدين رحمه الله تعالٰی:

قلت: والظاهر أن هذا فی مؤذن الحی أما من أذن لنفسه ولجماعة حاضرين فالظاهر أنه لا يسن له المكان العالی لعدم الحاجة، تأمل. (رد المحتار: ۳۵۷/۱)

وفی الهندية: ويكره الأذان قاعدًا وإن أذن لنفسه قاعدًا فلا بأس به. (الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۵۴)

وفی الشامية: وقال ابن سعد بالسند إلیٰ أم زيد بن ثابت رضی اللّٰه تعالیٰ عنه:

كان بيتی أطول بيت حو ل المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلیٰ أن بنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم مسجده فكان بعد يؤذن علیٰ ظهر المسجد وقد رفع له شیء، فوق ظهره. (رد المحتار: ۱/ ۳۶۰)

شامیہ کی اس آخری عبارت سے خوب واضح ہوگیا کہ کراہۃ الاذان فی المسجد کی علت صرف عدم بلوغ صوت ہے ورنہ اگر نفس مسجد سے کراہت کا کوئی تعلق ہوتا تو ظہر المسجد پر بھی اذان مکروہ ہوتی، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسی پر عمل تھا، نیز جمعہ کی اذان ثانی بالاتفاق مسجد ہی میں مشروع ہے، اس سے بھی ثابت ہوا کہ دوسری اذانوں کے لئے خارج مسجد کا حکم محض تبلیغ صوت کے لئے ہے،

وفی إعلاء السنن: واعلم أن الأذان لايكره فی المسجد مطلقاً كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية وعمومه هذا الأذان (الأذان بين يدی الخطيب) بل مقيدًا بما إذا كان المقصود إعلام ناس غير حاضرين (إلیٰ قوله) فی الجلابی أنه يؤذن فی المسجد أوما فی حكمه لا فی البعيد عنه، قال الشيخ قوله فی المسجد صريح فی عدم كراهة الأذان فی داخل المسجد وإنما هو خلاف الأولیٰ إذا مست الحاجة إلی الإعلان البالغ وهو المراد بالكراهة المنقولة فی بعض الكتب، فافهم. (إعلاء السنن: ۸/ ۴۹)

البتہ مسجد کے اندر جہر مفرط بالخصوص مسقّف حصہ میں خلاف ادب معلوم ہوتا ہے۔(۱) اس لئے بہتر یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر مسجد سے باہر رکھا جائے، اگر باہر کوئی انتظام بسہولت نہ ہو سکے، تو مسجد کے اندر بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳/ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۲۹۴-۲۹۵)

محراب میں کھڑے ہوکر اذان دینا:

سوال: سوال یہ ہے کہ آج کل مسجدوں کے اندر پنج گانہ اذانیں ہورہی ہیں، بعض مساجد میں محراب کے اندر اور بعض میں محراب کے باہر یعنی پیش امام جہاں کھڑے ہوکر نماز پڑھاتا ہے، اس جگہ موذن اذان دیتا ہے، یعنی پیش طاق کے اندر ہی کھڑے ہوکر اذان دیتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ اور محراب کے باہر یعنی پیش طاق جہاں پیش امام فرض نماز پڑھتا ہے، اس کے برابر میں لاؤڈ اسپیکر جو کہ امام کی حد سے آگے ہو، وہاں سے بھی اذان دینا درست ہے یا ممنوع ہے؟

(۱) عن عبيداللّٰه بن أبی جعفر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: من أجاب داعی اللّٰه وأحسن عمارة مساجد اللّٰه كانت تحفته من اللّٰه الجنة فقيل يارسول اللّٰه! ماحسن عمارة مساجداللّٰه؟ قال: لايرفع فيها صوت ولايتكلم فيها بالرفث. (الزهد والرقاق لابن المبارک والزهد لنعيم بن حماد، باب فضل المشی إلی الصلاة (ح: ۴۰۶) انيس)

الجواب

جمعہ کی دوسری اذان تو خطیب کے سامنے مسجد میں مسنون ہے،(۱) اس کے علاوہ اذانوں کا مسجد سے باہر ہونا بہتر ہے اور مسجد میں ہونا جائز، مگر خلافِ اولیٰ ہے، محراب کے برابر جو جگہ لاؤڈ اسپیکر رکھنے کے لیے بنائی جاتی ہے، اگر اس کو مسجد میں شامل کرنے کی نیت نہیں کی گئی، تو اس میں اذان کہنا بلا کراہت درست ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۸۶)

مسجد میں اذان کس طرف سے دی جائے:

سوال: مسجد میں اذان دائیں جانب سے دینی چاہئے یا بائیں جانب سے؟

الجواب حامدًا مصلیاً و مسلماً

اذان کے لئے مسجد کا دایاں بایاں دونوں حصہ شرعاً برابر ہے۔(۳) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔ ۶/۵/۱۴۱۵ھ/ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۱۶-۳۱۷)

برآمدۂ مسجد میں اذان:

سوال: مسجد کے برآمدہ میں اذان دینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں، جب کہ آواز پہنچنے میں کوئی کمی نہ ہو؟

الجواب حامدًا و مصلیاً

اذان بلند آواز سے بلند جگہ پر کہی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ دور تک آواز پہنچ جائے، کیونکہ جہاں تک آواز جائے گی وہاں تک کے حجر و مدر سب گواہی دیں گے۔(۴)

---

(۱) وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذّن المؤذّن بين يدى المنبر بذلک جرى التوارث. (فتح القدير: ۱/۴۲۱)

(۲) وينبغى أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن فى المسجد كذا فى فتاوىٰ قاضيخان. والسنة أن يؤذن فى موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه كذا فى البحر، الخ. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۵۵، كتاب الصلاة، الباب الثانى فى الأذان، الفصل الثانى/ رد المحتار: ۱/۳۸۴)

(۳) كذا فى أحسن الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، باب الأذان والإقامة: ۲/۲۸۲، زکریا، دیوبند

(۴) "عن عبد الرحمٰن بن أبى صعصعة الأنصارى ثم المازنى عن أبيه أنه أخبره أن أبا سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال له: إنى أراک تحب الغنم والبادية، فإذا كنت فى غنمک أو باديتک، فأذنت للصلاة، فارفع صوتک بالنداء، فإنه لا يسمع مُدى صوت المؤذن جن ولا أنس ولا شئ، إلا شهد له يوم القيامة". قال أبو سعيد: سمعته من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۱/۸۵، قديمى)

اذان کا مقصود اعلام غائبین ہے،(۱) اس لئے اس میں ایسی طرح اذان کہنا جس سے آواز وہیں گھٹ کر رہ جائے دور تک نہ پہنچ سکے، مکروہ ہے،(۲) اذان کوئی ایسا کام نہیں جو شان مسجد کے خلاف ہو اگر برآمدہ میں اذان کہنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جائے تو وہاں بھی اذان درست ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۱/۱۱/۱۴۰٦ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۹۰-۳۹۱)

اذان جمعہ مسجد سے باہر دی جائے یا اندر:

سوال: اگر بیرونِ مسجد اذان جمعہ دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کے اندر اور مسجد کے باہر اذان دینا برابر زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک جاری ہے، خطبہ کی اذان مسجد میں ہوتی ہے۔(۴)

اور باقی نمازوں کی اذان مسجد سے باہر اور مسجد کے اندر جائز ہے اور منارہ پر اذان کا ہونا فقہا نے مشروع لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ منارہ خارج از مسجد ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۹۸)

---

(۱) "الأذان هو لغة الإعلام، وشرعاً إعلام مخصوص". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۳، سعيد)

"ومنها: أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن المؤذن: ۱/٦٤۲، دار الكتب العلمية)

(۲) "وكره أذان ... القاعد. (كنز الدقائق)

"وأما القاعد ... أطلقه، وهو مقيد بما إذا لم يؤذن لنفسه، فإن أذن لنفسه قاعدًا، فإنه لايكره لعدم الحاجة إلى الإعلام، ويفهم منه كراهته مضطجعاً بالأولیٰ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/٤٥۸، رشيدية)

(۳) "(...وهو سنة) للرجال في مكان عال". (الدر المختار)

وفي رد المحتار: وفي السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، الخ". (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸٤، سعيد)

" قال ابن سعد بالسند إلیٰ أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال رضي الله تعالیٰ عنه يؤذن فوقه من أول ما أذن إلیٰ أن بنیٰ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعد علیٰ ظهر المسجد، وقد رفع له شئ فوق ظهره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

"ويكره أن يؤذن في المسجد كما في القهستاني عن النظم، فإن لم يكن ثمة مكان مرتفع للأذان، يؤذن في فناء المسجد، كما في الفتح". (حاشية الطحطاوي علیٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۷، قديمي)

(۴) ويؤذن ثانياً بين يديه أي الخطيب. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱/۷۷۰)

وإذا جلس الإمام على المنبر أذن المؤذنون بين يديه الأذان الثاني للتوارث. (غنية المستملي: ۵۲۰)

(۵) وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۲)

جمعہ کی اذان دوم دروازۂ مسجد پر ہو یا کہاں:

سوال: سنن ابی داؤد کی وہ حدیث جس سے روزِ جمعہ اذان دوم دروازہ مسجد پر کہنا ثابت کیا جارہا ہے، وہ صحیح ہے یاضعیف یا کیادرجہ رکھتی ہے؟

الجواب

اذان دوم جمعہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔

درمختار میں ہے:

ویؤذن ثانیاً بین یدیہ أی الخطیب، الخ، إذا جلس علی المنبر، قولہ: ویؤذن ثانیاً بین یدیہ، الخ. (۱)

أی علیٰ سبیل السنة. (۲)

پس حنفیہ کے لئے یہ حجت کافی ہے اور حدیث ابوداؤد کے متعلق بحث اور تفصیل مطولات میں ہے، مقلدین کو اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، کتب فقہ کے موافق مسائل پر عمل کرنا چاہئے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۴/۲)

جمعہ میں اذان ثانی اور اس کی جگہ:

سوال (الف): جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے ممبر کے قریب مسجد کے اندر دی جانی چاہئے، یا مسجد کے باہر کے حصہ میں؟ اکثر لوگ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دیتے ہیں، یہ کس حد تک درست ہے؟

(ب) جمعہ کی اذان ثانی دینے کا حکم کس کے زمانے سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہے، یا بعد میں شروع ہوا؟ (قادر خان نصیر، دھرم آباد)

الجواب

(الف) خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے، فقہا نے اس کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ خطیب کے سامنے دی جائے۔

"فإذا جلس علی المنبر أذّن بین یدیہ". (۳)

اس لئے اذانِ خطبہ کا جو مروّجہ طریقہ ہے وہ غلط نہیں۔

(۱-۲) **الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۷۷۰/۱، ظفیر**

(۳) **کنز الدقائق مع البحر الرائق: ۱۵۷/۲۔**

(ب) رسول اللہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ اذان نہیں تھی، سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انہی کے حکم سے اس اذان کا سلسلہ شروع ہوا۔(۱) اس زمانہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ حیات سے تھے اور انہوں نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ اس سلسلہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی جاری وساری رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقہ کے ساتھ خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔(۲)

اس لئے یہ دوسری اذان بھی سنت ہی میں داخل ہے اور امت کا اتفاقی عمل ہے۔(۳)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۱-۱۴۲)

جمعہ کی اذان ثانی کا صحیح محل:

سوال (۱) جمعہ کے روز اذان ثانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد کے اندر منبر کے نزدیک ہوتی تھی یا مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔

(۲) حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی کیا یہ صحیح ہے کہ ہشام بن عبدالملک سے پہلے تک اذان ثانی

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۹۱۵۔

عن السائب بن يزيدقال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذاجلس الإمام على المنبرعلى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكروعمررضى الله عنهمافلماكان عثمان رضى الله عنه وكثرالناس زادالنداء الثالث على الزوراء. قال ابوعبدالله: موضع بالسوق بالمدينة. (الصحيح للبخارى، باب الأذان يوم الجمعة (ح:٩١٢) انيس)

(۲) دیکھئے: الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۲۶۷۶، باب ماجاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۳۴-۳۵، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين. محشی

عن عرباض بن سارية قال: صلى بنارسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر، ثم أقبل علينافوعظناموعظة بليغة ذرفت لها الأعين ووجلت منهاالقلوب قلنا أوقالوا يارسول الله! كأن هذه موعظة مودع، فأوصينا. قال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً فإنه من يعيش منكم يرى بعدى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتى وسنةالخلفاء الراشدين المهديين وعضواعليها بالنواجذوإياكم ومحدثات الأمورفإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. (مسند الإمام أحمد، مسندعرباض بن سارية (ح: ١٧١٤٤-١٧١٤٥) /سنن الدارمي، باب اتباع السنة (ح: ٩٦) /سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين (ح: ٤٢) /سنن أبي داؤد، باب فى لزوم السنة (ح: ٤٦٠٧) /سنن الترمذى، باب ماجاء فى الأخذبالسنةواجتناب البدع (ح:٢٦٧٦) /السنة لابن أبى عاصم، باب ماأمربه من اتباع السنة (ح:٥٤) انيس)

(۳) چنانچہ فقہاء اربعہ نے متفقہ طور پر اسے خطبہ کی سنت سمجھا ہے۔ دیکھئے: الموسوعة الفقهية: ١٨١/١٩، مادہ: خطبۃ، ط: کویت، محشی

تنقسم هذه السنن إلى سنن متفق عليهاومختلف فيها، أماالسنن المتفق عليهافهى: ... (٤) الأذان بين يدى الخطيب إذاجلس على المنبر. (الموسوعة الفقهية الكويتية، سننها: ١٨١/١٩. انيس)

مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی اور ہشام بن عبدالملک نے اذان ثانی کو مسجد کے اندر منبر کے نزدیک منتقل کیا جیسا کہ ابن الحاج مالکی نے المدخل (۲۱۲/۲) میں لکھا ہے اور مولانا عبدالحئی لکھنوی نے حاشیہ وقایہ (۲۰۲/۱) میں اس کو صحیح تسلیم کیا ہے، کیا ابن الحاج کا بیان صحیح ہے؟

(۳) ہندوستان میں مولانا احمد رضا وغیرہ کے اختلافات اٹھانے سے قبل تک اذان ثانی کے سلسلہ میں تمام بلاد عرب وعجم میں مسلمانوں کا ایک تعامل رہا ہے۔ (محمد ادریس (راجستھان)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) منبر کے سامنے مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی۔(۱)

(۲و۳) حضرت عثمان غنیؓ کے شروع دور خلافت تک یہی طریقہ رہا پھر جب لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے ایک اور اذان کا (اعلام غائب کے لئے) مقام زوراء پر شروع فرمایا۔(۲) اور یہ طریقہ ہشام بن عبدالملک تک چلتا رہا کہ یہ اذان مقام زوراء پر ہوتی رہی پھر ہشام بن عبدالملک نے اس اذان کو جو عندالخطبہ باب مسجد پر دیجاتی تھی منبر کے قریب شروع کرادی چونکہ ہشام بن عبدالملک کا دور خیر القرون ہے۔(۳)

اس لئے اس کو بدعت یا گمراہی یا خلاف شرع نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ اس دور خیر القرون سے اب تک بلا اختلاف یہ اذان اندرون مسجد بین یدی المنبر یا بین یدی الامام ہوتی چلی آرہی ہے اور یہ تواتر عملی ہے۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کے اختلاف سے اس تواتر میں کچھ قباحت وخرابی نہ آئے گی، بلکہ اس تواتر عملی جو اجماعی درجہ میں قریب تر پہنچ چکا تھا، اس کی مخالفت کی قباحت خود مولوی احمد رضا خان صاحب پر عائد ہوگئی۔(۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔(منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲۲۱/۱-۲۲۳)

---

(۱) أبو داؤد، باب النداء یوم الجمعة (حدیث: ۱۰۸۸) عن السائب بن یزید قال: کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علیٰ باب المسجد، وأبی بکر و عمر، ثم ساق نحو حدیث یونس، اور وہ حدیث نمبر: ۱۰۸۷، ہے، مرتب)

(۲) فلما کان خلافة عثمان وکثر الناس أمر عثمان یوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن به علی الزوراء، فثبت الأمر علیٰ ذلک. (أبو داؤد، حدیث ۱۰۸۷، نیز صحیح البخاری مع فتح الباری: ۳۹۳/۲ حدیث ۹۱۲-۹۱۳)

(۳) ہشام بن عبدالملک کی وفات ۱۲۵ھ میں ہے، اور وہ ۱۰۵ھ میں خلیفہ مقرر ہوا تھا۔(البدایة و النهایة: ۳۹۹/۸، مرتب)

(۴) وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بین یدی المنبر بذلک جری التوارث ولم یکن علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلا هذا الأذان. (الهدایة: ۱۵۱/۱، باب صلاة الجمعة، مرتب)

جمعہ کی اذان ثانی کا مقام:

سوال: جمعہ کے دن اذان ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہئے یا باہر؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اذان ایک اعلان ہے اور اعلان باہر ہی کیا جاتا ہے اندر نہیں۔ لہذا اذان باہر ہی دی جائے یا اندر دی جائے؟ خطبۂ ثانی کی اذان کب سے جاری کی گئی اور کیوں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

جمعہ کی اذان ثانی جو خطبہ سے قبل ہوتی ہے، وہ ابتداء اسلام سے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ دینی امور میں سبقت کرنے والے تھے، ان کو خدا کے وعدے کا سچا یقین تھا اور اس پر کامل ایمان تھا، جمعہ کی فضیلتوں کے پیش نظر صحابۂ کرام جلد سے جلد قبل از وقت ہی مسجد میں پہونچ کر ذکر واذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہوئے جمعہ کا انتظار فرمایا کرتے تھے، چونکہ حاضرین ذکر وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، نیز تمام لوگ مسجد ہی میں موجود رہتے تھے۔ اس لئے ان حضرات کی اطلاع اور خطبہ کی طرف توجہ کرنے کے لئے یہ اذان دی جاتی تھی۔ تمام لوگ چونکہ مسجد ہی میں رہتے تھے، اس لئے باہر اذان دینے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا، جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو لوگوں میں امور دینیہ میں تساہل پیدا ہو چکا تھا، لوگ جمعہ میں بھی قبل از وقت مساجد نہیں پہونچتے تھے، جس کے نتیجے میں لوگوں کی نمازیں قضا ہو جاتی تھیں۔ ان حالات میں حضرت عثمانؓ نے اذان ثانی کو تو اسی طریقہ پر قائم رکھا، البتہ لوگوں کی آگاہی اور اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرما دیا تھا، جو بیرون مسجد ہوا کرتی تھی، اس لئے اذان ثانی جو مسجد میں موجود لوگوں کی توجہ خطبہ کی طرف مبذول کرانے کے لئے ہے، اسے تو اندرون مسجد ہی ہونا چاہئے، البتہ اذان اول خارج مسجد بآواز بلند ہونی چاہئے، تا کہ تمام لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع ہو جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۳/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۳۷۳-۳۷۴)

---

(۱) قال فی شرح المنية: واختلفوا فی المراد بالأذان الأول: فقيل الأول، باعتبار المشروعية وهو الذی بين يدی المنبر لأنه الذی كان أول فی زمنه عليه الصلاة والسلام وزمن أبی بكر وعمر حتی أحدث عثمان الأذان الثانی على الزوراء حين كثر الناس والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذی يكون على المنارة بعد الزوال، اهـ". (رد المحتار، باب الجمعة: ۳/ ۳۸)

عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر... الخ. (الصحيح للبخاری، باب الأذان يوم الجمعة (ح: ۹۱۲)/ سنن أبی داؤد، باب النداء يوم الجمعة (ح: ۱۰۸۷)/ سنن الترمذی، باب ماجاء فی أذان الجمعة (ح: ۵۱۶) انيس)

جمعہ کی اذان ثانی کہاں پر دی جائے:

سوال: جمعہ کے خطبہ کی اذان کا صحیح مقام کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بحوالہ کتب لکھیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اذان جمعہ شروع میں صرف ایک تھی، جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ایسا ہی رہا اور اسی پر عمل ہوتا رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور لوگ اطراف مدینہ میں پھیل گئے تو امام کے سامنے خطبہ والی اذان دور تک سنائی نہیں دیتی تھی تو حضرت عثمان غنیؓ نے ایک اور اذان مسجد سے باہر مکان زوراء پر شروع کرائی، جس کی آواز پورے مدینہ میں پہنچنے لگی، صحابۂ کرام میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، اس لئے یہ اذان باجماع صحابہ مشروع ہوئی اور اذان جمعہ کے بعد بیع وشراء اور دیگر مشاغل کے حرام ہوجانے کا حکم جو پہلے اذان خطبہ کے بعد ہوتا تھا، اب پہلی اذان کے بعد سے ہوگیا، تمام حدیث اور تفسیر اور فقہ کی کتابوں میں پوری تفصیل موجود ہے۔ (۱)

پھر یہ ہے کہ دوسری اذان کا مقصد جو خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور اسی طرح اقامت جو نماز کے وقت کہی جاتی ہے، یہ دونوں خاص حاضرین کے لئے ہیں، ان کا مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

(والأذان بين يديه) جرى به التوارث (كالإقامة) بعد الخطبة. (باب الجمعة: ۲۸۰)

اس عبارت میں دوسری اذان کو جو بوقت خطبہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، اس کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ اقامت مسجد کے اندر ہی کہی جاتی ہے اور یہی وہ عمل ہے، جس پر متوارثاً عمل جاری ہے، سلف وخلف کا یہی معمول اور طریقہ چلا آرہا ہے، جس کی طرف "**جرى به التوارث**" سے اشارہ کیا ہے۔

(۱) **عن السائب بن يزيد رضي الله عنه أنه قال: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فلما كان في خلافة عثمان رضي الله عنه وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن على الزوراء فثبت الأمر على ذلك. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة (ح: ۹۱۲-۹۱۳-۹۱۵-۹۱۶)/سنن الترمذي، كتاب الجمعة (ح: ۵۱۶)/سنن النسائي، كتاب الجمعة (ح: ۱۳۹۲)/سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة (ح: ۱۰۸۷) انيس)**

"قال في شرح المنية: واختلفوا في المراد بالأذان الأول: فقيل الأول، باعتبار المشروعية وهو الذي بين يدي المنبر لأنه الذي كان أول في زمنه عليه الصلاة والسلام وزمن أبي بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، هو الذي يكون على المنارة بعد الزوال، اهـ". (رد المحتار، باب الجمعة: ۳/۳۸)

فقہ وفتاویٰ کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے:

''(ویؤذّن) ثانیًا (بین یدیه) أی الخطیب ... (إذا جلس علی المنبر)''. (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار، باب الجمعة: ۳۸/۳-۳۹)

اور حضرت علامہ شامی لکھتے ہیں:

''أی علیٰ سبیل السنیة''. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۳۸/۳)

اور ہدایہ میں ہے:

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذّن المؤذن بین یدی المنبر بذلک جری التوارث. (الهداية: ۱۴۸/۱)

وکان الطحاوی یقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام فإنه هو الأصل الذی کان للجمعة علیٰ عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وکذلک فی عهد أبی بکر وعمر وهو اختیار شیخ الإسلام. (فتح القدیر: ۶۹/۲)

وإذا جلس الإمام علی المنبر أذّن المؤذّن بین یدیه الأذان الثانی للتوارث. (کبیری: ۵۶۱)

لہذا خطبہ کی اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دی جائے، یہی سنت کے مطابق ہے، جس پر وراثةً عمل جاری ہے، اس کو مکروہ نہیں کہا جاسکتا ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی - ۲۱/ رجب ۱۴۱۴ھ - (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۷۴/۲-۳۷۶)

اذان خطبہ کہاں دی جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جمعہ میں خطبہ سے قبل جو اذان دی جاتی ہے اس کے لئے جگہ کی کوئی قید ہے یا نہیں، یا جہاں بھی دی جائے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: عبدالوہاب زڑھ میانہ نوشہرہ)

الجواب

اس اذان کو داخل مسجد دینا چاہئے نیز بین یدی المنبر اور نزدیک کے دینا چاہئے۔ والتفصیل فی إمداد الفتاویٰ: ۴۴۹/۱- (۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۱۰/۲-۲۱۱)

(۱) قال الشیخ أشرف علی التهانوی رحمه اللّٰه:

'' اکثر کتب کی عبارت تو محتمل وجہین کو ہے، مگر جامع الرموز کی عبارت صریح ہے، قرب متبادر و محاذات میں۔

وهو هذه بین یدیه أی بین الجهتین المسامتین یمین المنبر أو الإمام ویساره قریباً منه وسطهما بالسکون فیشمل ما إذا أذن فی زاویة قائمة أو حادة أو منفرجة حادثة من خارجین خطین من هاتین الجهتین، قلت تحدث القائمة إذا کان المؤذن حذاء وسط المنبر بالحرکة والمنفرجة والحادة إذا کان فی غیر حذائه. (إمداد الفتاویٰ، باب صلاة الجمعة و العیدین: ۴۷۴/۱)

''اذان کس جگہ دی جائے؟'' پر علمی بحث:

سوال: ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ تنزیہی ہے اور آپ نے جواب کے اخیر میں فرمایا ہے:

''ہاں! جمعہ کی دوسری اذان اس سے مستثنیٰ ہے، کہ وہ خطیب کے سامنے مسجد میں ہوتی ہے''۔

اس خط کے ذریعہ آپ سے یہ دردمندانہ اپیل ہے کہ آپ بلاتحقیق شرعی کبھی فتویٰ دینے کی کوشش نہ فرمائیں، اس لیے کہ آپ نے اذان کو مسجد میں مکروہ تنزیہی لکھ دیا ہے، حالانکہ تنزیہی کی تصریح تو کسی بھی فقہ کی معتبر کتاب میں نہیں ہے، ہاں! کراہیت کے الفاظ ہیں اور آپ نے کراہیت کا مشہور قاعدہ تو ازبر کیا ہی ہوگا کہ احناف کے نزدیک مطلق کراہیت سے کراہیت تحریمی مراد ہوتی ہے، نہ کہ تنزیہی، ہاں! شوافع کے نزدیک تنزیہی ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی ''حدیقہ نادیہ'' میں رقم طراز ہیں:

''الکراهیة عند الشافعیة إذا أطلقت تنصرف إلی التنزیهیة لا التحریمیة بخلاف مذهبنا''. (۱)

ترجمہ: ''کراہیت کا لفظ جب مطلق بولا جائے، تو شافعیہ کے نزدیک اس سے کراہیت تنزیہی مراد ہوتی ہے، نہ کہ تحریمی، بخلاف ہمارے مذہب کے (کہ ہمارے یہاں مطلق کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے)''۔

کیا آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تنزیہی کا ارتکاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیان جواز کے لیے بھی کیا کرتے تھے، مگر اذان آپ نے کبھی بھی مسجد کے اندر نہ دلوائی، اور نہ ہی خلفائے راشدین کے زمانے میں کبھی ایسا ہوا، پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے اذان ثانی کو مسجد میں دینا کراہیت تنزیہی سے بھی مستثنیٰ کر دیا، اگر آپ نے **بین یدی** کے الفاظ سے یہ سمجھا ہے، تو آپ غلطی پر ہیں، اس لیے کہ **بین یدی** کا معنی ہیں ''سامنے'' نہ کہ ''بیچ میں''، یا پھر خطیب سے ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہوکر اس کے منہ میں منہ ڈالا جائے، جب مسجد میں علی الاطلاق اذان کی کراہیت ہے، تو آپ نے کس قرینے سے اذان ثانی کو مستثنیٰ قرار دیا؟ میں آپ کو بتاؤں کہ **بین یدی** بھی ہونا صرف احناف ہی کے نزدیک سنت ہے، ورنہ مالکی تو اس کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ خلیل بن اسحاق مالکی نے فرمایا ہے:

''اختلف أهل النقل هل کان یؤذن بین یدیه صلی اللّٰه علیه وسلم أو علی المنار؟ الذی نقله أصحابنا أنه کان علی المنار''. (۲)

ترجمہ: ''اہل نقل کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی یا منارہ پر؟ جس بات کو ہمارے اصحاب (یعنی مالکیہ) نے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ اذان منارہ پر ہوتی تھی''۔

(۱) وتصریح الحنفیة بالکراهة علی سبیل الإطلاق ینصرف إلی الکراهة التحریمیة وفاعل المکروه تحریماً عندهم یستحق العقاب، کفاعل الحرام، کما أن کتب الشافعیة التی روت عن بعض الأصحاب القول بالکراهة قد قالوا عنه: لیش بشیء. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، الحکمة فی تحریم الإحتکار: ۹۱/۲. انیس)

(۲) التوضیح فی شرح مختصر ابن الحاجب، صلاة الجمعة: ٦٦/٢. انیس

علامہ یوسف بن سعید ثقفی مالکی حاشیہ جواہر ذکیہ میں فرماتے ہیں:

”الأذان الثانی کان علی المنارفی الزمن القدیم وعلیه أهل المغرب إلی الآن وفعلیه بین یدی الإمام مکروه ....“. (۱)

ترجمہ: ”زمانۂ قدیم میں اذان ثانی منارہ پر ہوتی تھی اور اہل مغرب کا عمل آج تک اسی پر ہے، اور امام کے آگے اذان دینا مکروہ ہے“۔

بہرصورت! میں تفصیلی دلائل کی جانب جانا نہیں چاہتا، اس لیے تاکہ آپ میرا مسودہ ردّی کے ٹوکرے کا سامان نہ بنائیں، ازراہِ کرم آپ مذکورہ دلائل کی روشنی میں اس حقیت ثابتہ کو مان گئے ہیں کہ واقعی ہر اذان مسجد میں عندالاحناف مکروہ تحریمی ہے، تو آپ اپنا اعتذار قارئین کے سامنے پیش فرمائیں، ورنہ (مجھے احقاق حق مقصود ہے) بصورت دیگر آپ میرے سوالات کا اطمینان بخش جواب عطا فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اول چند روایات نقل کرتا ہوں:

۱۔ فتاویٰ عالمگیری (ج:۱، ص:۵۵) میں فتاویٰ قاضی خان نے نقل کیا ہے:

”وینبغی أن یؤذّن علی المئذنة أوخارج السمجد ولایؤذن فی المسجد“.

ترجمہ: ”اور مناسب یہ ہے کہ اذان ماذنہ پر دی جائے، یا مسجد سے باہر دی جائے اور مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے“۔

۲۔ ہدایہ میں ہے۔

”وإذا صعد الإمام المنبرجلس وأذّن بین یدی المنبربذلک جری التوارث“. (فتح القدیر: ۴۲۱/۱)

ترجمہ: اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے، تو موذن منبر کے آگے اذان دیں، مسلمانوں کا تعامل اسی کے مطابق چلا آیا ہے“۔

۳۔ فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

”قال المهلب: الحکمة فی جعل الأذان فی هذا المحل لیعرف الناس بجلوس الإمام علی المنبرفینصتون له إذا خطب، کذا قال وفیه نظر، فإن فی سیاق ابن اسحاق عند الطبرانی وغیره عن الزهری فی هٰذا الحدیث أن بلالاً کان یؤذّن علیٰ باب المسجد فالظاهرأنه کان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات نعم لما زید الأذان الأوّل کان للإعلام، وکان الذی بین یدی الخطیب للإنصات“. (۲)

---

(۱) کذافی الفواکه الدوانی علی رسالة ابن أبی زیدالقیروانی، البیع والشراء وقت صلاة الجمعة: ۲۵۸/۱. انیس

(۲) فتح الباری لابن حجر، باب الأذان یوم الجمعة: ۳۹۴/۲/ الکوثرالمعانی الدراری فی کشف خبایاصحیح البخاری، الحدیث الخامس والثلاثون: ۹۳/۱۰. انیس

ترجمہ: مہلب کہتے ہیں: اس جگہ (یعنی منبر کے آگے) اذان کہنے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو امام کا منبر پر بیٹھنا معلوم ہوجائے، پس جب وہ خطبہ شروع کرے، تو خطبہ کے لیے خاموشی اختیار کریں، مہلب کے اس قول میں نظر ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں طبرانی وغیرہ کی روایت میں ابن اسحاق نے زہری سے نقل کیا ہے کہ: ''بلال مسجد کے دروازہ پر اذان دیا کرتے تھے'' پس ظاہر یہ ہے کہ یہ اذان مطلقاً اعلان کے لیے ہوئی محض لوگوں کو خاموش کرانے کے لیے نہیں، ہاں! جب پہلی اذان کا اضافہ کیا گیا، تو پہلی اذان اطلاع عام کے لیے تھی، اور جو اذان خطیب کے آگے ہوتی ہے، وہ خاموش کرانے کے لیے ہوتی ہے''۔

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اذان کا منارہ پر یا مسجد سے باہر ہونا مناسب ہے، مسجد کے اندر اذان دینا مناسب نہیں، اور یہی مفہوم ہے کراہت تنزیہی کا، کیوں کہ کراہت تحریمی کو ''لا ینبغی'' (مناسب نہیں) کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا، بلکہ ''لایجوز'' (یعنی جائز نہیں) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جن فقہا کی عبارت میں صرف مکروہ کا لفظ آیا ہے، ان کی مراد بھی یہی ''لاینبغی'' (مناسب نہیں) والی کراہت ہے، کراہت تحریمی مراد نہیں۔

اور یہ قاعدہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ مکروہ کا لفظ جب مطلق ذکر کیا جائے، تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، لیکن یہ قاعدہ عام نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات مکروہ کا لفظ مکروہ تنزیہی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے جہاں مکروہ کا لفظ مطلق ذکر کیا جائے، وہاں قرائن ودلائل میں غور کرکے یہ دیکھنا ہوگا کہ یہاں مکروہ تحریمی مراد ہے یا مکروہ تنزیہی؟ جیسا کہ مکروہاتِ صلوٰۃ کے آغاز میں شیخ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے۔

(دیکھئے! البحر الرائق: ۲/ ۲۰ (۱)، رد المحتار: ۱/ ۶۳۹)

مسجد میں اذان دینے کے بارے میں کتاب الاصل (مبسوط) میں امام محمد رحمہ اللہ کی تصریح حسب ذیل ہے:

"قلت: أرأيت المؤذن إذا لم يكن له منارة والمسجد صغير أين أحب إليک أن يؤذّن؟قال: أحب ذلک إلى أن يؤذّن خارجاً من المسجد وإذا أذّن في المسجد أجزأه". (كتاب الأصل: ۱/ ۱۴۱)

ترجمہ: ''میں نے کہا: یہ فرمائیے کہ جب مؤذن کے لیے منارہ نہ ہو اور مسجد چھوٹی ہو، تو آپ کے نزدیک کس جگہ اذان دینا بہتر ہوگا؟ (کیا وہ مسجد سے باہر نکل کر اذان دے، تاکہ لوگ سنیں یا مسجد میں اذان دے؟) فرمایا: میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مسجد سے باہر اذان کہے، اور مسجد میں اذان دے دی جائے، تب بھی اس کو کفایت کرے گی''۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی اس تصریح سے ثابت ہوا کہ مسجد میں اذان دینا بہتر نہیں، لیکن اگر دے دی جائے، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

---

(۱) المكروه في هٰذا الباب نوعان: أحدهما ما كره تحريماً وهو المحل عند إطلاقهم الكراهة كما ذكره في فتح القدير... ثانيهما: المكروه تنزيهاً ومرجعه إلى ما تركه أولٰى وكثيراً ما يطلقونه كما ذكره العلاّمة الحلبي في مسئلة مسح العرق فحينئذٍ إذا ذكروا مكروهًا فلا بد من النظر في دليله فإن كان نهياً ظنياً يحكم بكراهة التحريم، الخ. (البحر الرائق، العبث بالثوب والبدن في الصلاة: ۲/ ۲۰)

دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی دوسری اذان منبر کے سامنے ہوتی ہے، اور امت کا تعامل اسی پر چلا آتا ہے ،فقہا اس منبر کی اذان کو مختلف تعبیرات سے ذکر کرتے ہیں، کبھی ''خطیب کے آگے'' کے لفظ سے، کبھی ''منبر کے پاس، اس کے قریب'' کے لفظ سے، اور کبھی ''منبر پر'' کے لفظ سے، ان تمام تعبیرات سے بشرطِ فہم وانصاف یہی سمجھا جاتا ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان منبر کے پاس داخل مسجد ہو۔

تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں دوسری نمازوں کی طرح جمعہ کی بھی ایک ہی اذان ہوتی تھی، چونکہ اس سے بیک وقت دو مقصد تھے، ایک تو مسجد سے باہر کے لوگوں کو وقت نماز کی اطلاع دینا، دوسرے حاضرین مسجد کو خطبہ شروع ہونے کی اطلاع دینا، تاکہ وہ خاموش ہوکر خطبہ کی طرف متوجہ ہوجائیں، اس لیے دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے یہ اذان مسجد کے دروازے پر کہلائی جاتی تھی، خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں پہلی اذان کا اضافہ ہوا جو زوراء پر ہوتی تھی، اور دوسری اذان صرف خطبہ کے لیے مخصوص ہوگئی، جو منبر کے پاس کہی جانے لگی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ اور دیگر فقہا نے جس توارث کا حوالہ دیا ہے، اس سے وہ توارث قدیم مراد ہے جو دور عثمانی سے چلا آرہا ہے، کیوں کہ توارث حادث خود حجت نہیں، اسے معرض دلیل میں پیش کرنا فقہا کی شان سے بعید ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ جمعہ کی دوسری اذان منبر کے سامنے ہو، جیسا کہ ہمارے شیخ حضرت العلامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ نے معارف السنن (۴۰۲/۴) میں نقل کیا ہے، (۱) اگر بعض مالکیوں نے اس سے اختلاف کیا ہے، تو تعامل و توارث کے مقابلے میں ان کی رائے ہمارے لیے حجت نہیں، راقم الحروف کو کتب فقہ سے جو تحقیق ہوئی، وہ عرض کردی گئی، اگر کسی صاحب کی تحقیق کچھ اور ہو، تو وہ اپنی تحقیق پر عمل فرمائیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۸۷/۳-۲۹۱)

مسجد کی بائیں جانب اذان دینے کا رواج کیسا ہے:

سوال: علی العموم یہ جو رواج ہے کہ منبر جس پر جمعہ کا خطبہ پڑھا جاتا ہے، وہ مسجد میں داہنی جانب بنایا جاتا ہے، اس کا ثبوت احادیث سے ہے یا محض رواج ہے، اگر بائیں جانب منبر بنا کر خطبہ پڑھا جاوے تو درست ہے یا نہیں؟ اور اذان کی نسبت کیا حکم ہے اس کا رواج پنجوقتہ مسجد کی بائیں جانب پڑھنے کا ہے اس کا ثبوت احادیث سے کیا ہے؟

---

(۱) وأما كون الأذان الثانی عند الخطبة فهل يكون داخل المسجد أو خارجه؟ فظاهر كتب المذاهب الأربعة أن يكون داخله بين يدی الخطيب. (معارف السنن للمحدث البنوری: ٤٠٢/٤، طبع مكتبة بنورية، كراچی)

تنقسم هذه السنن إلى سنن متفق عليها ومختلف فيها، أما السنن المتفق عليها فهی: ... (٤) الأذان بين يدی الخطيب إذا جلس على المنبر. (الموسوعة الفقهية الكويتية، سننها: ١٨١/١٩. انيس)

الجواب

کوئی اصل (۱) یادنہیں۔

(تتمہ اولیٰ، صفحہ:۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۷۱)

مسجد کی مرمت کے وقت اذان کہاں سے دی جائے:

سوال: ہمارے محلّہ میں ایک مسجد ہے، اس کے جماعت خانہ کی چھت توڑ دی ہے، اس مسجد میں اذان ونماز نہیں پڑھی جاتی۔ یہ مسجد بڑے بڑے سیلاب کے وقت بھی بند نہ ہوتی تھی صرف چھت توڑنے پر امام صاحب اذان واقامت کیلئے منع کرتے ہیں مسجد کے قریب میں نماز پڑھ سکیں اتنی جگہ ہے، مورخہ ۱۷/۱اپریل ۱۹۷۱ء کو نماز عشا کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا تھا کہ آئندہ کل سے نہ جمعہ اور نہ دوسری نمازیں یہاں ہوگی۔ اور مسجد میں بورڈ بھی لگا دیا ہے ،تو آپ اس بارہ میں وضاحت فرمائیں.

الجواب

صورت مسئولہ میں مسجد کے قریب ایسی جگہ ہے کہ وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے، تو اس جگہ جماعت سے نماز پڑھی جائے اور اذان بھی اپنے وقت پر دی جائے تا کہ معذور جو مسجد میں نہیں آسکتے (مثلا مریض اور عورتیں) وہ گھروں میں اذان سن کر نماز ادا کریں، اور جو معذور نہیں وہ نماز باجماعت ادا کریں۔ ہاں! نماز جمعہ کے لئے جگہ ناکافی ہوتو دوسری مسجد میں ادا کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۱۵/۳)

---

(۱) منبر مسجد کی داہنی جانب یعنی امام کی داہنی جانب بنانا سنت ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر اسی جانب تھا۔

یستحب أن یکون المنبر علی یسار القبلة تلقاء یمین المصلی إذا استقبل کذا قاله الضمیری والدارمی والرافعی و غیرهم آه(إعلام المساجد للزرکشی:۳۷۳)

وکان منبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن یمین المحراب إذا استقبلت القبلة،آه.(بذل المجهود فی حل أبی داؤد:۱۷۸/۲)

ومن السنة أن یخطب علیه اقتداء به صلی اللّٰه علیه وسلم(بحر)وأن یکون علی یسار المحراب، قهستانی.(رد المحتار:۷۷۰/۱)إنما وضع فی جانب الغربی قریبًا من الحائط،اهـ.(زاد المعاد: ۱۱۶/۱) اور دیکھئے! فتاویٰ دارالعلوم:۲۹۰/۲)

دوسرے مسئلہ کے متعلق حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ کا فتویٰ ہے کہ ”شریعت میں اس کا کچھ حکم نہیں کہ اذان بائیں جانب ہو اور اقامت داہنی جانب ہو بلکہ جس طرف اتفاق ہو اذان واقامت درست ہے کچھ کراہت کسی جانب میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم:۶٦/۱۔سعید احمد)

سہارا لیکر اذان اور بیٹھ کر اقامت مکروہ ہے:

سوال: کسے کہ طاقت در بدن نمی دارد اذان تکیہ دادہ می دہد و تکبیر نشستہ می گوید تکبیرِ او مکروہ است یا نہ؟(۱)

الجواب

درمختار میں ہے:

(ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه)...(و)أذان(امرأة)وخنثٰی (وفاسق) (إلٰی قوله):(وقاعد إلا إذا أذن لنفسه)وراكب إلا لمسافر،الخ.(۲)

اور یہ بھی درمختار میں ہے:

والإقامة كالأذان،الخ.(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اذان بیٹھ کر مکروہ ہے، اقامت بھی بلا عذر بیٹھ کر مکروہ ہے اور بوجہ ضعف کے اذان تکیہ (ٹیک) دیوار وغیرہ کا لگا کر کہنا کھڑے ہو کر بلا کراہت کے درست ہے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۱۰۴)

بیٹھ کر اذان مکروہ تحریمی ہے:

سوال: اگر ایسے خوش الحان صحیح التلفظ لنگڑے لولے مؤذن کو (جو کھڑے ہو کر اذان دینے سے قاصر ہے) بیٹھ کر لاؤڈ اسپیکر پر یا بغیر لاؤڈ اسپیکر کے اذان کا موقعہ دیا جائے تو شرعاً صحیح ہے، یا نہیں اور وہ دوسرے مؤذنین کی موجودگی میں بھی اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے مؤذنین البتہ خوش الحانی میں ذرا اس سے کم ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیٹھ کر اذان کہنا مکروہ تحریمی ہے۔اس کا اعادہ مندوب ہے۔(۵)

---

(۱) خلاصۂ سوال: ایک شخص کے بدن میں کچھ طاقت نہیں، وہ شخص سہارا لیکر اذان دیتا ہے اور تکبیر بیٹھ کر کہتا ہے، تو کیا اس کی تکبیر مکروہ ہے یا نہیں، اور اس کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ انیس

(۲) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار ،باب الأذان،مطلب فی المؤذن،الخ:۱/۳٦٤۔

(۳) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار ،باب الأذان،مطلب فی المؤذن:۱/۳٦۰،ظفیر

(۴-۵) یہ عام حالات کا حکم ہے، خاص حالات میں اجازت ہے۔عن الحسن العبدی قال:رأیت زیداً صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم وكانت رجله أصیبت فی سبیل الله وهوقاعد.(مصنف ابن أبی شیبة،فی الرجل یؤذن وهوجالس (ح:۲۲۱۷)

(۵) عن عطاء أنه كره أن یؤذن وهوقاعد إلا من عذر. (مصنف ابن أبی شیبة،فی الرجل یؤذن وهوجالس (ح:۲۲۱۸)انیس)

قال في التنوير: ويكره أذان جنب (إلٰى قوله) وقاعد إلا إذا أذن لنفسه ويعاد أذان جنب.
وفي الشرح: ندبا وقيل وجوباً.
وفي الحاشية: (قوله ويعاد أذان جنب، الخ) زاد القهستاني: والفاجر والراكب والقاعد و الماشي، والمنحرف عن القبلة، وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال وهو الأصح، كما في التمرتاشي. (رد المحتار، باب الأذان: ۳٦٥/۱) فقط والله تعالٰى أعلم
۱۲؍ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۷۵/۲) ☆

بلاضرورت بیٹھ کراذان دینا:

سوال: اگر لنگڑا شخص بیٹھ کراذان دے، تو مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب

بیٹھ کراذان دینا مکروہ ہے۔(۱) البتہ اگر کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں اور یہ تنہا نماز اذان دے کر پڑھنا چاہتا ہے، تو بیٹھ کراذان دے سکتا ہے۔ كذا في شرح المنية الكبيري حيث قال:
ويكره أن يؤذن قاعدًا إلا إذا كان لنفسه لأن المقصود به مراعاة السنة لا الإعلام. (الكبيرى: ۳۲۷)
اوراگر دوسرے آدمی موجود ہوں، تو معذور کا بیٹھ کراذان دینا مکروہ ہوگا۔ (امداد المفتین: ۲۶۹/۲)

☆ بیٹھ کراذان دینا:

سوال: جو شخص کھڑے ہونے پر قدرت نہ رکھے کیا وہ بیٹھ کراذان دے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدًا ومصلياً ومسلماً

اگر کوئی کھڑے ہوکراذان دینے والا نہ ہوتو کوئی قباحت نہیں، ورنہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ (في أحسن الفتاویٰ: بیٹھ کر اذان کہنا مکروہ تحریمی ہے، اس کا اعادہ مندوب ہے۔
قال في التنوير: ويكره أذان جنب (إلٰى قوله) وقاعد إلا إذا أذن لنفسه ويعاد أذان جنب.
وفي الشرح: ندبا وقيل وجوبا.
وفي الحاشية (قوله: ويعاد أذان جنب، الخ) زاد القهستاني والفاجر والراكب والقاعد والماشي والمنحرف عن القبلة وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص قال وهو الأصح كما في التمرتاشي (رد المحتار: ۳٦٥/۱) (احسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب الاذان والاقامۃ: ۲۷۷/۲، زکریا، دیوبند) واللہ اعلم بالصواب
کتبہ محمد حمزہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد حنیف غفرلہ ۲۱/۷/۱۴۱۴ھ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۰۰/۲)

(۱) احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اذان سے مطلوب لوگوں کو نماز کی اطلاع دینا ہے اور یہ کھڑے ہوکر دینے کی صورت میں واضح طور پر ادا ہوتا ہے، ساتھ ہی روایتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ''یا بلال! قم، فناد بالصلاة. (الصحيح للبخاري، ح: ٦٠٤) سے کھڑے ہوکراذان دینے کی افضلیت کا ثبوت ملتا ہے اور یہی متوارث طریقہ ہے۔ انیس

جوتے پہنکر اذان دینا کیسا ہے:

سوال: اذان جوتے سمیت جائز ہے یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

جائز ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۲۱/۲)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا:

سوال: اگرکسی شخص کے مسجد میں ہوتے ہوئے اذان پڑھی جائے،اب اگراذان کے بعدوہ شخص دوسری مسجد میں جا کرنماز پڑھناچاہے،شرعاً کیاحکم ہے؟اذان کے بعد بلاضرورت دوسری مسجد میں جا کرنماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدا و مصلیاً

اگراس شخص پردوسری مسجدکی جماعت کا توقف ہے کہ اگر یہ نہ جائے تو وہاں جماعت نہ ہوتب اس کودوسری جگہ نماز پڑھنامکروہ نہیں،وہیں جا کرنماز پڑھے،اگراس پرتوقف نہیں توایسی حالت میں مسجد سے نکلنا بلاضرورت مکروہ ہے۔(۲)

---

(۱) وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه وصلاته فيهما أفضل.(الدر المختار)

(قوله وصلاته فيهما)أى فى النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة لليهود،تاتر خانية،وفى الحديث:"صلوا فى نعالكم و لا تشبهوا باليهود"رواه الطبرانى.(رد المحتار،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها،مطلب فى أحكام المسجد: ٦١٥/١)

جب نماز جائز ہوئی تو اذان بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔واللہ اعلم (ظفیر)

والحديث الذى ذكره العلامة ابن عابدين أخرجه الطبرانى فى المعجم الكبير،عن يعلى بن شدادبن أوس عن أبيه (ح:٧١٦٤)انيس

عن عطاء قال:حدثت أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم صلى فى نعليه،ثم خلعهمافوضعهماعلى يساره فلماانصرف قال:لماخلعتم نعالكم؟فقالوا:رأيناك خلعت نعليك فخلعنانعالنا،قال:إنما خعلتهماأن جبرئيل جاء نى، فقال:إن فيها خبثاًفإذا جئتم أبواب المساجد -أوالمساجد-فتعاهدوهافإن كان بهاخبث فحكوها ثم ادخلوا فصلوافى نعالكم.(مصنف عبدالرزاق الصنعانى،باب تعاهد الرجل نعليه عند باب المسجد (ح:١٥١٤)

عن جابربن عبداللّٰه قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:صلوا فى نعالكم فإنهامن جمالكم.(المشيخة البغدادية لأبى الطاهر السلفى،مخطوطة (ح:٣٩)الجزء العشرون:٣٩/١٩.انيس)

(۲) أبو الشعثاء قال:كنا مع أبى هريرة فى المسجد فخرج رجل حين أذن المؤذن العصرفقال أبوهريرة:أما هذا فقد عصٰى أبا القاسم صلى اللّٰه عليه وسلم.(سنن أبى داؤد،باب الخروج من المسجدبعد الأذان،(ح:٥٣٦)

وفى حديث شريك عن المسعودى قال:أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذاكنتم فى المسجد فنودى بالصلٰوة فلايخرج أحدكم حتى يصلى.(مسند الإمام أحمد،مسند أبى هريرة (ح:١٠٩٣٤)

==

کره خروجه من مسجدٍ أذن فيه أوفي غيره حتٰى يصلى لقوله صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم:''لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق،أورجل يخرج لحاجة يريد الرجوع''،إلا إذاكان مقيم جماعة أخرىٰ كإمام و مؤذن لمسجدآخر،لأنه تكميل معنى. (مراقى الفلاح)

قال الطحطاوى:''(كإمام) قيده فى الكبيروشرح السيروغيرهما بإمام تفرق الناس بغيبته، فيفيد أنه لولم يكن بهذا المثابة لايخرج،والظاهرأن المؤذن إذاكان من يقوم مقامه عند غيبته، يكره له الخروج''أيضاً. (حاشية الطحطاوى:٢٦٥)(۱)**فقط واللّٰه سبحانه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۹۳/۵-۳۹۴)

مؤذن کا اذان کے بعد مسجد سے باہر جانا:

سوال: اذان دے کر مؤذن کا مسجد سے باہر چلے جانا اور ہوٹلوں پر بیٹھے رہنا اور نماز کا وقت ہونے پر تکبیر کہنے کے لئے واپس آنا، تکبیر سے قبل صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ پڑھنا، پھر تکبیر کہنا کہاں تک درست ہے؟

هــوالمـصـواب

اذان کے بعد مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے،(۲) مؤذن خود لوگوں کو نماز کے لئے بلا رہا ہے اور خود اس کے خلاف کر رہا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ نیز تکبیر سے پہلے صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ پڑھنے کا کوئی ثبوت شریعت مطہرہ میں موجود نہیں ہے، اسے بھی ترک کرنا لازم ہے۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۸۱/۱-۳۸۲)

== قال الحافظ:وفيه كراهة الخروج من المسجد بعد الأذان وهذا محمول علٰى من خرج بغيرضرورة وأما إذا كان الخروج من المسجد للضرورة فهوجائزوذلک مثل أن يكون محدثاً أوجنباً أوحاقناً أوحصل به رعاف أونحوذلک أوكان إمامًا بمسجد آخر.(عون المعبود:١٨٢/١،انيس)

(۱) حاشية الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح،كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة:٤٥٧،قديمى

والحديث رواه عبدالرزاق فى مصنفه وباب الرجل يخرج من المسجد (ح: ١٩٤٦)وابن وهب فى جامعه من كتاب الصلاة (ح: ٤٥١): ٢٧٣/١،بمعناه،وأخرج أبوداؤد فى المراسيل عن سعيد بن المسيب أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:لايخرج من المسجد أحد بعد النداء إلامنافق إلاإذا أحد أخرجته حاجة وهويريد الرجوع.(المراسيل لأبى داؤد السجستانى،ماجاء فى الأذان (ح:٢٥)/انيس)

(۲) خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه بالعصرفقال أبوهريرة:أما هذا فقد عصى أباالقاسم.(سنن الترمذى،أبواب الصلاة،باب ماجاء فى كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان:٢٠٤)

ومن دخل مسجدًا قد أذن فيه يكره له أن يخرج حتى يصلى لقوله عليه السلام: لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق أورجل يخرج لحاجة يريد الرجوع إلا إذا كان ينتظم به أمرجماعة لأنه ترک صورة تكميل معنى.(الهداية مع الفتح:٤٩١/١)

اذان دے کر مسجد سے نکلنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی امام مسجد بھی ہے اور دوکان پر ملازم بھی ہے، امامت کا وظیفہ کافی نہیں، وہ اذان دے کر سنتیں پڑھ کر دوکان پر چلا جاتا ہے، اور دس پندرہ منٹ بعد آ کر امامت کراتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب

بہتر تو یہ ہے کہ اتنے مختصر سے وقت کے لئے نہ نکلا جائے، لیکن اگر چلا بھی جائے، تو چنداں کراہت نہ ہوگی، کیونکہ اسے واپس آنا ہے۔

لحديث ابن ماجة: ''من أدرك الأذان فى المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لايريد الرجوع فهو منافق'' اه. (رد المحتار: ۵۲۸/۱، مطبوعه كوئٹه)(۱) **فقط والله اعلم**

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۵/۱۱/۱۴۰۰ھ - الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۰۷)

اذان دے کسی مسجد میں اور نماز پڑھے کسی مسجد میں یہ فعل کیسا ہے:

سوال: عمرو ایک مسجد میں مؤذن ہے اور وہ وہاں سے اذان کہہ کر چلا جاتا ہے نماز کہیں اور پڑھتا ہے، یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب

یہ فعل اچھا نہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۸۳)

دوسرے محلے سے آ کر صبح کی اذان مسجد میں دینا:

سوال: ایک مسجد شہر کے اندر واقع ہے، اور اس میں چار نمازیں با جماعت ہوتی ہیں، لیکن صبح کی نماز اور نہ ہی اذان ہوتی ہے، لیکن ایک شخص جاہل دوسرے محلے سے آ کر صرف صبح کی اذان دے کر واپس اپنے محلے میں آ کر محلے کی مسجد میں نماز ادا کرتا ہے، کیا یہ اس کے لیے صحیح ہے؟

الجواب

دوسرے محلے سے آ کر اذان دینے والا بڑے اجر وثواب کا مستحق ہے، لیکن اس کو چاہیے کہ نماز بھی وہیں پڑھا کرے، اور محنت کر کے دو چار آدمیوں کو ہی لے کر جماعت کرا لیا کرے۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۹۸)

---

(۱) عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أدركه الأذان فى المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لايريد الرجعة فهو منافق. (سنن ابن ماجة، باب إذا أذن وأنت فى المسجد فلا تخرج (ح: ۷۳٤) انيس)

(۲) والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثانى فى الأذان: ۱/۵۲)

أى لحديث: من أذن فهو يقيم. (رد المحتار: ۱/۳٦۷، ظفير) (أبى داؤد، فى الرجل يؤذن ويقيم آخر (ح: ٥١٤) انيس)

(۳) وفى الكنز: وكره خروجه من مسجد أذن فيه حتّى يصلى. (إعلاء السنن: ۷/۸٤)

ایک مسجد میں اذان دے، دوسری میں امامت کرے یہ فعل درست ہے یا نہیں:

سوال: بکر ایک مسجد میں مؤذن ہے اور دوسری مسجد میں امام ہے، ایک مسجد میں اذان کہہ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھاتا ہے کیا یہ جائز ہے اور اس مؤذن کے اذان کہنے میں تو کچھ نقص نہیں ہے؟

الجواب

اذان میں کچھ نقصان نہیں ہے اور دوسری مسجد کا امام ہے تو وہاں امامت کرانا درست ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸۴/۲)

بوقت ضرورت ایک آدمی دو مسجد میں اذان دے سکتا ہے:

سوال: ایک آدمی کو ایک وقت میں دو مسجدوں میں اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو نماز کونسی مسجد میں پڑھے؟

الجواب

اگر ضرورت ہو، درست ہے،(۲) اور جہاں چاہے نماز پڑھے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۸۷/۲-۸۸)

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے:

سوال: ہماری مسجد کا امام دوسری مسجد میں جا کر اذان دیتا ہے، بعض اوقات وہ سنتیں بھی وہیں پڑھ لیتا ہے۔ پھر اپنی مسجد میں آ کر اذان دیتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اذان کے بعد جا کر لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے۔ یا آواز دے کر لوگوں کو بلاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

---

(۱) وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة وإن كان حاضرًا ويلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره وإن رضى به لايكره عندنا كذا فى المحيط.(الفتاویٰ الهندية،الباب الثانى فى الأذان،الفصل الأول: ۵۴/۱،ظفير)

(۲) يكره له أن يؤذن فى مسجدين.(الدرالمختار،فروع)

لأنه إذا صلى فى المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان فى المسجد الثانى،الخ.(ردالمحتار،باب الأذان،قبيل باب شروط الصلاة: ۳۷۲/۱، ظفير)

اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ ہے مگر صورتِ مسئولہ میں چونکہ ضرورت ہے، اس لئے کراہت نہیں، پھر کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی مسجد میں نفل کی نیت سے جماعت میں لازمی طور پر شریک ہو ہی۔ واللہ اعلم، ظفیر

(۳) البتہ بلاضرورت ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا فقہا نے مکروہ لکھا ہے۔

" ويكره أن يؤذن فى مسجدين لأنه يكون داعياً إلى مالايفعل".(غنية المستملى: ۳۶۱/۱، ظفير)

الجواب

فی الدر المختار: یکره له أن یؤذن فی مسجدین، آه. (رد المحتار: ۲٦۸/۱)(۱)

اس عبارت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شخص مذکور کا ایسا کرنا مکروہ ہے، اس سے پرہیز چاہئے۔

(۲) مؤذن کا کسی اہل علم یا قاضی یا ایسے شخص کو جو دینی مصروفیت میں مشغول ہو، جا کر "الصلوٰۃ، یرحمک اللّٰہ" کہنا جائز ہے، اسی طرح کسی پختہ نمازی کو جو نماز کی باقاعدہ پابندی کرتا ہے اور کسی وجہ سے سو گیا ہے یا غافل ہو گیا ہے، یاددہانی کرانا جائز ہے۔(۲) اس کے علاوہ عام طور پر لوگوں کے دروازوں پر جا کر کنڈا کھٹکھٹانا ثابت نہیں، اس سے احتراز اولیٰ ہے۔ کذا فی الدر المختار وشرحه. (۳۷۲/۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ ۱۷/۴/۱۳۷٦ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۰۰/۲)

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا:

سوال: ایک مؤذن دو مسجدوں میں اذان کہتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ اچھا نہیں مکروہ ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۹/۲)

---

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، باب الأذان، فروع، قبیل باب شروط الصلاۃ/

ویکره أن یؤذن فی مسجدین ویصلی فی أحدهما) لأنه بعد ما صلی یکون متنفلا بالأذان فی المسجد الثانی، والتنفل بالأذان غیر مشروع ولأن الأذان مختص بالمکتوبات فإنما یؤذن ویقیم من یصلی المکتوبة علی أثرهم وهو فی المسجد الثانی یصلی النافلة علی أثرهما. (المبسوط للسرخسی، قبیل أذان السکران والمجنون: ۱٤٠/۱. انیس)

(۲) (قوله: التثویب الخ) هذا هو التثویب المحدث وإنما اختص بالفجر لاختصاصه بوقت یستحب فیه النوم فاستحب زیادة الإعلام ولم یر عامة مشایخنا الیوم بأساً فی الصلوات کلها لتغیر أحوال الناس. (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر، باب فی صلاة المرأة: ۸٤/۱. انیس)

ومن ثم قیل: إن تثویب کل بلدة ما تعارفوه کتنحنح أو قامت قامت أو الصلاة الصلاة ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلک جاز، کذا فی المجتبیٰ، وإطلاقه یفید أنه فی کل الصلوات وهو الذی استحسنه المتأخرون لظهور التوانی فی الأمور الدینیة لا فرق بین الحاکم وغیره وهذا قول محمد، قیل والإمام، وخص الثانی بمن یشتغل بمصالح العامة کالقاضی والمفتی والمدرس واختاره القاضی خان وغیره. (النهر الفائق شرح کنز الدقائق، باب الأذان: ۱۷۷/۱. انیس)

(۳) یکره له أن یؤذن فی مسجدین. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الأذان، فروع: ۳۷۲/۱، ظفیر)

ایک ہی وقت میں ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینے کا حکم:

سوال: اگرکوئی مؤذن یاامام بلاکسی طمع کے کئی مسجدوں میں ایک وقت کی اذان کہےتو کیسا ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار،باب الأذان:یکرہ لہ أن یؤذن فی مسجدین.

فی رد المحتار:لأنہ إذا صلیٰ فی المسجد الأول یکون متنفلا بالأذان فی المسجد الثانی و التنفل بالأذان غیرمشروع ولأن الأذان للمکتوبة وھوفی المسجد الثانی یصلی النافلة فلاینبغی أن یدعوالناس إلی المکتوبة وھو لایساعدھم فیھا،آہ. (بدائع: ۱/۱۵۶)(۱)

۲۶/محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،صفحہ:۱۰)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۲۷۱)

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا:

سوال: ایک مسجد محلۂ ہنود میں ہے،نہ وہاں پرمسافر کا گزر ہوتا ہے،نہ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسجد ہے اورایک شخص دوسری مسجد کا امام نماز کے بعد اس لئے اذان پڑھ دیتا ہے کہ یہ مسجد ویران نہ ہو،اور ہنوداس میں بُری حرکت نہ کرنے پائیں؟

الجواب

دومسجدوں میں اذان کہنا ہےتو مکروہ،مگر چونکہ کسی مسجد میں اذان کا ترک ہوجانا موجبِ اندیشہ ہے۔اس واسطے اس میں قواعد سے گنجائش ہوسکتی ہے،مگرکوئی جزئیہ نہیں ملا۔واللہ اعلم

احقرعبدالکریم عفی عنہ۔۶/شوال ۱۳۴۸ھ۔الجواب صحیح:ظفراحمدعفی عنہ۔(امدادالاحکام:۱/۴۸)

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے:

سوال: مسئلہ درمختار میں لکھا ہے کہ ایک شخص کوایک وقت میں دومسجدوں میں اذان کہنا مکروہ ہے،اور''رکن الدین'' کتاب میں لکھاہے کہ اذان کے بعد نماز اس مسجد میں نہ پڑھے،تو دوسری مسجد میں اذان کہنا مکروہ نہیں۔ان دونوں میں سے صحیح مسئلہ کونسا ہے؟

(المستفتی:نظیرالدین امیرالدین(امیزہ،ضلع مغربی خاندیس)

(۱) خلاصہ جواب: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے۔جس مسجد میں فرض پڑھے وہیں اذان دے۔(بہشتی گوہر:۲۸۔سعید پالنپوری)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

ہاں اگراذان کے بعد نماز اس مسجد میں نہ پڑھے، تو دوسری مسجد میں اذان کہنا مکروہ نہیں، یہی مطلب درمختار کی عبارت کا ہے۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۶۰/۳)

ایک شخص کا ایک مسجد میں اذان کے بعد دوسری مسجد میں مائک پر اذان:

سوال: میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ ''ایک مسجد کے امام کا دوسری مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے'' کیا ایسا ہی ہے؟ وجہ استفسار یہ ہے کہ عمر ایک مسجد میں مستقل امام ہے، دوسری مسجد میں چونکہ مائک ہے، عمر کی آواز بھی اچھی ہے تو اپنی مسجد کے علاوہ دوسری مسجد میں مائک سے اذان پڑھ کر اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتا ہے۔تو کیا بلاکراہت جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدا و مصلياً

جس میں اذان دے اس مسجد کا حق ہو جاتا ہے کہ نماز بھی وہیں پڑھے، بلکہ جو شخص اذان دے حدیث میں ہے کہ وہی اقامت کہے۔

''من أذن فهويقيم''. (۲)

اس لئے صورت مسئولہ غلط ہے، اس کی اصلاح کی جائے کہ مؤذن کوئی دوسرا مقرر کیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۰/۵)

دو مسجدوں میں اذان دینے والا نماز کہاں ادا کرے:

سوال: ایک شخص ایک مسجد میں اذان دیتا ہے فجر کی، اور وہی شخص اس مسجد میں اذان دینے کے بعد دوسری مسجد میں اذان دے کر وہیں نماز پڑھاتا ہے، تو آیا اس شخص کو پہلی مسجد میں نماز پڑھنا چاہئے یا دوسری مسجد میں اور اگر دونوں میں پڑھنا جائز ہے تو آیا کس مسجد میں اس کے لئے نماز پڑھنا افضل ہے؟

(۱) يكره له أن يؤذن في مسجدين. (الدر المختار) وفي الشامية: ''لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غير مشروع، ولأن الأذان للمكتوبة وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة فلاينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة، وهو لايساعدهم فيها، آه، بدائع. (باب الأذان: ۴۰۰/۱، ط، سعيد كمپنی)

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر: ۸۳/۱، إمدادية، ملتان أيضاً حاشية: ۱.

الجواب ـــــــــــ حامدًاو مصليًا

مؤذن کو چاہئے کہ جس مسجد میں اذان دے اسی مسجد میں نماز بھی ادا کرے، اس لئے کہ افضل یہ ہے کہ مؤذن ہی مکبر ہو۔(۱)

"والأفضل أن يكون المؤذن المقيم". (الفتاویٰ الهندية: ۵٤/۱)

لیکن دوسری مسجد میں اگر کوئی مؤذن نہ ہوتو یہی مؤذن وہاں بھی اذان دے سکتا ہے البتہ ایسی صورت میں مسجد ثانی میں نماز ادا کرے اس لئے کہ مسجد اول میں نماز پڑھنے کے بعد مسجد ثانی میں اسی مؤذن کا اذان دینا مکروہ ہے۔

"ويكره أن يؤذن في مسجدين" الكراهة مقيدة بما إذا صلى في الأول، كما في البحر. (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱۸۹/۱)

ويكره أن يؤذن في مسجدين؛ لأنه يكون في أحدهما داعياً إلىٰ مالا يفعل، آه. (الكبيری: ۳٦۱)

لأنه إذاصلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني والتنفل بالأذان غير مشروع ولأن الأذان للمكتوبة وهوفي المسجد الثاني يصلي النافلة فلاينبغي أن يدعوالناس إلى المكتوبةوهو لايساعد هم فيها آه. بدائع الصنائع. (رد المحتار: ۲٦۸/۱)فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۷٦/۲)

متعدد آدمیوں کا اذان دینا:

سوال: تین آدمی ایک ساتھ ہوکر رمضان المبارک میں مغرب اورعشا کی اذان دیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بہت سے روزہ دار افطار کے وقت اذان کے منتظر رہتے ہیں، اس لئے تین آدمی مل کر ایک ساتھ اذان دیتے ہیں، اس پر کیا فتویٰ ہے؟

الجواب ـــــــــــ حامدًا و مصلياً

ضرورت کے وقت چند آدمیوں کا ایک ساتھ ایک مسجد میں اذان دینا درست ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۹/۲۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۹٦/۵)

(۱) عن زياد بن الحارث الصدائي قال: لماكان أول أذان الصبح أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت فجعلت أقول أقيم يارسول الله فجعل ينظر إلى ناحية المشرق من الفجرفيقول لاحتى طلع الفجر، نزل فبرزثم انصرف إلىّ وقد تلاحق أصحابه يعني فتوضأ فأراد بلال أن يقيم فقال له نبي الله صلى الله عليه وسلم إن أخا صداء هوأذن ومن أذن فهويقيم قال فأقمت. (سنن أبي داؤد، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر (ح: ۵۱٤)انيس)

(۲) "وأما الأذان الأول فقد صرح في النهاية بأنه المتوارث حيث قال في شرح (قوله: وإذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع): ذكر المؤذنين بلفظ الجمع ==

ایک ہی وقت میں کئی اذانوں کا حکم:

سوال: ہمارے شہر میں ایک مسجد ایسی ہے، جس میں عشا کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے تمام نمازی مع امام صاحب پہلی صف میں اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوکر اذان دیتے ہیں اور مسجد کے چاروں کونوں میں پھونک مارتے ہیں، اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز شروع کرتے ہیں۔ کیا عندالشرع ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا کوئی ثبوت ہے اور ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عشا کی اذان اور اقامت کے درمیان متعدد بار اذان کہنا عندالشرع اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ اپنی جانب سے اختراع اور بدعت ہے، اذان صرف فرض نماز کے لئے مشروع ہے، اس کے علاوہ اذان کی سنیت ثابت نہیں۔

قال الحصكفي: لأنه سنة للصلوٰة حتى يبرد به لا للوقت (لا) يسن (لغيرها) كعيد. (الدر المختار على صدر ردالمحتار: ۳۸٤/۱، باب الأذان، كتاب الصلوٰة)(۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۴۶/۳-۴۷)

جاہل جمع ہوکر تنہا تنہا نماز پڑھیں تو کیا اذان نہیں ہے:

سوال: مسجد میں دو چار آدمی جمع ہوتے ہیں اور سب جاہل ہیں امامت کے قابل کوئی نہیں سب علاحدہ علاحدہ نماز پڑھتے ہیں۔ ایسی حالت میں اذان پڑھنا چاہئے یا نہیں اور امامت کے ساتھ نماز پڑھی جائے یا علاحدہ علاحدہ؟

الجواب

بحالت مذکورہ اذان نہ چھوڑی جائے، جماعت ہو یا نہ ہو۔ (۲) اول تو جماعت ضرور کرنی چاہئے، امامت کے لائق

== إخراجاً للكلام مخرج العادة، فإن المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ أصواتهم إلى أطراف المصر الجامع آه، ففيه دليل على أنه غير مكروه، لأن المتوارث لايكون مكروهاً، وكذلك نقول فى الأذان بين يدى الخطيب، فيكون بدعة حسنة؛ إذ ما رآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن آه، ملخصاً.

أقول: وقد ذكر سيدى عبد الغنى المسألة كذلك أخذًا من كلام النهاية المذكور، ثم قال: ولا خصوصية للجمعة؛ إذ الفروض الخمسة تحتاج للإعلام". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى أذان الجوق: ۳۹۰/۱، سعيد)

(۱) وفى الهندية: الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة كذا فى فتاوىٰ قاضى خان. وليس لغير الصلوات الخمس و الجمعة نحو السنن والوتر إلى آخره. (الفتاوىٰ الهندية: ۵۳/۱، باب الأذان)

(الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة لاسواها للنقل المتواتر. (الهداية، باب الأذان)

یعنی پانچوں نمازوں اور جمعہ کے علاوہ وتر، عیدین، جنازہ، کسوف، استسقاء، تراویح اور سنن زوائد کے لئے اذان دینا سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے۔ انیس

(۲) الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة لاسواها. (الهداية، باب الأذان: ۸۲/۱، ظفير)

کوئی ہو یا نہ ہو، جاہلوں کا امام جاہل ہوسکتا ہے۔(۱) جماعت سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے، بلا عذر جماعت نہ چھوڑی جائے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۷)

اذان کے وقت اوراذان دینے کے درمیانی وقفہ کے دوران دنیا کی بات چیت کرنا:

سوال: درمیان کلمات اذان کے مؤذن جو وقفہ لیتا ہے، اس میں بات دنیا کی جائز ہے یا نہیں؟ اور کچھ ثواب میں کمی ہوگی یا نہیں؟

الجواب

دنیا کی بات اثناء سکوت مؤذن بھی درست ہے اور جب اذان کہہ رہا ہو؛ اس وقت بھی درست ہے، مگر ثواب گھٹ جاتا ہے۔(۳) واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۶۰)

مؤذن کی موجودگی میں دوسرے شخص کا اذان کہنا:

سوال: ایک شخص عرصے سے مسجد کی خدمت یعنی اذان پڑھنی، تکبیر کہنی، مسجد کی صفائی دیکھ بھال وغیرہ بے غرض حسبۃً للہ باجازت مؤذن انجام دیا کرتا تھا، وہی نہیں بلکہ اس شخص کے باپ کا بھی یہی حال تھا۔ بعض خود غرض دشمنوں نے مسجد کے ممبران کمیٹی سے شکایت کی ممبران میں سے بعض انگریزی داں اور وکیل بھی ہیں۔ وہ وکیل صاحبان یہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے سامنے کیا جواب دیں گے، یہ کہہ کر اس شخص کو نیک کام سے رکوا کر محروم کر دیا، کیا یہ فعل ممبران کمیٹی کو جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر:۲۶۰۰ نور الٰہی صاحب (دہلی) ۶/ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ/۱۵/مئی ۱۹۴۰ء)

(۱) إمامة الأمي قوماً أميين جائزة، كذا في السراجية.(الفتاویٰ الهندية،باب الإمامة: ۱/ ۸۰، ظفير)

(۲) الجماعة سنة مؤكدة الخ وفي البدائع:تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوٰة بالجماعة من غير حرج.(الفتاویٰ الهندية، باب الإمامة: ۱/ ۷۷. ظفير)

(۳) یعنی دوران اذان مؤذن کا گفتگو کرنا مکروہ ہے، اذان سننے والے کے لیے جائز ہے۔ البتہ بہتر ہے مؤذن اور سننے والا دونوں بات نہ کرے، بلکہ مؤذن کلمات اذان کی ادائیگی پر دھیان دے اور سننے والا خاموشی کے ساتھ کلمات اذان کو سن کر اس کا جواب دے۔

عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه قال في المؤذن:يدخل أصبعيه في أذنيه ويستقبل القبلة بالشهادة ويدور إذا فرغ من الشهادة، قال حماد: سألت إبراهيم أ يتكلم المؤذن في أذانه وإقامته فلم يقل: يتكلم، ولم يقل: لايتكلم ، وأناأكره له أن يتكلم.(الآثار لأبي يوسف،باب الأذان: ۱/ ۱۹(ح:۸۸)

عن إبراهيم قال: كانوايكرهون للمؤذن إذا أخذ في أذانه أن يتكلم حتى يفرغ.(مصنف عبدالرزاق الصنعاني،باب الكلام بين ظهراني الأذان (ح:۱۸۰۹)

عن أبي عامر المزني وعن ابن سيرين أنهما كرها أن يتكلم حتى يفرغ. /عن الشعبي أنه كره الكلام في الأذان.(مصنف ابن أبي شيبة،من كره الكلام في الأذان(ح:۲۲۰۴-۲۲۰۷)انيس)

الجواب

اگر کوئی شخص حسبۃً للہ مسجد کی خدمت صفائی، نگرانی وغیرہ کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہے،(۱) اور اگر مؤذن مقرر نہ ہو تو اذان واقامت کہنی بھی موجب ثواب ہے،(۲) لیکن اگر مؤذن مقرر ہے تو پھر اذان واقامت مؤذن کا حق بلکہ اس کا منصبی فریضہ ہے، اگر ممبران کمیٹی مؤذن سے مواخذہ نہ کریں کہ وہ خود اذان کیوں نہیں کہتا تو مؤذن دوسرے شخص کو اذان واقامت کی اجازت دے سکتا ہے اور اس کی اجازت سے دوسرا شخص اذان واقامت کہہ سکتا ہے، لیکن اگر کمیٹی مؤذن سے اذان نہ کہنے پر مواخذہ کرے تو کمیٹی کو اس کا حق ہے اور مؤذن کو بھی حق ہے کہ وہ خود اذان کہنے پر اصرار کرے اور دوسرے شخص کو اجازت نہ دے، ایسی حالت میں اس شخص کو جو حسبۃً للہ اذان کہنا چاہتا ہے، کمیٹی کے قاعدے میں اور مؤذن کے فرض منصبی کی انجام دہی میں مداخلت نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ اگر وہ اس ثواب کو حاصل کرنے کا آرزومند ہے تو کسی ایسی مسجد میں جہاں مؤذن تنخواہ دار مقرر نہ ہو اذان کہہ کر یہ فضیلت حاصل کرنا چاہئے۔(۳)

(کفایت المفتی:۵۶/۳)

(۱) عن أنس قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:عرضت على أجور أمتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد وعرضت على ذنوب أمتي فلم أر ذنبا أعظم من سورة أو آية من القرآن أوتيها رجل ثم نسيها.(أخبار مكة للفاكهي، ذكر الوضوء في المسجد الحرام (ح: ١٢٨٩)/سنن أبي داؤد،باب في كنس المسجد (ح: ٤٦١)/سنن الترمذي،باب: ١٩ (ح:٢٩١٦)/ مسند البزار،مسند أبي حمزة أنس بن مالك (ح: ٦٢١٩)/مسند أبي يعلى الموصلي،عن أنس بن مالك (ح: ٤٢٦٥)/الصحيح لابن خزيمة،باب فضل إخراج القذى من المسجد (ح:١٢٩٧)/شعب الإيمان،فصل في تعلم القرآن (ح:١٨١٤)انیس)

(۲) عن زيد بن أرقم قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:بلال سيد المؤذنين يوم القيامة ولا يتبعه إلا مؤمن،والمؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة.(مصنف ابن أبي شيبة،في فضل الأذان وثوابه (ح:٢٣٤٣)انیس)

(۳) أقام غير من أذن بغيبته أي المؤذن لا يكره مطلقاً وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة، الخ. (الدرالمختار) ”أي بأن لم يرض به“، الخ.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ٣٩٥/١،ط سعيد كمپنی)

شرائط اذان:

نیچے لکھی باتوں کے پائے جانے کے بعد ہی اذان صحیح ہوگی۔

۱۔ اذان کے الفاظ اس طرح مسلسل کہے جائیں کہ اس کے درمیان نہ دیر تک خاموش رہے اور نہ زیادہ دوسری باتیں کہے۔(الفقه علی المذاهب الاربعة: ٣١٤/١)

۲۔ اذان عربی زبان میں ہو اگر دوسری زبان میں اذان دے اور لوگ نہ سمجھیں تو صحیح نہیں ہے۔(الفقه علی المذاهب الاربعة: ٣١٤/١)

۳۔ پوری اذان وقت داخل ہونے کے بعد ہو۔ وقت سے پہلے مکروہ تحریمی ہے۔(الفقه علی المذاهب الاربعة: ٣١٤/١)

۴۔ پوری اذان ایک آدمی دے، بعض حصہ ایک شخص دے اور بعض حصہ دوسرا تو صحیح نہیں ہے۔ ایک سے زیادہ آدمی پوری پوری اذان دے تو صحیح ہے لیکن بلاضرورت چند آدمیوں کا اذان دینا خلاف سنت اور قابل ترک ہے۔(الفقه علی المذاهب الأربعة: ٣١٤/١)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل۔انیس)

پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ میں اذان دینا

صبح صادق سے پہلے سحری کے لیے اذان دینا متروک ہے:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام کے زمانہ مبارک میں لوگوں کو بیدار کرنے کا طریقہ تھا، غیر مقلد لوگ کہتے ہیں کہ سحری کو بیدار کرنے کے لیے اذان کہا کرو، لہٰذا حضرت سے عرض ہے کہ اذان کہنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کرام سے ثبوت ہے یا نہ؟

الجواب

اس میں کلام طویل ہے اور بعد تسلیم ثبوت کے چونکہ ایک حدیث میں اس سے نہی فرمائی گئی۔ اس لیے یہ عمل متروک ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

روى البيهقى أنه عليه الصلوٰة والسلام قال: "يا بلال! لاتؤذن حتى يطلع الفجر".
قال فى الامام رجال إسناده ثقات. (البحر الرائق: ۲۷۷/۱)(۱)

۲۶/ رمضان ۱۳۳۱ھ۔ (تتمہ ثانیہ ص: ۸۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۹۰/۵)

تہجد کی نماز کے لیے اذان و اقامت:

سوال: شب براءت اور لیلۃ القدر کے موقع پر اکثر لوگ رات جاگ کر عبادت کرتے ہیں، تو کچھ حضرات کہتے ہیں کہ تہجد کی نماز باجماعت پڑھیں، تاہم میں نے انکار کیا اور کہا کہ پہلے پوچھیں گے، پھر عمل کریں گے۔ حالانکہ سعودیہ میں باجماعت تہجد ہوتی ہے جو کہ اکثر رمضان میں ہم سحری کے وقت ریڈیو پر سنتے ہیں، تو کیا تہجد کی نماز باجماعت ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے، تو اذان اور اقامت کا کیا حکم ہے؟

(۱) البحر الرائق، أذان الجنب وإقامته/ وعن أبي هريرة عن بلال قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يتسحر بتمر فقال: يابلال! ادن فكُلْ، يا بلال لا تؤذن حتى يطلع الفجر ثم قال: ثم أتيته الثانية وهو يتسحر بتمر، فقال: يابلال! ادن فكُلْ، يا بلال لا تؤذن حتى يصير الفجر هكذا وأشار وجمع محمد بين أصبعيه السبابتين وفتحهما. (مسند الروياني، حديث بلال مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ۷۴۸)

عن شداد مولى عياض قال: جاء بلال إلى النبى صلى الله عليه وسلم وهويتسحر فقال: لا تؤذن حتى ترى الفجر، ثم جاء ه من الغد فقال: لا تؤذن حتى يطلع الفجر ثم جاء ه من الغد فقال: لا تؤذن حتى ترى الفجر هكذا وجمع بين يديه ثم فرقهما. (السنن الكبرىٰ للبيهقى مرسلا فى باب رواية من روى النهى عن الأذان قبل طلوع الفجر (ح: ۱۸۰۲) انيس)

الجواب

تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے، اس لیے تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے،(۱) اور نفلی نماز کے لیے اذان واقامت نہیں، اذان واقامت صرف نماز پنج گانہ اور جمعہ کی خصوصیت ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کاحل:۳/۳۰۱)

اذان تہجد کا حکم:

سوال: اذان تہجد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان تہجد کی رمضان المبارک میں فی الجملہ گنجائش ہے،(۳) لیکن سال بھر تک وارد نہیں۔(۴) لہذا صرف اذان فجر پر اکتفا کیا جائے اور اذان تہجد موقوف کردیں۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔۷/۱۲/۱۳۹۸ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۰۳)

تہجد کے لئے اذان منسوخ ہے:

سوال: نماز تہجد کے لئے اذان مسنون ہے یا نہیں، بینوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق سے کچھ قبل اذان دیا کرتے تھے تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام

(۱) التطوع بالجماعة إذاكان علىٰ سبيل التداعي يكره.(الفتاویٰ الهندية: ۸۳/۱، كتاب الصلاة،الباب الخامس)

(۲) وليس لغير صلوات الخمس و الجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذان ولا إقامة، كذا في المحيط.(الفتاویٰ الهندية: ۵۳/۱، كتاب الصلاة،الباب الثانی فی الأذان،الفصل الأوّل)

(۳) عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أن بلالاً ينادی بليل فكلوا واشربوا حتی ينادی ابن أم مكتوم/وفی رواية عن سالم مثله،قال:وكان ابن أم مكتوم لاينادی حتی يقال له: قدأصبحت،قال محمد:كان بلال ينادی بليل في شهر رمضان لسحور الناس وكان ابن أم مكتوم ينادی للصلاة بعد طلوع الفجر فلذلک قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :كلواواشربوا حتی ينادی ابن أم مكتوم.(موطأ الإمام مالک برواية محمد بن الحسن الشيبانی،متی يحرم الطعام علی الصائم (ح: ۳۴۷-۳۴۸)/مسند الإمام أبی حنيفة برواية الحصكفی،كتاب الصوم (ح:۵)انيس)

(۴) عن ابن عمرقال:إن بلالاأذن قبل طلوع الفجرفأمره النبی صلى الله عليه وسلم أن يرجع فينادی ألاإن العبد قد نام فرجع فنادیٰ ألا إن العبد قد نام،ألا إن العبدقدنام.(المنتخب من مسندعبدبن حميد،أحاديث ابن عمر (ح:۷۸۲)/سنن أبی داؤد،باب فی الأذان قبل دخول الوقت (ح: ۵۳۲)/مصنف ابن أبی شيبة،يؤذن بليل أيعيدالأذان أم لا (ح:۲۳۰۷)/نيل الأوطار،باب الأذان فی أول الوقت : ۵۹/۲.انيس)

کرلیں اور سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر فجر کی تیاری کریں مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔

قال ابن نجیم رحمه اللّٰه تعالٰی: وعند أبی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰی لایؤذن فی الفجر قبله؛لما رواه البیهقی أنه علیه الصلٰوة والسلام قال: یا بلال لاتؤذن حتٰی یطلع الفجر قال فی الإمام: رجال إسناده ثقات. (البحرالرائق: ۲۶۳/۱)

وأخرج الإمام أبوجعفر الطحاوی رحمه اللّٰه تعالٰی عن إبراهیم قال:"شیعنا علقمة إلٰی مکة فخرج بلیل فسمع مؤذناً یؤذن بلیل،فقال:أما هذا فقد خالف سنة أصحاب رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لوکان نائماً کان خیرًا له فإذا طلع الفجر أذن".

قال الطحاوی رحمه اللّٰه تعالٰی:فأخبر علقمة أن التأذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنة أصحاب رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (شرح معانی الأثار: ۶۹/۱)(۱) **فقط واللّٰه تعالٰی أعلم**

۲۱/رمضان ۱۳۹۴ھ ۔(احسن الفتاویٰ:۲۹۱/۲)

تہجد کیلئے اذان خلاف سنت ہے:

سوال: نماز تہجد کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیتے تھے یا نہیں؟

الجواب

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق سے کچھ پہلے اذان دیا کرتے تھے،تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں،اور سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر فجر کی نماز کی تیاری کرلیں،مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی تھی۔حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسے معمول نہیں بنایا۔(۲)

قال العلامة أبوجعفر الطحاوی:فخبر علقمة أن التأذین قبل طلوع الفجر خلاف لسنة أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الخ". (شرح معانی الآثار: ۶۹/۱)**فقط واللّٰه أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،مفتی جامعہ خیر المدارس،ملتان ۔(خیر الفتاویٰ:۲۰۶/۲)

(۱۔۲) **شرح معانی الآثار،باب التأذین للفجر،أی وقت هو؟ (ح: ۸۷۱)/مصنف ابن أبی شیبة،من کره أن یؤذن المؤذن قبل الفجر (ح: ۲۲۲٤)**

عن إبراهیم قال: کانوایکرهون أن یؤذن المؤذن قبل طلوع الفجر (مصنف عبدالرزاق،باب الأذان فی طلوع الفجر (ح: ۱۸۹۰)انیس)

اذان بلال وابن ام مکتوم کے درمیان فاصلہ:

سوال: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کے درمیان صرف اترنے اور چڑھنے کا فاصلہ ہوتا تھا۔ بظاہر وقت مختصر ہے، اس میں سحری کس طرح کھائی جاتی تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

"ینزل هذا ویصعد هذا" (۱) سے مقصد یہ ہے کہ ان حضرات کی اذان کے درمیان وقت قلیل ہوتا تھا، جیسے دو اذانوں کے درمیان طویل وقت ہوتا ہے، ایسا نہیں تھا، فھو من قبیل " تزوج زید فولد"، اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرب صبح صادق پر تنبیہ مقصود تھی، تاکہ جو حضرات تہجد میں مشغول ہیں، وہ ذرا آرام کرلیں اور سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر صبح کے لئے تیار ہوجائیں اور مختصر سحری یا مختصر نفل پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکیں۔

قال الحافظ العسقلانی رحمه اللّٰه تعالیٰ:"والصبح یأتی غالباً عقب نوم فناسب أن ینصب من یوقظ الناس قبل دخول وقتها لیتأهبوا ویدرکوا فضیلة أول الوقت".

(ثم نقل عن ابن التین)"إن قوله"أن بلالا ینادی بلیل"خبریتعلق به فائدة للسامعین قطعًا و ذلک إذاکان وقت الأذان مشتبهًا محتملاً لأن یکون عند طلوع الفجر فبین صلی اللّٰه علیه و سلم أن ذلک لایمنع الأکل والشرب بل الذی یمنعه طلوع الفجر الصادق.

قال:وهذا یدل علیٰ تقارب وقت أذان بلا ل رضی اللّٰه تعالیٰ عنه من الفجر،انتهیٰ.

ویقویه أیضًا ما تقدم من"أن الحکمة فی مشروعیته التأهب لإدراک الصبح فی أول وقتها".

(فتح الباری: ۸۷/۲)

وقال الحافظ العینی رحمه اللّٰه تعالیٰ معزیاً إلی الکرمانی معناه:"أنه إنما یؤذن باللیل لیعلمکم أن الصبح قریب فیرد القائم المتهجد إلیٰ راحته لینام لحظةً لیصبح نشیطاً ویوقظ نائمکم لیتأهب للصبح بفعل ما أراده من تهجد قلیل أوتسحرأواغتسال.

قلت:أولإیتارإن کان نام عن الوتر".(عمدة القاری:۱۳۴/۵)فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۸/رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۷۷/۲)

(۱) أنیسة قالت: کان بلال وابن أم مکتوم یؤذنان للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم،فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن بلالاًیؤذن بلیل فکلواواشربواحتی یؤذن ابن أم مکتوم فکنانحبس ابن أم مکتوم عن الأذان فنقول: کماأنت حتی نتسحر، کما أنت حتی نتسحرولم یکن بینهماإلاأن ینزل هذاویصعدهذا.(مسندأبی داؤدالطیالسی،أنیسة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (ح: ۱۷۶۶)/مسنداسحاق بن راهویه،مایروی عن عمة خبیب (ح: ۲۳۲۹)/سنن النسائی،هل یؤذنان جمیعاأوفرادی (ح: ۶۳۹)انیس)

مواقع مشروعیت اذان:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کون کون مقام وواقعات آندھی وغیرہ میں اذان سنت ہے اور کہاں کہاں بدعت ہے؟

الجواب

ان مواقع میں اذان سنت ہے۔فرض نماز۔بچہ کے کان میں وقت ولادت۔آگ لگنے کے وقت۔جنگ کفار کے وقت۔مسافر کے پیچھے۔جب شیاطین ظاہر ہوکر ڈرائیں۔غم کے وقت۔غضب کے وقت۔جب مسافر راہ بھول جائے۔جب کسی کو مرگی آوے۔جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو۔اس کو صاحبِ ردالمحتار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض وخوف غرق کے بھی دیکھا ہے،لیکن کوئی روایت نہیں دیکھی،(۱) اور آندھی کے وقت تو اذان دیکھی سنی نہیں گئی،البتہ فقہا نے نماز اس وقت لکھی ہے اور دیگر اوقات میں بھی لکھی ہے۔کسوف اور خسوف،آندھی،تاریکی دن کو،روشنی شدید رات کو،خوف غنیم،زلزلہ،بجلی،برف،بارش جو تھمتی نہ ہو،(۲) عموم امراض،استسقا اس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے اور تعمیم کی ہے کہ جو آیات اللہ موجب تخویف ہوں اس وقت نماز پڑھنا چاہیئے۔

ویؤیده قوله علیه السلام:"إذا رأیتم من هٰذه الأفزاع شیئًا فافزعوا إلی الصلوٰة".(۳)واللّٰه اعلم

(امداد،صفحہ:۹۸،جلد:۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۱۶۵)

---

(۱) اس لئے نہ چاہیئے بالخصوص جبکہ عوام کا اعتقاد اس میں حدفساد تک پہنچا ہوا ہے۔سعید پالنپوری

(۲) مناسب عبارت:"جو تھمتے نہ ہوں" ہے کیونکہ یہ قید بارش اور برف دونوں کے ساتھ ہے،درمختار(باب الکسوف:۱/۷۹۰) کی عبارت:والثلج والمطر الدّائمَین،ہے۔سعید پالنپوری

(۳) **و فی الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة،باب الاستسقاء:۱/۲۲۵:لم أجده بهذا اللفظ.انیس**

عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قالت:خسفت الشمس فی حیاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فخرج إلی المسجد فصف الناس وراء ه فکبر فقرأ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قراء ة طویلة ثم کبر فرکع رکوعاطویلا ثم قال:سمع اللّٰه لمن حمده،فقام ولم یسجد وقرأ قراء ة طویلة هی أدنی من القراء ة الأولی ثم کبر و رکع رکوعا طویلاوهوأدنی من الرکوع الأولی ثم قال:سمع اللّٰه لمن حمده ربناولک الحمد،ثم سجد ثم قال فی الرکعة الأخیرة مثل ذلک،فاستکمل أربع رکعات فی أربع سجدات و انجلت الشمس قبل أن ینصرف ثم قام فأثنی علی اللّٰه بماهوأهله ثم قال:هماآیتان من آیات اللّٰه لایخسفان لموت أحد ولالحیاته فإذارأیتموهمافافزعواإلی الصلاة.(الصحیح للبخاری،باب خطبةالإمام فی الکسوف(ح:۱۰۴۶)انیس)

==

دفن اور قحط و وبا میں اذان ثابت ہے یا نہیں:

سوال: زمانۂ قحط اور وبا میں اور دیگر حادثات میں اور دفن میت کے بعد اذان کہنا کیسا ہے؟

الجواب

ان حوادثات میں اذان شارع علیہ السلام سے اور اقوال وافعال سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بدعت ہے۔ (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۸۴)

خشک سالی اور طاعون کے موقع پر اذان ثابت ہے یا نہیں:

سوال: وبا اور قحط اور خشک سالی طاعون وغیرہ کے موقعہ میں اذان بعد نماز کہنا شرعاً درست ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو شرعی دلیل کیا ہے، اور اگر ممنوع ہے تو ہم نے جو سنا ہے کہ وبا میں غول بیابانی اور جنات کی کثرت ہوتی ہے اور جنات کے دفع کے لئے جو حدیث ''وإذا تغولت لكم الغيلان فنادوا بالأذان'' (۲) اور حدیث ''أطفئوا الحريق بالتكبير'' (۳) سے سندِ جواز پکڑنا صحیح ہے یا نہیں؟

== کسوف وخسوف کے سلسلہ میں عمومی طور پر ''فافزعوا إلى ذكر الله'' یا ''فافزعوا إلى الصلاة'' کے آئے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے! مسند الشافعي، الباب الرابع عشر في صلاة الكسوف (ح: ٤٧٥)/ مصنف عبدالرزاق، باب الآيات (ح: ٤٩٢٦)/ مسند الحميدي، أحاديث أبي مسعود الأنصاري (ح: ٤٦٠)/ مصنف ابن أبي شيبة، صلاة الكسوف كم هي؟ (ح: ٨٢٩٩)/ مسند إسحاق بن راهويه (ح: ٥٩٩)/ مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ٤٣٨٧)/ سنن الدارمي، باب الصلاة عند الكسوف (ح: ١٥٦٩)/ الصحيح للبخاري، باب خطبة الإمام في الكسوف (ح: ١٠٤٦)/ الصحيح لمسلم، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف الصلاة (ح: ٩١٢)/ سنن ابن ماجة، باب ماجاء في صلاة الكسوف (ح: ١٢٦٣)/ سنن أبي داؤد، باب صلاة الكسوف (ح: ١١٧٧)/ مسند البزار، أبوشريح عن عبدالله بن مسعود (ح: ١٤٤٩)/ سنن النسائي، نوع آخر من صلاة الكسوف (ح: ١٤٧٠)/ مسند أبي يعلى الموصلي، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ٥٣٩٤)/ المنتقى لابن الجارود، ماجاء في الكسوف (ح: ٢٤٩)/ مسند الروياني، حديث بلال مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح: ٧٥٢)/ الصحيح لابن خزيمة، باب ذكر الخبر الدال على أن كسوفهما تخويف (ح: ١٣٧١)/ شرح معاني الآثار، باب صلاة الكسوف كيف هو (ح: ١٩٥٠) انيس

(۱) في الاقتصار على ماذكر من الوارد إشارة إلٰى أنه لايسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاوٰيه بأنه بدعة ومن ظن أنه سنة قياساً علٰى ندبهما للمولود إلحاقاً لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب آه. (رد المحتار، باب صلٰوة الجنائز: ١/٨٣٧، ظفير، مطلب في دفن الميت، تنبيه)

(۲) السنن الكبرىٰ للنسائي، الأمر بالأذان إذا تغولت الغيلان (ح: ١٠٧٢٥) انيس

(۳) الدعاء للطبراني، باب القول عند وقوع الحريق (ح: ١٠٠١) انيس

الجواب

وبا اور قحط میں اذان کہنا منقول نہیں ہے اور تغول غیلان کے وقت جواذان مستحب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر طور سے غیلان جن محسوس ہو۔ مثلاً: جنگل وغیرہ میں کسی کو جنات کا احساس ہو اس وقت اذان کہنے کا حکم ہے۔ امراضِ وبائیہ میں یہ وارد نہیں ہے نہ اس کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں کہ قیاس اول تو مجتہد کا معتبر ہے نہ ہم لوگوں کا، اور علاوہ بریں قیاس مع الفارق ہے، امراضِ وبائیہ میں تغول غیلان کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹۳/۲)

مرض طاعون میں اذان دینا مشروع ہے یا نہیں:

سوال: مرض طاعون میں جو اکثر آدمی مسجدوں میں اذانیں دیتے ہیں، یہ شرع کے خلاف ہے یا موافق ہے ایک مولوی صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے بابت فرماتے ہیں کہ ان کا تو فتویٰ ہے اذانوں کا، کیا یہ بات صحیح ہے اور ان کا فتویٰ ہے؟ جواب فرمادیں۔

الجواب

قال الشامی عن حاشية البحر للخير الرملی: رأيت فی كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلٰوة، كما فی آذان المولود، والمهموم، و المصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق، ... وعند تغول الغيلان: أی عند تمرد الجن لخبر صحيح فيه. أقول: ولا بعد فيه عند نا، آه. أی لأن ماصح فيه الخبر بلامعارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم ينص عليه. آه. (ردالمحتار ۳۹۹/۱) (۲)

بعض علما نے تغول غیلان کی حدیث سے طاعون کے لئے اذان کو مشروع کہا ہے، مگر ہم کو اس میں کلام ہے، ہمارے نزدیک تغول غیلان سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت نمودار ہو جس میں جنات کا سامنے موجود ہونا اور غلبہ و تمرد کرنا محسوس ہو، جیسا کہ رات کو سفر کرتے ہوئے بعض دفعہ جنگلوں میں جنات کی آوازیں یا ڈراونی شکلیں نظر آیا

(۱) وهو سنة - الخ - للفرائض - الخ - لايسن لغيرها، الخ. (الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۳۵۷/۱، ظفير)

وقد قال مالک فی المختصر: لاأذان فی نافلة ولاعيد ولاخسوف ولااستسقاء ودليلنامن جهة المعنى أن الأذان والإقامة إنماشرعاللفرائض فأماالنوافل فلايؤذن لهاولايقام وصلاة العيدين نافلة ليست بفريضة فكان ذلک حكمها. (المنتقیٰ شرح الموطأ، العمل فی غسل العيدين والنداء فيهما (ح: ۳۱۵/۱. انيس)

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان فی غير الصلاة، انيس

نعم قديسن الأذان لغير الصلاة كمافی أذن المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من إنسان أوبهيمة وعندمزدحم الجيش وعندالحريق، قيل: وعندانزال الميت لقبره قياساً على أول خروجه للدنيالكن رددته فی شرح العباب وعندتغول الغيلان أی تمردالجن لخبرصحيح فيه وهووالإقامة خلف المسافرويقال فی العيد نحوه. (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، فصل فی الأذان والإقامة: ٤٦١/١. انيس)

کرتی ہیں، اس وقت اذان دینا مشروع ہے، اور طاعون میں جنات کا وجود اور غلبہ محسوس نہیں ہوتا، بلکہ محض سمعاً ونقلاً معلوم ہوا ہے، واللہ اعلم

قلت: ويؤيد قول الشيخ في القاموس ومجمع البحار من تفسير التغول بالتلون بصور شتى.(۱)

وأيضًا: فإن في الأذان في هذه الحالة تشويشًا وتغليطًا.

وأيضاً: فيه تهويل للناس فإنهم إذا سمعوا الأذانات بكثرة يفزعون ويتوهمون أن الوباء شديدة في البلد حتى سقط حمل بعض الحوامل، بذلك قاله الشيخ.

لايقال إن لم يعتقد سنية هذا الأذان مستدلا بالحديث المذكور؛ لكونه محمولا علىٰ ظهور الجن بل أذن سنية الرقية، ينبغي أن يجوز؟

قلنا: إن العوام تعتقده من الأمور الشرعية الدينية كما هو مشاهد من أحوالهم ومن لم يعرف حال أهل زمانه فهو جاهل، فافهم.

حرره الأحقر ظفر أحمد عفا عنه. ۲۱/شوال ۱۳۴۴ھ۔

نعم التحقيق بقبول حقيق، كتبه أشرف علی. ۲۳/شوال ۱۳۴۴ھ۔ (امدادالاحکام: ۳۴/۲)

رفع طاعون کے لئے اذانیں دینا مشروع ہے یا نہیں:

سوال: طاعون کے مرض کے وقت اکثر عوام میں اذانوں کا رواج ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

حدیث میں تغولِ غیلان کے وقت اذان کو مندوب فرمایا ہے، اور طاعون میں "وخز أعدائنا من الجنّ" ثابت ہے۔(۲) اس لئے بعض نے کہا ہے کہ رفعِ طاعون کے لئے بکثرت اذانیں دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر صورت یہ ہونی چاہئے کہ اوقاتِ اذان ہی میں اور ایام سے کچھ زیادہ آدمیوں نے اذان پڑھ دی اور یہ صورت متعارف ہے کہ غیر اوقات اذان وصلوٰۃ میں بکثرت اذان دی جاتی ہے اس میں تشویش علی الناس ہے، اس لئے قابلِ ترک ہے، اور

---

(۱) كانت العرب تقول إن الغيلان في الفلوات تترء للناس وتتغول أي تتلون لهم فتضلهم عن الطريق وتفزعهم وتهلكهم ويسمونها السعالي وقد ذكروها في أشعارهم فأبطلت الشريعة ذلك وأصل التغول التلون ويقال تغولت المرأة إذا تلونت. (تفسير غريب ما في الصحيحين البخاري ومسلم: ۲۲۰/۱. انيس)

عن عبد الله بن عبيد بن عمير قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الغيلان؟ قال: هم سحرة الجن. (مكائد الشيطان، تطور الجن وتشكلهم: ۲۴/۱. انيس)

(۲) قال مجاهد: الطوفان الموت، وقال غيره الطوفان السيل ورواه بعضهم إنما هو وخز من الشيطان والوخز الطعن وكانت العرب تسمى الطاعون رماح الجن. (غريب الحديث للخطابي، حديث معاذ أنه لما قدم الشام فأصابهم: ۳۱۶/۲. انيس)

بعض کے نزدیک اس وخز کو تغول پر قیاس کرنا جائز نہیں۔اس لئے کہ تغول میں ظہور ہوتا ہے،جس کا کوئی وقت نہیں۔ اس لئے فوراً اذان کی ضرورت ہوتی ہے اور وخز میں کوئی خاص وقت ظہور کا نہیں۔اس لئے وقتی اذانیں بھی برکت کے لئے کافی ہیں۔مستقل اذان کی کوئی دلیل نہیں۔لہذا یہ بدعت ہوئی،جس کا ترک واجب ہے۔یہ دونوں قول ہیں اور اقویٰ دلیل سے ثانی ہے۔لہذا اسی پر عمل کرنا چاہئے۔واللہ اعلم

۲۴رشوال ۱۳۴۶ھ۔(امداد الاحکام:۲/۴۵-۴۶)

دفع وبا کے لئے اذان کہنا مباح ہے:

سوال: دفع وبا کے لئے اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ تنہا یا گروہ کے ساتھ مسجد میں یا گھر میں؟

(المستفتی نمبر:۱۰۰۷،عبدالستار صاحب (گیا) ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۵۵ھ،م ۲۰رجون ۱۹۳۶ء)

الجواب

دفع وبا کے لئے اذانیں دینا تنہا یا جمع ہو کر بطور علاج اور عمل کے مباح ہے،سنت یا مستحب نہیں ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،دہلی۔(کفایت المفتی:۳/۵۱)

رفع وبا کے لئے اذان:

سوال: وباء بیماری اور وبائے بارش کے موقعوں پر گاؤں کے چاروں طرف صحیح اذان کہنے والے دس پانچ آدمی مل کر اگر ایک مرتبہ اذان دیں،تو اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو سنن میں سے ہے یا بدعتِ حسنہ میں سے؟

الجواب　حامدا و مصلیاً

یہ کوئی شرعی چیز نہیں۔لہٰذا ایسے وقت اذان کہنا سنت نہیں،(۲) اور غیر سنت کو سنت سمجھنا ناجائز ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۰۶)

---

(۱) وفی حاشیة البحر للخیر الرملی:"رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلٰوة کما فی أذن المولود ... قال الملا علی القاری فی شرح المشکوٰة:قالوا:یسن للمهموم أن یأمر غیره أن یؤذن فی أذنه فإنه یزیل الهم الخ".(رد المحتار،باب الأذان،مطلب فی المواضع التی یندب لها الأذان فی غیر الصلاة:۱/۳۸۵،ط سعید)

(۲) "لا یسن لغیرها:أی من الصلوات"، الخ.(ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان:۱/۳۸۵،سعید)

(۳) "عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم:"من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهورد". (مسند الإمام أحمد، مسند عائشة الصدیقة (ح: ۲۶۳۲۹)/الصحیح للبخاری،باب إذااصطلحوا علی صلح جورفالصلح مردود (ح: ۲۶۹۷)/الصحیح لمسلم،باب نقض الأحکام الباطلة (ح: ۱۷۱۸)/ سنن ابن ماجة (ح: ۱۴)/سنن أبی داؤد، باب فی لزوم السنة (ح:۴۶۰۶)انیس)

ہیضہ کی حالت میں اذانیں دینا بدعت ہے:

سوال: آج کل یہ اذانیں جو موجودہ وبائی امراض ہیضہ وغیرہ کے پھیلنے سے دی جاتی ہیں، کیا فقہ حنفی کی رو سے یہ جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب

یہ بدعت ہے؛ کیوں کہ عموم امراض کے وقت اذان دینا شارع علیہ السلام سے اور اقوال وافعال سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ (کمافی فتاویٰ دارالعلوم:۲/۸۴: وفتاویٰ امدادیہ:۱/۱۰۸)

لہذا ان حالات میں اذان نہیں کہنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔۱۵/۱/۱۳۸۸ھ۔الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۱۹۹-۲۰۰)

دفع بلا کے لئے مخصوص اوقات میں اذان دینے کا حکم:

سوال: کچھ دنوں سے ایک گاؤں میں پورے رمضان کے مہینے میں ہر جمعہ کو شب میں عشا کی اذان سے لے کر جماعت تک کچھ وقفہ کے ساتھ متعدد حضرات سات اذانیں دیتے ہیں، اب ترقی کر کے ہر مہینے میں اور ہر جمعہ کی شب میں ایسا کرتے ہیں۔ دریافت کرنے پر بتاتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے کیا ہے اور کرتے چلے آئے ہیں، لہذا ہم بھی کر رہے ہیں، نیز ان کا کہنا ہے کہ اس سے جملہ آفات بھی دور ہوتے ہیں۔

اب پوچھنے کا منشا یہ ہے کہ ان کی بات کہاں تک صحیح ہے، آیات قرآنی وحدیث کی روشنی میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں

الجواب

قرآن وحدیث سے اذان مذکور کا ثبوت نہیں ہے، اگر کسی خاص زمانے میں اور کسی خاص دن عشا کے وقت متعدد اذان کی ضرورت ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور حکم فرماتے، اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم ضرور عمل کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی ذوالنورین، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے نورانی دور میں ہزارہا صحابہ وتابعین وفات پاگئے، مگر کسی نے اذان مذکور کا حکم نہیں دیا، صحابۂ کرامؓ کے بعد بزرگان تابعین وتبع تابعین ائمۂ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے بعد بزرگان امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ وغیرہ کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا۔

مسنون طریقہ سے عمل کرنے میں ہماری نجات ہے اور اس کی خلاف ورزی گمراہی کا باعث ہے، آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے امت کے تہتر فرقے بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک ہی فرقہ نجات پانے والا ہے، صحابۂ کرامؓ نے پوچھا: **من هي يارسول الله ؟** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ما أنا عليه و أصحابى** ، جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب عمل پیرا ہیں۔ (مشکوٰۃ، ص: ۳۰)(۱) دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح امت اور اس کی ہدایت کے لئے راہ عمل متعین فرمادی کہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے پر نجات موقوف ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عجیب وغریب اور بہت ہی موثر انداز میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے، جن سے حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل لرز اٹھے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ ارشادات تو ایسے ہیں کہ جیسے رخصت کرتے وقت کوئی ضروری نصیحتیں کیا کرتا ہے، ہمیں کچھ اور نصیحتیں بھی فرمادیجئے، آپ نے کچھ اور نصیحتیں فرمائیں، ان میں اہم ترین نصیحت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا، تو ایسی حالت میں تم پر لازم اور ضروری ہے کہ اس طریقہ پر مضبوطی سے جمے رہو، جو میرا اور میرے بعد ان خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جو منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں، (ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین) اس طریقہ کو مضبوطی سے سنبھالو اور دانتوں اور کچلیوں سے پکڑلو اور جو نئی باتیں ایجاد ہوں، ان سے پوری طرح پرہیز کرو، کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے ــــ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"اتبعوا أثرنا ولاتبتدعوا فقد كفيتم". (الاعتصام: ۹۱/۱، كنز العمال: ۵۶/۱)(۳)

ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع کافی ہے۔

---

(۱) عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على أمتى ماأتى على بنى إسرائيل حذوالنعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان فى أمتى من يصنع ذلك وإن بنى إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق أمتى على ثلاث وسبعين ملة كلهم فى النار إلاملة واحدة، قالوا: ومن هى يارسول الله؟ قال: ماأناعليه وأصحابى. (سنن الترمذى، باب ماجاء فيمن يموت وهويشهدأن لاإله إلاالله (ح: ۲۶۳۱) انيس)

(۲) عن عرباض بن سارية قال: صلى لنارسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر ثم أقبل علينا فوعظناموعظة بليغة ذرفت لهاالأعين ووجلت منهاالقلوب، قلناأوقالوا: يارسول الله! كأن هذه موعظة مودع فأوصينا، قال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً فإنه من يعش منكم يرى بعدى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتى وسنةالخلفاء الراشدين المهديين وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمورفإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. (مسندالإمام أحمد، مسندعرباض بن سارية (ح: ۱۷۱۴۴) / سنن الدارمى، باب اتباع السنة (ح: ۹۶) / سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين (ح: ۴۲) مسند البزار، مسند العرباض بن سارية (ح: ۴۲۰۱) / السنة للمروزى، ذكرالوجه الثانى من السنن التى اختلفوا (ح: ۶۹) انيس)

(۳) البدع لابن وضاح، باب مايكون بدعة (ح: ۱۱) / سنن الدارمى، باب فى كراهة أخذالرأى (ح: ۲۱۱) / شعب الإيمان، فصل فى تعليم القرآن (ح: ۲۰۲۴) انيس)

اورحضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كل عبادة لم يتعبدها أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها". (الاعتصام: ۱۱٦/۲)

ترجمہ: ہرایسی عبادت جس کوصحابۂ کرامؓ نے نہ کیا ہوتم بھی نہ کرو۔

حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوخبر پہنچی کہ کچھ لوگ مغرب بعد اکٹھے بیٹھتے ہیں، ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی بار "سبحان الله" اوراتنی بار "الحمدلله" اور "الله أكبر" اور "لاإله إلا الله" پڑھو، حاضرین اسی طرح پڑھتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے ان کا یہ طریقہ دیکھا، کھڑے ہوکر کہنے لگے: قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بیشک تم سخت تاریک بدعت میں مبتلا ہو، ورنہ یہ کہو کہ تمہارا علم صحابۂ کرامؓ کے علم سے بڑھا ہوا ہے۔ (کہ تم وہ کررہے ہو جس کی صحابۂ کرامؓ کوخبر بھی نہ تھی) پھران کومسجد سے نکال دیا۔

(الاعتصام: ۱٦٥/۲. مجالس الابرار: ۱۲٥/۱۸)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اوراس کوکار خیر سمجھا تواس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کواحکام خداوندی کی تبلیغ میں خائن اور کمی کرنے والاٹھرایا۔ چونکہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ﴾(۱)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کومکمل کردیا۔

لہذا جوکام آپ کے زمانۂ مبارک میں دین میں شامل نہ تھاوہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہوسکتا ہے۔

(الاعتصام: ٤۸/۱) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱۶۶/۱-۱۶۸)

مغموم کا اذان کہلوا کرسُننا کیسا ہے:

سوال: ایک واعظ صاحب فرماتے تھے کہ اگر کسی کورنج وغم لاحق ہوتواس کومناسب ہے کہ کسی سے اذان کہلا کر سنے۔

الجواب

اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ شامی میں نقل کیا ہے کہ مغموم ومہموم کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸۶/۲)

---

(۱)　سورة المائدة: ۳. انیس

(۲)　وفي حاشية البحر للخير الرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوٰة كما في أذن المولود والمهموم و المصروع، الخ. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة: ۳٥۷/۱، ظفير)

مغموم کے کان میں اذان کہلوانے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بہت بیمار رہتا ہے، اس کو ایک عامل نے کہا کہ "جب آپ کی طبیعت زیادہ مغموم ہو، تو اپنے کان میں کسی سے اذان کہلایا کرو، انشاء اللہ جو پریشانی بیماری کی وجہ سے ہے، وہ سب دور ہو جائے گی"، آیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

مغموم ومہموم کے لئے کان میں اذان کہلوانا مسنون لکھا ہے، اہل تجربہ سے منقول ہے کہ یہ عمل رفع غم کے لئے مؤثر ہے۔

وقال الملا على القارى فى شرح المشكوٰة: قالوا: يسن للمهموم أن يأمر غيره أن يؤذن فى أذنه فإنه يزيل الهم، كذا عن على رضى الله تعالىٰ عنه، ونقل الأحاديث الواردة فى ذلك فراجعه، آه. (رد المحتار: ۲۸۳/۱)(۱) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان - ۹/۴/۱۴۰۲ھ - (خیر الفتاویٰ: ۲۳۴/۲-۲۳۵)

آندھی کے دن اذان:

سوال: آندھی کے دن اذان پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

علامہ شامی نے مواقعِ اذان میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۶/۵)

---

(۱) ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان فى غير الصلاة
مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب الأذان: ۵۴۷/۲.

عن على قال: رآنى النبى صلى الله عليه وسلم حزينًا فقال: يا ابن أبى طالب إنى أراك حزينًا فمر بعض أهلك يؤذن فى أذنك فإنه دواء الهم. (مناقب الأسد الغالب على بن أبى طالب لابن الجزرى، ومما روينا من الأحاديث المسلسلات عنه رضى الله عنه: ۵۰/۱)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ساء خلقه من إنسان أو دابة فأذنوا فى أذنه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب الأذان: ۵۴۷/۲) انيس)

(۲) "لا يسن لغيرها: أى من الصلوات، وإلا فيندب للمولود. وفى حاشية البحر للخير الرملى: رأيتُ فى كتب الشافعية: أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما فى أُذن المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق "الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان فى غير الصلاة: ۳۸۵/۱، سعيد)

کسی ناگہانی مصیبت کے وقت اذان:

سوال: ''اورنگی ٹاؤن'' میں نہتھے لوگوں پر دہشت پسندوں کا خوف کچھ اتنا غالب آیا اور خوف وہراس اس قدر غالب ہوا کہ تمام محلّہ اللہ تعالیٰ سے مدد پکارنے لگا، اور تقریباً رات کے گیارہ بجے تمام مسجدوں سے اذان دی گئی اور اس اذان کی وجہ اس کے سوائے اور کچھ بھی نہ تھی کہ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے اس ناگہانی مصیبت میں لوگوں کی مدد فرمائیں، مسجدوں کے مائک اس لیے استعمال کئے گئے تاکہ آواز دور دور تک جائے اور دہشت پسندوں کے دل لرز جائیں۔ ''رحمانیہ مسجد، اورنگی ٹاؤن'' کے امام کا کہنا ہے کہ یہ غلط حرکت ہے اور اذان کے بعد نماز جماعت فرض ہے، جب کہ تمام لوگ جانتے تھے کہ یہ نماز کا کوئی وقت نہ تھا، اس فعل سے کیا حرج واقع ہوا؟ مشورہ دے کر ممنون فرمائیں، اس قسم کی ناگہانی بلا ومصیبت روز نازل نہیں ہوتی، اس لیے اس کے رواج بن جانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

الجواب

علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''خیر الدین رملی رحمہ اللہ کے حاشیۂ بحر میں ہے کہ ''میں نے شافعیہ کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ نماز کے علاوہ بھی بعض مواقع میں اذان مسنون ہے، مثلاً: نومولود کے کان میں، پریشان، مرگی زدہ، غصے میں بھرے ہوئے اور بدخلق انسان یا چوپائے کے کان میں، کسی لشکر کے حملے کے وقت، آگ لگ جانے کے موقع پر۔

(ردالمحتار علی الدر المختار: ۳۸۵/۱)(۱)

خیر الدین رملی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دہشت پسندوں کے حملے کے موقع پر اذان کہنا حنفیہ کی کتابوں میں تو کہیں مذکور نہیں، البتہ شافعیہ کی کتابوں میں اس کو مستحب لکھا ہے، اس لیے ایسی پریشانی کے موقع پر اذان دینے کی ہم ترغیب نہیں دیں گے، لیکن اگر کوئی دیتا ہے تو ہم اس کو ''بالکل غلط حرکت'' بھی نہیں کہیں گے، البتہ نومولود کے کان میں اذان کہنا احادیث سے ثابت ہے اور فقہ حنفی میں بھی اس کی تصریح ہے۔(۲)

اذان اگر نماز کے لیے دی جائے، لیکن بے وقت دی جائے، تب بھی اس سے نماز فرض نہیں ہوتی، بلکہ نماز کا وقت آنے پر اذان کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا، کیوں کہ بے وقت کی اذان کالعدم ہے۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۱/۳-۳۰۲)

---

(۱) وفی حاشية البحر للخير الرملی: رأيت فی كتب الشافعية أنه قد يسنّ الأذان لغير الصلاة، كما فی أذن المولود، و المهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أوبهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق.(رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان فی غير الصلاة: ۳۸۵/۱، انیس)

(۲) ويستحب للوالد أن يؤذّن فی أذن المولود اليمنىٰ، وتقام فی اليسرىٰ حين يولد؛ لما روى أبورافع. رضی الله عنه. أن النبی صلی الله عليه وسلم أذّن فی أذن الحسن حين ولدته فاطمة... ==

کثرت بارش کے وقت اذان دینا:

سوال: جب بارش بہت زیادہ ہوجائے، تو لوگ اذانیں دیتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب

کثرت بارش کے وقت اذان دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں۔ ''درمختار'' میں ہے:

(...وهو سنة) للرجال... (مؤكدة)... (للفرائض)... (لا) يسن (لغيرها) آه ردالمحتار: ۳۵۸/۱، باب الأذان) **فقط و اللّٰه تعالیٰ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ ۹/۲۴/۱۳۹۶ھ / الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۰۷/۲)

سیاسی مقاصد کے لئے اذان دینے کا حکم:

سوال: آج کل مساجد میں پانچ وقت کی اذانوں کے علاوہ جو اذانیں رات میں دی جارہی ہیں شرعی طور پر اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قرآن وسنت اور فقہاء کرامؒ کی تصریحات سے اذان کے بعد جو مواقع ثابت ہیں آج کل پانچ وقت کے علاوہ دی جانے والی اذانیں ان میں سے کسی میں داخل نہیں ہوتیں (۱) البتہ مسلمانوں پر کوئی عام مصیبت آئی ہو، تو اس کے ازالہ کیلئے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ ثابت ہے (۲) اور ایسے مواقع پر اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۹/۶/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر: ۲۸/۵۶۲) (فتاویٰ عثمانی: ۳۹۸/۱-۳۹۹)

== وعن ابن عباس. رضى الله عنه. أن النبى صلى الله عليه وسلم أذّن فى أذن الحسن بن على يوم ولد وأقام فى اليسرىٰ. (الفقه الإسلامى وأدلّته: ۶۴۰/۳، العقيقة وأحكام المولود، طبع دار الفكر، بيروت)

(۳) تقديم الأذان على الوقت فى غير الصبح لايجوز اتفاقاً، و كذا فى الصبح عند أبى حنيفة ومحمّد رحمهما الله تعالىٰ وإن قدم يعاد فى الوقت هٰكذا فى شرح مجمع البحرين لابن الملك وعليه الفتوىٰ هٰذا فى التتارخانية ناقلاً عن الحجة. (الفتاوىٰ الهندية: ۵۳/۱، كتاب الأذان، الفصل الأول فى صفته وأحوال المؤذّن)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) نماز کے علاوہ دیگر مواقع اذان کی تفصیل کے لئے دیکھئے! ردالمحتار، مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان فى غير الصلٰوة: ۳۸۵/۱۔ طبع ایچ، ایم سعید)

(۲) وفى رد المحتار: ۱۱/۲: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام فى صلٰوة الجهر ... قنت فى صلٰوة الفجر، الخ. تفصیل کے لئے! ردالمحتار، مطلب فى القنوت للنازلة: ۱۱/۲، ملاحظہ فرمائیں۔ محمد زبیر)

نماز کے علاوہ کن مواقع پر اذان کہنا جائز ہے:

سوال: اذان کی مشروعیت علاوہ پنجگانہ نماز کے کسی اور طریق سے بھی حدیث یا فقہ سے ثابت ہوئی یا نہیں؟ جیسا کہ کثرت جنات میں یا آگ کے لگنے میں یا اعمال بزرگوں سے بوقت و بابعد صلوٰۃ عشا چند اشخاص کا جمعاً یا فرداً فرداً اذانوں کا کہنا سنا جاتا ہے۔ فی الشرع ثبوت رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے علاوہ اذان کئی چیزوں کے لئے ثابت ہے، بچے کے کان میں اذان دینا تو معروف ومشہور ہے۔ اس کے علاوہ بھی فقہا نے لکھا ہے کہ شدت غم کے وقت مغموم کے کان میں اذان کہی جائے تو اس کے غم کو زائل کر دیتی ہے۔

قال الملا علی القاری فی شرح المشکوٰۃ: قالوا: یسن للمهموم أن یأمر غیرہ أن یؤذن فی أذنه فإنه یزیل الهم، کذا عن علی رضی اللّٰه عنه، ونقل الأحادیث الواردة فی ذلک فراجعه. انتهٰی. (رد المحتار)(۱)

البحر الرائق کے حاشیے میں علامہ خیر رملی نے ذکر کیا ہے کہ کتب شافعیہ میں ہے کہ نماز کے علاوہ بچے کے کان میں اذان کہنا اور مہموم ومصروع اور غضبناک شخص یا کسی بگڑے ہوئے انسان یا جانور کے کان میں اذان کہنا یا دشمن کے حملے کے وقت یا آگ الگ جانے کے وقت یا جنات کی کثرت کی صورت میں اذان مسنون ہے۔ پھر کہا کہ ہمارے نزدیک بھی اس میں کچھ بعد نہیں۔ (۲)

شدت دباؤ کے وقت بطور عمل کے اگر اذان کہی جائے اور اسے سنت یا مستحب نہ سمجھا جائے تو مباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (کفایت المفتی: ۴۵/۳)

قبر پر اذان دینا ثابت نہیں:

سوال: ان دنوں شہر سورت میں میں نے ایسا مسئلہ بیان کیا کہ بعد دفن مردہ کے قبر پر اذان کہنا چونکہ وہاں شیطان آتا ہے، قبر کے اندر جب موذن اذان دیتا ہے قبر پر تو مردہ مؤذن کی اذان سن کر جواب دیتا ہے تو شیطان

(۱) باب الأذان، مطلب فی المواضع التی یندب لها الأذان فی غیر الصلوٰۃ: ۳۸۵/۱، ط: سعید کمپنی، کراچی

(۲) وفی حاشیة البحر للخیر الرملی: رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلوٰۃ، کما فی أذن المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أو بهیمة، وعند مزدحم الجیش، وعند الحریق ... وعند تغول الغیلان: أی عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه. أقول: ولا بعد فیه عندنا. انتهٰی مختصرًا. (منحة الخالق علٰی هامش البحر الرائق، باب الأذان: ۲۶۹/۱، ط: دار المعرفة، بیروت، لبنان/رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی المواضع التی یندب لها الأذان فی غیر الصلوٰۃ: ۳۸۵/۱، ط: سعید)

بھاگتا ہے، اوراذان کہنا سنت ہے بلکہ سیورام پورہ اورحسن جی صاحب کے مقبرہ پراذان بعدِ دفن کہی گئی، جس پر اہل سورت کے علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے تلقین وتسبیح وتحمید وتکبیر پڑھنے کو کہا اوراذان کا کہنا فقہانے کہیں نہیں لکھا ہے، اس لیے کون حق ہے، اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ ارسال فرماکر بندہ کوممنون فرماویں۔

الجواب

اول توکسی حدیث صحیح سے شیطان کا قبر کے اندر آنا ثابت نہیں، پھر اگراس کوبھی مان لیا جاوے تواس کا آنا محتمل ضرر نہیں، کیوں کہ اس کا اضلال اسی عالم کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ یہ عالم تکلیف وابتلاء ہے۔

کما ورد فی الحدیث، (۱) **فإن الحی لاتؤمن علیه الفتنة**، اورجب آدمی مرگیا، اگرمہتدی تھا ضال نہیں ہوسکتا اگرضال تھا مہتدی نہیں ہوسکتا۔ پس اس بناء پراذان کا تجویز کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے، پھر قطع نظر اس سے یہ قیاس ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہؓ سے کہیں منقول نہیں اوراولاً تو یہ محل قیاس کا نہیں دوسرے قیاس غیر مجتہد کا ہے کیوں کہ بعد .... کے اجتہاد منقطع ہے، کما صرحوا بہ۔ بہرحال بوجہ عدم ثبوت بالدلیل شرعی کے یہ عمل بدعت ہے، بلکہ عدم ثبوت سے بڑھ کر یہاں ثبوت سے عدم بھی ہے، کیوں کہ علمانے اس کورد کیا ہے۔

کما فی رد المحتار أول باب الأذان: قیل وعند إنزال المیت القبر قیاسًا علٰی أول خروجه للدنیا، لکن رده ابن حجر فی شرح العباب. (۲)

بالخصوص جب کہ عوام اس کا اہتمام والتزام بھی کرنے لگیں۔ **کما هو عادتهم فی أمثال هذه** کہ التزام مالا یلزم سے مباح بلکہ مندوب بھی منہی عنہ ہوجاتا ہے۔ **کما صرح به الفقهاء وفرعوا علیه أحکاماً.** (۳) **والله أعلم**

۱۹/محرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ ص: ۲۴۱) (امدادالفتاویٰ: ۳۰۲/۵)

---

(۱) عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاث، علم ینتفع به، أوصدقة تجری له أوولد صالح یدعوا له. (سنن الدارمی باب البلاغ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم (ح: ۵۷۸) / الصحیح لمسلم، باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد الموت (ح: ۱۶۳۱) / سنن أبی داؤد، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت (ح: ۲۸۸۰) انیس)

(۲) ردالمحتار، مطلب فی المواضع التی یندب لها الأذان فی غیر الصلوٰة: ۳۸۵/۱، انیس

(۳) وکل تکلیف قدخالف القصد فیه قصد الشارع فباطل. (الموافقات، النوع الأول فی الأسباب: ۳۱۶/۱)

وأیضاً: فإن فی حظر هذه الأشیاء تکلیفا ومشقةً تدخل علی النفس وغیر جائز للإنسان إدخال الضرر والمشقة علی نفسه من غیر اجتلاب نفع ولادلیل فی العقل یوجب ذلک، فقبح إلزامه ذلک. (الفصول فی الأصول، باب القول فی أحکام الأشیاء قبل مجیء السمع: ۲۵۰/۳)

عن عبدالله بن أبی هذیل، أن عمر بن الخطاب قال: لولا أنی أخاف أن یکون سنة ماترکت الأذان. (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب فضل الأذان (ح: ۱۸۷۰) انیس)

قبر پر اذان کی شرعی حیثیت:

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا کیسا ہے؟ کیا یہ سنت ہے یا بدعت ہے؟ مدلل ومفصل جواب سے ممنون فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب ــــــــــــــ حامدًا مصليًا و بالله التوفيق

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا خلاف سنت اور بدعت ہے۔

كما قال الشيخ محمد إسحاق المحدث الدهلوى:

''اذان دادن بر قبر بعد دفن میت مکروہ است کہ معہود از سنت نیست''۔(۱)

ترجمہ: دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا مکروہ ہے، کیوں کہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ ارقام فرماتے ہیں کہ!

''تنبيه: فى الاقتصار علىٰ ماذكر من الوارد إشارة إلىٰ أنه لايسن الأذان عند إدخال الميت فى قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر فى فتاويه بأنه بدعة، وقال: ومن ظن أنه سنة قياسًا علىٰ ندبهما للمولود إلحاقًا لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب، آه. (۲)

ترجمہ: میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنا مسنون نہیں، جیسا کہ اب اس کا رواج ہو چکا ہے، اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے، کہ یہ بدعت ہے اور کہا ہے کہ جس شخص نے نومولود بچے کے کان میں اذان و اقامت کے مستحب ہونے پر قیاس کر کے اور اختتام امر کو ابتدائے امر کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے اذان قبر کو سنت خیال کیا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔

اور مجالس الابرار میں ہے کہ: جس فعل کا سبب اور محرک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو، اور کوئی مانع بھی موجود نہ ہو، اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا ہو، تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے، کیونکہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور کرتے، یا اس کی ترغیب دیتے، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود کیا، نہ کسی کو اس کے کرنے کی ترغیب دی، تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی مصلحت نہیں، بلکہ وہ بدعت قبیحہ اور سیئہ ہے۔ اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے، چنانچہ بعض سلاطین نے

(۱) مأة مسائل للشيخ محمد إسحاق المحدث الدهلوى : ۵۵، وهكذا فى إمعان النظر فى أذان القبر للشيخ محمد منظور النعمانى رحمه الله

(۲) ذكره العلامة الفهامة ابن عابدين المعروف بالشامى المتوفى ۱۲۵۲ھ فى حاشيته على الدر المختار فى كتاب الجنائز، مطلب فى دفن الميت، ط: بيروت

اس کو ایجاد کیا، تو علما نے اس کو منکر سمجھا، اور اس کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا، ٹھیک یہی حال قبر پر اذان دینے کا ہے، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا سبب اور محرک (یعنی میت کی تدفین) موجود تھا اور کوئی مانع بھی نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قبر پر اذان دینے کا حکم دیا، نہ ترغیب دی۔ پس اس کے بدعت قبیحہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔(۱)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ!

بالخصوص جب کہ عوام اس کا اہتمام والتزام بھی کرنے لگیں. **كما هو عادتهم في أمثال هذه** کہ التزام مالا یلزم سے مباح بلکہ مندوب بھی منہی عنہ ہوجاتا ہے۔(۲)

وفي بدائع الكلام: واهتمام اليوم الثالث للإيصال (تيجه) وغيره، وأحكام القبور، والفاتحة المروجة، والأذان بعد الدفن كلها بدعة. (۳) (فتاویٰ یوسفیہ: ۱۷۹/۲-۱۸۱)

سات اذانوں کی شرعی حیثیت:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں رمضان المبارک کی ستائیسویں شب عشا کے وقت سات اذانیں دی جاتی ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ اس فعل کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں؟

الجواب

رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں سات اذانیں حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ اس لیے اس کو ''بدعت'' کہا جائے گا۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۲/۳)

---

(۱) مجالس الأبرار، المجلس الثامن عشر في أقسام البدع وأحكامها، وذكره أيضًا الشيخ محمد منظور أحمد النعماني في رسالته المسماة إمعان النظر في أذان القبر.

(۲) امداد الفتاویٰ شیخ علامہ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ: ۳۰۲/۱۔

(۳) بدائع الكلام في بيان عقائد الإسلام: ۱۶۰۔

وفي مجموع فتاویٰ ابن باز: س: ماحكم الأذان والإقامة في قبر الميت عند وضعه فيه؟

ج: لاريب أن ذلك بدعة ما أنزل الله بها من سلطان لأن ذلك لم ينقل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن أصحابه رضي الله عنهم، الخ. (۵_الإجابة عن سؤال حول الأذان والإقامة عندالقبر: ۴۳۹/۱. انيس)

(۴) البدعة: ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويمًا وصراطاً مستقيمًا (رد المحتار: ۵۶۰/۱، باب الإمامة، مطلب في أقسام البدعة)

وفي البخاري (۳۷۱/۱): "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (ما ليس منه) أي رأيًا ليس له في الكتاب أو السنّة عاضد ظاهر أو خفي ملفوظ أو مستنبط (فهورد) أي مردود على فاعله لبطلانه. (فيض القدير للمناوي: ۵۵۹۴/۱۱، طبع نزار مصطفى)

عشا میں قبل اقامت سات اذانیں دینے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں ایک جگہ پر رواج ہے کہ عشا کی جماعت سے قبل تکبیر سے پہلے تمام لوگ امام اور مقتدی زور زور سے سات دفعہ صف کے اندر کھڑے ہوکر اذانیں دیتے ہیں، جب اذانیں ختم ہو جاتی ہیں، تو تکبیر کہہ کر نماز کی ابتدا کرتے ہیں، جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اذانیں کس لئے دی جاتی ہیں، تو انہوں نے کہا کہ یہ اذانیں اس وجہ سے دی جاتی ہیں، تاکہ اس علاقہ میں آفتیں مصیبتیں اور بلائیں داخل نہ ہوں۔

اگر ایسا جائز ہوتا تو کہیں بھی اس طرح کیا جاتا، حالانکہ میں نے کہیں ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ایسا کرنا بدعت ہے؛ کیونکہ شریعت میں سات دفعہ نماز عشا سے قبل اذانیں کہنا برائے دفع مصائب ثابت نہیں ہے، نیز اس میں اس فعل کو لوگوں کے ضروری خیال کرنے کا بھی شدید خطرہ موجود ہے۔ لہٰذا اس فعل سے رک جانا ضروری ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم مرتبہ مولانا ظفیر الدین: ۲/۸۴ میں ہے:

ان حوادثات میں اذان شارع علیہ السلام سے اور اقوال سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا بدعت ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۵۵-۸۵۶)

امام اور نمازیوں کا جماعت سے پہلے اذان کے کلمات کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک بستی میں عشا کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے روزانہ بلا ناغہ امام سمیت تمام نمازی جو اس وقت موجود ہوتے ہیں، ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور تمام اپنی اپنی پر جگہ کھڑے ہوکر بیک وقت زور زور سے تین مرتبہ اذانیں کہتے ہیں اور پھر مسجد کے چاروں کونوں میں پھونکتے ہیں، اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز پڑھائی جاتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بستی والوں کا یہ عمل قرآن مجید، حدیث شریف، یا فقہ حنفی سے ثابت ہے یا کہ نہیں؟ اگر ثابت ہے، تو باقی اہل اسلام اس کے کیوں تارک ہیں اور اگر از روئے شرع محمدی یہ ثابت نہیں ہے، تو مذکورہ

(۱) كذا في الشامية: ... قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما في أذن المولود، والمهموم، والمصروع، الخ. (باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة: ۱/۳۸۵، طبع ایچ ایم، سعید)

بستی والوں کے لئے کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی اہل سنت والجماعت کی معتبر کتب سے حوالہ کے ساتھ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واضح رہے کہ اذان شرعاً نماز فرض کے علاوہ دیگر نو (۹) موقعوں پر فقہاء کرام کے بیان کے مطابق مندوب اور مستحب ہے، (۱) مولود کے کان میں (۲) آگ لگ جانے کے وقت (۳) لڑائی کے وقت (۴) مسافر کے پیچھے (۵) جنات کی شرارت کے وقت (۶) مہموم (۷) غضبان اور (۸) مصروع کے کان میں (۹) مسافر راہ گم کردہ کے لئے اور علامہ شامیؒ نے ایک اور موقع میں بھی مسنون ذکر کیا ہے۔ (۱۰) بدخو انسان یا جانور کے کان میں۔ (هکذا فی الشامية: ۲۸۳/۱، باب الأذان)(۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں بستی مذکورہ والے اگر ان اغراض میں سے کسی غرض کے لئے بغیر تخصیص وقت عشاو جماعت و دیگر قیود اذان دیا کرتے ہیں، تو جائز ہے، بدعت نہیں ہے، یا عبادات اور کار ثواب سمجھ کر نہیں کرتے ہیں، بلکہ کسی مرض وبا یا دوسری تکلیف کے رفع کرنے کے لئے وقتی طور پر بطور عملیات کے اذان دیتے رہتے ہیں، تب بھی بدعت نہیں ہے، (حوالہ بالا) اور اگر عبادت سمجھ کر اذان دیتے ہیں اور ان دس موقعوں میں سے بھی کوئی موقعہ نہیں ہے، تو بدعت اور ناجائز ہے، اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ فتاویٰ دار العلوم: ۳۵/۱ پر ہے: اکثر عملیات میں وقت اور یوم کا تعین منجانب اللہ نہیں، بلکہ محض تجربہ کی بنا پر لوگوں نے تعینات کئے ہیں، اگر ان اوقات وحالات خاصہ کو مؤثر بالذات نہ سمجھے، بلکہ ایسا تعین سمجھے جیسے وہاں مونجی بونے کے لئے برسات کا موسم متعین کیا جاتا ہے اور کسی کام کے لئے جاڑے کا موسم، کسی کے لئے گرمی کا، تو ان تعینات میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اگر یہ عمل علی الدوام کرتے ہیں، تو بدعت سیئہ اور ضلالہ ہے، اور اگر کبھی کسی مخصوص وقت میں بطور عملیات کے دفع بلایا کے لئے کرتے ہیں، نہ بطور ثواب وعبادت کے، تو خاص وقت تک حسب ضرورت جائز ہے، ورنہ بدعت سیئہ ضلالہ، صورت مسئولہ میں بظاہر ثواب سمجھ کر یہ عمل کیا جاتا ہے، عملیات کے طور پر نہیں، اس لئے لازمی اس کو ترک کرنا چاہیے، دین میں اس قسم کی مداخلت گمراہی ہے۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۸۵۶/۱-۸۵۸)

(۱)　فی الشامية: ...قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما فی أذن المولود، والمهموم، و المصروع، الخ. (باب الأذان، مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان فی غير الصلاة: ۳۸۵/۱، طبع ایچ ایم سعید)

(۲)　عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ”من أحدث فی أمرنا هذا ماليس منه فهو رد“. مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۲۷/۱، طبع قديمی كتب خانة، كراچی)

بچے کے کان میں اذان کا حکم:

سوال: یہاں دبئی میں اسپتال کے قانون کے مطابق بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد اذان دینے کی ممانعت ہے اور تین چار روز کے بعد جب چھٹی ہوتی ہے تب اذان دی جاتی ہے، کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

بچہ پیدا ہونے کے بعد نماز پنجگانہ کی اذان کی طرح بلند آواز سے اذان دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ سنت یہ ہے کہ بچہ جب آلائش وگندگی سے پاک کرلیا جائے تو اس کو قریب کرکے پہلے دایاں کان سامنے کرکے کلماتِ اذان صرف ایسی آواز سے کہدیں کہ آواز بچہ کے کان تک پہنچ جائے، پھر اسی طرح بایاں کان سامنے کرکے اقامت کے کلمات ایسی آواز سے کہہ دیں کہ آواز بچہ کے کان تک پہنچ جائے اور بس۔

”عن أبی رافع. رضی اللّٰہ عنہ. قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أذن في أذن الحسن بن علي رضي اللّٰہ عنہ حین ولدتہ فاطمة بالصلوٰة“. (رواہ الترمذی وأبوداؤد، وقال الترمذی: ھذا حدیث حسن صحیح)(۱)

اور یہ صورت قانون ہسپتال کے خلاف بھی نہ ہوگی اور سنت بھی ادا ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۲۲۵-۲۲۶)

---

(۱) وفی شرح السنة عن عمربن عبد العزیز کان یؤذن فی الیمنٰی ویقیم في الیسریٰ إذا ولد الصبی، قلت: وقد جاء في مسند أبي یعلٰی الموصلی عن الحسین مرفوعاً: من ولد لہ ولد فأذن فی أذنہ الیمنٰی وأقام في أذنہ الیسریٰ لم تضرہ أم الصبیان. کذا فی الجامع الصغیر للسیوطی. (المرقاة شرح المشکوٰة: ۴/ ۳۶۰، مرتب)

شرح السنة للبغوی، باب الأذان فی أذن المولود (بعد ح: ۲۸۲۲، متصلًا بلفظ وروی عن عمربن عبدالعزیز...) وفی مسندعبدالرزاق الصنعانی، باب موتہ قبل سابعہ ومتی یسمی ومایصنع (ح: ۷۹۸۵) بلفظ: أن عمربن العزیز کان إذاولد لہ ولدأخذہ کما ھو فی خرقتہ فأذن فی أذنہ الیمنیٰ وأقام فی الیسریٰ وسماہ مکانہ/ مسند أبی یعلی الموصلی، مسند الحسین بن علی بن أبی طالب (ح: ۶۷۸۰)/ المعجم الأوسط، من اسمہ: نعمان (ح: ۹۲۵۰)/ عمل الیوم واللیلة لابن السنی، باب مایعمل بالولد إذاولد (ح: ۶۲۳)/ شعب الإیمان، حق السادة علی الممالیک (ح: ۸۲۵۴)

وحدیث المتن روی فی سنن أبی داؤدالطیالسی، وماأسندعن أبی رافع (ح: ۱۰۱۳)/ مسندالإمام أحمد، حدیث أبی رافع (ح: ۲۳۸۶۹)/ سنن أبی داؤد، باب فی الصبی یولدفیؤذن فی أذنہ (ح: ۵۱۰۵)/ سنن الترمذی باب الأذان فی أذن المولود (ح: ۱۵۱۴)/ مسندالبزار، ماأسندأبورافع مولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (ح: ۳۸۷۹) انیس

بچے کے کان میں اذان واقامت کا حکم:

سوال: بچہ کی پیدائش کے بعد اذان دینے اور اقامت کہنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور کتنے دنوں تک اذان دی جاسکتی ہے؟ کسی مجبوری کی بنا پر پیدائش کے وقت اذان نہ ہوئی تو اس کا جنازہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

بچہ کے کان میں اذان دینے اور اقامت کہنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو لے کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت آہستہ آہستہ کہی جائے، (۱) اذان کب سے کب تک دی جائے، اس کے لئے شرعاً کوئی تحدید نہیں ہے، البتہ چونکہ کان میں اذان دینے کا مقصد یہ ہے کہ بچے کے کان میں سب سے پہلی جو آواز جائے وہ توحید و رسالت کی آواز ہو، تا کہ اس کے قلب و دماغ میں توحید و رسالت اور بنیادی عبادت نماز کا نقش مرتسم ہو جائے، (۲) اس لئے بہتر یہی ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی فوراً اذان واقامت کہی جائے اگر فوراً نہ ہوسکے تو جب موقع ملے اس کو کرلیا جائے، اگر اذان نہ کہی گئی اور بچہ کا انتقال ہو گیا تو بھی اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔ ۱۷/۷/۱۴۱۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۷۷-۳۷۸)

بچہ کے کان میں سراً اذان دینی چاہئے یا جہراً:

سوال: مولود کے کان میں جو اذان دی جاتی ہے اس کی کیفیت کیا ہے، نماز کی اذانوں کی طرح جیسا قبلہ رخ اور کان میں ہاتھ دینا بلند آواز سے دینا اور مرد ہونا وغیرہ شرطیں یہاں بھی ملحوظ ہیں یا نہیں، زید کہتا ہے کچھ شرط نہیں، بلکہ بچہ کو گود میں لے کر بچہ کو سنوار دینا کافی ہے، نہ جہر کی ضرورت ہے اور نہ قبلہ رخ کی، آیا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

---

(۱) "فی شرح السنة: روی أن عمربن عبد العزیزرضی اللّٰه عنه کان یؤذن فی الیمنیٰ ویقیم فی الیسریٰ إذا ولد الصبی. قلت: قد جاء فی مسند أبی یعلیٰ الموصلی عن الحسین رضی اللّٰه تعالیٰ عنه مرفوعًا: "من ولد له ولد فأذن فی أذنه الیمنیٰ وأقام فی أذنه الیسریٰ لم تضره أم الصبیان". (مرقاة المفاتیح: ۳۶۰/٤)

شرح السنة للبغوی، باب الأذان فی أذن المولود (بعد ح: ۲۸۲۲)/مسند أبی یعلی الموصلی، مسند الحسین بن علی بن أبی طالب (ح: ٦۷۸۰)

(۲) "والأظهر أن حکمة الأذان فی الأذن أنه یطرق سمعه أول وهلة ذکر اللّٰه تعالیٰ علیٰ وجه الدعاء إلی الإیمان والصلاة التی هی أم الأرکان". (مرقاة المفاتیح: ۳٦۰/٤)

عن جابر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا استهل المولود صلی علیه وورث. (سنن الدارمی، باب میراث الصبی (ح: ۳۱۷۲)/سنن ابن ماجة، باب إذا استهل المولود ورث (ح: ۲۷۵۰)/معجم ابن الأعرابی، باب ی (ح: ٥۱٤) عن أبی هریرة. انیس

الجواب

زید کا قول صحیح ہے، کیونکہ اس اذان سے اعلام مقصود نہیں، صرف تبرک مقصود ہے، لہذا نہ جہر مفرط چاہئے، نہ استقبال قبلہ کی ضرورت ہے اور استقبال کے افضل ہونے میں شک بھی نہیں، کیونکہ مطلق ذکر میں استقبال افضل ہے، **فکذا ھذا،** مگر لزوم کی کوئی دلیل نہیں۔(۱) واللہ اعلم

۹؍شعبان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام:۲؍۳۰-۳۱)

بچہ کے کان میں اذان کا طریقہ:

سوال: بچہ پیدا ہونے کے وقت اذان وتکبیر بچے کے کان میں پڑھے تو قبلہ کی طرف منھ کر کے کان میں انگلیاں لگا کر کھڑے ہو کر، جس طرح نماز کے لئے اذان وتکبیر پڑھی جاتی ہے، پڑھے یا اذان وتکبیر کے الفاظ کہنا کافی ہے؟

(ریاض الحق کلیانوی)

الجواب　　حامدا و مصلیا

اذان وتکبیر کے الفاظ کافی ہیں، کانوں میں انگلیاں دینے کی ضرورت نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔۲۳؍۳؍۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵؍۴۵۴)

(۱) سر التأذين والله أعلم: أن يكون أول ما يقرع سمع الإنسان كلماته المتضمنة لكبرياء الرب وعظمته والشهادة التى أول مايدخل بهافى الإسلام فكان ذلک كالتلقين له شعار الإسلام عند دخوله إلى الدنيا كمايلقن كلمة التوحيد عند خروجه منها وغير مستنكر وصول أثر التأذين إلى قلبه وتأثيره به وإن لم يشعر مع مافى ذلک من فائدة أخرىٰ وهى هروب الشيطان من كلمات الأذان وهو كان يرصده حتى يولد فيقارنه للمحنة التى قدرها الله وشاء ها فيسمع شيطانه مايضعفه ويغيظه أول أوقات تعلقه به وفيه معنى أخرى وهو أن تكون دعوته إلى الله وإلى دينه الإسلام وإلى عبادته سابقة على دعوة الشيطان كما كانت فطرة الله التى فطر عليها سابقة على تغيير الشيطان لها ونقله عنها ولغير ذلک من الحكم. (تحفة المودود بأحكام المولود، الباب الرابع فى استحباب التأذين فى أذنه: ۱/۳۱. انيس)

(۲) ”(ويجعل) ندباً (أصبعيه فى) صماخ (أذنيه) فأذانه بدونه [أى بدون وضع الأصبع] حسن، وبه أحسن“. (الدر المختار) وفى رد المحتار: ”(قوله: ويجعل أصبعيه الخ) لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لبلال رضى الله عنه: ”اجعل أصبعيک فى أذنيک فإنه أرفع لصوتک“ وإن جعل يديه على أذنيه فحسن؛ لأن أبا محذورة رضى الله عنه ضم أصابعه الأربعة ووضعها علىٰ أُذنيه، وكذا إحدىٰ يديه علىٰ ماروى عن الإمام. إمداد وقهستانى عن التحفة.“ (قوله فأذانه الخ) تفريع علىٰ قوله ندباً. قال فى البحر: أى فى الحديث المذكور للندب بقرينة التعليل، فلذا لو لم يفعل كان حسنا. فإن قيل: ترک السنة كيف يكون حسناً؟ قلنا: إن الأذان معه أحسن، فإذا تركه بقى الأذان حسناً، كذا فى الكافى آه، فافهم“. (كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فى أول من بنى المنائر: ۱/۳۸۸، سعيد)

عبارات مذکورہ نیز حدیث مذکور سے واضح ہوا کہ اذان کے دوران کانوں میں انگلیاں رکھنا آواز کو بلند کرنے کے لئے ہے اور بلندیٔ آواز سے لوگوں کو خبر دینا ہوتا ہے اور یہ بات بچہ کے اذان دینے سے مقصود نہیں، لہذا بچہ کے کان میں اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا مستحب نہیں۔

نومولود کے کان میں اذان دینے کا طریقہ اوراس کا فائدہ:

سوال: عام طور پر رواج ہے کہ نومولود کے کان میں اذان دیتے ہیں، اس کا طریقہ کیا ہے اوراس کا فائدہ کیا ہے؟

الجواب

نومولودکو ہاتھوں پر اٹھا کر قبلہ رو کھڑے ہوں، دائیں کان میں اذان دیں اور بائیں میں اقامت اور ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے وقت حسبِ معمول دائیں بائیں منہ بھی پھیریں۔ اس اذان میں اتباع سنت کے ساتھ ساتھ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ بچوں کی مشہور مرض ''ام الصبیان'' کے لئے فائدہ مند ہے۔

قال السندی: فیرفع المولود عند الولادة علٰی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه الیمنٰی و یقیم فی الیسریٰ ویلتفت فیهما بالصلاة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدة الأذان فی أذنه أنه یرفع أم الصبیان عنه، آه. (تقریرات الرافعی علٰی حاشیة ابن عابدین: ۴۰/۱) **فقط واللّٰه أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء۔ ۱۰/۱۰/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۲۳-۲۲۴)

اذان نومولود میں بھی استقبال قبلہ اور دائیں بائیں التفات سنت ہے:

سوال: بچہ پیدا ہونے کے بعد جو اذان از روئے شرع ثابت ہے، وہ کماً اور کیفاً مثل اذان صلوٰۃ ہے، یا اس میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کماً مثل اذان صلوٰۃ ہے، مگر کیفاً اس میں رفع صوت نہیں، اس لئے کانوں میں انگلیاں دینا بھی مسنون نہیں، کیونکہ اس سے مقصد رفع صوت ہے، بقیہ کیفیات مثلاً قبلہ یمیناً شمالاً التفات اور ترسل وغیرہ اذان صلوٰۃ کی طرح اذان مولود میں بھی مسنون ہیں۔

عن أبی رافع رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أذن فی أذن الحسن بن علی حین ولدته فاطمة بالصلٰوة. (۱)

قال علی القاری رحمه اللّٰه تعالٰی: والمعنی أذن بمثل أذان الصلٰوة. (المرقاة: ۱۵۹/۸)

---

(۱) سنن أبی داؤد الطیالسی، وما أسند عن أبی رافع (ح: ۱۰۱۳) / مسند الإمام أحمد، حدیث أبی رافع (ح: ۲۳۸۶۹) / سنن أبی داؤد، باب فی الصبی یولد فیؤذن فی أذنه (ح: ۵۱۰۵) / سنن الترمذی باب الأذان فی أذن المولود (ح: ۱۵۱۴) / مسند البزار، ما أسند أبو رافع مولی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (ح: ۳۸۷۹) انیس

وفی العلائیة: (ویلتفت فیه) وکذا فیها مطلقاً، وقیل إن المحل متسعاً (یمیناً ویسارًا) فقط، لئلا یستدبر القبلة (بصلاة وفلاح) ولو وحده أو لمولود؛ لأنه سنة الأذان مطلقاً.

وفی الشامیة: (قوله مطلقاً) للمنفرد وغیره والمولود وغیره، ط. (رد المحتار: ۳٦٠/۱)(۱)

وقال الرافعی رحمه اللّٰه تعالٰی: قال السندی رحمه اللّٰه تعالٰی: فیرفع المولود عند الولادة علٰی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه الیمنٰی ویقیم فی الیسریٰ ویلتفت فیهما بالصلوٰة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدة الأذان فی أذنه أنه یدفع أم الصبیان عنه. (التحریر المختار: ٤٥/۱) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۷/محرم ۱۳۸۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۷۷۔۲۷۸)

بچہ کے کان میں اذان واقامت کتنی بار دی جائے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے:

سوال: لڑکا جب پیدا ہوتا ہے تو اذان کتنی بار دینا چاہئے اور تکبیر کتنی دفعہ کہنی چاہئے؟ اذان وتکبیر کہنا کیسا ہے؟ فرض، واجب یا سنت؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

ایک مرتبہ اذان اور ایک مرتبہ تکبیر کہنا چاہئے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۲/۵/ ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۷٦)

---

(۱) کتاب الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب فی أول من بنی المنائر للأذان، انیس

(۲) "وفی شرح السنة: روی أن عمر بن عبد العزیز رضی اللّٰه عنه کان یؤذن فی الیمنٰی ویقیم فی الیسریٰ إذا ولد الصبی". (المرقاة شرح المشکوة: ۳٦٠/٤)

بچہ کے کان میں اذان واقامت کہنا سنت ہے، ترمذی شریف میں حضرت ابورافع کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس وقت حسن بن علی کی ولادت ہوئی، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کان میں اذان دیتے ہوئے دیکھا جیسا کہ نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے۔

"عن أبی رافع. رضی اللّٰه عنه. قال: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أذن فی أذن الحسن بن علی. رضی اللّٰه عنهما. حین ولدته فاطمة بالصلوٰة". وقال الترمذی: هذا حدیث صحیح والعمل علیه. (جامع الترمذی، باب الأذان فی أذن المولود: ۱۸۳/۱)

صاحب مرقاۃ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ!

"وهذا یدل علٰی سنیة الأذان فی أذن المولود". (المرقاة شرح المشکوة: ۳٦٠/۱)

یعنی یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بچہ کے کان میں اذان دینا مسنون ہے۔[مجاہد]

السنة أن یؤذن فی أذن المولود عند ولادته ذکراً کان أو أنثیٰ ویکون الأذان بلفظ أذان الصلاة لحدیث أبی رافع ذکره المصنف. (المجموع شرح المهذب، باب العقیقة: ٤٤٢/۸. انیس)

فون کے ذریعہ نومولود کے کان میں اذان:

سوال: دواخانہ میں تولد شدہ لڑکا یا لڑکی کے کان میں اذان کے الفاظ فون کے ذریعہ بولنے سے بچہ کے کان میں اذان کہنے کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ (ڈاکٹر سید غوث، جگتیال)

الجواب

بچے کو اذان کس وقت دی جائے؟ اس سلسلہ میں حدیث میں کسی خاص وقت کی صراحت منقول نہیں، البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ حتی المقدور جلد اذان واقامت کے کلمات بچہ کے کان میں کہہ دے، کیونکہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ولادت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان دی، ''**حين ولدته فاطمة**''.(۱)

اس تعبیر سے خیال ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اذان دینا بلا تاخیر تھا، اس لئے ممکن حد تک عجلت کرنی چاہئے، تاکہ بچہ کے کان میں جو پہلی آواز جائے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ذکر سے متعلق ہو۔ چونکہ اصل مقصود بچہ کے کان میں اذان کی آواز کا پہنچنا ہے، اس لئے فون کے ذریعہ اذان واقامت کہنا بھی کافی ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم)

لیکن بہتر یہی ہے کہ بالمشافہ اذان دی جائے، کیونکہ کان میں اذان کہنے کے جو آداب فقہا و محدثین نے ذکر کئے ہیں، وہ اسی وقت ادا ہو سکتے ہیں، علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''نومولود کو ولادت کے وقت قبلہ رخ کر کے ہاتھوں پر رکھا جائے، اس کے دائیں کان میں اذان کہی جائے اور بائیں کان میں اقامت، نیز ''**حی علی الصلوٰۃ**'' میں دائیں جانب اور ''**حی علی الفلاح**'' میں بائیں جانب رخ کیا جائے''۔(۲) ظاہر ہے یہ آداب فون پر ادا نہیں ہو سکتے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۵۵-۱۵۶)

بچے کے کان میں اذان کا وقت:

سوال: نومولود کے کان میں اذان کہنے کا کیا کوئی وقت متعین ہے۔ اگر پہلے روز اذان نہیں کہی گئی تو کیا اس کے بعد بھی کہی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۸/۱۵۹۔

(۲) دیکھئے: تکملۂ رافعی علیٰ رد المحتار: ۲/۱۴۵۔

قال السندی: فیرفع المولود عند الولادۃ علیٰ یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه الیمنیٰ ویقیم فی الیسریٰ ویلتفت فیهما بالصلوٰۃ لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدۃ الأذان فی أذنه أنه یدفع أم الصبیان عنه.(التحریر المختار: ۱/۴۵)

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس کے لئے وقت اور دن کی کوئی قید نہیں، حتی الامکان جلد کہنا چاہئے۔ اگر غفلت میں کئی روز گزر گئے تو بھی تنبہ کے بعد اذان کہی جائے۔

عن أبی رافع. رضی اللّٰه تعالٰی عنه. قال: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أذن فی أذن الحسن بن علی. رضی اللّٰه تعالٰی عنهما. حین ولدته فاطمة بالصلوٰة.

قال الملاعلی القاری رحمه اللّٰه تعالٰی:

(حین ولدته فاطمة) یحتمل السابع وقبله. (المرقاة: ۱۵۹/۸) **فقط واللّٰه تعالٰی أعلم**

۲۳ رشوال ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۷۶/۲)

بچہ کے کان میں کئی روز بعد اذان دینا:

سوال: بعض ملکوں میں قانون ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد ایک کانچ کے صندوق میں رکھ دیتے ہیں، ہفتہ عشرہ کے بعد بچہ کو دیتے ہیں، ان ایام ماں بھی ہسپتال میں رہتی ہے، بچہ کو دیکھ تو سکتی ہے، مگر چھو نہیں سکتی ہے، تو اس حالت میں ہفتہ عشرہ کے بعد اذان کہیں تو مضائقہ نہیں؟ اور اذان واقامت کس کان میں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

مجبوری کے وقت اس کو مکان پر لاکر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہہ دی جائے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۴/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۶/۵)

(۱) **"وعن أبی رافع رضی اللّٰه تعالٰی عنه، قال: رأیتُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم أذن فی أذن الحسن بن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنهما حین ولدت فاطمة بالصلاة".**

قال الملا علی القاری رحمه اللّٰه تعالٰی: (حین ولدت فاطمة) یحتمل السابع وقبله.

وفی شرح السنة: روی أن عمربن عبد العزیز رحمه اللّٰه تعالٰی قال: یؤذن فی الیمنٰی ویقیم فی الیسریٰ إذا وُلد الصبی.

قلتُ: قد جاء فی مسند أبی یعلٰی الموصلی عن الحسین رضی اللّٰه تعالٰی عنه مرفوعاً:

من وُلد له ولد، فأذن فی أذنه الیمنٰی وأقام فی أذنه الیسریٰ، لم تضره أم الصبیان". کذا فی الجامع الصغیر للسیوطی". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقة: ۷۵/۷، رشیدیة)

قال الرافعی رحمه اللّٰه تعالٰی: قال السندی رحمه اللّٰه تعالٰی: فیرفع المولود عند الولادة علٰی یدیه مستقبل القبلة، ویؤذن فی أذنه الیمنٰی ویقیم فی الیسریٰ، ویلتفت فیهما بالصلاة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار، وفائدة الأذان فی أذنه أنه یدفع أم الصبیان عنه". (تقریرات الرافعی علی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵/۱، سعید)

بچہ کے کان میں اذان اس کو غسل دیکر کہی جائے:

سوال: بچہ کو غسل دئے بغیر اذان کہے یا پاک صاف کر کے اذان کہے، اگر کوئی لفظ بھول جائے تو کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

بچہ کو غسل دیکر پاک صاف کر کے دائیں کان میں پوری اذان اور بائیں کان میں پوری اقامت کہی جائے۔(۱)

اگر بھولے سے کوئی لفظ رہ جائے تو اس کو کہہ کر اذان واقامت مکمل کردے۔(۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۴/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۷/۵-۴۵۸)

زچہ خانہ میں بچی یا عورت کا کان میں اذان دینا:

سوال: زچہ خانہ میں تولد کے وقت اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورتیں بچے کی اذان کہہ سکتی ہیں یا نہیں؟ یا نابالغ لڑکا یا لڑکی کہے تو کیا حکم میں ہے؟ حالتِ جنابت میں بچے کی اذان کہی جائے تو ہو جائے گی یا نہیں؟ یا وضو ہونا ضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

زچہ خانہ میں تولد کے وقت اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت کو یہ اذان واقامت کہنا درست ہے۔(۳)

---

(۱) ''وأمر أن یماط عن رؤوسهما الأذیٰ''ولکن لا یتعین ذلک فی حلق الرأس،فقد وقع فی حدیث ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما عن الطبرانی''ویماط عنه الأذی ویحلق رأسه''فعطفه علیه.فالأولیٰ حمل الأذی علیٰ ما هو أعم من حلق الرأس، ویؤید ذلک أن فی بعض طرق حدیث عمرو بن شعیب،ویماط عنه أقذاره''.رواه أبو الشیخ.(فتح الباری شرح صحیح البخاری،قوله:إماطة الأذی عن الصبی: ۵۹۳/۹.انیس)

(۲) ''(ویترسل فیه)بسکتة بین کل کلمتین،ویکره ترکه،وتندب اعادتة...ثم قال:ولو قدم فیهما مؤخرًا أعاد ما قدم فقط(ولا یتکلم فیهما)أصلاًولو رد سلام،فإن تکلم استأنفه''.(الدر المختار)''(أعاد ما قدم فقط)کما لو قدم الفلاح علی الصلاة ویعیده أی ولا یستأنف الأذان من أوله(قوله استأنفه)إلا إذا کان الکلام یسیرًا،خانیة.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی أول من بنی المنائر للأذان: ۳۸۷/۱-۳۸۹، سعید)

''وإذا قدم فی أذانه أو فی إقامته بعض الکلمات علیٰ بعض نحو أن یقول:أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه قبل أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه،فالأفضل فی هذا أن ما سبق علیٰ أوانه لایعتد به حتیٰ یعیده فی أوانه وموضعه،وإن مضی علیٰ ذلک جازت صلاته''.کذا فی المحیط.(الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الثانی فی الأذان،الفصل الأول فی بیان کلمات الأذان والإقامة: ۵۶/۱،رشیدیة)

(۳) (وکرها) أی الأذان والإقامة (للنساء) لماروی عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما من کراهتهما لهن.(مراقی الفلاح)

==

نابالغ سمجھدار بچہ بھی کہہ سکتا ہے،(۱) اگر کوئی نہ ہو تو بچہ کی ماں بھی کہہ سکتی ہے، اگر وہ حالتِ نفاس میں نہ ہو۔ (۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۴/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۵/۵-۴۵۶)

عورت کا بچے کے کان میں اذان دینے کا حکم:

سوال (۱) نومولود بچے کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ عام اذان عورت کی مکروہ ہے۔

(۲) بچے کی ولادت کے بعد کتنی دیر تک اذان دے سکتے ہیں؟

(محمد انور نقشبند کالونی، ملتان)

الجواب

(۱) اصل یہ ہے کہ نومولود کے کان میں کوئی مرد صالح اذان دے، تاکہ صورتاً بھی کراہت نہ ہو۔

مراقی میں ہے:

وکرھا: أی الأذان والإقامة للنساء لما روی عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما من کراھتھما لھن. (باب الأذان، ص: ۱۰۵)

اس کی تعلیل علامہ طحطاوی یہ بیان کرتے ہیں:

لأن مبنٰی حالھن علی الستر ورفع صوتھن حرام، الخ.

== وقال الطحطاوی: (قوله: من کراھتھما لھن) لأن مبنی حالھن علی الستر ورفع صوتھن حرام. (حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح: ۱۹۵، کتاب الصلاة، باب الأذان، قدیمی) کذافی درر الحکام شرح غرر الحکام، باب الأذان: ۵۷/۱ـ انیس

اس تعلیل کا مقتضی یہ ہے کہ نومولود کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے، کیونکہ اس میں نہ رفع صوت ہے اور نہ ہی یہ خلاف ستر ہے۔ (خیر الفتاویٰ ما یتعلق بالأذان والإقامه: ۲۲۷/۲، مکتبة إمدادیة، ملتان)

(۱) "(ویجوز) بلا کراھة (أذان صبی مراھق)". (الدر المختار)

"والمراد به العاقل وإن لم یراھق". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۱/۱، سعید)

"أذان الصبی العاقل الصحیح". (الفتاویٰ الھندیة، کتاب الصلاة، الباب الثانی، الفصل الأول فی صفته وأحوال المؤذن: ۵٤/۱، رشیدیة)

(۲) "(ویکره أذان جنب و إقامته". (الدر المختار)

"وقال ابن عابدین رحمه اللّٰہ تعالٰی: صرح فی الخانیة بأنه تجب الطهارة فیه عن أغلظ الحدثین، وظاھر أن الکراھة تحریمیة". (رد المحتار: ۳۹۲/۱، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی المؤذن الخ سعید)

قال أبو ھریرة: لاینادی بالصلاة إلا متوضیء. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراھیة الأذان بغیر وضوء (ح: ۲۰۱) انیس)

اس تعلیل کا مقتضی یہ ہے کہ نومولود کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے؛ کیونکہ اس میں نہ رفع صوت ہے اور نہ ہی یہ خلاف ستر ہے۔

وہ مقام جہاں اذان نہیں دی جائے گی:

۱۔ عورتیں تنہا نماز پڑھیں یا جماعت کریں؛ ان کو اذان و اقامت کہنا مکروہ ہے، بغیر اذان و اقامت نماز پڑھیں۔ اگر اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی لیکن بُرا کیا۔ (عالمگیری: ۱/۵۳، شامی: ۱/۲۵۷ وغیرہ)

۲۔ مسجد میں قضا نماز پڑھنے والے اذان نہ دیں گے۔ (شامی: ۱/۲۵۷)

۳۔ جو نماز فاسد ہو جائے اور وقت کے اندر دہرالی جائے؛ اس کے لئے اذان و اقامت نہیں دہرائی جائے گی، لیکن دہرانے میں زیادہ دیر ہو جائے تو اقامت دہرائی جائے گی۔

۴۔ جمعہ کے دن جہاں جمعہ شریعت کی رو سے جائز ہے؛ وہاں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے اذان و اقامت سنت نہیں ہے۔ اس لئے اذان و اقامت نہ کہے چاہے، ظہر جمعہ سے پہلے پڑھے یا بعد میں۔ (درمختار مع شامی: ۱/۲۶۲)

۵۔ سنن، وتر، نوافل، تراویح، عیدین، نذر، جنازہ، استسقاء، چاشت، خوف، کسوف، خسوف کی نماز کے لئے اذان و اقامت نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۱/۵۳) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۰۔ انیس)

ان لوگوں پر اذان کا جواب نہیں ہے:

۱۔ حیض و نفاس والی عورتوں پر۔

۲۔ نماز پڑھنے والے پر چاہے فرض پڑھیں یا نفل، اگر کوئی نماز کے اندر اذان کا جواب دے دے تو نماز فاسد ہو جائے گی چاہے جواب کے ارادے سے دے یا جواب دیتے وقت کوئی ارادہ نہ ہو۔ اور اگر اللہ و رسول کی ثنا و تعریف کے ارادہ سے دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۳۔ بیوی سے جماع کرنے والے پر۔

۴۔ پیشاب پاخانہ کرنے والے پر۔

۵۔ خطبہ سننے والے پر۔

۶۔ علم دین پڑھنے پڑھانے والے پر۔

۷۔ کوئی چیز کھانے والے پر۔ (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۱)

اذان کے متفرق مسائل

۱۔ وقت سے پہلے پوری اذان یا اس کا کچھ حصہ دیا جائے اس کو لوٹایا جائے گا۔ (درمختار بر شامی: ۱/۲۵۸)

۲۔ اذان کہتے کہتے بیچ میں اتنی دیر رک گیا کہ زیادہ فاصلہ ہو گیا تو شروع سے اذان دے اور معمولی فاصلہ ہو تو نہ دہرائے (عالمگیری: ۱/۵۵)

۳۔ بغیر عذر اذان میں کھانسنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری: ۱/۵۵)

۴۔ جس مؤذن کو پاکی وغیرہ کی تمیز نہ ہو اور اس کے الفاظ بھی بالکل غلط ہوں ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی اذان لوٹانا درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۸۳، از غنیۃ المستملی، ص: ۳۵۹)

۵۔ جہاں اذان دے وہیں نماز پڑھے، دوسری جگہ جا کر پڑھنا اچھا نہیں۔ (عالمگیری وغیرہ)

==

(۲)　جب ولادت کے بعد غسل سے فراغت ہو جائے، اسی وقت کانوں میں اذان وتکبیر کہی جائے، اگر کسی عذر سے یا بدون عذر تاخیر ہو جائے، تو جب بھی یاد آجائے، کان میں اذان دے دی جائے۔ الحاصل کسی وقت کے فوت ہو جانے سے اذان ساقط نہیں ہوتی۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۲/۶/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۷/۲)

☆☆☆

==۶۔　فرض نماز کے علاوہ ان چیزوں کے لئے اذان دینا مستحب ہے۔ نومود بچہ کو، غم زدہ کے لئے، مرگی والے کے لئے، غصہ کرنے والے کے لئے، بدخلق انسان یا جانور کے لئے، آگ لگنے کے وقت، بھوت جن والے کے لئے، بیابان میں راستہ بھولنے والے کے لئے۔ غم میں مبتلا کے لئے کان میں اذان دینے سے غم دور ہوتا ہے۔ (شامی: ۲۵۸/۱) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۰۲، ۲۰۳۔ انیس)

(۱)　عن حسین بن علی قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ولدله مولود فأذن فی أذنه الیمنیٰ وأقام فی أذنه الیسریٰ لم یضره أم الصبیان. (عمل الیوم واللیلة لابن السنی (ح: ۶۲۳)

وعن ابن عباس قال: سبعة من السنة فالصبی یوم السابع یسمیٰ ویختن ویماط عنه الأذیٰ ویثقف أذنه ویعق عنه ویحلق رأسه ویلطخ من عقیقته ویتصدق بوزن شعره ذهب أوفضة أخرجه الدارقطنی فی الأوسط وفی سنده لین، وفیه أیضاً: عن ابن عمر رفعه إذا کان یوم السابع للمولود فاهریقوا عنه دماً وأمیطوا عنه الأذیٰ وسموه وإسناده حسن. (عمدة القاری، باب تسمیة المولود غداة یولد لمن یعق: ۸۴/۲۱. انیس)

مؤذن کے اوصاف

معذور کی اذان وامامت:

سوال: ایک مسلمان جس کے پیر میں تھوڑا سا لنگ ہے اور وہ صحت مند ہے، کام کاج کر لیتا ہے، ایسا شخص امامت کرسکتا ہے، یا مؤذن کا کام کرسکتا ہے؟

هو المصوب

شخص مذکور امامت اور اذان دونوں کا اہل ہے، اس کی امامت واذان جائز ہے۔ (۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۶۶/۱)

مؤذن کیسا ہو:

سوال: مؤذن غلط خواں کے بغیر اجازت دوسرے شخص صحیح خواں کو اذان واقامت حسبةً للّٰہ کہنا درست ہے یا نہیں اور جس صحیح خواں کی اذان واقامت سے مؤذن غلط خواں ناراض ہوتا ہو اس کو اذان وتکبیر کہنا کیسا ہے اور مؤذن مذکور کا ناراض ہونا اور شرعاً خواندہ مؤذن ہونا چاہیئے یا ناخواندہ بھی پھر اگر باوجود خواندہ کے ایسا مؤذن اذان واقامت کہتا رہے تو نماز میں تو کچھ خلل نہیں آتا۔

الجواب

مؤذن صحیح خواں اور صالح ہونا چاہیئے۔ (۲) اگر اس کے خلاف مؤذن ہو اور اس طرح پر اذان کہے کہ معنی بگڑ جاویں تو وہ گویا اذان ہوئی ہی نہیں، بلا اذان نماز ہوئی۔ فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۵۹)

(۱) (ويجوز أذان العبد والأعمىٰ وولد الزنا والأعرابى) لأن المقصود هو الاعلام حاصل وغيرهم أولىٰ. (المبسوط للسرخسي، وأذان العبد والأعمى وولد الزنا والأعرابى: ۱۳۷/۱ ـ انيس)

(۲) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبى داؤد، باب من أحق بالإمامة (ح: ۵۹۰ / سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان و ثواب المؤذنين (ح: ۷۲۶)

قال الملا على القارى: وأما حديث أبى داؤد وابن ماجة "يؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم" فالمراد بالخيار الصلحاء، وبالقراء العلماء والعلماء أفضل الناس بعد الأنبياء ولأن القيام بحقوق الإمامة أشق فهو أفضل مآباً وأجزل ثواباً. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن: ۵۶۴/۲. انيس)

مؤذن کو دیندار ہونا چاہئے:

سوال: زید کی لڑکی کھلم کھلا ایک کافر کے یہاں رہتی ہے، اور میاں بیوی جیسے برتاؤ دونوں میں ہوتے ہیں، اور زید بھی آتا جاتا اور کھانے کی چیز لاتا ہے، جو سارے گھر کے لوگ کھاتے ہیں، زید مؤذن ہے، تو کیا ایسے شخص کا مؤذن کے فرائض انجام دینا درست ہے؟

(۲) زید کے گھر کا کھانا پینا دوسرے مسلمانوں کے لئے درست ہے؟

(۳) کیا زید کو دین کے کسی کام کے عہدہ پر مقرر کیا جاسکتا ہے؟

(۴) کیا زید کو سماج میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

هو المصوب

(۱) مؤذن کو بھی دیندار ہونا چاہئے اور زید کا عمل چونکہ بہت غیر مناسب ہے، لڑکی کو جان بوجھ کر کافر کے یہاں آنے جانے کی اجازت دے رکھی ہے، نیز اس پر نکیر بھی نہیں کرتا ہے، لہذا اذان دوسرے شخص کو دینا چاہئے۔(۱)

(۲) مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کو سمجھائیں اور اگر نہ مانے، تو اس سے تعلقات نہ رکھیں، کھانا اس کے یہاں نہ کھائیں۔

(۳) زید کو کوئی دینی عہدہ دینے میں احتیاط سے کام لیں۔

(۴) زید اگر اپنے مذکورہ عمل کو چھوڑ دے، تو اسے سماج میں داخل کر سکتے ہیں۔

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۵۹/۱-۳۶۰)

اس مؤذن کا کیا حکم ہے جسے پاکی کی احتیاط نہ ہو اور نہ تلفظ کی:

سوال: جس مؤذن کو پاکی وغیرہ کی تمیز نہ ہو اور اس کے الفاظ اذان بھی بالکل غلط ہوں تو ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا درست نہیں، اس کی اذان کا لوٹانا درست ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۳/۲)

(۱) ثم اعلم أنه ذكر في الحاوي القدسي من سنن المؤذن كونه رجلا عاقلا صالحا عالما بالسنن والأوقات مواظبا عليه محتسبا ثقة متطهرا مستقبلا. (رد المحتار، فائدة التسليم بعد الأذان: ٦٢/٢)

وأما سننه فنوعان، سنن في نفس الأذان وسنن في صفات الأذان، أما الأول فسيأتي، وأما الثاني: فأن يكون رجلًا عاقلاً ثقةً عالماًبالسنة وأوقات الصلاة. (البحر الرائق، باب الأذان: ٢٦٨/١. انيس)

(۲) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم ==

جاہل کی اذان:

سوال: جاہل آدمی کو اذان دینا جس کی زبان سے الفاظ مثل پڑھے ہونے کے نہ نکلتے ہوں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو شخص اذان صحیح نہ کہہ سکے وہ اذان نہ کہے، اذان ایسے شخص سے کہلوانی چاہئے جو کلمات اذان کو صحیح کہے خواہ پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۰۰)

اذان واقامت میں جاہلانہ رویہ پر اصرار جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد دو خاندانوں میں مشترک ہے، اذان واقامت کے لئے نمبر مقرر کیا گیا ہے کہ ایک ہفتہ ایک خاندان کا کوئی فرد اذان واقامت کہے گا اور دوسرے ہفتہ میں اس شخص یعنی دوسرے خاندان کا ایک فرد اذان کردے گا۔ اب وہ شخص امی ہے، اس کی باری آنے پر اگر کوئی اذان دیتا ہے تو وہ اسے مار کر نیچے گرا دیتا ہے اور خود دوبارہ اذان دیتا ہے، اسی طرح اقامت بھی خود دوبارہ کہتا ہے، تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مرحم اللہ بونیر......۱۹/شوال ۱۴۰۱ھ)

== قـراؤكم.(المعجم الكبير للطبراني،عكرمة عن ابن عباس (ح: ١١٦٠٣ /السنن الكبرىٰ للبيهقي،باب لايؤذن إلا عدل ثقة للإشراف على عورات (ح:١٩٩٨)/شرح السنة للبغوي،باب من هو أولىٰ بالإمامة (ح:٨٣٧)انيس)

(وليؤذن لكم خياركم)أي صلحاء كم ليؤمن نظره للعورات.(التيسيربشرح الجامع الصغير،حرف اللام:٣١٧/٢.انيس)

ويستحب أن يكون المؤذن عالماً بالسنة تقياً فيكره أذان الجاهل والفاسق،الخ.(غنيةالمستملي:٣٥٩،ظفير)

(۱) وإنما يستحق ثواب المؤذنين إذا كان عالماً بالسنة والأوقات ولوغير محتسب.(الدرالمختار)

أي سنة الأذان.(ردالمحتار،باب الأذان:٣٦٤/١)

لقوله عليه الصلوٰة والسلام:ليؤذن لكم خياركم،رواه أبوداؤد،الخ.

ويدخل في الخيارأن لايلحن في الأذان لأنه لايحل لافي الأذان ولافي القراءة وتحسين الصوت مطلوب لاتلازم بينهما،الخ، وظهرمن هذا أن التلحين إخراج الحرف عمايجوزله في الأداء،الخ.(غنية المستملي،فصل في السنن: ٣٦٠،ظفير)

(وليؤذن لكم خياركم)أي أمناء كم ليؤمن نظرهم للعورات وليثق بهم الصائم في الفطروالمصلي في حفظ الأوقات.(فيض القديرشرح الجامع الصغير،حرف اللام:٣٤٧/٥_انيس)

الجواب

بشرط صدق وثبوت یہ شخص جاہل مرکب ہے، اس پر ضروری ہے کہ کتاب وسنت کا اتباع کرے اور ان امور شنیعہ پر اصرار نہ کرے۔(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۱۹۵/۲)

بے نمازی اور غلیظ شخص کو مؤذن بنانا درست نہیں:

سوال: جو شخص غلاظت پسند ہو اور پاکی ناپاکی نہ جانتا ہو، تارک صوم وصلوۃ ہو، ایسے شخص کو مسجد میں مؤذن وجاروب کش رکھنا کیسا ہے اور ایسے آدمی کے ہاتھ سے بھرے ہوئے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟ بے نمازی کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی غیر مطہر ہے یا نہیں؟　(المستفتی: محمد حسین صاحب (سابرمتی))

الجواب

غلاظت پسند اور بے نمازی کو مؤذن بنانا درست نہیں، اگر چہ اس کے ہاتھ کا پانی مطلقاً غیر مطہر تو نہیں لیکن احتیاطاً اور زجراً استعمال نہ کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔(۲) فقط (کفایت المفتی:۴۸/۳-۴۹)

صوفی جاہل کی بنسبت عالم فاسق کی اذان اولیٰ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایم، اے تک تعلیم یافتہ ہے، پابندی سے بہت اچھے طریقے سے تلاوت قرآن مجید کرتا ہے حروف بھی اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے لیکن اس کی داڑھی نہیں ہے، مونڈواتا ہے، کیا اس کے لئے اذان دینا جائز ہے؟ دوسرا آدمی ہے جو بالکل ان پڑھ ہے اور تلاوت قرآن بھی نہیں کرسکتا اور نہ اذان کے حروف اچھے طریقے سے ادا کرسکتا ہے البتہ اس کی داڑھی ہے، ان دونوں میں سے کون اذان دینے کے لئے بہتر ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فضل ربی کندی تازہ دین پبی نوشہرہ......۲۵/مئی/۱۹۷۵ء)

---

(۱)　فرع: والمؤذن يكفى إخباره بدخول الوقت إذاكان بالغاً عاقلاً عالماً بالأوقات مسلماً ذكراً و يعتمد على قوله.(معين الحكام فيمايترددبين الخصمين من الأحكام، قبيل الباب السابع القضاء بقول المرأة بانفرادها:٩٥.انيس)

عن أبى هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: المؤذنون أمناء والأئمة ضمناء ،اللّٰهم اغفر للمؤذنين وسددالأئمة.(الصحيح لابن خزيمة،باب ذكردعاء النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ١٥٣١)انيس)

(۲)　من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلا صالحاً عالماً بالسنن والأوقات،مواظباً عليه،محتسباً ثقةً متطهرًا،الخ.(رد المحتار،باب الأذان:١/٣٩٣،ط سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

واضح رہے کہ **محلوق اللحیه** فاسق ہے۔ **کما صرح به فی شهادات تنقیح الفتاویٰ الحامدیة.**(۱)
اورعالم باعمل کی موجودگی میں اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے البتہ صوفی جاہل کی بنسبت اولیٰ اورافضل ہے۔
کما فی الدرالمختار:" وفاسق ولوعالماً لکنه أولٰی بإمامة وأذان من جاهل تقی. (هامش رد المحتار: ۱/ ۲٦۳)(۲)**وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۰۹)

فاسق کی اذان، اقامت مکروہ تحریمی ہے:

سوال: فاسق کی اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟ اعادہ ضروری ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

فاسق کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے۔اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے، اقامت نہ لوٹائی جائے۔
قال فی شرح التنویر:(ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه) علی المذهب (و)أذان(امرأة)وخنثیٰ (وفاسق) ... (ویعاد أذان جنب)ندبا وقیل وجوباً(لا إقامته)لمشروعیة تکراره فی الجمعة دون تکرارها.
وقال فی الشامیة تحت(قوله ویکره أذان جنب):وظاهرأن الکراهة تحریمیة،بحر(قوله و یعاد أذان الجنب الخ)زاد القهستانی والفاجروالراکب والقاعد والماشی والمنحرف عن القبلة وعلل الوجوب فی الکل بأنه غیرمعتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص قال وهوالأصح کما فی التمرتاشی.(رد المحتار: ۱/٣٦٥)**واللّٰه تعالٰی أعلم**
۲/محرم ۱۳۹۰ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۷)

فاسق کی اذان واقامت:

سوال: مسجد کے مؤذن نے بچہ کے ساتھ بالجبرلواطت کیا، پھراس کے بعدروزے رکھے، اپنے گناہ کی توبہ کی۔ حرام کام کی مغفرت کا اللہ کواختیار ہے، معاف کرے یا نہ کرے۔ بچے کا باپ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ پھروہی مؤذن مسجد میں رکھ لیا گیا، کیا ان کی اذان وامامت درست ہے؟ کیا ایسا کرنا مناسب ہوگا؟

(۲) **قال العلامة ابن عابدین فی تنقیح الفتاویٰ:أن الأخذ من اللحیة وهی دون القبضة کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم یبحه أحد وأخذ کلها فعل یهود الهنود ومجوس الأعاجم فحیث أدمن علٰی فعل هذا المحرم یفسق.(تنقیح الفتاویٰ الحامدیة،لایباح الأخذ من اللحیة وهودون القبضة: ۱/ ۳۵۱)**
(۳) **الدرالمختارهامش ردالمحتار،باب الأذان،مطلب فی المؤذن إذا کان غیرمستحب فی أذانه: ۱/۲۸۹۔**

ھو المصوب

مناسب ہے کہ مؤذن کو علاحدہ کردیا جائے، تاکہ مسجد کا انتشار ختم ہو جائے۔ توبہ سے گناہ معاف ہونے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۵۹/۱)

فاسق کی اذان کا اعادہ کیا جائے:

سوال: ایک شخص ہر وقت بزرگان کرام بالخصوص ائمۂ مجتہدین کو برا کہتا رہتا ہے اوران کو کافر کہتا ہے۔ ایسے ہی تنخواہ لے کر قرآن پاک پڑھانے والوں کو بھی برا کہتا ہے، مگر نماز روزہ کا پابند ہے اوراذان دیتا ہے، لوگ اس کو اذان سے منع بھی کرتے ہیں، مگر زبردستی اذان پڑھ کر اکیلے اپنی نماز پڑھ کر چلا جاتا ہے، اگر وہ اذن کہہ کر چلا جائے، تو وہ اذان دوبارہ کہی جائے یا نہیں؟

الجواب

شخص مذکور فاسق وفاجر ہے، اس کا اذان دینا مکروہ تحریمی ہے، اس اذان کا اعادہ کیا جائے۔

لما فی الدرالمختارعلی الشامیة: ۱/ ۳٦٤: "ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه علی المذهب وأذان امرأة وخنثٰی وفاسق، آه.

وفی الشامية علی قول الدر(ویعاد أذان جنب): زاد القهستانی والفاجروالراکب والقاعد و الماشي والمنحرف عن القبلة وعلل الوجوب فی الکل بأنه غیرمعتد به، آه. (۱/ ۳٦٥)فقط واللّٰه أعلم. بندہ محمد اسحاق غفرلہ معین مفتی۔ ۱۲/۲/ ۱۳۷۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۰۱/۲)

اپنے آپ کو گناہگار سمجھنے والے کی اذان:

سوال: کیا کوئی شخص جس نے مسجد میں کبھی اذان نہیں دی ہو، اور پھر ایک دن امام مسجد اسے اذان کے لیے کہے، جب کہ اس شخص اور امام کے علاوہ کوئی وہاں موجود نہیں ہے، تو اس شخص کو اذان دے دینی چاہیے؟ جب کہ وہ شخص اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا ہے، نماز وہ اس وقت پڑھتا ہے جب ٹائم ہو، دین کی طرف راغب ہے، لیکن اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا ہے۔

---

(۱) **ویکره أذان الفاسق ولایعاد، هکذا فی الذخیرة. (الفتاویٰ الهندیة، الفصل الأول فی صفة الأذان: ۵٤/۱) ==**

الجواب

اذان ہر مسلمان دے سکتا ہے، البتہ جو شخص کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو، مثلاً: داڑھی منڈاتا یا کترا تا ہو، اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے، باقی اپنے آپ کو نیک اور پاک کون سمجھا کرتا ہے؟ اپنے آپ کو گناہ گار ہی سمجھنا چاہیے۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۰۵/۳)

غلام احمد قادیانی کو نیک اور صالح ماننے والے کی اذان واقامت:

سوال: اگر کوئی شخص درج ذیل خیالات وعقائد پر ایمان رکھتا ہو، تو اس کے اذان واقامت کہنے سے پیش امام یا مقتدی حضرات کی نماز میں کوئی خلل پڑتا ہے یا نہیں؟

(الف) یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی بہت ہی نیک اور صالح آدمی تھے، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد تعریف کی ہے۔

(ب) یہ کہ وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا تھا۔

(ج) یہ کہ اس نے نبوت کا دعویٰ بھی ہر گز نہیں کیا۔

(د) یہ کہ نبوت کا دعویٰ کرنے کا جھوٹا الزام لگا کر تو قبر پرستوں نے اس کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کیا ہے۔

الجواب

مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں جو خیالات یہ شخص رکھتا ہے، وہ غلط ہیں، اس کا ثبوت اور قطعی ثبوت موجود ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کافر و مرتد اور دجال وکذاب تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، (۲) اور قادیانیوں کی ایک بڑی

== کیوں کہ اذان سے مقصود دو چیزیں ہوتی ہے، اول شعار اسلام کا اظہار، دوسرا دخول وقت کا اعلان کرنا۔ شعار اسلام کا اظہار فاسق کے اذان سے ہوتا ہے، اس لیے فاسق کی اذان درست ہے، البتہ دخول وقت کے اعلان کے سلسلہ میں فاسق کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لیے فاسق کا اذان دینا مکروہ ہے۔ انیس

(۱) ویکره أذان الفاسق ویستحب إعادة،إلخ.(الفقه الإسلامی وأدلّته:٥٤٢/٢)

أیضاً:ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه...وأذان...فاسق.(الدرالمختار)

وفی الرد:تحت قوله:ویکره أذان جنب...وظاهرأن الکراهة تحریمیة.(الدرالمختارمع ردالمحتار: ٣٩٢/١)

الـفسـق فی اللغة:عدم إطاعة أمر اللّٰه وفی الشرع:ارتکاب المسلم کبیرة قصدًا،أوصغیرة مع الإصرارعلیها بلا تأویل(قواعد الفقه:٤١٢، التعریفات الفقهیة)

(۲) ”نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں“۔(حقیقت الوحی، ص:۳۹۱، خزائن، ج:۲۲، ص:۴۰۶-۴۰۷) ==

جماعت اس کو نبی مانتی ہے۔ نہ یہ جھوٹا الزام ہے، نہ جھوٹا پروپیگنڈہ۔ ان صاحب کو میرے پاس بھیج دیا جائے، میں اس کو مرزا کی کتابیں دکھاؤں گا۔

جب تک یہ شخص بالا خیالات سے توبہ نہیں کرتا، اس کو اذان و اقامت کی اجازت نہ دی جائے، ورنہ تمام لوگوں کی نماز، اذان اور اقامت کے بغیر سمجھی جائے گی اور امام اور اہل مسجد سب کے سب گناہگار رہوں گے۔

مرزا غلام احمد کا، دشمن خدا اور رسول ہونا اس قدر واضح ہے کہ جو شخص اس کو مسلمان سمجھے، وہ بھی قطعی کافر ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۵-۳۱۶)

غلط عقائد رکھنے والے کی اذان کا حکم:

سوال: ایک آدمی جو کہ احمدی جماعت کا تھا، وہ مر گیا، اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ میری قبر پر دو رکعت نفل پڑھیں اور مغفرت کی دعا مانگیں، اس کا ماموں اہل سنت والجماعت کا تھا، اس نے قبرستان جا کر اس کی قبر پر نفل ادا کی اور دعا مانگی، اس مرزائی کے لئے، جب پھر واپس آیا، تو مولوی صاحب نے اس کو کہا کہ تمہارا عقیدہ ٹھیک نہیں، مرزائی تو کافر ہیں، کافر کے لئے دعاء مغفرت مانگنا ٹھیک نہیں، بالکل گناہ ہے، اس آدمی نے کہا کہ کلمہ پڑھنے والوں کو کافر نہیں سمجھنا چاہئے، وہ مرزائی ہے، اس پر مولوی صاحب نے ان کو اذان اور تکبیر پڑھنے سے روکا، ''آئندہ اذان اور تکبیر ہماری مسجد میں نہ پڑھا کریں، جب تم اپنا عقیدہ ٹھیک نہ کرو اور توبہ نہ کرو، تب تک تم اہل سنت کی مسجد میں نہ اذان نہ تکبیر پڑھا کرو''۔ اس کے متعلق آپ فتویٰ دیں کہ اس آدمی کو اہل سنت کی مسجد میں اذان و تکبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

== ایضاً: ''خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیا کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں''۔ (حاشیہ حقیقت الوحی، ص: ۳۷، خزائن، ج: ۲۲، ص: ۷۶)

أیضاً: '' مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهُ أَحْمَدُ'' کا مصداق میں ہوں۔ (ازالۂ اوہام، طبع اول، ص: ۶۷۳، خزائن، ج: ۳، ص: ۴۶۳)

أبو حازم قال: قاعدت أباهريرة خمس سنين فسمعته يحدث عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: كانت بنو اسرائيل تسوسهم الأنبياء كلماهلک نبی خلفه نبی وإنه لانبی بعدی، وسيكون خلفاء فيكثرون، الخ. (الصحيح للبخاری، باب ماذكر عن بنی اسرائيل (ح: ٣٤٥٥)/الصحيح لمسلم، باب الأمربالوفاء ببيعة الخلفاء (ح: ١٨٤٢) انيس)

(۱) (وكل مسلم ارتد فتوبته مقبولة إلا)...(الكافربسب نبی) من الأنبياء ... ومن شک فی عذابه وكفره كفر. (الدر المختار: ٢٣١/٤-٢٣٢، باب المرتد)

قال ابن عابدين: قلت: وهذه العبارة فی الشفاء للقاضی عياض المالكی نقلها عنه البزازی وأخطأ فی فهمها، لأن المراد بها ما قبل التوبة وإلا لزم تكفير كثير من الأئمة المجتهدين القائلين بقبول توبته وسقوط القتل بها عنه. (ردالمحتار، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس: ٢٣٢/٤. انيس)

الجواب

مرزائی چونکہ باتفاق جمیع علماء اسلام کافر ہیں، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، (۱) جو شخص ان کو اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے مسلمان سمجھتا ہے، تو اگر چہ ان کے معتقدات کو اچھا نہیں سمجھتا، تب بھی بہت بڑا گناہ گار بنتا ہے۔ (۲) جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے، اسے اذان وتکبیر نہ کہنے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۴۰-۸۴۱)

غلط عقائد کے حامل شخص کو مؤذن مقرر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کو مسجد کا مؤذن بنایا جاتا ہے، مگر اس وقت معلوم نہیں تھا کہ شخص مذکور درج ذیل عقائد کا حامل ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختار کل اور خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، سمجھتا ہے، نیز بدعات مروجہ (قیام بعقیدۂ حاضر وناظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سجدۂ تعظیمی کا جواز، گیارہویں مروجۂ اہل بدعت، انگوٹھا چومنا، اذان سے قبل صلاۃ وسلام کہنا وغیرہ کا نہ صرف معتقد ہے، بلکہ ان پر عمل کرنے کے ساتھ ایسے عقائد وخیالات نہ رکھنے والے کو ناپسند اور قابل نفرت سمجھتا ہے، اور مذکورہ عقائد اور اعمال پر اتنا مصر ہے کہ باوجود بطریق احسن افہام وتفہیم کے کہتا ہے کہ میں مسجد تو چھوڑ سکتا ہوں، مگر اپنے عقائد اور اعمال نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر مسجد کا کام صفائی وحفاظت خوب کرتا ہے۔

(۲) شخص مذکور کو مسجد کا مؤذن بناتے وقت ایک مخلص متولی نے اس سے وعدہ کیا کہ میں تم کو مسجد سے علیٰحدہ نہیں کروں گا۔ مگر یہ وعدہ اس وقت کیا تھا جبکہ شخص مذکور کے عقائد واعمال کا کوئی قطعاً علم نہیں تھا، اندریں صورت درج ذیل امور کا استفسار ضروری ہے، بحوالہ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱) شخص مذکور کو اذان واقامت جیسے مقدس فریضے پر قائم رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ اذان واقامت شعائر اسلام میں سے ہے۔

---

(۱) فی تفسیر ابن کثیر: قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ﴾ وقد أخبر تعالیٰ فی کتابه ورسوله فی السنة المتواترة عنه: أنه لا نبی بعده لیعلموا أن کل من ادعی هذا المقام بعد فهو أفّاک دجّال ضالّ مضلّ، الخ. (پارہ نمبر: ۲۲، سورة الأحزاب: ۴۰، ج: ۵/ص: ۱۸۸، قدیمی کتب خانة)

(۲) فی مشکوٰة المصابیح: "ما من قوم یعمل فیهم بالمعاصی ثم یقدرون علیٰ أن یغیروا، ثم لا یغیروا إلا یوشک أن یعمهم اللّٰه بعقاب" الخ. (باب الأمر بالمعروف: ۲/۴۳۶-۴۳۷، طبع قدیمی کتب خانة، کراچی)

هذا الحدیث رواه أبو داؤد عن هشیم عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب الأمر والنهی (ح: ۴۳۳۸) انیس

(۲) کیا فریضۂ اذان واقامت کے ادا کرنے سے توقیر وتکریم مبتدع تو لازم نہیں آتی، جسے صراحۃً حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے، بلکہ اسے ہدم اسلام قرار دیا ہے۔ کیا یہ ''المؤذن مؤتمن'' کے خلاف تو نہیں۔ کیا اس مؤذن کو اس فریضہ سے علیحدہ کرنے کی صورت میں وعدہ خلافی کے گناہ کا ارتکاب تو نہیں لازم آتا۔ کیا مسجد کی آمدنی سے ایسے شخص کو تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ایسے گندے عقائد رکھنے والے فاسق مبتدع کو اذان واقامت جیسی اہم دینی خدمت پر برقرار رکھنا ناجائز ہے، ایسے شخص کی اذان مکروہ ہے، سنت کے خلاف ہے۔(۱) اذان دینا کسی متقی صالح عالم بالاوقات شخص کے سپرد کرنا مسنون ہے۔

کما قال فی البدائع فی عداد صفات المؤمن: ۱۵/۱: و(منها) أن یکون تقیاً لقول النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: ''الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، والأمانة لایؤدیها إلا تقی'' و(منها) أن یکون عالماً بالسنة لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: ''یؤمکم أکرمکم، ویؤذن لکم خیارکم وخیار الناس العلماء'' لأن مراعاة سنن الأذان لایتأتٰی إلا من العالم بها، الخ. (۲)

---

(۱) کما فی الهندیة: ''ویکره أذان الفاسق الخ''. (کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول فی صفة الأذان و أحوال المؤذن: ۵۴/۱، طبع رشیدیة، کوئٹة)

وهٰکذا فی الدرالمختار: ''ویکره أذان جنب وإقامته ... وأذان امرأة وخنثٰی وفاسق الخ''. (کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۲/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی)

وهٰکذا فی حاشیة الطحطاوی: ''ویکره أذان الجنب ... وأذان فاسق لأن خبره لایقبل فی الدیانات الخ''. کتاب الصلاة، باب الأذان: ۲۰۰، طبع دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل وأما بیان سنن الأذان: ۱۵۰/۱، طبع رشیدیة

وهٰکذا فی البحرالرائق: ''فأن یکون رجلاً عاقلاً ثقةً عالماً بالسنة ... وصرحوا بکراهة أذان الفاسق من غیرتقید'' الخ. (کتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۲/۱، طبع رشیدیة)

وهٰکذا فی الهندیة: ''وینبغی أن یکون المؤذن رجلا عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنة'' الخ. (کتاب الصلاة، باب الأذان: ۵۳/۱، طبع رشیدیة کوئٹة)

(''الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن'' رواه أبوداؤدالطیالسی فی مسنده (ح: ۲۵۲۶) /والإمام الشافعی فی مسنده، الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۷۵) /والإمام أحمد فی مسنده، من مسند أبی هریرة (ح: ۷۱۶۹)

''یؤذن لکم خیارکم'' رواه أبو داؤد فی سننه، باب من أحق بالإمامة (ح: ۵۹۰ /وابن ماجة، فی باب فضل الأذان و ثواب المؤذنین (ح: ۷۲۶) انیس)

ایسے مؤذن کو باوجود وعدہ کے اس ضرورت کی خاطر اس عہدہ سے علیٰحدہ کر سکتے ہیں۔(۱) ویسے بمقابلہ خدمت مسجد از قسم صفائی وغیرہ اس کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دی جاسکتی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۸۴۱/۱-۸۴۳)

بدعتی کی اذان وامامت کا حکم:

سوال: بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، اسی طرح اس کا اذان دینا اور پھر اذان ترنم سے دیتا ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے، تو کیا کرے؟

ھو المصوب

بدعتی کے پیچھے نماز مع الکراہت درست ہے، اذان دے سکتا ہے۔(۳)

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۵۸/۱-۳۵۹)

نشہ باز مؤذن:

سوال: زید ایک مسجد میں عرصۂ دراز سے مؤذن کی حیثیت سے کارگزار ہے، دو چار سال سے اس کی عادت خراب ہوچکی ہے، اب وہ شرابی بن گیا ہے، دن ہو یا رات، حالت نشہ میں مسجد میں آجاتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور کبھی کبھی امام صاحب کی غیر حاضری میں نماز بھی پڑھاتا ہے، دو مرتبہ اس کی سرزنش بھی کی گئی، تب وہ آئندہ ایسی

---

(۱) لما فی رد المحتار: "البانی للمسجد أولیٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار" الخ. (کتاب الوقف: ۴۳۰/۴، طبع ایچ ایم سعید، کراچی)

وأیضاً فیہ: "ولایة الأذان والإقامة لبانی المسجد مطلقاً وكذا الإمامة لوعدلاً" الخ. (کتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۰/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی)

وھٰکذا فی الشامیة: "وفی الأشباہ: ولد البانی وعشیرتہ أولیٰ من غیرھم وسیجئ فی الوقف أن القوم إذا عینوا مؤذناً وإماماً وكان أصلح مما نصبه البانی فهو أولیٰ" الخ. (کتاب الصلاة، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد: ۴۰۰/۱، ایچ ایم سعید)

(۲) کذا فی الدرالمختار: "ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم ثم السراج والبساط، کذلک إلیٰ آخر المصالح" الخ. (کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ایچ ایم سعید)

وكذا فی البحر الرائق: "لو وقف علیٰ مصالح المسجد یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم" الخ. (کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، طبع رشیدیة، کوئٹة)

(۳) وأهلیة الأذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم لمواقیت الصلاة کذا فی فتاویٰ قاضیخان. وینبغی أن یکون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقیا عالما بالسنة کذا فی النهایة. (الفتاوی الهندیة: ۵۳/۱)

حرکت نہ کرنے اور شراب نہ پینے کا عہد بھی کر چکا تھا، اس کے باوجود تیسری مرتبہ بھی یہی حرکت کر بیٹھا، مصلیوں کے اعتراض کی وجہ سے زید کو مؤذن کی ملازمت سے ہٹادیا گیا، لیکن کمیٹی کے کچھ اراکین اس کی ہمدردی میں کہتے ہیں کہ وہ غریب ہے، نوکری سے علیحدہ کرنے پر پریشان ہوجائے گا، لہذا مؤذن کو برقرار رکھا جائے، تو کیا زید کو ان خبیث حرکات کے باوجود دوبارہ مؤذن کی خدمت پر مامور کیا جانا جائز ہے؟ (محمد عقیل، نواب صاحب کنٹہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

نشہ پینا فسق اور نشہ پینے والا فاسق ہے اور امام ومؤذن کو نیک، دین دار اور متقی ہونا چاہیے، (۱) مؤذن مقرر کرنے کا مقصد مسجد کی خدمت ہے، نہ کہ غریب آدمی کی پرورش، اگر پرورش مقصود ہو تو ارکان کمیٹی اپنی طرف سے اس کا تعاون کریں، یہ ایک بہتر اقدام ہوگا، ورنہ ایسے شخص کو مؤذن رکھنا مسجد اور مصلیان مسجد کے ساتھ حق تلفی اور زیادتی ہے، نیز اگر ایسا شخص نشہ کی حالت میں اذان دے دے تو اذان کو دہرانا واجب ہے:

”**ویعاد أذان المرأة والسکران**“، **الخ**. (۲) (کتاب الفتاوی: ۲/۱۴۳-۱۴۴)

نشے کی عادی شخص کو مؤذن مقرر کرنا:

سوال: مؤذن نشہ کرتا ہے اور منع کرنے سے کہتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، پورے محلّہ کو علم ہے، اس کی مؤذنی کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایسے آدمی کو مؤذن کقرر کرنا مکروہ تحریمی ہے، (۳) جب تک وہ نشہ سے سچی پکی توبہ نہ کرے، (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۴۲)

---

(۱) عن عبداللّٰہ بن عمر أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لعن اللّٰہ الخمر ولعن شاربها وساقیها وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومبتاعها وحاملها والمحمولة إلیه وآکل منها. (مسند الإمام أحمد، مسند عبداللّٰہ بن عمر بن الخطاب (ح: ۵۷۱۶)/مسند أبی داؤد الطیالسی (ح: ۲۰۶۹)/مسند أبی یعلی الموصلی، مسند عبداللّٰہ بن عمر (ح: ۵۵۸۳)/شرح مشکل الآثار: ۸/۳۹۹ (ح: ۳۳۴۳) شعب الإیمان، فصل فی التشدید فی الدین (ح: ۵۱۸۱) انیس)

(۲) البحر الرائق: ۱/۴۵۹۔

(۳) ”والسکران والمجنون والصبی غیر العاقل إذا أذنوا، یجب أن یعاد لعدم حصول المقصود لعدم الاعتماد علٰی خبرهم“. (الحلبی الکبیر، سنن الصلاة: ۳۷۵، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۴) قال اللّٰہ سبحانه وتعالٰی: ﴿وَاِنِّی لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ﴾ (سورة طٰه: ۸۲)

”وعن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ”إن العبد إذا اعترف، ثم تاب، تاب اللّٰہ علیه“. (مشکوٰة المصابیح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول: ۲۰۳، قدیمی)

نشہ کرنے والے کو مؤذن بنانا کیسا ہے:

سوال: ایک مسلم محلّہ کی مسجد جس کا مؤذن شراب نوشی کا عادی ہے، اور اس بات کا علم محلّہ کے اکثر حضرات کو ہے اور اس الزام کے گواہ خود مؤذن کے ہم نشین ہیں، جو کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ہمارے ساتھ شراب پی ہے اور ابھی اذان پڑھ رہا ہے، اس سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں بھی اذان پڑھتا ہے اور وہ اسی حالت میں مسجد ہی میں سوتا ہے اور یہ بات ذمہ داران مسجد کے علم میں مسلسل دو سال سے لائی جا رہی ہے جو محلّہ میں پڑھے لکھے جانے جاتے ہیں، ذمہ داروں نے محض یہ کہہ کر اس بات کو نظر انداز کیا ہے کہ ہم نے خود کبھی اس مؤذن کو نشہ کی حالت میں نہیں دیکھا ہے، لہذا کوئی اقدام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ محلّہ کے ایک شخص نے مؤذن کے لڑکے کو شراب خریدتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ کر ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا، اور سختی سے پوچھنے پر مؤذن کے لڑکے نے صاف کہہ دیا کہ ابو نے منگائی ہے، یہ روزانہ منگاتے ہیں۔

اس کے باوجود ذمہ داروں نے کوئی توجہ نہیں دی، صرف یہ کہہ کر کہ ابھی فوری طور پر ہمیں کوئی مؤذن نہیں ملتا، جب کہ اس سلسلہ میں کوئی جستجو بھی نہیں کی۔ اس تفصیل کی روشنی میں بتائیں کہ:

(۱) کیا اس حالت میں مؤذن کا اذان پڑھنا اور مسجد میں سونا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر درست نہیں ہے، تو ترک اذان کی ذمہ داری اور وبال کس پر ہوگا؟

هو المصوب

اگر نشہ میں اذان دیتا ہے، تو مکروہ ہوگی، اور اذان کا لوٹانا بہتر ہے۔

ويكره أذان السكران ويستحب إعادته.(۱)

لیکن اذان دیتے وقت نشہ میں نہیں ہوتا، تو بھی مکروہ ہے، لیکن اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

ويكره أذان الفاسق ولايعاد.(۲)

بہتر یہ ہے کہ مؤذن صالح ہو، متقی ہو، سنت کا جاننے والا ہو۔

وينبغي أن يكون المؤذن صالحا تقيا عالما بالسنة.(۳)

ذمہ داران مسجد ایسے شخص سے اذان نہ دلائیں، لیکن اگر اس کی معزولی میں مسلمانوں میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو حکمت عملی سے فتنے سے بچ کر ان کو معزول کرنے کوشش کریں۔

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۶۲/۱-۳۶۳)

(۱) الفتاوىٰ الهندية: ۵٤/۱. الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن

(۲-۳) الفتاوىٰ الهندية: ۵۳/۱. الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن

نشہ کی حالت میں اذان کا حکم:

سوال: ہماری مسجد کا ایک مؤذن ہے جو اعمال کے لحاظ سے کمزور ہے مثلاً افیون و چرس وغیرہ کا استعمال ہمیشہ کرتا ہے، اسی حالت میں اذان بھی دیتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، اور نشہ ہی کی حالت میں وہ مسجد میں سوتا بھی ہے، تو کیا عندالشرع ایسے مؤذن کی اذان درست ہے؟ نیز مؤذن کے شرائط بھی تحریر فرماویں۔

الجواب

فقہاء کرام نے مؤذن کے لئے جو شرائط لکھی ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ مؤذن عاقل، صالح، متقی عامل بالسنۃ ہو، سنجیدہ اور لوگوں کے احوال کو بھی جانتا ہو اور جماعت سے متخلفین پر زجر بھی کرسکتا ہو اور خود بھی اذان پر مواظبت رکھتا ہو، اور بہتر یہ ہے کہ مؤذن اسی شہر کا رہنے والا ہو۔

وفی الهندية: وينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلا صالحا تقيا عالما بالسنة كذا في النهاية. وينبغي أن يكون مهيباً ويتفقد أحوال الناس ويزجر المتخلفين عن الجماعات كذا في القنية. .. وأن يكون مواظبا على الأذان هكذا في البدائع والتتارخانية. وأن يكون محتسبا في أذانه كذا في النهر الفائق والأحسن أن يكون إمامًا في الصلاة كذا في معراج الدراية والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم كذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية: ۵٤/۱، باب الأذان)

لہذا جو شخص چرسی، افیمی ہو، تو بحکم فسق کے اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ واجب الاعادہ ہے، تاہم اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہے۔

قال الحصكفي: (ويكره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث) لا أذانه على المذهب (و) أذان (امرأة) وخنثیٰ (فاسق) ولو عالماً لكنه أولٰى بإمامة وأذان من جاهل تقي، ويعاد أذان جنب ندباً.

قال ابن عابدين تحت (قوله ويعاد أذان الجنب): زاد القهستاني والفاجر. (رد المحتار: ۳۹۲/۱-۳۹۳، باب الأذان) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۵۲/۳)

---

(۱) قال ابن نجيم تحت هذا القول: وكره أذان... والفاسق) وأما الفاسق فلأن قوله ولايوثق به ولايقبل في الأمور الدينية ولايلزم أحدًا فلم يوجد الإعلام. (البحر الرائق: ۲٦۳/۱، باب الأذان)

(وأن المستحب كون المؤذن عالماًبالسنة) يفيدبالالتزام العادى طلب أن لا يكون صبياًوإن كان عاقلاً بل بالغًاثم استدل بقوله صلى الله عليه وسلم: "وليؤذن لكم خياركم" فعلم أن المراد أن المستحب كونه عالماًعاملاًلأن العالم الفاسق ليس من الخيار لأنه أشد عذاباً من الجاهل الفاسق على أحق القولين كما تشهد الأحاديث الصحيحة وصرحوا بكراهة أذان الفاسق من تقييد بكونه عالماًأو غيرهى. (فتح القدير، باب الأذان: ۲٤۷/۱. انيس)

وصرحوا بكراهة أذان السكران واستحباب اعادته وينبغي أن لايصح أذانه. (الأشباه والنظائر، أحكام السكران: ۲٦۷، انيس)

شرابی کی اذان کا حکم:

سوال: کیا کوئی شرابی بغیر نشہ کی حالت میں اذان یا اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

هو المصوب

شرابی پر شراب کا چھوڑنا لازم ہے، اگر صدق دل سے تائب ہوجاتا ہے، تو پھر اس کا اذان دینا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہوگا۔(۱)

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۶۲/۱)

بیڑی سگریٹ پینے والے کی اذان:

سوال: زید مستقل نشیلی اشیا کا استعمال کرتا ہے، مثلاً بھانگ، افیم وغیرہ، عام لوگوں کو بھی اس کا علم ہے، آج سے چار سال قبل ایک مستند فاضل نے زید کو ایک مسجد (جس میں جمعہ کی نماز بھی ہوگی) کا مؤذن مقرر کیا اور آج تک بحیثیت مؤذن کام کررہے ہیں، لیکن اب طرح طرح کے سوالات اٹھائے جارہے ہیں، کیا نشیلی اشیا کا عادی شخص مؤذن بن سکتا ہے؟ عام طور پر ہر وضو سے پہلے گل منجن استعمال کرتے ہیں، یا بیڑی وسگریٹ استعمال کرتے ہیں۔ وہ کونسی اشیا ہیں جو حرام ہیں یا مکروہ؟ بعض چیزیں جیسے تمباکو یا گل منجن وغیرہ ایک عام آدمی ذرا سی مقدار بھی استعمال کرے، تو وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، تو ان چیزوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کسی عالم بالکتاب والسنۃ کا کسی ایسے شخص کو نماز پڑھانے یا اذان کہنے کے لئے بڑھایا جاسکتا ہے، جبکہ لوگوں کو اعتراض ہو اور کیا ایسی صورت میں عالم صاحب کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟

هو المصوب

تمباکو، بیڑی، سگریٹ، تمباکو والا پان وغیرہ کا بلاضرورت استعمال مکروہ ہے، مذکورہ اشیا کا عادی شخص اگر نماز یا اذان سے قبل اپنا منھ خوب صاف کرلیتا ہے، اس طور پر کہ اس کے منھ سے کسی قسم کی بو نہ آتی ہو، تو ایسے شخص کے نماز پڑھانے اور اذان دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اسی طرح ایسے شخص کو امام مقرر کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں ہے، لوگوں کا اعتراض بے جا ہے، اگر امام یا مؤذن مذکورہ بالا احتیاط کا احترام نہیں کرتا ہے، تو اس کی امامت اور اذان مکروہ ہوگی۔

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۶۴/۱)

---

(۱) أما السكران فلعدم الوثوق بقوله وهو داخل في الفاسق لكن قد يكون سكره من مباح فلا يكون فاسقا فلذا أفرده بالذكر. (البحر الرائق: ۴۵۸/۱)

جھوٹی گواہی دینے والے کی اذان کا حکم:

سوال: زید نے جھوٹی گواہی دی، پھر دوسرے موقع پر قسم کھا لیا کہ میں نے گواہی نہیں دی ہے، ایسے شخص کو مؤذن رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مؤذن کے لئے مسلمان عاقل بالغ ہونا شرط ہے،(۱) اگر یہ باتیں شخص مذکور میں ہوں تو مؤذن رہ سکتا ہے۔(۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۷/۹/۱۳۴۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۱۸/۲)

چوری کرنے والے شخص کی اذان:

سوال: ایک مؤذن مسافر وغیرہ کا سامان چرا لیتا ہے اور امام کی عدم موجودگی میں یہی امامت بھی کرتا ہے، ایسے شخص کی اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) مؤذن کے لئے عاقل ہونا ضروری ہے، بایں معنی کہ وہ پاگل نہ ہو اور اگر مؤذن نابالغ ہو مگر باشعور ہو تو جائز ہے۔ اگر ناسمجھ بچہ ہو تو اس کی اذان صحیح نہیں ہوگی، البتہ مؤذن کا بالغ ہونا افضل ہے۔[مجاہد]

أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية،ولكن أذان البالغ أفضل وأذان الصبي الذي لايعقل لا يجوز ويعاد وكذا المجنون، هكذا في النهاية.(الفتاویٰ الهندية: ۵٤/۱)

(۲) البتہ اس کا اذان دینا مکروہ ہے، اس لئے کہ جھوٹی گواہی دینے والا فاسق ہے اور فاسق کا اذان دینا مکروہ ہے۔[مجاہد]

وأهلية الأذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم بمواقيت الصلاة ، كذا في فتاویٰ قاضي خان،وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحا تقيا عالما بالسنة ، كذا في النهاية ... ويكره أذان الفاسق ولايعاد، هكذا في الذخيرة.(الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۳ـ۵٤)

﴿وَالَّذِيْنَ لَايَشْهَدُونَ الزُّوْرَ﴾.(سورة الفرقان: ۷۲)

قال علي بن أبي طلحة:يعني شهادة الزور.(التفسير الوسيط للواحدي،تفسير سورة الفرقان:۳٤۸/۳.)

عن وائل بن ربيعة قال:عدلت شهادة الزور بالشرك بالله،وتلا أحدهما﴿وَالَّذِيْنَ لَايَشْهَدُونَ الزُّوْرَ﴾ وتلا الآخر﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾.(مصنف ابن أبي شيبة،ماذكر في شهادة الزور (ح:۲۳۰٤۲)

عن أبي بكرة قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم:أل أنبئكم بأكبر الكبائر؟ قلنا: بلى يارسول الله ! قال: الإشراك بالله وعقوق الوالدين وكان متكئاً فجلس فقال:ألاوقول الزور وشهادة الزور،ألاوقول الزور وشهادة الزور، فمازال يكررها حتى قلت:لا يسكت.(الصحيح للبخاري،باب عقوق الوالدين من الكبائر (ح:۵۹۷٦)/الصحيح لمسلم،باب بيان الكبائر وأكبرها (ح:۸۷ـ۸۸)/مسند الإمام احمد،حديث أبي بكرة نفيع بن الحارث بن كلدة (ح:۲۰۳۸۵)/شرح مشكل الآثار (ح:۸۹۲)/مسند الروياني،مسند عمران بن حصين (ح: ۸٦)/ الإيمان لابن منده، ذكر الذنوب التي تخرج العبد من الإيمان (ح:٤۷۲)/الترغيب والترهيب،كتاب البر والصلة(ح:۳۷۷٤)انيس)

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیاً و مسلماً

چوری گناہ کبیرہ ہے اوراس کا کرنے والا فاسق ،حضرات فقہانے فاسق کی اذان واقامت کومکروہ لکھا ہے۔(۱) پھرشخص مذکوراہل ایمان کے لئے وجہ ضرروایذاءبھی ہے،اس لئے اس کی جگہ کسی متدین اورمتقی کومقررکرنااہل حل وعقد پرواجب ہے۔واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: کسی پر چوری کاالزام بلادلیل شرعی محض شبہ کے سبب جائزنہیں۔

کتبہ:محمدحنیف غفرلہ۔۱۸/۵/۱۴۱۵ھ/الجواب صحیح:عبداللہ غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۲۹۴۔۲۹۵)

مسجد کی رقم چوری کرنے والے مؤذّن کی اذان واقامت اورامامت:

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلے کے کہ ہماری مسجد کا مؤذّن جونائب امام کے فرائض بھی ادا کرتا ہے،مسجد کے گلے سے رقم چوری کرتارہا،وہ دس بارہ افرادکی موجودگی میں اس کااقراربھی کرچکاہےاوراس تحریرپر تمام لوگوں کے دستخط بھی ہیں،اس اقرار کے بعدیہ شخص امامت،اذان اوراقامت کااہل ہے؟

الجواب ــــــــــــ

اس کی جگہ کسی اورشخص کومسجد کے خادم اورنائب امام کی حیثیت سے رکھ لیاجائے۔واللہ اعلم (۲)

(آپ کے مسائل اوران کاحل:۳/۳۱۶)

سودخوراورڈاڑھی منڈااذان نہیں دےسکتا:

سوال: کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زیداورعمردونوں نمازی ہیں،عمرحاجی ہے زیدحاجی نہیں،زیدکی ڈاڑھی منڈی ہوئی ہےعمرکی ڈاڑھی منڈی ہوئی نہیں،مگرسودکھاتا ہے،ڈاک خانہ میں روپیہ جمع

(۱) ویکرہ أذان فاسق؛لأن خبرہ لایقبل فی الدیانات.(مراقی الفلاح،کتاب الصلاۃ،باب الأذان:۱۳۳،مصری)

(۲) وأما الفاسق فقد عللوا کراھة تقدیمه بأنّه لایھتم لأمردینه،وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه وقد وجب علیھم إھانته شرعاً.(رد المحتار:۱/۵۶۰،کتاب الصلاۃ،باب الإمامة،مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد)

عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:لایزنی الزانی حین یزنی وھومؤمن ولایسرق السارق حین یسرق وھومؤمن.(الصحیح للبخاری،باب السارق حین یسرق (ح: ۶۷۸۲)/الصحیح لمسلم،عن أبی ھریرۃ،باب بیان نقصان الإیمان بالمعاصی (ح:۵۷)

وقال الحسن وأبوجعفرمحمدبن جریرالطبری: معناہ ینزع منه اسم المدح الذی یسمی به أولیاء اللّٰه المؤمنین ویستحق اسم الذم ، فیقال:سارق وزان وفاجروفاسق.(شرح الصحیح لمسلم للنووی،باب بیان نقصان الإیمان بالمعاصی : ۲/۴۲)/إکمال المعلم بفوائد مسلم: ۱/۳۱۱/شرح سنن ابن ماجة للسیوطی،باب الجوامع من الدعاء إلی الجامعة لخیر : ۲/۲۸۲.انیس)

کراتا ہے اور سود لیتا ہے، اب ان دونوں میں سے اذان کے لئے کون بہتر ہے۔ایک مولوی صاحب نے فرماتے ہیں زید بہتر ہے وہ اگر چہ فاسق ہے، مگر سود قطعی حرام ہے جبکہ کئی بار سمجھایا گیا ہے تو بھی وہ سود کھاتا ہے اس لئے اس کی اذان بہتر نہیں، اب استفسار ہے کہ کس کی اذان بہتر ہے؟ بحوالۂ کتب تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

دونوں فاسق ہیں، اس لئے دونوں میں سے کسی کو بھی اذان کہنے کی اجازت نہیں، دونوں گناہ بہت بڑے ہیں، سود کی لعنت تو ظاہر ہے، (۱) اسی طرح ڈاڑھی منڈانا اور کٹانا بھی بہت بڑا گناہ ہے، (۲) بلکہ یہ علانیہ شریعت مطہرہ کی توہین اور بغاوت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علانیۃً گناہ کرنے والا لائق عفو نہیں، **كل أمتي معافى إلا المجاهرين**، (۳) حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رمضان میں علانیہ کھانے والا واجب القتل ہے، (۴) ڈاڑھی منڈانے اور کٹانے والا تو رمضان میں علانیہ کھانے والے سے بھی زیادہ مجرم ہے۔اس کو تو چند ہی لوگ دیکھتے ہیں اور کسی ایک وقت میں، مگر ڈاڑھی کٹانے والا ایسا بے حیا ہے کہ ہمیشہ شب و روز سب کے سامنے شریعت سے بغاوت کا اظہار کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ خوف آخرت عطا فرمائیں۔(آمین) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/محرم ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۸)

---

(۱) عن ابراهيم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:لعن الله الواصلة والموتصلة والواشمة والموتشمة والواشرة والموتشرة والواصمة والموتصمة وآكل الربا ومطعمه وشاهده وكاتبه والمحلل والمحلل له.(الآثار لأبي يوسف،في الخضاب والأخذ من اللحية والشارب (ح:١٠٤٨)/رواه الإمام أحمد مسنداً عن هزيل عن عبدالله أنه قال:لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم والواشمة والمتوشومة والواصلة والموصولة والمحلل والمحلل له وآكل الربا ومطعمه . (ح:٤٢٨٤)انيس)

(۲) عن عبدالله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر باحفاء الشوارب واعفاء اللحىٰ.(موطأ الإمام مالك رواية أبي مصعب الزهري،باب السنة في الشعر (ح:١٩٩٠)انيس)

(۳) الصحيح للبخاري،باب باب ستر المؤمن على نفسه (٦٠٦٩)/مسندالبزار،مسندأبي حمزة أنس بن مالك (ح:٨٠٩٦)/المنتقى من مكارم الأخلاق ومعاليها،باب مايستحب من ستر المعصية ويكره من اذاعتها: ١٠٢/١/ المعجم الكبير للطبراني،من اسمه عبدالله (ح: ٦٣٢)/شعب الإيمان،الستر على أصحاب القروف (ح: ٩٢٢٥)/وفي الصحيح لمسلم،باب النهي عن هتك الإنسان ستر نفسه (ح:٢٩٩٠)بلفظ:كل أمتي معافاة إلا المجاهرين.انيس

(۴) وقال الغزالي:يجب قتال المقيمين على المعاصي المصرين عليها فإذا لم يستطع الإنسان ذلك فلينكر بلسانه فإن خاف على نفسه أو على عضو من أعضائه أنكر بقلبه ولايسقط الإنكار بالقلب عن المكلف باليد أو اللسان أصلا.(الموسوعة الفقهية الكويتية،خامساً القدرة على المحارب:٣٥٠/٣٢)

وفي شرح مختصر الكرخي عنه (محمد)أنه قال:لوترك أهل كورة سنة من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم عليها ولوترك رجل واحد ضربته وحبسته،لأن السنة لايضرب ولايحبس عليها إلاأن يحمل على ماإذا كان مصراعلى الترك من غير عذر فإنه استخفاف.(تيسير التحرير،مبحث الرخصة والعزيمة:٢٣٠/٢.انيس)

داڑھی منڈے کی اذان:

سوال: جس طرح سے جناب نے شرح عقود کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے، قرآن خوانی کے مسئلہ کے تحت کہ اب جو لوگ معترض تھے ان کی بولتی بند ہے، اسی طریقہ سے جو شخص داڑھی منڈاتا ہے یا خلاف سنت رکھتا ہے اس کی اذان مکروہ ہے، اس کا اعادہ ضروری ہے، اگر اس کا حوالہ تحریر فرمادیں تو کم علم معترض کے لئے سکوت کا باعث ہوگا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

”**ويحرم على الرجل قطع لحيته**“الخ. (الدرالمختار)(۱)

”**وأما الأخذ منها-وهى دون ذلك**(أى دون القبضة) **كما يفعل بعض المغاربة ومخنثة الرجال - فلم يبحه أحد،الخ،وأخذ كلها كما يفعل يهود الهند ومجوس الأعاجم قبيح**“. (الدر المختار)(۲)

”**ويكره أذان فاسق؛لأن خبره لايقبل فى الديانات**“.(مراقى الفلاح)(۳)

”**قوله:(أذان فاسق)هو الخارج عن أمر شرع بارتكاب كبيرة، كذا فى الحموى،(قوله:لأن خبره لايقبل الخ)فلم يوجد الإعلام المقصود الكامل**“. (الطحطاوى)(۴)

”**(ويعاد أذان جنب الخ)زاد القهستانى الفاجر والراكب والقاعد والماشى والمنحرف عن القبلة،وعلل الوجوب فى الكل بأنه غير معتدٍ به والندب بأنه معتدٍ به الا أنه ناقص،قال:وهو الأصح، كما فى التمرتاشى**“. (الشامى)(۵)

”**وينبغى أن لا يصح أذان الفاسق بالنسبة إلىٰ قبول خبره،والاعتماد عليه:أى لأنه لايقبل قوله فى الأمور الدينية،فلم يوجد الإعلام،صرح فى البحر ومنحة الخالق**“. (ردالمحتار: ۳۶۳/۱،ط:نعمانية)(۶)

فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۱/۱۰/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۸/۵-۴۴۰)

داڑھی مونڈوانے والے کی اذان مکروہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ داڑھی مونڈوانے والے کو مستقل طور پر جامع مسجد کا مؤذن بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حاجی علی محمد دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نادرشاہ بازار بہاولنگر......۱۰/۵/۱۹۸۸ء)

---

(۱) الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة،فصل فى البيع:۴۰۷/۶، سعيد
(۲) الدرالمختار، كتاب الصوم ،باب ما يفسد وما لايفسد ۵: ۴۱۸/۲، سعيد
(۳) مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة،باب الأذان،ص: ۲۲۰،قديمى
(۴) حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح، كتاب الصلاة،باب الأذان،ص: ۱۹۹،قديمى
(۵-۶) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۹۳/۱، سعيد

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

عادۃً داڑھی مونڈوانے والا فاسق ہے۔

کما فی تنقیح الفتاویٰ: ۱/۳۵۱: فحیث أدمن علٰی فعل ھذا المحرم یفسق، انتھٰی۔(۱)

اور ارباب فتاویٰ نے لکھا ہے کہ فاسق کی امامت اور اذان مکروہ ہے،(۲) پس اس کو باقاعدہ امام اور مؤذن مقرر کرنا دینی بے اعتنائی اور مداہنت ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۳)

داڑھی کٹانے والے کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے:

سوال: ڈاڑھی منڈے انگریزی بال رکھنے والے کی اذان واقامت درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

ڈاڑھی منڈانے یا کترانے والا اور انگریزی بال رکھنے والا فاسق ہے۔(۳) اس لئے اس کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے اقامت کا نہیں۔

قال فی التنویر: ویکرہ أذان جنب وإقامتہ وإقامۃ محدث لا أذانہ وامرأۃ وفاسق (إلٰی قولہ) ویعاد أذان جنب لا إقامتہ۔ وفی الشرح ندباً۔

وفی الحاشیۃ: زاد القھستانی والفاجر، الخ۔ (ردالمحتار: ۱/۳۶۵) فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم۔

۱۴/ جمادی الآخرۃ ۱۳۹۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۸۷-۲۸۸)

داڑھی نہ رکھنے والے کی اذان واقامت کا حکم:

سوال: ایک شخص ہے، اس کے چہرہ پر داڑھی بالکل نہیں ہے، یعنی چھلوالیتا ہے، لیکن الفاظ وغیرہ درست نکالتا ہے اور دوسرا شخص ہے اس کی معمولی داڑھی ہے اور کٹواتا بھی رہتا ہے، ایک مشت سے کم ہی رکھتا ہے اور اس کے الفاظ بھی درست نہیں ہیں، پڑھا لکھا بھی نہیں ہے، نرا جاہل ہے، کیا دونوں کی اذان کا حکم ایک ہی ہے، یا الگ الگ ہے؟

---

(۱) تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، لایباح الأخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ: ۱/۳۵۱۔

(۲) قال العلامۃ الحصکفی: ویکرہ أذان جنب وإقامتہ وإقامۃ محدث لا أذانہ وأذان امرأۃ وخنثٰی وفاسق ولو عالماً لکنہ أولٰی بإمامۃ وأذان من جاھل تقی۔ (الدر المختار علٰی ھامش ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۲۸۹)

(۳) عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: خالفوا المشرکین، وفروا اللِّحیٰ وأحفوا الشوارب۔ (الصحیح للبخاری، باب تقلیم الأظفار (ح: ۵۷۹۲)/ الصحیح لمسلم، باب خصال الفطرۃ (ح: ۲۵۹)/ السنن الکبریٰ للبیھقی، باب السنۃ فی الأخذ من الاظفار والشوارب (ح: ۶۸۹) انیس)

هــو المـصــوب

اذان کے لئے ان دونوں کے علاوہ اہل آدمی کو اذان کے لئے مقرر کریں۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۶۰)

داڑھی چھلوانے والے کی اذان کا حکم:

سوال: مسجد میں مؤذن مقرر نہیں ہے، ایسا شخص اذان دیتا ہے جو سنت کا پابند نہیں ہے، داڑھی چھلواتا ہے، تو کیا اس کی اذان ہوتی ہے، اور ۱۲ سال کے لڑکے کا اذان دینا صحیح ہے؟

هــو المـصــوب

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اذان ہو جاتی ہے۔ البتہ فاسق کی اذان مکروہ ہے۔(۲)

تحریر: محمد مستقیم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۱/۳۶۱)

داڑھی منڈے کی اذان کا اعادہ احوط ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ داڑھی مونڈا اگر اذان دے دیں تو اس کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: صدر رحمٰن گل قریب نیو حاجی کیمپ کراچی نمبر ۱......۵/۷/۱۴۰۱ھ)

(۱) ومنها أن يكون عالما بالسنة لقوله عليه السلام: يؤمكم أقرأكم ويؤذن خياركم وخيار الناس العلماء ولأن مراعاة سنن الأذان لايتأتى إلا من العالم بها و لهذا أذان العبد والأعرابى وولد الزنا وإن كان جائزا لحصول المقصود لكن غيرهم أفضل. (بدائع الصنائع: ١/ ٣٧٣)

عن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزّوا الشوارب و أرخوا اللِّحىٰ خالفوا المشركين. (الصحيح لمسلم، باب خصال الفطرة (ح: ٢٦٠)/مستخرج أبوعوانة، بيان الطهارات التى تجب على الإنسان، الخ (ح: ٤٦٥)/معرفة السنن والآثار، الأخذ من الشوارب (ح: ١٢٧٢) انيس)

(۲) ويكره... أذان امرأة وخنثىٰ و فاسق ولو عالمًا. (الدر المختار: ٢/ ٦٠)

... فأقل مافى الباب إن لم يحمل على النسخ كما هو أصلنا فى عمل الراوى على خلاف مرويه مع أنه روى عن غير الراوى وعن النبى صلى الله عليه وسلم، يحمل الاعفاء على اعفائها من أن يأخذ غالبها أو كلها كما هو فعل المجوس من حلق لحاهم كما يشاهد فى الهنود وبعض أجناس الفرنج فيقع بذلك الجمع بين الروايات، ويؤيد إرادة هذا ما فى مسلم عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم 'جزوا الشوارب واعفوا اللِّحىٰ خالفوا المشركين" فهذه الجملة واقعة موقع التعليل وأما الأخذ منها وهى مادون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير، باب مايوجب القضاء والكفارة: ٢/ ٣٤٨. انيس)

==

الجواب

داڑھی مونڈوانے والا فاسق ہے مردود الشھادت ہے، **کما فی تنقیح الفتاویٰ**.(۱)
اوراس کی اذان مکروہ ہے اوراحوط یہ ہے کہ غیر فاسق اس کا اعادہ کرے۔

کما فی رد المحتار: ۳۹۳/۱: (قوله:ویعاد أذان جنب،الخ)زاد القھستانی والفاجروالراکب والقاعد. (۲)**وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۲)

داڑھی منڈے کو اذان واقامت سے منع نہ کریں:

سوال: داڑھی منڈے کی اذان اوراقامت مکروہ تحریمی ہے۔ ہمارے محلے کی مسجد میں اکثر اوقات اذان جو بھی آدمی دیتا ہے، وہ داڑھی منڈاتا ہے اوراقامت بھی اکثر داڑھی منڈے کرتے ہیں۔اب ہم اس وجہ سے ان کو منع نہیں کرتے کہ ان کا دل نہ ٹوٹ جائے اوراگران کو اذان سے منع کریں،تو کہیں یہ نماز پڑھنا چھوڑ نہ دیں،لہٰذا مہربانی فرماکر قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا حل بتائیں؟

الجواب

اذان واقامت سے منع نہ کیا جائے،مگر یہ مسئلہ بتادینا ضروری ہے۔(۳)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۲۰۴)

شطرنج کھیلنے والے کی اذان:

سوال: مؤذن شطرنج کھیلتا ہے تو اس کی اذان میں شرعاً کچھ خرابی تو نہیں ہے؟

الجواب حامدًا و مصلیاً

مؤذن متبع سنت ہونا چاہئے۔(۴)

== (قوله :إن المستحب أن يكون المؤذن عالماًبالسنة)يفيدبالالتزام العادى طلب ان لا يكون صبياًوإن كان عاقلاً...لكن ظاهرالرواية فى الصبى العاقل عدم الكراهة بخلاف غيرالعاقل.(فتح القدير،باب الأذان: ۳۴۷/۱.انيس)

(۱) قال العلامة ابن عابدين فى تنقيح الفتاوىٰ:أن الأخذ من اللحية وهودون القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يبحه أحد وأخذ كلها فعل يهود الهنود ومجوس الأعاجم فحيث أدمن علىٰ فعل هذا المحرم يفسق وإن لم يكن ممن يستخفونه ولا يعدونه قادحاً للعدالة والمروءة فكلام المؤلف غيرمحرر،فتدبر.(العقودالدرية فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية،لا يباح الأخذ من اللحية و هى دون القبضة: ۳۵۱/۱)

(۲) ردالمحتار،باب الأذان ، مطلب فى المؤذن إذا كان غيرمحتسب فى أذانه: ۲۸۹/۱.

(۳) ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾.(سورةالنحل: ۱۲۵)

(۴) "ثم اعلم أنه ذكر فى الحاوى القدسى:من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلاً صالحاً، ==

اذان بہت بڑی امانت ہے،(۱) شطرنج ممنوع ہے،(۲) اس سے امانت میں فرق آتا ہے۔(۳)

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہ کبیرہ لکھا ہے:

"أخرج أبو بكر الأجرمي بسنده عن أبي هريرة رضي الله تعالٰى عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:"إذا مررتم بهؤلاء الذين يلعبون بهذه الأزلام النرد الشطرنج وما كان من اللهو، فلا تسلموا عليهم،فإنهم إذا اجتمعوا اكتبوا عليها،جاء هم الشيطان بجنوده فأحدق بهم،كلما ذهب واحد منهم يصرف بصره عنها،ركزه الشيطان بجنوده،فما يزالون يلعبون حتٰى يتفرقوا كالكلاب اجتمعت علٰى جيفة،فأكلت منها حتٰى،ملأت بطونها ثم تفرقت".

وفي فتاوىٰ النووي:الشطرنج حرام عند أكثر العلماء،وكذا عندنا أن فوت صلاة عن وقتها، أولعب بها علٰى عوض،فإن انتفٰى ذلك كره عند الشافعي رحمه الله تعالٰى،وحرام عند غيره"،آه. (الزواجرعن اقتراف الكبائر)(۴)

اس عبارت سے امام شافعی کا مذہب معلوم ہوگیا، ہر شخص کو اس سے بچنا لازم ہے،مؤذن کو اور بھی پرہیز ضروری ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی،مظاہر علوم سہارنپور۔۹/ربیع الاول ۱۳۷۰ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۴۴۰-۴۴۱)

== عالماً بالسنن والأوقات".(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۳۹۳،سعيد)(وكذا في فتح القدير،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۲۴۷،مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) ولأن المؤذن مؤتمن قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم:"الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن،اللّٰهم أرشد الأئمة واغفرللمؤذنين"(المبسوط للسرخسي،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۲۷۸،المكتبة الغفارية كوئٹه)

(۲) ("وكره تحريماً اللعب بالنرد،وكذا الشطرنج...لقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم :"كل لهوحرام إلا ثلاثة:ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه".(الدرالمختار)

وفي رد المحتار:"(قوله:والشطرنج)وإنماكره؛لأن من اشتغل به ذهب عناؤه الدنيوي،وجاء ه العناء الأخروي، فهوحرام وكبيرة عندنا، وفي إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين،كما في الكافي والقهستاني".(كتاب الحظروالإباحة،فصل في البيع: ۱/۳۹۵،سعيد)

(۳) "أما الشطرنج فلشبهة الأختلاف شرط واحد من ست،فلذا قال:أو يقامربشطرنج أويترك به الصلاة الخ".(الدرالمختار)"والحاصل أن العدالة إنما يسقط بالشطرنج إذا وجد واحد من خمسة:القمار،وفوت الصلاة بسببه،وإكثار الحلف عليه،واللعب به على الطريق،كما في فتح القدير،أويذكرعليه فسقاً،كما في شرح الوهبانية،بحر،كذا في الهامش".(رد المحتار،كتاب الشهادات،باب القبول وعدمه: ۵/۴۸۲-۴۸۳، سعيد)

(۴) الزواجر عن اقتراف الكبائر ،كتاب الشهادات،الكبيرة الخامس والأربعون بعد الأربع مائة: اللعب بالشطرنج عند من قال بتحريمه: ۲/۲۳۲-۲۳۳،دارالفكر،بيروت/الكبائرللذهبي،فصل: ۱/۹۰.انيس

ظالم کی اذان کا حکم:

سوال: ایک شخص جوخود بھی ظالم ہے اوراس کے بیٹے بھی ایک جرم کی پاداش میں گرفتار ہو گئے ہیں، ان کی رہائی کے لئے اس نے رشوت دی اوران کو رہا کروایا۔ یہ شخص مستقل طور پر ایک مسجد کا مؤذن بھی ہے، کسی کو اذان کہنے نہیں دیتا، کیا اس شخص کی یہ اذان صحیح ہے؟

الجواب

ظلم کرنا اور رشوت دینا امور فسقیہ میں سے ہے، ایسے شخص کی اذان مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ ایسی اذان پر نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ واجب الاعادہ ہے جبکہ ایسی اذان پر نماز باجماعت بھی پڑھی جاسکتی ہے تاہم اذان کا دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔

قال الحصكفي: (ويكره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث) لا أذانه على المذهب (و) أذان (امرأة) وخنثٰى و(فاسق) ولو عالماً لكنه أولٰى بإمامة وأذان من جاهل تقى... (ويعاد أذان جنب) ندباً.

قال ابن عابدين (يعاد أذان جنب): زاد القهستاني والفاجر والراكب والقاعد، الخ). (رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۲-۳۹۳) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۴۷)

(۱) قال ابن نجيم تحت هذا القول (وكره أذان... والفاسق): وأما الفاسق فلأن قوله لايوثق به ولايقبل في الأمور الدينية ولايلزم أحدًا فلم يوجد الإعلام ... صرح بكراهة أذان الفاسق ولايعاد فالإعادة فيه ليقع على وجه السنة. (البحر الرائق: ۱/۲۶۳، باب الأذان) ومثله في فتح القدير: ۱/۳۲۰، باب الأذان)

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ وَالاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾. (سورة الأعراف: ۳۳)

﴿وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ أی الظلم المجاور للحد والاستطالة على الناس. (فتح البيان، تفسير سورة الأعراف: ۴/۳۳۷) / فتح القدير للشوكاني: ۲/۲۲۹)

عن أبی ذر عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فيماروى عن الله تبارك وتعالىٰ أنه قال: ياعبادى إنى حرمت الظلم على نفسى وجعلته بينكم حراماً فلاتظالموا، الخ. (الصحيح لمسلم، باب تحريم الظلم (ح: ۲۵۷۷) / جامع معمر بن راشد، باب الذنوب (ح: ۲۰۲۷۲) / الأدب المفرد، باب الظلم ظلمات (ح: ۴۹۰) / مسند البزار، أبوإدريس الخولانی عن أبی ذر (ح: ۴۰۵۳)

عن قتادة أو الحسن أو كليهما، قال: الظلم ثلاثة، ظلم لايغفر، وظلم لايترك، وظلم يغفر، فأما الظلم الذى لايغفر، فالشرك بالله، وأما الظلم الذى لايترك، فظلم الناس بعضهم بعضاً، وأما الظلم الذى يغفر، فظلم العبد نفسه فيمابينه وبين ربه. (جامع معمر بن راشد، باب الذنوب (ح: ۲۰۲۷۶) / مسند أبی داؤد الطيالسی، يزيد بن أبان عن أنس (ح: ۲۲۳) انيس)

عن عبدالله بن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لعنة الله على الراشى والمرتشى. (سنن ابن ماجة، باب التغليظ فى الحيف والرشوة (ح: ۲۳۱۳) / شرح مشكل الآثار (ح: ۵۶۵۷) انيس)

مؤذن کے ساتھ ظلم وزیادتی:

سوال: اگر کوئی مؤذن کسی وقت کی اذان مقررہ وقت گزر جانے اور نماز کا وقت قریب آجانے پر بے وضو...... کہہ دے اور باز پرس پر یہ جواب دے کہ آج کی فلاں اذان وقت کی تنگی کی وجہ سے بے وضو دیا ہوں، جب کہ میری عادت بلا وضو کہنے کی نہیں ہے، بلکہ وضو کر کے ہی اذان دیتا ہوں، اس جواب پر مسجد کے منتظم حضرات سخت کلامی اور سخت گفتگو کرتے ہوئے گریبان کشی اور ہاتھا پائی کا سلوک مؤذن کے ساتھ کریں تو کیا ان لوگوں کا یہ فعل از روئے شرع جائز ہے، اگر جائز نہیں ہے تو ایسے شخص کا خدا کے یہاں کیا حشر ہوگا جس نے بہانہ بنا کر مؤذن کو مارا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

یہ مؤذن کے ساتھ زیادتی اور ظلم ہے، اس سے معافی مانگ کر اس کو راضی کیا جائے، ورنہ آخرت کا وبال سر پر رہے گا، دنیا میں بھی بدلہ ملنے کا اندیشہ ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۹/۲/۱۳۹۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۷/۵)

زنخے کی اذان واقامت کیسی ہے:

سوال: ایک شخص زنخا ہے، نہ مرد ہے نہ عورت ہے اور وہ اذان وتکبیر کہتا ہے، کیا اس کی اذان وتکبیر از روئے شرع درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر وہ خنثیٰ مشکل نہیں ہے اور مرد کی علامت اس کی موجود ہے تو اذان وتکبیر کہنا اور مردوں کی صف میں کھڑا ہونا اس کا جائز ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۳/۲)

---

(۱) ویجوز الأذان والإقامة علی غیر وضوء. (المبسوط للسرخسی، الأذان والإقامة علی غیر وضوء: ۱۳۱/۱)
عن إبراهيم قال: كانوا لايرون بأساًأن يؤذن المؤذن على غير وضوء. (مصنف عبدالرزاق، باب الأذان على غير وضوء (ح: ۱۸۰۱)
﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَمِنْهَاوَمَابَطَنَ وَالاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِالْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناًوَاَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾. (سورة الأعراف: ۳۳) انیس)

(۲) ویکره أذان جنب، الخ، وأذان امرأة وخنثٰی. (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۳٦٤/۱، ظفير)
وأما بيان مايعرف به أنه ذكرأوأنثى، فإنمايعرف ذلک بالعلامة، وعلامةالذكورة بعدالبلوغ نبوت اللحية وإمكان الوصول إلى النساء، وعلامة الأنوثة نهودالثديين كثديي المرأة ونزول اللبن فى ثدييه والحيض والحبل، وإمكان الوصول إليها من فرجها ، لأن كل واحد مماذكرنايختص بالذكورة و الأنوثة، ==

مرتکب کبائر کا اذان دینا:

سوال: نسبندی کرانے والے، ویڈیو، سنیما دیکھنے والے اور داڑھی منڈانے والے یا ایک مشت سے کم کرنے والے کا اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اپنی رضا وخوشی سے نسبندی کرانے والے نیز اس کے بعد جن کا ذکر ہے، ان کا مؤذن مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔(۱) اس لیے کہ یہ منصب عالی ہے اوران کے مؤذن مقرر کرنے کو فقہاء نے مکروہ فرمایا ہے۔ البتہ جب ان کی اذان بکراہت ادا ہوجائے گی توان کی اذان پر بنا کر کے جماعت کرلینا صحیح ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور۔۲/۸/۱۴۱۱ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی/محمد ظفیر الدین مفتاحی/کفیل الرحمٰن۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۱۵)

جس نے نسبندی کرالی ہو اس کو مؤذن رکھنا:

سوال: ہماری مسجد کے مؤذن نے عرصہ ہوا اپنی نسبندی (خصی) کروالی تھی مؤذن کا کہنا ہے کہ میں نے لاعلمی کی بنا پر اپنی نسبندی کروائی، اس صورت میں ایسے مؤذن کا اذان دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

خصی ہونا اولاد سے محرومی اور بیزاری اور کفران نعمت ہے، یہ فعل نصاً حرام بھی ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے معصیت سے بچنے اور دنیا داری سے بے فکر

== فكانت علامة صالحة للفصل بين الذكر والأنثى. وأما العلامة في حالة الصغر فالمبال لقوله عليه الصلاة و السلام: "الخنثى من حيث يبول" فإن كان يبول من مبال الذكور فهو ذكر، وإن كان يبول من مبال النساء وهو أنثى، وإن كان يبول منهما جميعاً يحكم السبق لأن سبق البول من أحدهما يدل على أنه هو المخرج الأصلي وأن الخروج من الآخر بطريق الانحراف عنه. وإن كان لا يسبق أحدهما الآخر، فيتوقف أبو حنيفة رحمه الله، وقال: هو خنثى مشكل، وهذا من كمال فقه أبي حنيفة لأن التوقف عند عدم الدليل واجب. (بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يعرف به الخنثى أنه ذكر أو أنثى: ۷/۳۲۷ـ۳۲۸. انیس)

(۱) وأما خصاء الآدمي فحرام. (الدر المختار على صدر رد المحتار، فصل في البيع: ۶/۳۸۸. انیس)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا خصاء في الإسلام ولا بنيان كنيسة. (الأموال لابن زنجويه، باب ما جاء فيما يجوز لأهل الذمة، الخ (ح: ۳۹۸)/السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب كراهية خصاء البهائم، بلفظ: لا إخصاء في الإسلام ولا بنيان كنيسة (ح: ۱۹۷۹۳) انیس)

ہوکر خدا کی عبادت میں مشغول رہنے کے مقصد سے خصی ہونے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی اور قرآن شریف کی آیت تلاوت فرمائی:

”یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلاَ تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لاَ یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ“

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کیں ہیں، ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔(الصحیح للبخاری:۷۵۹/۲)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خصی ہونا یعنی قطع نسل کا عمل بہ نص قرآنی حرام ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے، لہذا یہ عمل بالاتفاق حرام ہے۔(عمده القاری شرح صحیح البخاری)(۲)

اور فقہا نے بھی لکھا ہے:

أما خصاء الآدمی فحرام.(الدرالمختار مع ردالمحتار:۳۴۲/۵، کتاب الحظر والإباحة/الفتاویٰ الهندية:۲۳۷/۶)

یعنی انسان کا خصی ہونا حرام ہے۔

صورت مذکورہ میں موذن کی لاعلمی کا عذر مسموع نہ ہونا چاہئے، فی زماننا خصی ہونے کی قباحت عام ہوچکی ہے، ہر ایک شخص اس سے واقف ہے۔ لہذا بہ رضا ورغبت خصی ہونا باعث صد نفریں ہے۔ مبدل فطرت ومغیر خلق اللہ بھی ہے اور عوام وخواص کی نظر میں بھی یہ عمل قابل مذمت ہے۔ لہذا ایسے مخدوش آدمی کو مؤذن کا عالی منصب عطا کرنا یا اس معزز منصب پر قائم رکھنا خالی از کراہت نہیں، مسجد کی صفائی کی خدمت سپرد کی جاسکتی ہے۔ ہاں کسی وقت مؤذن نہ ہو تو اذان دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۳۶۲/۶-۳۶۳)

نسبندی کرانے والے کی اذان:

سوال: ہمارے محلّہ میں ایک صاحب ہیں جنہوں نے دو شادیاں کیں اور دونوں بیویوں سے اولاد بھی ہیں۔

---

(۱) قال عبداللّٰه: کنا نغزو مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولیس لنا شیء ،فقلنا: ألا نستخصی؟ فنهانا عن ذلک ثم رخص لنا أن ننکح المرأة بالثوب ثم قرأ علینا﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلاَ تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لاَ یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾(سورةالمائدة: ۸۷).(الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، باب مایکره من التبتل والخصاء (ح:۵۰۷۵)/الصحیح لمسلم، باب نکاح المتعة وبیان أنه أبیح ثم نسخ (ح:۱۴۰۴)/السنن الکبریٰ للنسائی، قوله تعالیٰ: لاتحرموا طیبات ما أحل اللّٰه، الخ (ح:۱۱۰۸۵)/مسند أبی یعلیٰ الموصلی، مسند عبداللّٰه بن مسعود (ح:۵۳۸۲) انیس)

(۲) فدل علی أنه حرام فی الآدمی صغیرًا کان أو کبیرًا لأن فیه تغیر خلق اللہ تعالیٰ، ولما فیه من قطع النسل وتعذیب الحیوان.(عمدةالقاری شرح الصحیح للبخاری، باب قول الرجل لأخیه: انظر أی زوجتی شئت (ح:۱۷۰۵): ۷۱/۲۰. انیس)

لیکن اس وقت جب اندرا گاندھی کی حکومت تھی اور حکومت کی حکمت عملی یہ تھی کہ نسبندی کرانے والے کو کچھ بیگھہ کھیت اور کچھ نقدی مال دیا جائے گا۔ لہذا موصوف نے لوگوں سے کہا کہ اب اولاد بھی کافی ہوگئی ہیں اور حکومت کی طرف سے اتنا مال بھی مل رہا ہے۔ لہذا اب ہم نسبندی کرالیں اور موصوف نے ایسا ہی کیا۔ بعد میں حکومت کی طرف سے کچھ نہ ملا۔ اس وقت موصوف صوم وصلوٰۃ کے انتہائی پابند ہیں اور گاؤں میں مسجد میں اذان پابندی سے دیتے ہیں۔ کسی عالم دین نے گاؤں والوں کو بتایا کہ موصوف اگر اذان دیتے ہیں، تو اذان نہیں ہوتی ہے اور جس صف میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، ان کے دائیں اور بائیں جو نماز پڑھتے ہیں، تو ان کی نماز نہیں ہوتی۔ مزید یہ بھی بتایا کہ اگر وہ حج کے لئے جائیں تو حج بھی ادا نہیں ہوتا ہے؟

هــو المصــوب

مذکورہ عمل سے توبہ کے بعد تمام امور بلا کراہت درست ہوں گے، (۱) اور اذان دینا مکروہ ہوگا، اور حج کی ادائیگی درست ہوگی اور اس کے دائیں بائیں کھڑے ہونے والے کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

تحریر: محمد مستقیم ندی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۶۵)

نسبندی کرانے والے شخص کی اذان:

سوال: زید نے نسبندی کرالی ہے اور وہ ایک عرصہ سے مسجد میں مؤذن ومکبر ہے، کچھ مقتدیوں کا کہنا ہے کہ نسبندی کرانے والے کی اذان واقامت درست نہیں، اس سلسلے میں جون پور کے ایک عالم کا فتویٰ بھی حاصل کرلیا ہے زید کثیر العیال اور غریب آدمی ہے اس کے پیش نظر اس نے ۸/ سال پہلے نسبندی کرالی ہے اب وہ اپنی غلطی پر نادم ہے اور اس نے توبہ کرلی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں زید کی اذان وتکبیر درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِظُلْمِهِ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰه غَفُورٌرَحِيْمٌ﴾. (سورة المائدة: ۳۹)

﴿اِلَّامَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاًفَاُولٰئِکَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًارَحِيْمًا. (سورة الفرقان: ۷۰)

عن عبدالله بن عمرو أن امرأة سرقت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء بهاالذين سرقتهم فقالوايارسول الله!إن هذه المرأة سرقتنا، قال قومها: فنحن نفديهايعنى أهلها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقطعوا يدها، فقالوا: نحن نفديهابخمس مائة دينار، قال: اقطعوا يدها، قال: فقطعت يدهااليمنىٰ، فقالت المرأة: هل لى من توبة يارسول الله؟ قال: نعم، أنت اليوم من خطيئتک كيوم ولدتک أمک، فأنزل الله تعالىٰ فى سورة المائدة: فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِظُلْمِه. (مسندالإمام أحمد، من مسند عبدالله بن عمرو (٦٦٥٧) انيس)

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً و مسلماً

عن ابن عباس. رضی اللّٰہ عنهما. قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: " لیؤذن لکم خیارکم ولیؤمکم قراء کم. (رواہ أبوداؤد: ۹٤/۱ (مشکوٰة: ۱۰۰/۱) (۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جولوگ بہتر ہیں، انھیں اذان دینی چاہئے اور تم میں سے جولوگ تعلیم یافتہ ہوں، انہیں تمہاری امامت کرنی چاہئے۔

اسی وجہ سے حضرات فقہانے لکھا ہے:

ویستحب أن یکون المؤذن صالحا أی متقیا؛ لأنه أمین فی الدین. (مراقی الفلاح: ۱۰٦) (۲)

مستحب یہ ہے کہ مؤذن صالح یعنی متقی ہو۔

اور بلا جبر واکراہ خوشی سے نسبندی کرانا حرام ہے۔

﴿**لاَ تَقْتُلُوْا أَوْلاَدَکُمْ خَشْیَةَ إِمْلاَقٍ**﴾ (۳)

اور مرتکب حرام فاسق ہے۔

ومرتکب الحرام فاسق. (الطحطاوی: ۲۷) (۴)

اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔

وکرہ أذان جنب (إلٰی أن قال:) فاسق. (تنویر الأبصار: ۲٦۳/۱) (۵)

اور فاسق اگر توبہ کرلے تو پھر کراہت ختم ہوجائے گی۔

ونظیرہ فی باب السلام: ولایسلم علی الشیخ الممازح والکذاب (إلٰی أن قال) أویطیر الحمام مالم تعرف توبتهم ... وظاهر قوله (مالم تعرف توبتهم) أن المراد کراهة السلام علیهم فی غیر حالة مباشرة المعصیة. (ردالمحتار: ٤١٤/۱، مطلب المواضع التی یکرہ فیها السلام) (٦)

وقال اللّٰه تبارک وتعالٰی: ﴿**إِنَّ اللّٰهَ لاَ یَغْفِرُأَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُمَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ**﴾ (سورة النساء: ٤٨)

وأما التائب فمعفو من اللّٰه تعالٰی ألبتة فضلا منه لاوجوبا علیه سواءً کان شرکا أوغیرہ من

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب من أحق بالإمامة (ح: ٥٩٠) / سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان و ثواب المؤذنین (ح: ۷۲٦) انیس

(۲) مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۳۱، مصری

(۳) سورة الإسراء: ۳۱۔

(۴) الطحطاوی علی المراقی: ۲۷، مصری

(۵) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۲٦۳/۱، نعمانیة، دیوبند

(٦) ردالمحتار علی الدر، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها، مطلب المواضع التی یکرہ فیها السلام: ٤١٤/۱، نعمانیه، دیوبند

الصغائر والكبائر هذا هو مذهب أهل السنة والجماعة. (التفسيرات الأحمدية: ١٠٩) (١)

حاصل کلام یہ ہے کہ شخص مذکور نے جب توبہ کرلی ہے تو اب اس کی اذان جائز ہے، وہ اذان دے سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ ۱۴۰۳/۲/۴۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔

صح الجواب بلاشک وارتیاب: بندہ عبدالحلیم عفی عنہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۲۹۲-۲۹۴)

ولدالزنا کی اذان:

ایک شخص جو کہ ولدالزنا (حرامی) ہے لیکن نمازی ہے، اس کا اذان پکارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ——————— وباللہ التوفیق

ولدالزنا (حرامی) کا اذان پکارنا جائز و درست ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۳۶۸/۱۰/۲۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۱۹)

فوٹوگرافر کے اذان یا تکبیر کہنے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی:

سوال: زید فوٹوگرافی کا کام کرتا ہے اور پابندی کیساتھ نماز پڑھتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ زید کا یہ پیشہ فوٹوگرافی درست نہیں ہے اسلئے نماز میں زید کے تکبیر پڑھنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر: ۹۸۷، محمد یاسین دہلی۔ ۱۶/ذوالحجہ ۱۳۵۴ھ، م ۱۱/مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب ———————

تصویر اور فوٹو بنانا بے شک ناجائز ہے، (۱) یعنی جاندار کے فوٹو تصویر کے ہی حکم میں ہے، مگر زید کے اذان یا اقامت کہنے سے نماز میں کراہت نہیں ہوتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۳/۵۰)

---

(١) عن أبي عبيدة بن عبدالله بن مسعود عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لاذنب له. (سنن ابن ماجة. باب ذكر التوبة (ح: ٤٢٥٠) /الدعاء للطبراني، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: التاب، الخ (ح: ١٨٠٧) /مسندالشهاب، التائب من الذنب كمن لاذنب له (ح: ١٠٨) انيس)

(٢) (ويجوز) بلا كراهة (أذان صبي مراهق وعبد)... (و أعمٰى وولد زنا وأعرابي). (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الأذان: ٥٩/٢)

عن عطاء بن أبي رباح أنه سئل، أيؤم ولدالزنا؟ قال: نعم، أَوَليس منهم من هو أكثر مِنَّا صلاةً وصوماً. (الآثار لأبي يوسف، باب السهو (ح: ٢٧٩) /مصنف ابن أبي شيبة، من رخص في إمامة ولدالزنا (ح: ٦٠٩٢)

عن حماد قال: سألت إبراهيم عن ولدالزنا والأعرابي والعبد والأعمى هل يؤمون؟ قال: نعم، إذا أقاموا الصلاة. (مصنف عبدالرزاق الصنعاني، باب هل يؤم ولدالزنا (ح: ٣٨٣٨)

==

سنیما دیکھنے اور قوالی سننے والے کی اذان واقامت:

سوال: ایک شخص نمازی ہے مگر سنیما بینی میں مبتلا ہے اور قوالی سننے کا بھی شوقین ہے، گاہے گاہے وہ اذان اقامت کہے تو کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مصلیوں میں اس سے افضل اور پرہیزگار شخص اذان واقامت کہنے والا کوئی موجود ہے تو وہ اذان واقامت کہے اور اگر اس سے کوئی افضل موجود نہیں، تو اس کی اذان واقامت جائز ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۸/۸)

پینٹ شرٹ پہن کر اذان دینا:

سوال: اگر کوئی بغیر داڑھی کے پینٹ اور شرٹ پہن کر اذان کہتا ہے، جبکہ داڑھی والے اور شرعی لباس والے موجود ہوں، اس کا اذان کہنا حدیث اور مسئلہ کی رو سے کیسا ہے؟

== عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليس على ولد الزنا من وزر أبويه شيء، ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (سورة الأنعام: ١٦٤). (المستدرك للحاكم، كتاب الأحكام (ح: ٧٠٥٣) انيس)

(۱) عن عائشة. رضى اللّٰه عنها. أنها قالت واعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم جبريل عليه السلام فى ساعة يأتيه فيها فجاء ت تلك الساعة ولم يأته وفى يده عصا فألقاها من يده وقال: ما يخلف اللّٰه وعده ولا رسله ثم التفت فإذا جرو كلب تحت سريره فقال: ياعائشة متى دخل هذا الكلب هٰهنا ؟ فقالت: واللّٰه مادريت فأمر به فأخرج فجاء جبريل، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: واعدتنى فجلست لک فلم تأت؟ فقال: منعنى الكلب الذى كان فى بيتک، إنا لاندخل بيتا فيه كلب ولاصورة. (الصحيح لمسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان وتحريم اتخاذ ما فيه صورة غير ممتهنة بالفرش ونحوه (ح: ٢١٠٤)

قال النووى: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر، لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فى الأحاديث وسواء صنعه بما يمتهن أوغيره، فصنعته حرام بكل حال، لأن فيه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالىٰ وسواء ماكان فى ثوب أوبساط أودرهم أو دينار أو فلس أو إناء أوحائط أوغيرها، وأما تصوير صورة الشجر ورحال الإبل وغير ذلک مماليس فيه صورة حيوان فليس بحرام هذا حكم نفس التصوير، وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فإن كان معلقاً علىٰ حائط أوثوبا ملبوسا أوعمامة ونحو ذلک ممالايعد ممتهنا فهو حرام وإن كان فى بساط يداس ومخدة ووسادة ونحوها ممايمتهن فليس بحرام ولكن هل يمنع دخول ملائكة الرحمة ذلک البيت؟ فيه كلام نذكره قريباً إن شاء اللّٰه، ولافرق فى هذا كله بين ماله ظل ومالاظل له، هذا تلخيص مذهبنا فى المسألة، وبمعناه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهو مذهب الثورى ومالک وأبى حنيفة وغيرهم. (النووى شرح الصحيح لمسلم: ٢٦٨/١، انيس)

(۲) حدثنى بعض الشيوخ عن شيخ له قال: رأيت أبا العباس الخضر فقلت: ماتقول فى هذه السماع الذى يختلف أصحابنا؟ فقال: هو الصفا الزلال لايثبت عليه إلا أقدام العلماء. (قوت القلوب فى معرفة المحبوب، ذكر مخاوف المحبين ومقاماتهم فى الخوف: ١٠١/٢)

عن عبداللّٰه بن مسعود قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: الغناء ينبت النفاق فى القلب. (سنن أبى داأد، باب كراهية الغناء والزمر (ح: ٤٩٢٧) انيس)

(۲) کیا اذان کہلانے کی ذمہ داری امام پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

هــو المصـوب

(۱) صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا اذان کہنا درست ہے، لیکن بہتر وافضل یہ ہے کہ اذان کہنے والا متشرع اور دینی اصول وضوابط کا پابند ہو۔(۱)

(۲) تمام لوگوں پر جو مسجد سے متعلق ہوں، اذان کے نظم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔(۲)

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۶۵/۱)

(۱) منها أن يكون تقيا ... ومنها أن يكون عالما بالسنة. (بدائع الصنائع: ۳۷۲/۱)
(۲) ولاية الأذان والإقامة لمن بنى المسجد وإن كان فاسقا والقوم كارهون له. (البحر الرائق: ٤٤٤/١)

مؤذن کے اوصاف:

۱۔ مؤذن یعنی اذان دینے والا مرد ہو، عورت اور خنثیٰ کی اذان مکروہ تحریمی ہے اگر دیدے تو لوٹانا مستحب ہے۔(شامی: ۲۶۴/۱)

۲۔ بہتر یہ ہے کہ اذان دینے والا ہوش وحواس اور عقل والا ہو، پاگل، مجنون، بدمست اور نشہ میں نہ ہو، ان لوگوں کی اذان کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے ان میں سے کوئی اذان دیدے تو لوٹائی جائے گی۔

۳۔ اذان دینے والا اذان کے ضروری مسائل سے واقف ہو، جاہل ان پڑھ کو اذان کا ثواب نہیں ملتا ہے اس کی اذان خلاف اولیٰ ہے۔(شامی)

۴۔ اذان دینے والا نماز کے اوقات سے پوری طرح واقف ہو اندھا نہ ہو کیوں کہ اس کے لئے وقت جاننا مشکل ہے ہاں اگر کوئی نابینا کسی ذریعہ سے وقت کو اچھی طرح جانے تو اس کی اذان بلا کراہت جائز ہے۔(بدائع)

۵۔ اذان دینے والا ناپاک یا بے وضو نہ ہو پاک رہتے ہوئے وضو کے ساتھ اذان دے ناپاک کی اذان مکروہ ہے تحریمی ہے اس اذان کو دہرانا مستحب ہے اور بے وضو اذان دینا مکروہ تنزیہی ہے لیکن اس اذان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔(شامی)

۶۔ اذان دینے والے کی آواز بلند تیز وشیریں ہو۔(فتاویٰ نظامية جلد اول ازاشعة اللمعات باب كيف الاذان)

خلاصہ یہ کہ مؤذن دیندار نیک، تعلیم یافتہ، احکام دینیہ خصوصاً اذان ونماز کے مسائل، سنن اوقات نماز، صبح کاذب، صبح صادق، زوال، سایہ اصلی، ایک مثل، دومثل، شفق احمر، شفق ابیض وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان، اذان کے الفاظ صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں ہے: ﴿ليؤذن لكم خياركم﴾ یعنی تم لوگوں میں جو صالح ہو وہ اذان کہے، سمجھدار، طریقۂ سنت سے واقف ہو، اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے؛ بلکہ اذان عبادت بھی ہے، مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے، اس کو اس کے شایانِ شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو اور سامعین کے قلوب متاثر اور متوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں۔

ہمارے زمانہ میں مؤذنوں میں یہ اوصاف مفقود ہیں ارزاں اور کم تنخواہ والا مؤذن تلاش کیا جاتا ہے، چاہے اذان صحیح پڑھ سکتا ہو، اذان کے الفاظ کہیں دراز؛ کہیں مختصر کر کے اذان کی روح ہی فنا کر دیتا ہو، جس کی وجہ سے اذان لوٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً اَشہد کو اَشدُّ، حی علی الصلاۃ کو حی للصلاۃ، حی علی الفلاح کو حی للفلاح، اللہ کی جگہ آللہ، اکبر کی جگہ اکبار؛ اسی طرح حی کی بڑی حا کی جگہ چھوٹی ہا پڑھا جاتا ہے اور اس طرح کی بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں۔ امام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے۔ اماموں پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے۔ اذان دین کی علامتوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ متولیوں کو توفیق دے کہ وہ اس کی اہمیت کو سمجھیں۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۲۸۶/۴)

مؤذن متبع سنت ہونا چاہیے۔ اذان بہت بڑی امانت ہے، ممنوع چیز سے امانت میں فرق آتا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ۶۷/۲)

۷۔ جو شخص اذان دینے کے باوجود اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کما کر پوری کر سکتا ہے پھر بھی اذان پر اجرت لیتا ہے تو اس کو اذان کا ثواب نہیں ملے گا اور جو اذان میں مشغول ہونے کی وجہ سے ضروریات پوری نہ کر سکے اور ثواب کے لئے اذان دے اس کو اجرت لینے کے باوجود ثواب ملے گا۔(شامی: ۲۶۳/۱)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل۔ انیس)

نابالغ کی اذان-احکام ومسائل

نابالغ لڑکے کی اذان جائز ہے:

سوال: نابالغ لڑکے کا اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

لڑکا نابالغ اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے، تو اس کی اذان بلا کراہت صحیح ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۸۴)

نابالغ اذان دے سکتا ہے یا نہیں:

سوال: خالد کی عمر دس یا بارہ سال کی ہے، آیا اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

سمجھدار نابالغ کی اذان بلا کراہت کے جائز ہے۔(۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"أذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراهة فی ظاهر الروایة". (۱/۳۳)(۳)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

"أذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراهة کذا فی الحمادیة عن تحفة الفقهاء". (ص:٦٣)

(فتاویٰ احیاء العلوم:۱/۳۳۲-۳۳۳)

---

(۱) (ویجوز) بلا کراهة (أذان صبی مراهق). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳٦۳، ظفیر)

... وأما الثانی فأن یکون رجلاً عاقلاً ثقةً عالماً بالسنة وأوقات الصلاة فأذان الصبی العاقل لیس بمستحب ولا مکروه فی ظاهر الروایة فلا یعاد، الخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۱/۲٦۸. انیس)

(۲) عن عطاء قال: لابأس أن یؤذن الغلام قبل أن یحتلم. (مصنف ابن أبی شیبة، باب فی الأذان قبل أن یحتلم (ح:۲۳٥٤)

قال الشعبی: لابأس أن یؤذن الغلام إذا أحسن الأذان قبل أن یحتلم". (مصنف ابن أبی شیبة، باب في أذان الغلام قبل أن یحتلم (ح:۲۳٥٥) انیس)

(۳) ترجمہ: "ظاہر الروایۃ کے مطابق سمجھدار بچے کی اذان بلا کراہت صحیح ہے۔ محشی

نابالغ کی اذان:

سوال: ہماری مسجد میں اکثر مغرب کی اذان ایک لڑکا دیتا ہے، جس کی ڈاڑھی غور سے دیکھنے کے بعد محسوس ہوتی ہے کہ کچھ بال نکل آئے ہیں، کیا ایسا شخص اذان دے سکتا ہے؟ (سید شاہ نواز، فرسٹ لانسر)

الجواب

اتنے کم عمر بچہ کی اذان مکروہ ہے جس میں ابھی شعور پیدا نہ ہوا ہو اور وہ اذان کا مقصد بھی نہ سمجھتا ہو، اور ایسی صورت میں اذان کا لوٹانا واجب ہے، جو لڑکے ابھی نابالغ ہیں، لیکن باشعور ہیں، ان کی اذان بلا کراہت درست ہے، اور بالغ شخص کا اذان دینا بہتر ہے۔

"أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية". (۱)

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لڑکے کا اذان دینا درست ہے۔ (۲)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۳۵-۱۳۶)

بالغ نہ ہو تو نابالغ کی اذان درست ہے یا نہیں:

سوال: نابالغ لڑکے کی اذان درصورت یا عدم صورت شخص بالغ جائز ہوگی یا نہیں، ہر دو صورت میں حکم سے معزز فرمایئے؟

الجواب

نابالغ لڑکے کی اذان مکروہ تنزیہی ہے، دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے، ادا ہو جاتی ہے۔ مگر کراہتِ تنزیہی کے ساتھ اور تفصیل اس میں یہ ہے کہ نابالغ مراہق کی اذان مکروہ تنزیہی ہے۔ (۳)

اور جو نابالغ بہت چھوٹا اور غیر عاقل بے سمجھ ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔ **كذا في الشامي** (۴) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۱۶-۱۱۷)

---

(۱) والفتاویٰ الهندية: ۱/ ۵٤۔ (العناية شرح الهداية، باب الأذان: ۱/ ۲٤٤. انيس)

(۲) "عن الشعبی، قال: لابأس أن يؤذن الغلام إذا أحسن الأذان قبل أن يحتلم". (مصنف ابن أبی شيبة، باب في أذان الغلام قبل أن يحتلم، رقم الحديث: ۲۳۵۵، محشی)

(۳) (ويجوز) بلاكراهة (أذان صبی مراهق). (الدر المختار)

(قوله بلاكراهة) أی تحريمية لأن التنزيهية ثابتة لما فی البحر عن الخلاصة أن غيرهم أولٰی منهم، آه، ح. أقول: وقدمنا أول كتاب الطهارة الكلام فی أن خلاف الأولٰی مكروه أولا فراجعه، (قوله: صبی مراهق) المراد به العاقل وإن لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۱/ ۳٦۳، ظفير)

(۴) (ويكره أذان جنب) ... (و سكران) ولو بمباح كمعتوه وصبی لايعقل. (الدر المختار)

وظاهره أن الكراهة تحريمية. (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا كان غير محتسب فی أذانه: ۱/ ۳٦٤)

بالغ لوگوں کی موجودگی میں نابالغ کی اذان:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بالغ افراد موجود ہیں، ان کی موجودگی میں نابالغ کی اذان کیسی ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: علی اکبر پٹن، آزاد کشمیر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بہتر نہیں ہے۔(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۰۴)

نابالغ لڑکے کی اذان کا حکم:

سوال: نابالغ بچے جو اکثر مسجدوں میں اذان کہتے ہیں یا امام خود ان سے اذان کہلا دیتے ہیں، اس اذان کو دہرانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بچے اگر ناسمجھ ہوں تو ان کی اذان کو دہرانا چاہئے، کیونکہ ان کی اذان سے مقصود اذان یعنی اعلام حاصل نہیں ہوتا، اس لئے کہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ بچے کھیل میں کہہ رہے ہیں۔ لیکن اگر بچے سمجھدار ہوں اور ان کی اذان سے مقصود حاصل ہو جائے تو وہ اذان جائز ہے، دہرانے کی حاجت نہیں۔(۲) فقط (کفایت المفتی: ۳/۴۶-۴۷)

---

(۱) قال فی الهندية: أذان الصبی العاقل صحيح من غير كراهة فی ظاهر الرواية ولكن أذان البالغ أفضل وأذان الصبی الذی لا يعقل لا يجوز ويعاد وكذا المجنون، هكذا فی النهاية. (الفتاویٰ الهندية، باب الأذان: ۱/۵٤)

(۲) فيصح أذان الكل سوى الصبی الذی لا يعقل، لأن من سمعه لايعلم أنه مؤذن بل يظن أنه يلعب، بخلاف الصبی العاقل، لأنه قريب من الرجال، الخ. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا كان غير محتسب فی أذانه: ۱/۳۹٤، ط: سعيد)

اختلف أهل العلم فی أذان الصبی فرخصت طائفة فيه وممن رخص فيه عطاء بن أبی رباح، وعبدالرحمن بن أبی ليلیٰ، والشعبی وأبوذر، وقال الشافعی: لاأحب أن يؤذن إلا بعدالبلوغ وأذن قبل البلوغ أجزأ، وقال أحمد: يؤذن إذا راهق، وقال اسحاق: يؤذن إذا جاوز سبع سنين، وقال النعمان ويعقوب ومحمد فی الغلام الذی قد راهق: أحب إلينا أن يؤذن لهم رجل، وإن صلوا بأذانه وإقامته أجزأهم، وكرهت طائفة أذان الغلام قبل أن يحتلم، وممن كره ذٰلك مالك والثوری وقال الثوری عن أبی اسحاق: يكره للصبی أن يؤذن حتی يحتلم. (الأوسط فی السنن والإجماع والاختلاف، ذكر أذان الصبی: ۳/٤۰)

س۷۷: إذا أذن الصغير المميز الذی يحافظ ألفاظ الأذان فهل هناك حرج أم أن الكبير البالغ أولیٰ؟

ج: الأولی بالأذان هو الكبير المكلف البالغ ولكن إذا حصل الأذان من هذا الصغير ==

نابالغ بچے کی اذان کا حکم:

سوال: نابالغ بچے کی اذان معتبر ہے یانہیں؟ اگر دے دی تو کیا اس کا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نابالغ بچہ کی اذان شرعاً معتبر اور بلا کراہت درست ہے، اگر وہ ہوشمند اور باشعور ہو۔ البتہ بالغ کی اذان افضل ہے اور نابالغ بچہ باشعور اور ہوشمند نہیں ہے تو اس کی اذان درست نہیں ہے۔(۱) اگر ایسا بچہ اذان دے دے تو اس کا اعادہ کیا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"أذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراهة فی ظاهر الروایة و لکن أذان البالغ أفضل وأذان الصبی الذی لایعقل لایجوزویعاد". (۵٤/۱)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۷۱-۳۷۲)

آٹھ سالہ لڑکے کی اذان کا کیا حکم ہے:

سوال: لڑکا کس قدر عمر ہونے سے اذان دے سکتا ہے، جو لڑکا آٹھ برس کا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور پاکی ناپاکی کا خیال رکھتا ہو، ایسا نابالغ لڑکا اذان دے سکتا ہے یانہیں؟

== وکان هذاالصغیر ضابطاً لألفاظ الأذان مقیمالحروفه فلاحرج فی ذلک لأن المقصودمن الأذان یحصل به،فإن الناس یعلمون بدخول وقت الصلاة بهذاالأذان.(المفید فی تقریب أحکام الأذان،القسم الخامس فی مبطلات الأذان:۱/٦۰.انیس)

(۱) (بل لایصح أذان صبی لایعقل)لأنه لایلتفت إلی أذانه کالمجنون ونحوه فربماینتظرالناس الأذان المعتبر والحال أنه معتبرفی نفس الأمرفیخرج الوقت وهم ینتظرون فیؤدی إلی تفویت الصلاة وفسادالصوم أوالشک فی صحة المؤدی أوایقاعهافی وقت مکروه کمافی البحروالنهر.(حاشیةالطحطاوی علی مراقی الفلاح،باب الأذان:۱۹۹.انیس)

اتفق العلماء علی عدم صحة أذان الصبی غیرالممیز لأنه لایدرک مایفعله ثم اختلفوافی أذان الصبی الممیر،فقال المالکیة:لایصح أذانه إلاإذا اعتمدعلی بالغ فی اخباره بدخول الوقت فإن أذن الصغیربلااعتماد علی بالغ وجب علی البالغین إعادة الأذان.أماعندالجمهورفیصح أذان الصبی الممیز.(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،أذان الصبی:۲۷/۲٦)

(ولایصح الأذان إلامن مسلم عاقل فأماالکافروالمجنون فلایصح أذانهمالأنهمالیسا من أهل العبادات ویصح من الصبی العاقل لأنه من أهل العبادات.(المجموع شرح المهذب،باب الأذان:۹۸/۳.انیس)

الجواب

لڑکا اگر مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو اس کی اذان بلا کراہت بالاتفاق صحیح ہے اور غیر مراہق عاقل ہو تب بھی ظاہر الروایت میں کراہت نہیں ہے اور بعض روایات میں مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے:

(ویجوز) بلا کراهة (أذان صبی مراهق). (الدرالمختار)

وفی الشامی: (قوله صبی مراهق) المراد به العاقل وإن لم یراهق، کما هو ظاهر البحر وغیره وقیل: یکره لکنه خلاف ظاهر الروایة، الخ. (ردالمحتار) (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۵/۲)

بارہ برس کے لڑکے کی اذان درست ہے:

سوال: بارہ برس کا لڑکا اگر اذان پڑھے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب

کچھ حرج نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۷/۲)

---

(۱) رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۳۶۳/۱، ظفیر

قلت: أرأیت القوم یؤذن لهم الغلام الذی لم یحتلم بعد وقد راهق الحلم؟

قال: أحب إلیَّ أن یؤذن لهم رجل.

قلت: فإن صلوا بأذانه وإقامته؟

قال: یجزیهم. (الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب من نسی صلاة ذکرها من الغد: ۱۳۶/۱)

وأجمعوا علی أن أذان الصبی الممیز للرجال یعتد به. (اختلاف الأئمة العلماء: ۹٤/۱. انیس)

(۲) ... والثانی وهو أن یکون ذکراً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنة وبأوقات الصلاة فأذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراهة فی ظاهر الروایة وأذان البالغ أفضل وأذان غیر العاقل والسکران یعاد. (العنایة شرح الهدایة، باب الأذان: ۲٤٤/۱)

وأما الثانی: فأن یکون رجلاً عاقلاً ثقةً عالماً بالسنةٰ وأوقات الصلاة فأذان الصبی العاقل لیس بمستحب ولا مکروه فی ظاهر الروایة فلا یعاد. (البحر الرائق، باب الأذان: ۲٦۷/۱)

ویصح أذانه مع الکراهة کما فی المجمع لکن فی السراج الوهاج أنه لا کراهة فی أذان الصبی العاقل فی ظاهر الروایة وإن کان البالغ أفضل وعلی هذا یصح تقریره علی وظیفة الأذان وأما قیامه فی صلاة الفریضة فظاهر کلامهم أنه لابد منه الحکم بصحتها وإن کانت أرکانها وشرائطها لا یوصف بالوجوب فی حقه. (الأشباه والنظائر لابن نجیم، أحکام الصبیان: ۲٦٤. انیس)

تیرہ برس کا لڑکا اذان واقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں:

سوال: تیرہ برس کی عمر کا نابالغ لڑکا مسجد میں اذان اور تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تیرہ برس کے لڑکے کی اذان واقامت درست ہوتی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۲۰/۱۲/۱۳۷۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۱۸/۲)

---

(۲) البتہ بالغ کی اذان افضل ہے۔[مجاہد]

"أذان الصبى العاقل صحيح من غير كراهة فى ظاهر الرواية،ولكن أذان البالغ أفضل وأذان الصبى الذى لايعقل لايجوز و يعاد وكذا المجنون.هكذا فى النهاية.(الفتاوىٰ الهندية: ١/٥٤)

... ثم أدنى المدة لبلوغ الغلام اثناعشرسنة وقدوجب زيادة المدة على ذلك فإنمايزادسبع سنين اعتباراً بأول أمره كماأشارإليه صاحب الشرع-صلى اللّٰه عليه وسلم -:مرواأولادكم إذابلغواسبعاً،الخ.(المبسوط للسرخسى،باب العدة وخروج المرأة من بيتها: ٦/٥٤)

وأماالقسم الرابع فيثبت بأخبارالآحاد بشرط التمييز دون العدالة وذلك مثل الوكالات والمضاربات والرسالات فى الهداياوالإذن فى التجارات وماأشبه ذلك وقبل فيهاخبرالصبى والكافر.(كشف الأسرارشرح أصول فخرالإسلام البزدوى،باب بيان محل الخبر: ٣/٣٠/شرح التلويح على التوضيح،فصل فى محل الخبر: ٢/٢١.انيس)

اذان سے متعلق پاکی ناپاکی کے مسائل

بے وضو اذان دینا درست ہے یا نہیں:

سوال: اگر کبھی اذان بلا وضو پڑھ دی جاوے، تو درست ہے یا محلّہ والوں پر اس کا کچھ وبال ہے؟

الجواب

بے وضو اذان کہنا درست ہے کچھ مواخذہ اور وبال اس میں کسی پر نہیں ہے البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ باوضو اذان کہے۔(۱) اس لئے کہ بعض فقہا نے بغیر وضو اذان کو مکروہ کہا ہے:

ویروی أنه یکره الأذان أیضاً(أی علیٰ غیر وضوء). (الهدایة)(۲)

وقیل یکره (أی الأذان علیٰ غیر وضوء) لحدیث الترمذی عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لایؤذن إلا متوضیء. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۱/۲-۹۲)

---

(۱) (ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه) علی المذهب. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۶٤)

ثم اعلم أنه ذکر فی الحاوی القدسی من سنن المؤذن کونه رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنن والأوقات مواظباً علیه محتسباً ثقةً متطهرًا مستقبلاً، الخ. (ردالمحتار، باب الأذان: ۳٦٥/۱، ظفیر)

(۲) الهدایة شرح بدایة المبتدی، باب الأذان: ٤٤/۱. انیس

(۳) البحرالرائق، باب الأذان: ۲۷۷/۱. ظفیر

(أخرجه الترمذی، فی باب ماجاء فی کراهة الأذان بغیر وضوء (ح: ۲۰۰)

عن ابن شهاب قال: قال أبوهریرة: لاینادی بالصلاة إلامتوضیء. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراهة الأذان بغیر وضوء (ح: ۲۰۱) وقال: هذا أصح من الحدیث الأول)

عن ابن جریج قال: قال لی عطاء: حق وسنة مسنونة أن لایؤذن مؤذن إلا متوضئاً. (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب الأذان علی غیروضوء (ح: ۱۷۹۹) انیس)

☆ اذان بلا وضو جائز ہے یا نہیں:

سوال: امام مسجد بلا وضو اذان کہے یا اذان کہہ کر حقہ پینے یا پیشاب پاخانہ کو چلا جائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ ==

بے وضو اذان:

سوال: کیا وضو کے بغیر اذان دینے کی اجازت ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر سلاخ پوری، کریم نگر)

الجواب

بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ وضو کی حالت میں اذان دی جائے، (۴) کیونکہ اذان نماز کی دعوت ہے، اور جب ایک شخص

==

الجواب

کتب فقہ میں یہ ہے کہ اذان بے وضو مکروہ نہیں ہے، یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے۔

کما فی الدرالمختار: (ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه) علی المذهب، الخ. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا کان غیر محتسب فی أذانه: ۳٦٤/۱، ظفیر)

لیکن شامی میں منقول ہے کہ اذان باوضو کہنا مسنون ہے۔

شامی میں ہے:

ثم اعلم أنه ذکر فی الحاوی القدسی من سنن المؤذن کونه رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنن والأوقات مواظباً علیه محتسباً ثقةً متطهرًا مستقبلاً. (ردالمحتار، باب الأذان: ۳٦٥/۱، ظفیر)

اس سے معلوم ہوا کہ باوضو اذان کہنا سنت اور مستحب ہے۔ پس عادت کر لینا ہمیشہ بے وضو اذان کہنے کی برا ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ باقی اگر اذان باوضو کہہ کر پھر ضرورت پیشاب پاخانہ کی ہو تو رفع حاجت کرنا ضروری ہے اور حقہ پینا اصل سے اچھا نہیں ہے اس سے بھی احتراز اولیٰ ہے۔ فقط

(اگر حقہ پئے تو مسجد میں آنے سے پہلے منہ اچھی طرح صاف کر لے تاکہ اس کی بدبو سے کسی کو اذیت نہ ہو۔ ظفیر)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۲/۲-۱۰۳)

اذان بلا وضو درست ہے یا نہیں:

سوال: اذان بلا وضو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ باوضو اذان کہے۔ **(ویکره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لاأذانه.** (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۴۰۷/۱، ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۱/۲)

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**لایؤذن إلامتوضئ**" "وضو کیا ہوا آدمی ہی اذان دے"۔ (دیکھئے! **السنن الکبریٰ للبیهقي: ۵۸۳/۱، رقم الحدیث: ۱۸۵۸**) محشی

نے خود وضو نہیں کیا تو گویا اس نے ابھی اپنے آپ کو نماز کے لئے تیار نہیں کیا اور دوسروں کو نماز کی دعوت دے رہا ہے، جو ظاہر ہے کہ مناسب عمل نہیں، مناسب طریقہ یہ ہے کہ آدمی پہلے اپنے آپ کو جس کارِ خیر کے لئے تیار کرلے، دوسروں کو اس کی دعوت دے، تاہم اگر بغیر وضو اذان دے ہی دے تو یہ بھی جائز ہے۔(۱)

”وينبغي أن يؤذن ويقيم علىٰ طهر ،فإن أذن علىٰ غير وضوء جاز“. (۲)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۲۸-۱۲۹)

اذان دینے کے لئے وضو ضروری نہیں:

سوال: اذان دینے کے لئے وضو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اذان دینے کیلئے وضو کرنا ضروری نہیں، البتہ ہمیشہ بلا وضو اذان دینا اچھا نہیں ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور۔۴/۲/۱۴۰۳ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۲۲۱)

بلا وضو اذان دینا کیسا ہے:

سوال: کیا وضو اذان کے لئے شرط ہے ایا وقت نہ ملنے پر بغیر وضو اذان دینے والا گنہگار ہوگا یا یہ کہ مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وضو صحت اذان کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ وضو اذان کے لئے مستحب ہے، بلا وضو اذان دینے والا گنہگار نہیں ہے، البتہ بلا وضو اذان دینے کا معمول نہیں بنانا چاہئے، کبھی کبھی اتفاقاً مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی بغیر وضو کے اذان دینا ثابت ہے۔

”ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية هكذا في الكافي وهو الصحيح كذا في الجوهرة النيرة“. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۵٤)

”وجه ظاهر الرواية ما روى أن بلالاً ربما أذّن وهو علىٰ غير وضوء“. (بدائع الصنائع: ۱/۱٤۳)

فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔۲۶/محرم ۱۴۱۶ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۷۱)☆

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ” لا بأس أن يؤذن على غير وضوء ، ثم ينزل فيتوضأ “ . (حدیث نمبر:۲۱۸۸،محشی)

(۲) الهداية ،باب الأذان: ۱/۲۸۲۔

(۳) عن علي بن عبداللّٰه بن عباس قال: حدثني أبي أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ياابن عباس! ==

کیا بغیر وضو اذان دینے سے نحوست برستی ہے:

سوال: ایک شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ بے وضو اذان پڑھی جائے تو جہاں تک اذان کی آواز پہونچتی ہے وہاں تک نحوست برستی ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

بلا وضو اذان کہنا شرعاً ناپسند ہے۔ کما فی کتب الفقه. (۱) مگر نحوست والی بات کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۱/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۱/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۵/۵)

== إن الأذان متصل بالصلاة، فلا يؤذن أحدكم إلا وهو طاهر. (رواه الزيلعي في نصب الراية عن أبي الشيخ، باب الأذان: ۲۹۲/۱)/ البدر المنير، الحديث الخامس بعد العشرين: ۳۹۱/۳/ التلخيص الحبير، باب الأذان: ۵۱۰/۱/ كنز العمال، الفصل الرابع في الأذان والترغيب فيه: ۶۹۶/۷ (ح: ۲۰۹۷۶) انيس)

☆ بغیر وضو کے اذان دینا:

سوال: زید بے وضو اذان دینے کا عادی ہو چکا ہے، اذان دینے کے بعد ہی وہ وضو کرتا ہے، امامت کے فرائض وہی انجام دیتا ہے؟

هـو المـصـوب ـــــــــــــــــــ

کبھی بغیر وضو اذان دینے کی گنجائش ہے۔ (ومنها أن يكون المؤذن على الطهارة لأنه ذكر معظم فإتيانه مع الطهارة أقرب إلى التعظيم وإن كان على غير طهارة بأن كان محدثا يجوز ولا يكره حتى لا يعاد في ظاهر الرواية. (بدائع الصنائع: ۳۷۴/۱)

عادی ہونا درست نہیں، امامت اس کی درست ہے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۳۶۸/۱)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا يؤذن إلا متوضيء" (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهة الأذان بغير وضوء: ۵۰/۱، سعيد)

"ويكره أذان جنب وإقامته، وإقامة محدث، لا أذانه على المذهب" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۲/۱، سعيد)

"ويستحب أن يكون المؤذن صالحاً وأن يكون على وضوء لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يؤذن إلا متوضيء". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۷، قديمي)

بلا وضو اذان کی وعید:

سوال: ایک مؤذن روزانہ پانچوں وقت کی اذان بغیر وضو کے دیتا ہے، جب اس کا جی چاہے تو کبھی وضو بھی کر لیتا ہے، لیکن اکثر بغیر وضو کے اذان دیتا ہے۔ تو کیا شریعتِ مطہرہ میں اس کی اجازت ہے کہ بغیر وضو کے اذان پر دوام کیا جائے اور کیا شخص مذکور کو فاسق کہہ سکتے ہیں؟ امید ہے کہ جواب باحوالہ عنایت فرمایا جائے۔

نوٹ: اور مؤذن کا یہ عمل عمداً اور معمولاً بلا وضو اذان دینے کا ہے، لوگوں کے سمجھانے کے بعد بھی وہ اس فعل سے باز نہیں آتا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

”ويكره إقامة المحدث وأذانه لما روينا“. (مراقی الفلاح)

”وإن صح عدم كراهية المحدث، وهو ظاهر الرواية والمذهب.“ (قوله: وأذانه لما روينا) من قوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ”لايؤذن إلا متوضيء“. (الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: ۱۱۸)(۱)

مؤذن کا بلا وضو اذان دینے پر دوام کرنا اس حدیث کے خلاف ہے، اس کو ڈرنا چاہئے اور اس فعل سے بچنا چاہئے، تاہم اس کو فاسق کہنے سے بھی احتیاط کی جائے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۸/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۸/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۵/۵-۴۳۶)

---

(۱) مراقی الفلاح علیٰ حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، باب الأذان: ص: ۱۹۹، قديمی

”وينبغي أن يؤذن ويقيم علىٰ طهر، فإن أذن علىٰ غير وضوء جاز“. (الهداية، باب الأذان: ۲۸۲/۱. انيس)

”ليكون متهيئاً لإجابة ما يدعو إليه“. (اللباب فی شرح الكتاب، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۷۵/۱، قديمی)

”عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه قال: حق وسنة أن لايؤذن إلا وهو طاهر، ولايؤذن إلا هو قائم“. رواه البيهقی و الدارقطنی فی الأفراد وأبو الشيخ فی الأذان [كذا فی تلخيص الحبير: ۷۶/۱، وقال فيه: إسناد حسن إلا أن فيه انقطاعاً، آه] قال المؤلف: ”دلالته علىٰ تأكد الطهارة للأذان ظاهرة“. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب استحباب الوضوء للأذان: ۱۲۱/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(۲) ”وتركه لا يوجب إساءة ولا عتاباً، كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل“. (الدر المختار، كتاب الصلاة، آداب الصلاة: ۴۷۷/۱، سعيد)

وعلى هذا أی على أن السنن نوعان اختلفت أجوبة مسائل باب الأذان فقيل مرة يكره ومرة أساء ومرة لابأس لما قلنا أن ترك ما هو من سنن الهدىٰ يوجب الكراهة والإساءة وترك ما هو من السنن الزوائد لايوجب شيئاً منهما. (كشف الأسرار شرح أصول فخر الإسلام البزدوی، أقسام العزيمة: ۳۱۰/۲. انيس)

بلا وضو اذان دینے سے قوم کی خواری وپستی موضوعی وعید ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلا وضو اذان دینے سے قوم پر خواری اور پستی آتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجرو۔ (المستفتی: قیس نعمانی مرہٹی نوشہرہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

بلا وضو اذان دینا خلاف استحباب ہے،(۱) اور اس کی وجہ سے قوم کی خواری اور پستی منصوصی بات نہیں، موضوعی اور خودساختہ وعید ہے۔ وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۱۳)

اذان کے درمیان اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: اذان دیتے وقت وضو ساقط ہو جائے، تو اذان پوری کرنا چاہئے یا نہیں؟ اعادہ کی ضرورت نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اذان پوری کر لینا ہی درست ہے، اعادہ لازم نہیں۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۳٦۔۴۳۷)

جنبی کا اذان دینا:

سوال: کیا جنبی اذان دے سکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

ناجائز وحرام ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۲۴/۵/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۱۷)

(۱) قال الشرنبلالي: ويستحب أن يكون المؤذن...علٰى وضوء لقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايؤذن إلا متوضئ. (إمداد الفتاح شرح نور الإيضاح، ما يستحب للمؤذن: ۲۱۱)

وفي المنهاج: مذهب أبي حنيفة أنه يكره الإقامة بغيروضوء ويجوز الأذن، وروى عنه أنه يكره الأذان أيضاً و يؤيده حديث" لايؤذن أحدكم إلا وهوطاهر"، أخرجه أبوالشيخ مرفوعاً وفي سنده عبد الله بن هارون وهوضعيف أخرجه البيهقي موقوفاً علٰى وائل وفي سنده انقطاع لم يسمع الجبارعن أبيه وائل شيئاً، ومذهب الشافعي أنه يكره الأذان بغيرطهور، ومذهب أحمد أن التطهرمستحب في الأذان والإقامة، وقال مالك يصح الأذان بغيرطهورولا يقيم إلا متوضئ. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب كراهية الأذان بغيروضوء: ۲/۷۷)

(۲) "وينبغي أن يؤذن ويقيم علٰى طهر، فإن أذن علٰى غيروضوء؛ جاز، لأنه ذكروليس بصلاة، فكان الوضوء فيه استحباباً، كما في القراءة". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۹۰، مكتبة شركة علمية، ملتان) ==

جنبی کا اذان دینا مکروہ ہے:

سوال: ایک شخص نے جنبی ہونے کی حالت میں مسجد میں اذان دی، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

جنبی کا اذان دینا مکروہِ تحریمی ہے، اور ایسے ہی اس حالت میں مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں، اب توبہ واستغفار کیا جائے، اگر وقت کے اندر پتہ چل جائے، تو اعادہ کیا جائے۔

"(ویعاد أذان جنب) ندباً وقیل وجوباً". (الدرالمختار علی الشامیة: ۳٦٥/۱)(۱) **فقط واللّٰہ أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۰۸/۲)

ناپاکی کی حالت میں اذان دینا:

سوال: ہمارے محلّہ کی مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں ہے، مسجد کے امام یا دیگر کوئی بھی شخص مقتدی اذان دے دیتا ہے، مسجد مذکور میں صرف فجر اور عشا کی اذان ونماز کے درمیان یعنی جماعت سے ۵/منٹ قبل، صلوٰۃ وسلام، پڑھنے کا دستور ہے۔ میری اکثر عادت یہ ہے کہ اذان سن کر فوری مسجد میں پہنچ جاتا ہوں۔ ایک دن حسب معمول فجر کی اذان سن کر میں مسجد میں پہنچ گیا۔ اذان مسجد کے پیش امام صاحب نے پڑھی تھی۔ کچھ دیر بعد جب جماعت کا وقت قریب آیا اور صلوٰۃ وسلام کی آواز نہیں آئی، تو مجھے تو تشویش ہوئی۔ مسجد سے باہر نکل کر دیکھا، تو امام صاحب جنہوں نے ابھی تھوڑی دیر قبل اذان دی تھی، مسجد کے غسل خانہ سے غسل کر کے نکل رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ امام

== "ولا ملقن وذهابه للوضوء لسبق حدث، خلاصة". (الدرالمختار)

"(قوله: وذهابه للوضوء) لكن الأولى أن يتممهما ثم يتوضأ؛ لأن ابتداء هما مع الحدث جائز، فالبناء أولٰى، بدائع". (رد المحتار، كتاب الصلاة، با ب الأذان: ۳۹۳/۱، سعيد)

(۳) جنبی کا اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔ [مجاہد] "ویکره أذان جنب وإقامته". (الدر المختار)

(قوله أذان جنب): لأنه يصير داعيا إلٰى ما لايجيب إليه وإقامته أولٰى بالكراهة وصرح فى الخانية بأنه تجب الطهارة فيه عن أغلظ الحدثين وظاهر أن الكراهة تحريمية، بحر. (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب فى أذانه: ٦٠/٢)

حاشیه صفحه هذا:

(۱) (مؤذن أذن علٰى غير وضوء، وأقام قال: لايعيد، والجنب أحب إليَّ أن يعيد وإن لم يعد أجزاه)... وبسبب الجنابة روايتان، والأشبه أن يعادالأذان دون الإقامة لأن تكرارالأذان مشروع دون الإقامة. (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، باب فى صلاة المرأة وربع ساقها مكشوف: ٨٤/١. انيس)

صاحب ابھی تو آپ نے اذان دی تھی اور ابھی آپ کو غسل کی حاجت کیوں کر ہو گئی۔ موصوف نے جواب دیا کہ تیمّم کر کے اذان دی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابل وضاحت طلب ہے کہ مسجد میں پانی وغیرہ کی تمام تر معقول سہولیات مہیا ہیں، بوقت اذان بھی پانی موجود تھا اور امام صاحب موصوف قطعی طور پر پانی پر قادر تھے،کوئی بیماری وغیرہ نہیں تھی، فجر کی اذان و نماز کے درمیان خاص کر اتنا وقت رہتا ہے کہ اگر غسل کر کے اذان دی جاتی،تو شاید اذان کے لئے وقت پھر بھی بچ سکتا تھا۔ بہر حال ایسی صورت میں مسجد/مسجد کے صحن یا صحن کے باہر اذان دیا جانا، کہاں تک درست ہے؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

هــــو المصــــوب

حالت جنابت میں مسجد یا مسجد کے صحن میں جانا جائز نہیں ہے، جبکہ حالت جنابت میں دی گئی اذان بکراہت جائز ہے۔(۱)

اور اگر امام صاحب رسمی صلوٰۃ وسلام کے قائل ہیں، تو ان کی امامت مکروہ ہوگی، ورنہ نہیں۔(۲)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۶۷)

☆☆☆

---

(۱) أما أذان الجنب فمكروه رواية واحدة لأنه يصير داعيا إلى ما لايجيب إليه.(البحر الرائق: ۱/۴۵۸)

ويعاد أذان الجنب.(كشف الأسرار شرح أصول فخر الإسلام البزدوى،أقسام العزيمة: ۲/۳۱۱.انيس)

(۲) (ويكره) تنزيها (إمامة عبد)... (ومبتدع) أى صاحب بدعة.(الدر المختار على صدر ردالمحتار،باب الإمامة،قبيل مطلب البدعة خمسة أقسام: ۲/۲۹۸)

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام.(الشريعة للآجرى،باب ذكر هجرة أهل البدع والأهواء (ح: ۲۰۴۰)/معجم ابن الأعرابى عن الحسن، حديث الترفقى (ح: ۱۹۵۸)/القدر للفريابى عن أبى إسحاق الهمدانى (ح: ۳۸۱)/البدع لابن وضاح،النهى عن الجلوس مع أهل البدع وخلطتهم (ح: ۱۱۹)/المعجم الأوسط للطبرانى،من اسمه محمد (ح: ۶۷۷۲)انيس)

اذان کے مستحبات

اذان قبلہ رخ ہوکر پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا اذان دیتے وقت قبلہ رخ کھڑے ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

مؤذن کو چاہئے کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہوکر اذان دے، شریعت اسلامی میں یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے اس کے خلاف اذان نہ دی جائے۔(۱)

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: ویستحب أن یکون المؤذن صالحاً أی متقیا لأنه أمین فی الدین ... مستقبل القبلة کما فعله الملک النازل. (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی، باب الأذان: ۱۵۸)(۲)(فتاویٰ حقانیہ: ۶۵/۳)

---

(۱) عن معاذ بن جبل قال: ... فجاء عبد اللّٰه بن زید - رجل من الأنصار - وقال فیه: فاستقبل القبلة، قال: اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر، الخ. (سنن أبی داؤد، باب کیف الأذان (ح: ۵۰۷)/سنن البیهقی، باب استقبال القبلة بالأذان والإقامة (ح: ۱۸۳۸)/المسند للشاشی، عبدالرحمن بی أبی لیلیٰ عن معاذ بن جبل (ح: ۱۳۶۳)/المعجم الکبیر للطبرانی، عمرو بن مرة عن عبدالرحمن بن أبی لیلیٰ (ح: ۲۸۰)

عن ابن سیرین قال: إذا أذن المؤذن استقبل القبلة حتی إذا أراد أن یقول: حی علی الفلاح ، دار، ثم استقبل القبلة إذا قال: اللّٰه أکبر. (مصنف عبدالرزاق، باب استقبال القبلة ووضعه أصبعیه فی أذنیه (ح: ۱۸۰۴)

عن أبی طاهر الجعفی قال: أذنت مرارًا فقال لی سوید: إذا أذنت فاستقبل القبلة فإنه من السنة. (مصنف بن أبی شیبة. من کان یقول إذا أذن المؤذن فاستقبل القبلة (ح: ۲۲۳۳)

عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: أیؤذن المؤذن مستقبل القبلة قال: نعم، فإن کان فی قریة فإنه یلتفت عن یمینه ویساره ووراءه، فیدعوا الناس بالنداء فإن کان فی سفر لیس معه بشر کثیر مع خلیفة أو لم یکن فی الناس من یدعوهم إلی الأذان فلیستقبل القبلة فی ندائه أجمع. (مصنف عبدالرزاق، باب استقبال القبلة ووضعه أصبعیه فی أذنیه (ح: ۱۸۰۲)

(۲) قال العلامة عالم بن العلاء الأنصاری: والمستحب للمؤذن أن یستقبل القبلة استقبالاً هکذا روی عبد اللّٰه بن زید رضی اللّٰه عنه عن النازل من السماء وفی شرح الطحاوی: ولو ترک استقبال القبلة أجزأه ویکره. (الفتاویٰ التاتار خانیة، باب الأذان: ۵۱۵/۱)

ننگے سر اذان دینے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ننگے سر اذان دی، تو یہ اذان صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کو شریعت میں کیا کہا جائے گا؟

الجواب

اذان تو ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ سر پر پگڑی یا ٹوپی پہن کر اذان دی جائے۔ آئندہ فعل مذکور سے احتراز کیا جائے۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔ ۲/۲۵/ ۷ے۱۳ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔

(خیر الفتاویٰ: ۲/ ۲۰۰۔۲۰۱)

ننگے سر اذان درست ہے یا نہیں:

سوال (۱) مؤذن کو ننگے سر اذان دینی جائز ہے یا نہیں؟

کھلے سر نماز درست ہے یا نہیں:

(۲) ننگے سر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں، ایسا کرنے والے کیلئے کیا حکم ہے؟

کیا برہنہ سر اذان ونماز روافض کا طریقہ ہے:

(۳) برہنہ سر نماز پڑھنا یا اذان دینا روافض کا مشرب ہے یا نہیں؟

الجواب

فقہا نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، اذان میں اس کی تصریح نہیں فرمائی اور نماز میں بھی یہ تفصیل کی ہے کہ سستی سے سر ننگا کرنا مکروہ ہے اور اگر تذلل اور انکسار اور خشوع وخضوع کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو کراہت نہیں۔(۲)

(۱) كانت له - النبي صلى الله عليه وسلم- عمامة تسمىٰ: السحاب، كساها عليّاً، وكان يلبسها ويلبس تحتها قلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة.(زاد المعاد فى هدية غير الأنام.فصل فى ملابسه صلى الله عليه وسلم: ۱/ ۱۳۰)

و تكره الصلاة حاسرًا رأسه تكاسلاً، ولابأس إذا فعله تذللًا خشوعاً بل هو حسن ، هكذا حكى عن شيخ الإسلام أبى الحسن السغدى.(المحيط البرهانى،الفصل السادس عشر فى التغنى والإلحان: ۱/ ۳۷۷.انيس)

(۲) وكره كفه ، الخ ، وصلاته حاسرًا أى كاشفاً رأسه للتكاسل ولابأس به للتذلل وأما للإهانة بها فكفر.(الدر المختار)

(قوله ولابأس به للتذلل):قال فى شرح المنية:فيه إشارة إلىٰ أن الأولىٰ أن لايفعله وأن يتذلل ويخشع بقلبه فإنهما من أفعال القلب،آه،وتعقبه فى الإمداد،الخ.(ردالمحتار،باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها: ۱/ ۵۹۹،ظفير)

لیکن اولیٰ اورافضل یہ ہے کہ ننگے سر اذان نہ کہے اور اگر کسی جگہ یہ روافض کا شعار ہوتو پھر ضروران کی مخالفت کرے اور ننگے سر اذان نہ کہے تا کہ ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

درمختار میں ہے:

''وصلاته حاسرًا أی کاشفاً رأسه للتکاسل ولابأس به للتذلل،الخ،ولو سقطت قلنسوة فإعادتها أفضل،الخ.(الدر المختار)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۰۹-۱۱۰)

بلندآوازآدمی نہ ہوتو پست آوازوالا اذان دے سکتا ہے یانہیں:

سوال: اگرکوئی شخص بلندآواز بوقت اذان کے مسجد میں موجود نہ ہواور مؤذن مقرر نہ ہوتو کم آواز والوں کواذان کہنا جائز ہے یا آخر وقت تک بلندآواز والے کاانتظار کرے؟

الجواب

مؤذن کا جہری الصوت ہونا امر مستحب ہے،(۲)اس کے انتظار کیلئے اخیر وقت تک اذان مؤخر کرنا نہیں چاہئے۔
قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:''الوقت الأول من الصلاۃ رضوان اللّٰہ''.(الحدیث)(۳)فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۱۹)

ضعیف آواز کے باوجود شوقِ اذان ہوتو کیا صورت ہوگی:

سوال: ایک بوڑھا شخص ہے وہ مسجد میں پہلے چلاآتا ہے اور وہ اپنے گھر سے بےفکر ہے،اذان پڑھنے کا شوق ہے،لیکن اس کی آواز جاتی رہی،اگرکوئی اوراذان پڑھتا ہےتو اس کو بُرا محسوس کرتا ہے اور منع کرتا ہے کہ تم اذان مت پڑھو،میں اس کی خدمت کرتا ہوں،میں ہی اذان پڑھوں گا،لڑنے کوتیار ہوجاتا ہے۔اس کواس حالت میں اذان،تکبیر کا ثواب ملتا ہے یانہیں؟

---

(۱) الدرالمختار علیٰ ہامش رد المحتار،باب،أیضاً:۱/۵۹۹-۶۰۰،ظفیر

(۲) عمار بن سعد...أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أمر بلالا أن یجعل أصبعیه فی أذنیه،وقال:إنه أرفع لصوتک.(سنن ابن ماجة،باب السنة فی الأذان (ح:۷۱۰)/سنن الترمذی، باب ما جاء فی إدخال الأصبع فی الأذن عند الأذان (ح:۱۹۷)

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کوکان میں انگلی ڈالنے کاحکم فرمایااور یہ بھی فرمایا کہ اس سے آواز زیادہ ہوگی،جس سے یہ واضح ہورہا ہے کہ بلندآواز سے اذان امر مستحب ہے۔(انیس)

(۳) سنن الترمذی باب ماجاء فی الوقت الأول من الفضل (ح:۱۷۱)/سنن الدارقطنی،باب النهی عن الصلاة بعد صلاة الفجر ((ح:۹۸۳)/المخلصیات،الجزء السادس (ح:۱۲۹۳)(۲۷۴)/معجم ابن عساکر، محمد بن أبی بکر بن عبد الرحیم أبو الموفق (ح:۱۱۳۴)انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اذان کا ثواب تو اس کو بھی ملتا ہے،(۱) اگر اس کی آواز اہلِ محلّہ تک نہیں پہنچتی تو دوسرے آدمی کا بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔(۲) اس ضعیف آدمی کو اذان سے منع نہیں کیا جا سکتا اور منع کرنے سے باز نہیں آتا تو اس کی اذان کے بعد دوسرا شخص پڑھ دیا کرے، اس سے آواز بھی باہر تک پہنچ جائے گی اور اس ضعیف کا شوق بھی پورا ہو جائے گا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۲/۵-۴۰۳)

---

(۱) "عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:"لایسمع مدی صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شيء إلا شھد لہ یوم القیامة". (الصحیح للبخاری،باب رفع الصوت بالنداء (ح:٦٠٩)

("عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:"من أذّن سبع سنین محتسباً، کُتب لہ براء ة من النار". (سنن ابن ماجة،باب فضل الأذان وثواب المؤذنین (ح: ٧٢٧)/سنن الترمذی،باب ماجاء فی فضل الأذان (ح:٢٠٦)/المعجم الکبیر للطبرانی،مجاھد عن ابن عباس (ح:١١٠٩٨)انیس)

(۲) "عن عبد اللّٰہ زید بن عبد ربہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ...فقال:"إنھا لرؤیا حق إن شاء اللّٰہ فقم مع بلال،فألق علیہ ما رأیت فلیؤذن بہ، فإنہ أندی صوتاً منک". (مسند الإمام أحمد،حدیث عبداللّٰہ بن زیدبن عبدربہ (ح:١٦٤٧٨)/سنن الدارمی،باب فی بدء الأذان (ح: ١٢٢٤)/خلق أفعال العبادللبخاری،باب أفعال العباد : ٥٤/١/ سنن أبی داؤد،باب کیف الأذان (ح:٤٩٩)/المنتقی لابن الجارود،ماجاء فی الأذان (ح:١٥٨)انیس)

قال الملا علی القاری:"وقال الإمام النووی:من ھذا الحدیث یؤخذ استحباب کون المؤذن رفیع الصوت". (مرقاة المفاتیح،کتاب الصلاة،باب الأذان:٣٤٢/٢-٣٤٣.(رقم الحدیث:٦٥٠،رشیدیة)

فیہ دلیل علی استحباب اتخاذالمؤذن رفیع الصوت حسنہ.(مرعاة المفاتیح،الفصل الثالث:٣٥٧/٢)انیس

منھا أن یجھربالأذان،فیرفع بہ صوتہ؛لأن المقصود وھوالإعلام یحصل بہ،ألا تری أن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم قال:لعبد اللّٰہ بن زید رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ:وعلمہ بلالاً،فإنہ أندی وأمد صوتاً منک.ولھذا کان الأفضل أن یؤذن فی موضع یکون أسمع للجیران کالمئذنة ونحوھا.(بدائع الصنائع،کتاب الصلاة،فصل فی بیان سنن الأذان:٦٤٢/١،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(۳) قال إبن عابدین ناقلاً عن النھایة:"(قولہ:وإذا أذن المؤذن الأذان الأول ترک الناس البیع)ذکرالمؤذنین بلفظ الجمع إخراجًا للکلام مخرج العادة،فإن المتوارث فیہ اجتماعھم لتبلیغ أصواتھم إلٰی أطراف المصرالجامع آہ،ففیہ دلیل علٰی أنہ غیر مکروہ؛لأن المتوارث لایکون مکروھاً،وکذلک نقول فی الأذان بین یدی الخطیب،فیکون بدعة حسنة؛إذ مارآہ المؤمنون حسنًا فھوعند اللّٰہ حسن آہ ملخصًا،أقول:وقد ذکرسیدی عبد الغنی المسئلة کذلک أخذًا من کلام النھایة المذکور، ثم قال:ولا خصوصیة للجمعة؛إذ الفروض الخمسة تحتاج للإعلام". (رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی أذان الجوق:٣٩٠/١،سعید)

اذان پست آواز سے کہنا:

سوال: جو شخص کسی مخالفت کی وجہ سے پروپیگنڈہ بناتا ہے، خود بھی دوسروں کو بھی تبلیغ کرے کہ اذان آہستہ دینی چاہئے جہاں سے بعض نہ سن سکیں اور ایسا کرتا بھی ہے مثلاً اذان کی جگہ مسجد کے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ یہ مسجد کے پیچھے دینی چاہئے تا کہ دوسرے نہ سنیں اور ہم پہلے ہی نماز پڑھ لیں، وہ یوں ہی علیحدہ ہو کر پڑھیں گے۔ مقصدِ سوال یہ ہے کہ شرعاً ایسے شخص کا کیا درجہ ہے؟ کیا ایسا شخص بھی امامت کا مستحق ہے اور مقتدیوں کو ایسے شخص کی اقتدا کرنی چاہئے؟ نیز ایسے شخص کو اذان دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اذان بلند آواز سے بلند جگہ پر دی جائے کہ زیادہ دور تک آواز پہنچے، (۱) جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچے گی، وہاں تک کی ہر چیز مؤذن کے حق میں گواہی دے گی، اذان آہستہ کہنا تا کہ دوسروں تک آواز نہ پہنچے مقصد اذان کو فوت کرنا ہے اور ایسا کرنا مکروہ ہے، پھر اس نیت سے آہستہ اذان کہنا کہ کچھ لوگ جماعت سے محروم رہ جائیں، نہایت غلط اور پست قسم کا قابل ملامت جذبہ ہے، جو روحِ اذان اور اخوت اسلام کے خلاف ہے، جس میں یہ جذبہ ہو، اس کو اپنی اصلاح لازم ہے۔ (۲) امام کے صفات واخلاق بہت اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں، نہ کہ ایسے گرے ہوئے، اگر چہ فریضۂ نماز اس کے پیچھے بھی ادا ہو جائے گا۔

"صلوا خلف کل بر وفاجر". (رواہ أبوداؤد) (۳)

ردالمحتار میں امامت کے شرائط وصفات درج ہیں۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند / الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۳/۵-۴۰۴)

---

(۱) عن عبداللّٰہ بن زید... ورأی عمر مثل رؤیا عبداللّٰہ بن زید فسبقه عبداللّٰہ بن زید إلی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فأخبره بذٰلک فقال له النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: قم فأذن، فقال: یارسول اللّٰہ! إنی فضیع الصوت، فقال له: فعلم بلالاً مارأیت فعلمه فکان بلال یؤذن. (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب بدء الأذان (ح: ۱۷۸۷) انیس)

(۲) "أن أبا سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال له: إنی أراک تحب الغنم والبادیة، فإذا کنتَ فی غنمک أو بادیتک، فأذنت للصلاة فارفع صوتک بالنداء، فإنه لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شیء إلا شهد له یوم القیامة". (موطأ الإمام مالک، باب ماجاء فی فی النداء للصلاة (ح: ۱۸۳) / صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء (ح: ۶۰۹) / سنن النسائی، باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٦٤٤)

"أن یجهر بالأذان، فیرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام یحصل به، ألا تریٰ أن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه و سلم قال لعبد اللّٰہ بن زید رضی اللّٰہ تعالٰی عنه: "وعلمه بلالاً، فإنه أندیٰ وأمد صوتاً منک" ولهذا کان الأفضل أن یؤذن فی موضع یکون أسمع للجیران کالمئذنة ونحوها". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سنن الأذان: ٦٤٢/١، دارالکتب العلمیة، بیروت)

==

اذان کے لیے خوش الحانی ضروری نہیں:

سوال: زید کا سوال ہے کہ ہم خوش الحانی سے اذان نہیں پڑھ سکتے، کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ جب ریڈیو پر اذان آئے اور ہمارے ہاں اذان کا وقت ہو بھی جائے، تو ریڈیو کو اسپیکرز کے سامنے رکھ دیں اور خود علاحدہ پہلے یا بعد میں اسپیکر سے ہٹ کر اذان پڑھ لیں، کیا ایسا کرنا شرعی لحاظ سے جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اذان کے لیے ریڈیو کو اسپیکر کے آگے رکھنا فضول حرکت ہے، کیوں کہ ریڈیو سے جو اذان نشر کی جاتی ہے، وہ اکثر پہلے سے کیسٹ کی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے اس کا حکم اذان کا نہیں۔(۱) اذان کے الفاظ صحیح ہونے چاہئیں، خوش الحانی نہ ہوئی، تو ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۳/۳)

اذان ترنم کے ساتھ:

سوال: آج کل ہمارے یہاں نو جوانوں کو اذان دینے کا شوق اس قدر ہو گیا ہے کہ ایک وقت کی بھی بانگی صاحب کے حصے میں آتی نہیں ہے، لیکن یہ نو جوان اذان کے ہر کلمہ کے یعنی جملہ کے اخیر میں اس قدر ’’آآآآآ‘‘ اور اس الفاظ میں اتار چڑھاؤ کا موسوقی ترنم لگاتے ہیں کہ ہر جملہ سے تین چار گنا وقت کھینچ کر سامعین کو پریشان کرتے ہیں، گھڑی کا شمار چھ سے سات منٹ سے بڑھ جاتی ہے لہٰذا اس ترنم والی موسیقی اذان دینے میں از روئے شریعت کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بعدہ اذان کے اختتام پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اذان موسیقی ترنم کے ساتھ دینا جس سے اصلی حروف میں زیادہ کھینچ تان ہو جائے منع ہے، خلافِ سنت ہے۔(۲) ایسی اذان کا جواب بھی لازم نہیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۱۰/۹/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔ ۱۰/۹/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۵/۵)

==(۳) سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور: ۳۴۳/۱، سعید

(۴) والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلاة فقط صحةً وفسادًا بشرط اجتنابه لفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً و تجویدًا لقراء ة، ثم الأورع ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً، آه. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعید)

حاشیه صفحه هذا:

(۱) وینبغی أن یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحًا تقیاً عالماً بالسنّة، کذا فی النهایة. (الفتاویٰ الهندیة: ۵۳/۱)

(۲) ”و لا لحن فیه: أی تغنی بغیر کلماته، فإنه لایحل فعله و سماعه“. (الدر المختار) ==

اذان بلند آواز سے کہنا سنت ہے:

سوال: ایک مسجد میں جماعت کے لئے دو چار آدمی آیا کرتے ہیں، مگر مؤذن کی آواز نہیں سنی جاتی، ایک شخص نے مؤذن سے کہا کہ اذان کیوں آہستہ دیتے ہو؟ مؤذن نے جواب دیا کہ اذان سن کر لوگ جماعت میں نہیں حاضر ہوتے، اس لئے زور سے اذان دینے سے اذان دینے والا بھی گنہگار ہوگا اور سننے والا بھی۔ کیا آہستہ اذان دی جاوے یا بلند آواز سے؟

حامدًا و مصليًا، الجواب ـــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

مؤذن کا جواب لغو ہے، صحیح یہ ہے کہ اذان کسی اونچے مقام پر چڑھ کر بلند آواز سے دینا سنت ہے، اگر چہ جماعت میں آنے والے آدمی کم ہی ہوں۔(۱)

== "(قوله يغير كلماته): أی بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها فی الأوائل والأواخر، قهستانی". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۷/۱، سعيد)

"ومنها ترک التلحين فی الأذان؛ لما روی أن رجلاً جاء إلی ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما فقال: إنی أحبک فی اللّٰه تعالٰی: فقال ابن عمر: إنی أبغضک فی اللّٰه تعالٰی: فقال: لِمَ؟ قال: لأنه بلغنی أنک تغنی فی أذانک، يعنی التلحين". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی بيان سنن الأذان: ۶۴۴/۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

"سن للفرائض بلا ترجيع ولحن". (كنزالدقائق)

"(قوله: ولحن) ... ولهٰذا فسره ابن الملک بالتغنی بحيث يؤدی إلٰی تغيير كلماته، وقد صرحوا بأنه لايحل فيه، و تحسين الصوت لابأس به من غير تغن، ... كذا فی الخلاصة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۲/۱ـ۴۴۶، رشيدية)/ فتح القدير، باب الأذان: ۲۴۸/۱. انيس)

(۳) ("ويجب من سمع الأذان بأن يقول كمقالته إن سمع المسنون منه، وهو ما كان عربيا لا لحن فيه". (الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹۶/۱ـ۳۹۷، سعيد)

فلو كان بعض كلماته غير عربی أوملحوناً لا تجب عليه الإجابة فی الباقی، لأنه حينئذ ليس أذاناً مسنوناً. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فائدة التسليم بعدالأذان: ۳۹۷/۱)انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) عن محمد بن عبداللّٰه بن عبد ربه قال حدثنی أبی عبداللّٰه بن زيد قال: لما أمررسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب للمسلمين إلی الصلوٰة... فقلت: يا عبد اللّٰه أتبيع هذاالناقوس فقال: ماتصنع به؟ قلت: ندعوبه إلی الصلوٰة... فلما أخبر بها رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: إنها لرؤيا حق إن شاء اللّٰه، فقم مع بلال فألقها عليه فإنه أندیٰ صوتاً منک، الخ. (سنن الدارمی، باب فی بدء الأذان (ح: ۱۱۸۷ـ۱۲۲۴))مسندالإمام أحمد، حديث عبداللّٰه بن زيدبن عبدربه (ح: ۱۶۴۷۸)/ خلق أفعال العبادللبخاری، باب أفعال العباد: ۵۴/۱/ سنن أبی داؤد، باب كيف الأذان (ح: ۴۹۹)/ المنتقی لابن الجارود، ماجاء فی الأذان (ح: ۱۵۸) ==

والسنة أن يؤذن فی موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته. (الفتاویٰ الهندية: ۳٤/۱)(۱)

ولقوله عليه السلام: (إذا كنت فی غنمک أوباديتک فأذنت للصلاة فارفع صوتک بالنداء) الحديث. (۲)(ردالمحتار: ٤٠٥/۲)(۳)**فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم** (مرغوب الفتاویٰ: ۱۴۰/۲)

اذان میں روانگی سنت ہے:

سوال: بعض جگہ مؤذن اذان کے ہر کلمہ کو جدا جدا کر کے کہتا ہے جبکہ مشہور یہ ہے کہ اذان میں تکبیر دودو کلمے ملا کر کہنا چاہیئے، اگر کوئی شخص کلمات اذان اس طرح جدا جدا پڑھتا ہے، تو اس سے صحت اذان پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان میں ترسیل سنت ہے یعنی تکبیر دودو کلمے ملا کر کہے، البتہ اگر کسی نے ایسا نہیں کیا بلکہ جدا جدا کلمے کہے، تب بھی جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اذان کا اعادہ کیا جائے تا کہ سنت کے مطابق اذان ادا ہو جائے۔ (۴)

== ويسن الأذان فی موضع عالٍ والإقامة على الأرض. (البحر الرائق، باب الأذان: ۲٦۸/۱)

(ويؤذن المؤذن حيث يكون أسمع للجيران) لأن المقصود إعلامهم ويرفع صوته لأن الاعلام لايحصل إلابه. وفی الحديث: يشهد للمؤذن من سمع صوته ويستغفر للمؤذن مدىٰ صوته. (المبسوط للسرخسی، باب الأذان: ۱۳۸/۱. انيس)

(۱) الفتاویٰ الهندية: ٥٥/۱، الفصل الثانی فی كلمات الأذان

(۲) والحديث أخرجه الإمام مالک فی الموطأ، كتاب الصلوٰة، باب ماجاء فی النداء للصلوٰة، عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه عنه / و البخاری فی الصحيح، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء (ح: ٦۰۹) / و النسائی فی سننه، باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٦٤٤) / والإمام الشافعی فی السنن الماثورة برواية المزنی، باب ما جاء فی الأذان (ح: ۱۳٤) وفی المسند بترتيب السندی، الباب الثانی فی الأذان (ح: ۱۷٦) / ، انيس)

(۳) قال ابن عابدين تحت قوله رافعاً صوته: "بحديث صحيح (إذا كنت فی غنمک أوباديتک فأذنت للصلاة فارفع صوتک بالنداء فإنه لايسمع مدى صوت المؤذن إنس ولا جان ولامدرإلا شهد له يوم القيامة). (رد المحتار، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق)

(۴) عن جابرأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أذنت فترسل فی ذٰلک وإذا أقمت فاحدر. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان (ح: ۱۹٥) / المنتخب من مسندعبدبن حميد، من مسند جابر بن عبداللّٰه (ح: ۱۰۰۸) / المستدرک على الصحيحين، باب فی فضل الصلوات الخمس (ح: ۷۳۲)

عن أبی الزبيرمؤذن بيت المقدس قال: جاء نا عمربن الخطاب فقال: إذا أذنت فترسل وإذا أقمت فاحدر. (مصنف ابن أبی شيبة، من قال يترسل فی الأذان ويحدرفی الإقامة (ح: ۲۲۳٤) / سنن الدارقطنی، باب ذكرالإقامة وذكراختلاف الروايات فيها (ح: ۹۱٦) انيس)

قال الحصكفي: (ويترسل فيه) بسكتة بين كل كلمتين ويكره تركه وتندب إعادته.

قال ابن عابدين: (قوله بسكتة) أی تسع الإجابة مدنی عن منلا علی القاری، وهذه السكتة بعد كل تكبيرتين لا بينهما كما أفاده فی الإمداد أخذًا من الحديث، وبه صرح فی التاترخانية (قوله وتندب إعادته) أی لو ترک الترسل. (رد المحتار علی الدر المختار: ۳۸۷/۱، باب الأذان)(۵)

(فتاویٰ حقانیہ: ۵۱/۳)

بوقت اذان کانوں کے سوراخ میں انگلی ڈالنا سنت ہے:

سوال: اذان اکثر ہاتھ چھوڑ کر یا ایک ہاتھ کان پر رکھ کر جدھر کو چاہے منھ کر کے دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خلاف سنت ہے، مگر اذان ہو جاتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹۸/۲)

اذان کے دوران انگلیوں کا کانوں کے سوراخ میں رکھنے کا حکم:

سوال: اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں داخل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا سنت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اذان کی آواز میں تیزی اور بلندی پیدا ہوتی ہے، (۲) اگر چہ آج کل کے دور میں لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اب یہ علت وسبب اختیار کرنے کی وجہ مفقود ہے۔ اس لئے کہ بدوں اس کے آواز بلند ہوتی ہے، مگر تواتر کی وجہ سے آج بھی یہی عمل سنت ہے۔

(۵) قال ابن نجيم: (قوله ويترسل فيه ويحدر فيها) أی يتمهل فی الأذان ويسرع فی الإقامة وحده أن يفصل بين كلمتی الأذان بسكتة بخلاف الإقامة للتوارث، الخ. وفی الظهيرية: ولو جعل الأذان إقامة يعيد، ولو جعل الإقامة أذانا لا يعيد؛ لأن تكرار الأذان مشروع دون الإقامة، الخ.

قال ابن عابدين فی حاشيته: ثم الإعادة إنما هی أفضل. (البحر الرائق مع منحة الخالق: ۲۵۷/۱-۲۵۸، باب الأذان)

(۱) عن عون بن أبی جحيفة عن أبيه قال: رأيت بلالاً يؤذن ويدور ويتبع فاه هاهنا، ها هنا، وأصبعاه فی أذنيه، ورسول الله صلی الله عليه وسلم فی قبة حمراء. (سنن الترمذی، باب ما جاء فی إدخال الأصبع فی الأذن عند الأذان (ح: ۱۹۷)/ سنن ابن ماجة، باب السنة فی الأذان (ح: ۷۱۱)/ سنن البيهقی، باب الالتواء فی حی علی الصلاة، حی علی الفلاح (ح: ۱۸۵۳) انیس)

ويجعل ندباً أصبعيه فی صماخ أذنيه فأذانه بدونه حسن وبه أحسن. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۳۶۰/۱، ظفير)

(۲) عمار بن سعد... أن رسول الله صلی الله عليه وسلم أمر بلالاً أن يجعل أصبعيه فی أذنيه، ==

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: وإنما كا ن ذلک أبلغ فى الإعلام لأن الصوت يبدأ من مخارج النفس فإذا سد أذنيه اجتمع النفس فى الفم فخرج الصوت عاليا من غير ضرورة. (البحرالرائق: ۲٦٠/۱، باب الأذان) (۳) (فتاویٰ حقانیہ: ۵۹/۳)

بوقتِ اذان کانوں میں انگلی ڈالناہر اذان کے لئے ہے یا صرف مسجد کی اذان کے لئے:

سوال: ادخال سبّابتین عندالاذان مخصوص باستحباب باذان مسجد است یا کہ بہمہ مکانات کہ در غیر مسجد دراں باذان نماز خواندہ شود؟ (۱)

الجواب

بہمہ اذانہا مستحب است، کما ھو مفاد الاطلاق۔ فقط (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۸/۲۔۱۲۹)

== وقال: إنه أرفع لصوتک. (سنن ابن ماجة، باب السنة فى الأذان (ح: ۷۱۰) /سنن الترمذى، باب ما جاء فى إدخال الأصبع فى الأذن عند الأذان (ح: ۱۹۷) انيس)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: (تحت قوله ويجعل أصبعيه) لقوله صلى الله عليه وسلم لبلال رضى الله عنه اجعل أصبعيک فى أذنيک فإنه أرفع لصوتک وإن جعل يديه علىٰ أذنيه فحسن. (رد المحتار: ۲۸۵/۱، باب الأذان)

لعل الحكمة أنه إذا سد صماخيه لا يسمع إلا الصوت الرفيع فيتحرى فى استقصائه كالأطروش بخلاف إذا تركهما خاليتين. (شرح المشكاة للطيبى، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن: ۹۰۹/۳. انيس)

لم يبين فى الحديث ما هى الإصبع، ونص النووى على أنها المسبحة ولو كان فى إحدىٰ يديه علة جعل الإصبع الأخرىٰ فى صماخه. (عمدة القارى، باب هل يتبع المؤذن فاه ههٰنا وههٰنا: ۱٤۷/۵. انيس)

(۱) خلاصۂ سوال: اذان کے وقت کانوں میں انگلی ڈالنا مسجد کی اذان کے لئے مستحب ہے یا مسجد کے علاوہ ہر اس مقام کی اذان کے لئے جہاں نماز پڑھی جائے؟ انیس

(۲) خلاصۂ جواب: کانوں میں انگلی ڈالنا تمام اذانوں کے لئے مستحب ہے۔ انیس

ويجعل ندباً أصبعيه فى صماخ أذنيه فأذانه بدونه حسن وبه أحسن. (الدرالمختار)

لقوله عليه الصلاة والسلام لبلال: اجعل أصبعيک فى أذنيک فإنه أرفع لصوتک. (رد المحتار، باب الأذان: ۳٦٠/۱، ظفير)

عن بلال أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا أذنت فاجعل أصبعيک فى أذنيک فإنه أرفع لصوتک. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب وضع الإصبعين فى الأذنين عندالتأذين (ح: ۱۸۵٦)

عن أبى حجيفة قال: رأيت بلالاً يؤذن ويدور ويتبع فاه هاهنا و هاهنا وإصبعاه فى أذنيه. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى إدخال الإصبع فى الأذن (ح: ۱۹۷)

سهل أبى أسد قال: من السنة أن تدخل إصبعيک فى أذنيک. (الصلاة لأبى نعيم الفضل بن دكين، باب فى المؤذن يجعل إصبعيه فى أذنيه (ح: ۲۱۳) انيس)

بوقت اذان کانوں میں انگلیاں نہ دینے میں مضائقہ نہیں:

سوال: (۱) کیا اذان دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالے؟ کیا ایسا کرنا سنت ہے؟

(۲) اگر مؤذن اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں نہ دے، صرف کانوں پر ہاتھ رکھ لے تو درست ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر مؤذن اذان دیتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھے تو درست ہوگا یا نہیں؟ آج کل لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے اگر انگلیاں نہ ڈالی جائے تو کیا مضایقہ ہے؟

(۴) انگلیاں کان میں نہ دینے پر مؤذن پر حملہ کرنا اور اس کو گالی دینا اور سخت پٹائی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایسے لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

(۱) اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں رکھنا مستحب ہے، ضروری نہیں۔

(۲) دونوں کانوں پر یا ایک کان پر ہاتھ رکھ لینے سے بھی استحباب ادا ہو جائے گا۔

(۳) اگر ہاتھ چھوڑ کر اذان کہہ دی تو بھی کچھ حرج نہیں، کان پر ہاتھ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے آواز بلند ہوتی ہے، لاؤڈ اسپیکر میں اس کی حاجت تو نہیں، مع ہذا بغرض تشبہ کانوں میں انگلیاں دے لینا بہتر ہے۔

قال فی شرح التنویر: (ویجعل) ندباً (أصبعیه فی صماخ أذنیه) فأذانه بدونه حسن وبه أحسن.

وفی الشامیة: (قوله: ویجعل أصبعیه، الخ) لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم لبلال -رضی اللّٰه تعالٰی عنه-: اجعل أصبعیک فی أذنیک فإنه أرفع لصوتک، وإن جعل یدیه علٰی أذنیه فحسن لأن أبا محذورة -رضی اللّٰه تعالٰی عنه- ضم أصابعه الأربعة ووضعها علٰی أذنیه وکذا إحدیٰ یدیه علٰی ما روی عن الإمام، إمداد وقهستانی عن التحفة. (قوله: فأذانه) تفریع علٰی قوله: ندباً. قال فی البحر: و الأمر أی فی الحدیث المذکور للندب بقرینة التعلیل فلذا لو لم یفعل کان حسناً فإن قیل ترک السنة کیف یکون حسناً، قلنا: إن الأذان معه أحسن فإذا ترکه بقی الأذان حسناً، کذا فی الکافی، آه، فافهم. (رد المحتار: ۱/ ۳۶۰)(۱)

---

(۱) (ویجعل إصبعیه فی أذنیه) لماروی أنه علیه الصلاة والسلام قال لبلال: "اجعل أصبعیک فی أذنیک فإنه أرفع لصوتک" وإن لم یفعل فحسن، لأنه لیس بسنة أصلیة، إذلیس هو فی أذان صاحب الرؤیاولم یشرع لأصل الإعلام بل للمبالغة فیه، الخ. (تبیین الحقائق، إجابة المؤذن: ۱/ ۹۲. انیس)

(۴) اس فعل پر مؤذن کو مجبور کرنا اوراس کی بے عزتی کرنا گناہ کبیرہ ہے،(۲) حاکم پر لازم ہے کہ ایسے جاہلوں کو سخت سزادے تاکہ وہ آئندہ اس قسم کے ظلم اور گناہ عظیم کا ارتکاب نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷/ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۲۸۵)

☆☆☆

---

(۲) عن أبی هريرة يقول: قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم: إن فلانة تصلي الليل وتصوم النهاروفي لسانها شيء يؤذي جيرانها سليطة قال: لاخيرفيها، هي في النار، وقيل له: إن فلانة تصلي المكتوبة وتصوم رمضان وتتصدق بالأثوار ليس لها شيء غيره ولاتؤذي أحداً، قال: هي في الجنة. (المستدرك للحاكم : ١٨٣/٤ (ح:٧٣٠٤)/ مسنداسحاق بن راهويه، مايروى عن أبي يحيٰ مولى جعدة (ح:٢٩٣)

أن عبدالله أوصىٰ ابنه عبدالرحمن فقال: أوصيک بتقوى الله وليسعک بيتک واملک عليک لسانک وابک على خطيئتک. (مصنف ابن أبي شيبة، كلام ابن مسعود رضي الله عنه (ح:٢٤٥٢٥)

اذان سے پہلے دعائیہ کلمات

اذان سے قبل تعوذ وتسمیۃ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک مولوی صاحب ہر اذان سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر تسمیہ اور تعوذ جہراً پڑھتے ہیں اور وجوب کے قائل ہیں، آپ صاحبان سے گذارش ہے کہ کیا "**بسم اللّٰہ**" یا "**تعوذ بالجھر**" کتب شرعیہ میں ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی گلاب خان فاضل حقانیہ......۱۵/ربیع الاول ۱۴۰۴ھ)

الجواب

باوجود تتبع بلیغ کے واضح جزئیہ نہیں ملا، پس مناسب ہے کہ اس مولوی سے جزئیہ طلب کیا جائے۔ کیوں کہ انہوں نے متعارف اور تعامل سے روگردانی کی ہے۔(۱) (فتاویٰ فریدیہ:۲/۱۷۷-۱۷۸)

اذان واقامت سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا:

سوال: اذان واقامت سے قبل اعوذ باللہ، بسم اللہ، درود شریف کا بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ اگر پڑھتا ہے، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اگر نہیں پڑھتا ہے تو کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب لکھیں۔

(۱) فی الفتاویٰ الهندية: الأذان عشرة كلمة وآخره عندنا لا إلٰه إلا اللّٰه، كذا فی فتاویٰ قاضيخان. (الفتاویٰ الهندية: ۵۵/۱، باب الأذان)

أن ابن عمر كان يقول: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلاة ليس ينادى لها فتكلموا يوماً فی ذلک فقال بعضهم: اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصاریٰ وقال بعضهم: بل بوقاً مثل قرن اليهود، فقال عمر: أوَلا تبعثون رجلا ينادی بالصلاة فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: يابلال قم فناد بالصلاة. (الصحيح للبخاری، باب بدء الأذان (ح: ٦٠٤) / مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب بدء الأذان (ح: ١٧٧٦) / مسند الإمام أحمد، مسندعبدالله بن عمر (ح: ٦٣٥٧) / الصحيح لمسلم، باب بدء الأذان (ح: ٣٧٧)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کہیں تعوذ وتسمیہ یا کسی طرح کے دعائیہ کلمات کا ذکر نہیں ہے اور تعوذ وتسمیہ میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، جبکہ اذان کی ابتدا وانتہا اللہ کے نام سے ہے۔ اس لیے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اور سنت نبوی سے ثابت بھی نہیں ہے۔ انیس

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اذان یا اقامت سے پہلے اعوذ باللہ، اور بسم اللہ سراً یا جہراً پڑھنا ثابت نہیں ہے، اس لیے اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہ بلند آواز سے پڑھے، نہ پست آواز سے پڑھے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۸۷)

اذان و اقامت سے پہلے بلند آواز سے یا آہستہ سے درود شریف پڑھنا بھی بدعت ہے۔

طحطاوی میں ہے:

ومن المكروهات الصلوٰة علي النبی في ابتداء الإقامة؛ لأنه بدعة. (ص: ۱۰۸)

(اقامت کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ بدعت ہے۔)

''احسن الفتاویٰ'' میں ہے:

''درود شریف کا موقع شریعت نے اذان کے بعد بتایا ہے، نہ کہ اذان سے پہلے؛ لہذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا، خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ؛ بہرکیف ناجائز اور بدعت ہے اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی نماز کے آخر کے بجائے نماز شروع کرتے ہی ''**سبحانک اللّٰهم، الخ**'' کے بجائے درود شریف پڑھنے لگے اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے''۔ (۳۶۹/۱) (از آداب اذان و اقامت: ۱۴۰) فقط واللہ تعالی اعلم

(محمود الفتاویٰ: ۴/۲۲۸-۲۲۹)

اذان سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم نہ پڑھے:

سوال: اذان سے قبل ''اعوذ باللہ'' الخ اور ''بسم اللہ'' الخ، سراً یا جہراً جائز و مسنون ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لئے نہ جہراً پڑھے نہ سراً۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ ذی الحجہ ۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۸۷)

اذان سے قبل تعوذ وتسمیہ جہر سے پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان سے قبل تعوذ وتسمیہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور جہر سے پڑھنا چاہیے یا آہستہ؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ڈاکٹر سعید۔ قذافی مارکیٹ باجوڑ۔ ۱۰/ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ)

---

(۱) کیوں تعوذ وتسمیہ کا مقصود کلمات اذان میں موجود ہے، مزید اضافہ ضرورت نہیں ہے۔ انیس

الجواب

اذان سے قبل تعوذ اور بسملہ بذات خود نہ مطلوب ہے اور نہ ممنوع۔(۱) البتہ ان کا جہر سے پڑھنا خصوصاً اذان کی طرح پڑھنا ممنوع ہے، کیوں کہ عوام ان کو اذان کے کلمات سے شمار کرنے لگیں گے۔(۲) نیز یہ تعامل سلف وخلف سے مخالف ہے۔وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۱۹۵/۲۔۱۹۶)

اذان سے پہلے بسم اللہ اور درود وغیرہ پڑھنا:

سوال: مؤذن کا اذان دینے سے پہلے بلند آواز سے درود شریف پڑھنا پھر بسم اللہ پڑھنا، پھر اذان کہنا اور اذان پوری ہونے پر دعا کے ساتھ سلام پھیرنا کہاں تک درست ہے؟

ھو المصوب

اذان سے پہلے بسم اللہ وغیرہ پڑھنا ثابت نہیں ہے، اسی طرح اذان سے پہلے بلند آواز سے درود پڑھنا اور پھر اذان ختم ہونے پر سلام پڑھنا، شرعاً بے اصل امر ہے، جس کا ترک کرنا شرعاً ضروری ہے۔(۳)

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۷۱/۱)

اذان سے پہلے بسم اللہ اور بعد میں دعا:

سوال: مؤذن کو لاؤڈ اسپیکر پر بلند آواز سے اذان کے قبل بسم اللہ پڑھنا چاہئے؟ اسی طرح اذان کے بعد بلند آواز سے دعاء وسیلہ پڑھنا چاہئے؟

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه:(قوله و شرعاً إعلام مخصوص)أى إعلام بالصلوٰة قال فى الدرر:ويطلق علـى الألفاظ المخصوصة أى التى يحصل بها الإعلام من إطلاق اسم المسبب على السبب،إسمٰعيل،دائمًا لم يعرفه بالألفاظ المخصوصة لأن المراد الأذان بالصلوٰة ولو عرف بها الدخل الأذان للمولود ونحوه علٰى مايأتى(قوله علٰى وجه مخصوص)أى من الترسل والاستدارة والالتفات و عدم الترجيع واللحن ونحوذلک من أحكامه الآتية. (رد المحتارهامش الدرالمختار:۲۸۲/۱،باب الأذان)

(۲) قال العلامة الحلبى:كل مباح يؤدى إليه أى(إلى اعتقاد الجهلة سنيتها)فمكروه. (غنية المستملى المعروف بالكبيرى:۵۶۹، فصل فى مسائل شتٰى)

(۳) عن عائشة قالت:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهورد".(الصحيح لمسلم،كتاب الأقضية،باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور.رقم الحديث:۱۷۱۸)

قال أهل العربية الردهٰنا بمعنى المردود ومعناه فهوباطل غيرمعتدبه وهذاالحديث قاعدة عظيمة من قواعدالإسلام وهومن جوامع كلمه صلى اللّٰه عليه وسلم فإنه صريح فى ردكل البدع والمخترعات.(شرح النووى لمسلم،باب نقض الأحكام الباطلة،الخ:۱۶/۱۲.انيس)

هو المصوب

اذان سے پہلے بسم اللہ کہنا ثابت نہیں، اذان ختم ہونے کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر دعاء وسیلہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ آہستہ پڑھنا افضل ہے۔(۱)

تحریر: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۴/۳۷)

اذان سے پہلے "الصلوٰۃ والسلام" کی رسم درست ہے یا نہیں:

سوال: اذان کے قبل "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ" وغیرہ جس کو صلوٰۃ کہتے ہیں اور مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ میں ہوتی ہے، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۰۶)

اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اذان سے پہلے بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں براہ کرم تفصیل سے بتلایئے؟

الجواب

اذان سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود وسلام پڑھنا کسی حدیث یا صحابۂ کرام کے کسی عمل سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا اس کو زیادہ ثواب کا موجب سمجھ کر کرنا یا اس کی پابندی کرنا بدعت ہے۔(۳) بلکہ اذان کے کلمات میں اپنی طرف سے کچھ کلمات کا اضافہ کرنا ہے باتفاق امت ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۶/۲/۱۳۸۸ھ۔ (فتوی نمبر: ۳۰۴/۱۹-الف)

الجواب صحیح، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۹۷-۳۹۸)

---

(۱) إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلى عليّ صلاة صلى ا للّٰه عليه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لی الوسيلة. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه. رقم الحديث: ۷۷۸)

(۲) اس لئے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہذا اس سے بچنا چاہئے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۳) وفی الأبداع فی مضار الابتداع: ۷۷-۷۸ (طبع مکتبة علمية، مدينة منورة):

لا كلام فی أنّ الصلوٰة والسلام على النبی صلى اللّٰه عليه وسلم عقب الأذان مطلوبان شرعًا لو رود الأحاديث الصحيحة ...إنما الخلاف فی الجهر بهما على الكيفية المعروفة،

اذان سے پہلے بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبل از اذان بصوت جہر صلاۃ وسلام پڑھنا کیسا ہے یہ سنت ہے یا بدعت؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالکریم عباسی......۹/۱۸/ ۷۷ ۱۹ء)

الجواب

صلاۃ وسلام بذات خود عبادت ہے، لیکن اپنی طرف سے اس کے لئے وقت خاص کرنا مکروہ ہے؛ خصوصاً جب کہ نمازیوں کو بھی تکلیف ہو۔

كما فى البحر: ۱۵۹/۲: ولأن ذكر الله إذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أوبشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به؛ لأنه خلاف المشروع.(۱)

وفى رد المحتار: ۱٤٤/۱: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم علىٰ نائم أومصل، الخ.(۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۸۶/۲)

اذان سے پہلے صلاۃ وسلام کا اضافہ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) اذان سے پہلے صلاۃ وسلام جائز ہے؟

(۲) اصل اذان میں کمی بیشی کرنے والا کیسا ہے۔

(۳) اور جو آدمی صلاۃ وسلام کو اذان کے ساتھ لازمی اور کار ثواب سمجھے، وہ کیسا ہے؟

== والصواب أنها بدعة مذمومة بهذه الكيفية التى جرت بهما عادة المؤذنين من رفع الصوت بهما كالأذان والتمطيط والتغنى فإنّ ذلك إحداث شعاردينى علىٰ خلاف ما عهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه والسلف الصالح من أئمة المسلمين وليس لأحد بعد هم ذلك.

وفيه بعد أسطر: ومن ثم قال العلامة ابن حجرفى فتاويه الكبرىٰ: من صلى على النبى صلى الله عليه وسلم قبل الأذان أوقال محمد رسول الله بعده معتقدًا سنيته فى ذلك المحل ينهى ويمنع منه لأنه تشريع بغيردليل ومن شرع بغيردليل يزجرويمنع. (تفصیل کے لئے! كتاب السنة والبدعة میں: ص۱۲۶، کا فتویٰ، اور ص: ۱۲۷، پر اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔)

(۱) البحرالرائق، باب العيدين: ۱۵۹/۲۔

(۲) ردالمحتارهامش الدرالمختار، مطلب فى رفع الصوت بالذكر: ٤٨٨/۱۔

الجواب

(۱-۳) درود شریف کا پڑھنا ایک بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے۔لیکن اسی طریق سے جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا۔(۱)
اور یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور نہ خلفاء راشدین کے اور صحابۂ کرام کے دور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا، حال مروجہ طریقہ بدعت ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ''۔(۲) فقط واللہ اعلم
(فتاویٰ مفتی محمود:۱/۸۵۴-۸۵۵)☆

(۱) عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ:أنه سمع النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یقول:''إذا سمعت المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلی علیّ صلاۃ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم بها عشرًا ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة ولاتنبغی إلا لعبد من عباداللّٰہ وأرجوا أن أکون أنا هو،فمن سأل لی الوسیلة حلت له الشفاعة''.(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاۃ،باب القول مثل قول المؤذن لم سمعه (ح:٣٨٤)انیس)

(۲) اس لئے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔حدیث میں ہے:
عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قالت:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:''من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهورد''.(الصحیح لمسلم،کتاب الأقضیة،باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور.رقم الحدیث:١٧١٨)انیس)

☆ صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ:

سوال: اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے ہاں مسجد کے نمازیوں کا کہنا ہے کہ اذان سے قبل یہ نہیں پڑھنا چاہیے، جب کہ میں یہ ضرور پڑھتا ہوں۔

الجواب

اذان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے چلی آرہی ہے، مگر اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج ابھی چند برسوں سے شروع ہوا ہے، اگر یہ دین کی بات ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی تعلیم فرماتے اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور بزرگان دین اس پر عمل کرتے، جب سلف صالحین نے اس پر عمل نہیں کیا، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی، تو اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جو ہمارے دین میں نئی بات نکالے، وہ مردود ہے''۔(عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها قالت:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:''من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهورد''.(الصحیح لمسلم،کتاب الأقضیة،باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور. رقم الحدیث:١٧١٨)انیس)

==

اذان کے ساتھ ''صلاۃ و سلام'' پڑھنے کا رواج کب سے ہے:

سوال: آج کل بعض اپنے آپ کو اہل السنّت والجماعت حنفی بھی کہتے ہیں اور اذان سے پہلے ''صلاۃ و سلام'' بھی پڑھتے ہیں، کیا حنفی مذہب میں اس کی گنجائش ہے؟ نیز یہ بھی واضح کریں کہ یہ رسم کسی اہل سنت عالم نے جاری کی یا شیعہ عالم نے؟

(سائل: ممتاز احمد قاسمی، متعلم دارالافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان)

الجواب

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام، صحابۂ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں مروجہ صلاۃ وسلام نہ اذان سے پہلے ہوتا تھا اور نہ بعد میں، بلکہ اذان ''اللّٰـه أكبر'' سے شروع ہوکر ''لا إلٰـه إلا اللّٰـه'' پر ختم ہوتی تھی، ۷۸۱ھ میں کچھ سرکاری لوگوں نے اسے اذان کے بعد پڑھنا شروع کیا، پھر مختلف ادوار میں کسی نہ کسی شکل میں اسے اذان کے ساتھ پڑھتے رہے، اب اذان سے پہلے پڑھنے کا رواج ہوگیا ہے۔ اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

والزيادة فى الأذان مكروهة. (البحر الرائق: ۱/ ۲٦١)

التسليم بعد الأذان حدث فى ربيع الآخر سنة سبعمائة وإحدىٰ وثمانين فى عشاء ليلة الإثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فى الكل إلا المغرب ثم فيها مرتين، آه. (الدر المختار)

(قوله: سنة ۷۸۱هـ) كذا فى النهر عن حسن المحاضرة للسيوطى ثم نقل عن القول البديع للسخاوى أنه فى سنة ۷۹۱هـ، وأن ابتداءه كان فى أيام السلطان الناصر صلاح الدين بأمره، آه. (ردالمحتار: ۱/ ۲۸۷) فقط والله تعالىٰ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲/۴/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۲۲۹-۲۳۰)

== تمام اعمال سے مقصود رضائے الٰہی ہے اور رضائے الٰہی اس عمل پر مرتب ہوتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ طریقے کے مطابق ہو، البتہ شریعت نے اذان کے بعد درود شریف پڑھنے اور اس کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص. رضى الله عنهما. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا سمعتم المؤذّن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلُّوا عليَّ فبأنه من صلّى عليّ صلاة صلّى الله عليه وسلم بها عشرًا، ثم سلوا الله لى الوسيلة فإنّها منزلة فى الجنّة لا تنبغى إلاَّ لعبد من عباد الله، وأرجوا أن أكون أنا هو، فمن سأل لى الوسيلة حلت عليه الشفاعة". (الصحيح لمسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (ح: ۳۸٤)/ مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عمر بن العاص (ح: ٦٥٦٨)/ سنن الترمذى، باب فى فضل النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ۳٦١٤)/ السنن الكبرىٰ للنسائى، الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ١٦٥٤)/ الصحيح لابن خزيمة، باب فضل الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ٤١٨)/ شرح معانى الآثار، باب مايستحب أن يقوله إذا سمع المؤذن (۸۷۸) انيس)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۲۹۲)

اذان کے وقت اہل بدع کے شعار اور التزام مالایلزم سے اجتناب ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ از روئے شریعت محمدی اذان سے قبل یا بعد سراً یا جہراً درود شریف پڑھنا کیسا ہے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، حالانکہ درود شریف کے بہت فضائل ہیں تو پھر اس کو کیوں بعض لوگ منع کرتے ہیں قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں جواب سے مستفیض فرماویں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حضرت بلال چورنگی ضلع کوہاٹ......۳۰/اکتوبر ۱۹۸۴ء)

الجواب

درود شریف بذات خود ایک بہت بڑی عبادت ہے اور عبادت غیر موقتہ ہے، البتہ جو درود شریف اہل بدع کا شعار ہو، یا اس میں التزام لایلزم کا اعتقاد ہو تو اس سے اجتناب ضروری ہے۔(۱)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: اتقوا مواضع التھم.(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۶/۲)

کسی امر کی مقدار شرعی سے زائد اہتمام کرنا یا اپنی طرف سے تخصیص کرنا جائز نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان سے قبل یا بعد مروجہ صلاۃ وسلام کا کیا حکم ہے؟ جو لوگ یہ نہیں کرتے انہیں وہابی اور گستاخ رسول کہا جاتا ہے کیا یہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ایوب مرکزی مسجد ٹیکسلا......۲۰/۱/۶ ۱۹۷ء)

الجواب

صلاۃ وسلام بذات خود عبادت ہے، لیکن کسی امر کی مقدار شرعی سے زائد اہتمام کرنا یا اپنی طرف سے تخصیص کرنا منکر اور ناجائز ہے۔

کما أنکر اللّٰہ تعالیٰ من عامل معاملۃ الحرام بالطیبات حیث قال: ﴿یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً وَلاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ﴾ الخ.(۳)

(۱) قال ابن نجیم رحمہ اللّٰہ: ولأن ذکر اللّٰہ تعالیٰ إذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت أوبشیء دون شیء لم یکن مشروعاً حیث لم یرد الشرع بہ؛ لأنہ خلاف المشروع.(البحر الرائق، باب العیدین: ۱۵۹/۲)

(۲) حدیث اتقوا مواضع التھم رواہ البخاری فی الأدب المفرد، وقال الملا علی القاری حدیث اتقوا مواضع التھم ھو معنیٰ قول عمر، من سلک مسالک التھم اتھم، رواہ الخرائطی فی مکارم الأخلاق عن عمر موقوفاً بلفظ من أقام نفسہ مقام التھم فلا تلومن من أساء الظن بہ.(الموضوعات الکبریٰ لملا علی القاری: ۴۹. رقم الحدیث: ۱۵۱)

(۳) قال العلامۃ حافظ عماد الدین ابن کثیر: یقول اللّٰہ تعالیٰ آمرًا عبادہ المؤمنین بہ ==

وكذا أنكر الله على من التزم الدخول من ظهور البيوت فعلاً وتركاً.(۱)

وأنكر عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه من التزم الانصراف عن اليمين.(رواه البخاری)(۲)

وقال صاحب البحر: ۱۵۹/۳: ولأن ذكر الله تعالىٰ إذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أو بشيء دون شيء لم يكن شيئاً حيث لم يرد به الشرع؛لأنه خلاف المشروع.(۳)وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۰۲-۲۰۳)

قبل اذان صبح کچھ سورت وکلمہ ودرود پڑھنا کیسا ہے:

سوال: بعض مسجدوں میں یہ دستور ہوگیا ہے کہ مؤذن قبل اذان صبح بآواز بلند چند سورت مخصوصہ وکلمہ اور درود پڑھا کرتا ہے،اس کے بعد اذان دیتا ہے،شرعاً یہ کیسا ہے؟

حامداًو مصلیًا،الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ رواج ودستورشرعاً مامور بہ نہیں ہے،لیکن سلطان صلاح الدین غازی فاتح بیت المقدس کے زمانے تک بنی عباس وخلفا فاطمیین پر''السلام عليك أمير المؤمنين''مؤذنین کہا کرتے تھے۔

جب ان خلفا کا زمانہ ختم ہوگیا اور حکومت مصر پر سلطان صلاح الدین ایوبی جیسا متشرع حاکم ہوا تو سلطان نے ''السلام عليك أمير المؤمنين'' کےلفظ کو بدل کر''السلام على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم'' کہنا جاری کیا اور یہ دستوراذان فجر کےقبل ہررات میں مصروشام وحجاز میں جاری رہا،پھراس لفظ میں سلطان صلاح الدین کےمحتسب کےامر سے''الصلاة والسلام عليك يا رسول الله''بڑھایا گیا۔

== المصدقين برسوله أن يأخذوا بجميع عرىٰ الإسلام و شرائعه والعمل بجميع أو امره وترك جميع زواجره مااستطاعوا من ذلك ...وزعم عكرمة أنها نزلت في نفرممن أسلم من اليهود وغيرهم كعبد الله بن سلام وأسد بن عبيد وثعلبة وطائفة استأذنوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في أن يسبتوا وأن يقوموا بالتوراة ليلاً فأمرهم الله بإقامة شرائع الإسلام والاشتغال بها عماعداها.(تفسيرابن كثير: ۳۲٤/۱،سورة البقرة :۲۰۸)

(۱) قال العلامة شبيرأحمد العثماني: زمانۂ جاہلیت کاایک دستور یہ بھی تھا کہ جب گھر سے حج کا احرام باندھتے پھرکوئی ضرورت گھر میں جانے کی پیش آتی،تو دروازہ سے نہ جاتے چھت پر چڑھ کرگھر کے اندراترتے یا گھر کی پشت کی جانب نقب دیکر گھستے اوراس کو نیکی کی بات سمجھتے اللہ تعالیٰ نے اس کوغلط فرمادیا......اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنالینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے جس سے بہت باتوں کا بدعت اور مذموم ہونا معلوم ہوگیا۔(فوائد تفسیر عثمانی:۱/۳۷،سورہ البقرۃ:۱۸۹)

(۲) عن الأسود قال:قال عبد الله بن مسعود:لا يجعل أحد للشيطان شيئاً من صلاته يرىٰ أن حقاً عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه لقد رأيت البنى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره.(صحيح البخاري،باب الانتقال و الانصراف عن اليمين والشمال: ۱۱۸/۱)

(۳) البحرالرائق،باب العيدين: ۱۵۹/۱۔

یہ واقعہ بدستور آٹھویں صدی ہجری میں جاری ہوا اور اس دستور پر بعض ممالک اسلام حجاز وغیرہ ملکوں میں عمل جاری ہے اور اس پر علماء امت نے انکار نہیں فرمایا اور اس کو بدعت حسنہ (۱) میں شمار کیا ہے، گو بعض مالکیہ نے اس میں اختلاف کیا اور بعضوں نے اس کو منع کیا، لیکن علماء امت نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے۔

”قال في النهر عن القول البديع: والصواب من الأقوال أنها بدعة حسنة وحكى بعض المالكية الخلاف أيضاً في تسبيح المؤذنين في الثلث الأخير من الليل وأن بعضهم منع من ذلك وفيه نظر، انتهى ملخصاً. (ردالمحتار: ۱/ ۴۰۴)(۲)

بہرحال اس دستور پر عمل کرنا زیادہ سے زیادہ مباح ہوگا، کوئی ضروری شرعی مامور بہ نہیں ہے، نہ اس پر عمل ضروری ہے اور نہ اس کا ترک ضروری۔ لہٰذا اس پر التزام کرنا اور نہ کرنے والوں پر جبر کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم (مرغوب الفتاویٰ: ۲/ ۱۲۶-۱۲۷)

بلالی اذان یا بدعتی اذان:

حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ!

(الف) فرشتے نے آسمان سے نازل ہوکر جو اذان سکھلائی۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس اذان کی امت کو تعلیم دی۔

(ج) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مدت العمر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اذان دیتے رہے۔

(د) حضرات خلفاء راشدین، تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانوں میں سات صدیوں تک پورے عالم اسلام میں جو اذان دی جاتی رہی۔

---

(۱) البدعة فعل مالم يعهد في عصر رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي منقسمة إلى: بدعة واجبة وبدعة محرمة وبدعة مندوبة وبدعة مكروهة وبدعة مباحة والطريق في معرفة ذلك أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فإن دخلت في قواعد الإيجاب وفهي واجبة وإن دخلت في قواعد التحريم فهي محرمة وإن دخلت في قواعد المندوب فهي مندوبة وإن دخلت في قواعد المكروه فهي مكروهة وإن دخلت في قواعد المباح فهي مباحة. (قواعد الأحكام في مصالح الأنام، فصل في البدع: ۲/ ۲۰۴)

قال ابن مسعود رضي الله عنه: مارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، والمراد بالمسلمين زبدتهم وعمدتهم، وهم العلماء وبالكتاب والسنة، الأتقياء عن الحرام والشبهة جعلنا الله منهم في الدنيا والآخرة. (مرقاة المفاتيح، باب التنظيف والتبكير: ۳/ ۱۰۳۳) /قول ابن مسعود كذا في كشف الخفاء، حرف الهمزة مع الكاف: ۱/ ۱۹۱. انيس)

(۲) ردالمحتار، مطلب في أذان الجوق: ۲/ ۵۷ ـ

وہ یہی اذان تھی، جو "اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر" سے شروع ہوکر "لا إلٰہ إلا اللّٰہ" پرختم ہوجاتی ہے، نہ اس سے پہلے کوئی ذکر و درود شریف ہے، نہ بعد میں۔

آٹھوی صدی کے آخر میں اذان سے پہلے اضافۂ درود کی بدعت ایجاد کر کے فرقہ بندی کی بنیاد ایک عیش پرست بادشاہ نے رکھی۔۔۔اسپیکروں کی کثرت نے اسے شہرت دی۔۔۔فرقہ واریت کو ہوا دینے والوں نے اس کے ذریعہ امت میں خوب خوب افتراق وانتشار پیدا کیا۔۔۔وحدتِ ملی کا تقاضا ہے کہ آسمانی اسلامی اور بلالی مسنون اذان کے مقابلہ میں بدعتی شاہی اذان کو ترک کر دیا جائے۔۔۔ذکر و درود شریف کے لئے سارا دن ہے، جتنا کوئی پڑھے، کون روکتا ہے، لیکن سنتِ سنیہ کی اصلی صورت کو تبدیل کر دینا اور انوار سنت کو ایسے اضافوں میں چھپا دینا کسی طرح روا نہیں۔۔۔ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس بدعت کو اتنا رواج دیا گیا کہ سنت عیب و جرم بن کر رہ گئی۔۔۔کوئی مسلمان اہل بدعات کی مسجد میں اصل اذان بلالی نہیں دے سکتا، ورنہ اس کی جان کا خطرہ ہے۔۔۔اس سے بڑھ کر جرح وظلم کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان جرم بن جائے۔۔۔بہرحال رابطۂ عالم اسلامی یا حکومت پاکستان نے سنت اذان (۱) کی حمایت میں جو سرکولر جاری کیا ہے، وہ شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ سب اہل اسلام کو بلالی اذان پر عمل کی توفیق دے۔(آمین)

رسم اذان رہ گئی ، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقین غزالی نہ رہی (علامہ اقبال مرحوم)

(خیر الفتاویٰ:۲/۲۲۱-۲۲۲)

اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت:

سوال: ہمارے یہاں کئی سال سے جمعہ کے روز مسجد میں اذان کے بعد صلاۃ پکاری جاتی ہے، پھر سب لوگ سنت نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، بعد میں مؤذن عصا لےکر "ان اللّٰہ" یا "لقد جاء کم" یا اردو میں کچھ نصیحت کر کے وہ عصا امام صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر ہے تو کسی معتبر کتابِ حدیث سے معلوم کریں؟

(۱) عن عبد اللّٰہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللّٰہ عنہ قال: لما أمر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالناقوس یعمل لیضرب بہ للناس لجمع الصلوٰۃ،طاف بی وأنا نائم ،رجل یحمل ناقوسًا فی یدہ،فقلت لہ:یاعبد اللّٰہ أ تبیع الناقوس؟ فقال: ماتصنع بہ؟ فقلت:ندعوبہ إلی الصلوٰۃ،قال: أفلا أدلک علی ما ھو خیرمن ذلک؟فقلت لہ: بلٰی،قال:تقول: اللّٰہ أکبر ،اللّٰہ أکبر ،اللّٰہ،أکبر ،اللّٰہ أکبر ،أشھدأن لاإلہ إلااللّٰہ،أشھدأن لاإلہ إلااللّٰہ.أشھدأن محمدرسول اللّٰہ،أشھدأن محمدارسول اللّٰہ،حی علی الصلاۃ،حی علی الصلاۃ،حی علی الفلاح،حی علی الفلاح،اللّٰہ أکبر،اللّٰہ أکبر،لاإلہ إلااللّٰہ ، ... قال:فلما أصبحت أتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فأخبرتہ بمارأیت،فقال:إنھا لرؤیا حق إن شاء اللّٰہ،فقم مع بلال،فجعلت ألقیھا علیہ ویؤذن بہ،الخ.(سنن أبی داؤد،باب کیف الأذان(ح: ٤٩٩)/سنن ابن ماجۃ،باب بدء الأذان (ح:٧٠٦)/مسند أحمد،حدیث عبداللّٰہ بن زیدبن عبدربہ (ح:١٦٤٧٨)انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا

یہ طریقہ نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں، نہ خلفائے راشدین کے حالات میں، نہ دیگر صحابہ کرام کے واقعات میں، نہ ائمہ مجتہدین کے فقہ میں۔ لہٰذا ایسی چیز اگر چہ صورۃ اچھی معلوم ہوتی ہو، مگر درحقیقت وہ نہ خدا کا حکم ہے اور نہ رسول کا حکم ہے، نہ مسئلہ فقہ ہے، بلکہ وہ دین کے نام پر نئی چیز ہے، جس کو دین سمجھا جا رہا ہے۔ اس لئے اس کا ترک کرنا لازم ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳/۱۰/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۴/۱۰/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۴/۵)

☆☆☆

---

(۱) "عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت:"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم:" من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهورد". (الصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۷۷/۲، قدیمی)

قال الإمام النووی تحته:"وهذا الحدیث قاعدة عظیمة من قواعد الإسلام، وهومن جوامع کلمه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فإنه صریح فی ردکل البدع والمخترعات". (شرح النووی علیٰ مسلم: ۷۷/۲)

وقال فی الاعتصام:"والثانی: أن یطلب ترکه وینهی عنه لکونه مخالفة لظاهر التشریع من جهة ضرب الحدود، و تعیین الکیفیات، والتزام الهیئات المعینة أو الأزمنة المعینة مع الدوام ونحوذلک. وهذا هوالابتداع والبدعة، ویسمی فاعله مبتدعاً". (باب فی تعریف البدع وبیان معناها، الخ: ۲٤، دارالمعرفة، بیروت)

عن جابرفی حجة الإسلام قال: فراح النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی الموقف بعرفة فخطب الناس الخطبة الأولیٰ ثم أذن بلال ثم أخذ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی الخطبة الثانیة ففرغ من الخطبة وبلال من الأذان ثم أقام بلال فصلی الظهر ثم أقام بلال فصلی العصر. (مسند الشافعی ترتیب السندی، الباب السادس فیمایلزم الحاج بعددخول مکة (ح: ۹۱۱) انیس)

اذان کے کلمات

تعداد کلمات اذان:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ!

(۱) اذان یا اقامت جو کہتے ہیں، دو دو بار الفاظ کہتے ہیں، کس حدیث سے ثابت ہے؟

(۲) مقلدین کی مسجد میں کوئی شخص اذان یا اقامت میں الفاظ ایک ایک بار کہے، تو کیا اس پر اکتفا کریں یا دوسری دفعہ اس کا اعادہ کیا جائے؟

الجواب

(۱) سب سے اول جو نمازیوں کو بلانے کے طریقے میں مشہور ہوا، رات کو حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے خواب میں فرشتے کو دیکھا، اس نے اذان و اقامت سکھائی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے خوابوں کو حق قرار دیا، وحی کے مطابق سمجھا، ان میں اذان اور تکبیر ایسے ہی ہے، جیسے حنفی حضرات پڑھتے ہیں، تکبیر اول چار مرتبہ، پھر دو دو، آخر میں کلمہ ایک، یہی قوی ترین دلیل ہے۔

یہ مسئلہ ائمۂ مجتہدین کا اختلافی ہے، مگر صرف اقامت میں، اذان میں کوئی بھی ایک ایک کا قائل نہیں ہے، جن کے نزدیک جو راجح و قوی ہے، وہی سنت ہے۔ اس کے بغیر سنت ادا نہ ہوگی، ترک سنت کے ساتھ نماز ہوگی۔ (۱) سنت

(۱) كذا في المشكوٰة: عبد الله بن زيد بن عبد ربه قال: لما أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به... قال: أفلا أدلك علىٰ ما هو خير من ذلك؟ فقلت له بلىٰ قال: فقال: تقول أللّٰه أكبر إلىٰ آخره وكذا الإقامة فلما أصبحت... الخ. (باب الأذان: ٦٤/١، طبع قديمى، كتب خانة كراچى)

وكذا في البدائع الصنائع، حديث عبد الله بن زيد وفيه التكبير أربع مرات بصوتهن... الخ. (فصل وأما بيان كيفية الأذان: ١٤٧/١، طبع رشيدية، كوئٹة)

والحديث أخرجه البخارى في خلق أفعال العباد، باب أفعال العباد: ٥٤/١، وابن أبى شيبة في تاريخ المدينة، موافقات أخرىٰ عن عروة بن رويم: ٨٦٧/٣، وأبو داؤد في سننه، باب كيف الأذان (ح: ٤٩٩)، وابن الجارود في المنتقىٰ، باب ماجاء في الأذان (ح: ١٥٨)، ابن حبان في صحيحه (ح: ١٦٧٩)، والبيهقى في السنن الصغير، باب السنة في الأذان والإقامة للصلاة (ح: ٢٧٣) والكبرىٰ، باب بدء الأذان (ح: ١٨٣٥) انيس)

طریقہ ہونے کے لئے دوبارہ کہنا چاہئے۔نہ کہا تو نماز میں کوئی خلل نہیں۔(۱)

(۲)　اذان مسنون ادانہ ہوئی؛اس لئے اعادہ کیا جائے۔(۲)البتہ تکرار اقامت مشروع نہیں۔(۳)

(فتاویٰ مفتی محمود:۸۱۹/۱)

کلمات اذان میں کمی بیشی:

سوال:　اذان میں کمی بیشی،مثلاً ایک لفظ کو ایک وقت ادا کرنے کے بجائے مستقلاً تین چار مرتبہ ادا کرنا کیسا ہے؟

(سید اشرف الدین،کنڈا کرتی)

الجواب

اذان کے جو کلمات جتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں،اتنی ہی بار کہنا درست ہے،اس میں اپنی طرف سے ترمیم،کمی یا اضافہ مکروہ ہے،علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

”وأما بيان كيفية الأذان فهوعلى الكيفية المعهودة المتواترة من غيرزياد ة ولا نقصان عند عامة العلماء“.(۳)

”اذان کی کیفیت کا بیان یہ ہے کہ وہ اسی طریقہ پر دی جائے جو تواتر کے ساتھ منقول ہے،جمہور علما کے نزدیک نہ اس میں زیادتی کی جاسکتی ہے اور نہ کمی“۔

---

(۱)　كذا فی آثار السنن:عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال:إنما كان الأذان علٰی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم مرتين مرتين والإقامة مرة مرة غير أنه يقول قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة.رواه أحمد.(باب إفراد الإقامة:٦٤،طبع،دارالحديث،ملتان)

أخرجه الإمام أحمد فی مسنده،من مسند عبداللّٰه بن عمر (ح: ٥٥٦٩)/وأبوداؤد سننه ،باب فی الإقامة (ح: ٥١٠)/والنسائی فی السنن الكبریٰ،كيف الإقامة (ح: ١٦٤٤)/والدولابی فی الكنیٰ والأسماء،أبوالمثنی مسلم عن عبداللّٰه بن عمر (ح: ١٧٢٥)/وابن خزيمة فی صحيحه،باب ذكر الخبر المفسر للفظةالمجملة (ح: ٣٧٤)/وابن حبان فی صحيحه،ذكر وصف الإقامة التی كان يقام بهاالصلاة (ح: ١٦٧٣)/والبغوی فی شرح السنة،باب الأذان والإقامة وأنه مثنیٰ والإقامة فرادا(ح:٤٠٦)انيس)

(۲)　كذا فی الشامية:ويجوزبلا كراهة أذان صبی مراهق...ويكره أذان جنب ...وأذان امرأة وخنثٰی وفاسق...الخ،باب الأذان: ٣٩٢/١،طبع،ايچ،ايم سعيد، كراچی)

(۳)　كذا فی آثار السنن :عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال:إنما كان الأذان...و الإقامة مرة مرة ...الخ.(باب إفراد الإقامة: ٦٤،طبع،دارالحديث،ملتان)

تقدم تخريجه فی حاشية:١.انيس

(۳)　بدائع الصنائع: ٣٦٥/١۔

نیز علامہ ابن نجیم مصری ''شرح مہذب'' سے نقل کرتے ہیں کہ اذان میں ''حیّ علٰی خیر العمل'' کہنا مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور اذان میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ مکروہ ہے۔

''والزيادة فی الأذان مكروهة''.(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۴۴-۱۴۵)

اذان میں اضافہ:

سوال: کیا اذان کے ساتھ پہلے یا بعد میں کچھ کلمات کا اضافہ کرنے سے اذان شریعت کے مطابق ہو جاتی ہے؟

الجواب

شرعی اذان تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہے،(۲) اس میں مزید کلمات کا اضافہ جائز نہیں، اور اضافہ کے بعد وہ شرعی اذان نہیں رہے گی، بلکہ ایک نئے دین کی نئی اذان بن جائے گی۔(۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۲۹۱)

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۴۵۰۔

فرع: يكره أن يقال فی الأذان حی على خير العمل،لأنه لم يثبت عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم و روى البيهقی فيه شيئاًموقوفاًعلى ابن عمر وعلى بن الحسين رضی اللّٰه عنهم ، قال البيهقی:لم تثبت هذه اللفظة عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فنحن نكره الزيادة فی الأذان،واللّٰه أعلم.(المجموع شرح المهذب،باب الأذان:۹۸/۳ .انيس)

(۲) ''عن عبد اللّٰه بن زيد بن عبد ربه رضی اللّٰه عنه قال:'' لما أمرالنبی صلی اللّٰه عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلٰوة،طاف بی وأنا نائم رجل يحمل ناقوسًا فی يده،فقلت له:'' ياعبد اللّٰه أ تبيع الناقوس'' ؟ فقال: ماتصنع به؟ فقلت: '' ندعوبه إلی الصلٰوة''،قال: أفلا أدلک علٰی ما هوخيرمن ذلک؟فقلت له: بلٰی،قال:'' تقول: اللّٰه أكبر،اللّٰه أكبر،اللّٰه،أكبر،اللّٰه أكبر،أشهدأن لاإله إلااللّٰه،أشهدأن لاإله إلااللّٰه.أشهدأن محمدرسول اللّٰه،أشهدأن محمدارسول اللّٰه،حی على الصلاة،حی على الصلاة،حی على الفلاح،حی على الفلاح،اللّٰه أكبر،اللّٰه أكبر،لاإله إلااللّٰه ، ... قال:فلما أصبحت أتيت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فأخبرته بمارأيت،فقال:'' إنها لرؤيا حق إن شاء اللّٰه،فقم مع بلال''،فجلعت ألقيها عليه ويؤذن به،قال:'' سمع ذلک عمربن الخطاب.رضی اللّٰه عنه.وهوفی بيته فخرج يجررداء ه يقول:'' والذی بعثک بالحق يارسول اللّٰه ! لقد رأيت مثل مارأی''،فقال عليه الصلٰوة والسلام:'' فللّٰه الحمد''.(سنن أبی داؤد،باب كيف الأذان(ح: ۴۹۹)/سنن ابن ماجة،باب بدء الأذان (ح:۷۰۶)/مسند أحمد،حديث عبداللّٰه بن زيدبن عبدربه (ح:۱۶۴۷۸)/المنتقی لابن الجارود،باب ماجاء فی الأذان (ح:۱۵۸)/صحيح ابن حبان،ذكرالخبرالمصرح بأن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم (۱۶۷۹)انيس)

(۳) كما فی رواية عائشة رضی اللّٰه عنها قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم:''من أحدث فی أمرنا هٰذا ما ليس منه فهوردٌّ''.(الصحيح لمسلم،كتاب الأقضية،باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور (ح:۱۷۱۸)

قال محمد:الصلاة خيرمن النوم يكون ذلک فی نداء الصبح بعدالفراغ من النداء ولايجب أن يزاد فی النداء مالم يكن منه.(موطأ إمام محمّد،باب الأذان والتثويب (ح:۹۲):۴۶)

شیعہ کی اذان میں اضافہ اوراس کی حیثیت:

سوال: شیعہ اپنی مساجد وغیرہ مقامات پر بوقت اذان بآواز بلند کلمہ " **أشهد أن أمير المؤمنين وإمام المتقين علياً ولى الله ووصى رسول الله ياحجة الله**" ادا کرتے ہیں، کیا اہل سنت وجماعت کوایسے کلمات سننا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

روافض کا اذان میں یہ کلمہ بڑھانا خلاف ہے احادیث صحیحہ کے، جواذان کے بارے میں مروی ہیں۔(۱) لہٰذا بدعت اورممنوع ہے اوراگر اس کے ساتھ لفظ "**خليفة رسول الله بلافصل**" بھی بڑھادیویں، جیسا کہ بعض جگہ ایسا ہوا ہے تو یہ اور بھی زیادہ براہے۔ کیونکہ یہ کذب اور افترا ہے۔ کیونکہ درحقیقت خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اوران کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس ترتیب خلافت اس طریق سے ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا حرام ہے اور بدعت ہے۔(۲)

الغرض اذان میں وہ کلمات بڑھانا جوسوال میں منقول ہیں، اہل سنت وجماعت کے نزدیک جائز نہیں ہے، یہ روافض **خذلهم الله تعالىٰ** کی بدعات ومخترعات میں سے ہے، حنفیہ وشافعیہ وغیرہما اس کی اجازت نہیں دیتے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۰۸-۱۰۹)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: مشكوٰة، باب الأذان، ٦٣، ظفير

(۲) وأفضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، الخ، أبوبكر الصديق، الخ، ثم عمربن الخطاب، الخ، ثم عثمان، الخ، ثم على بن أبى طالب، الخ. (شرح فقه أكبر: ٧٤، ظفير)

عن سويدمولى عمروبن حريث عن عمروبن حريث قال: سمعت على بن أبى طالب يقول: خير الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبوبكر وعمروعثمان (رضى الله عنهم). (شرح مذاهب أهل السنة لابن شاهين، باب من التفضيل بين الصحابة (ح: ١٩٦)/حلية الأولياء وطبقات الأصفياء: ٣٥٨/٨)

عن الهمدانى قال: قلت لعلى بن أبى طالب: ياأباالحسن! من أفضل الناس بعدرسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الذى لايشك فيه والحمدلله أبوبكربن أبى قحافة، قال: قلت: ثم من ياأباالحسن؟ قال: الذى لايشك فيه والحمدلله عمربن الخطاب. (شرح مذاهب أهل السنة لابن شاهين، باب من التفضيل بين الصحابة (ح: ١٩٧)

عن ابن أبى ليلىٰ قال: تداروا فى أمرأبى بكروعمر، فقال رجل من عطارد: عمرأفضل من أبى بكر، فقال الجارود: بل أبوبكر، أبوبكرأفضل منه، قال: فبلغ ذلک عمر، قال: فجعل ضرباً بالدرة حتى شغر برجليه ثم أقبل إلى الجارود فقال: إليک عنى، ثم قال عمر: أبوبكركان خيرالناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فى كذا وكذا، قال: ثم قال عمر: من قال غير هذا أقمنا عليه ما نقيم على المفترى. (فضائل الصحابة للإمام أحمد، باب خيرهذه الأمة بعد نبيها (ح: ٣٩٦) انيس)

(۳) كذا فى البحرالرائق، باب الأذان: ٣٦١/١، بيروت/وفى المجموع شرح المهذب، باب الأذان: ٩٨/٣. انيس

اذان میں روافض کی طرف سے کیا گیا اضافہ ثابت نہیں:

سوال: شیعہ صاحبان اپنی اذان میں بآواز بلندان مقامات میں جہاں مکانات اہل سنت والجماعت کے ملحق بہ مسجد شیعان ہیں مندرجہ ذیل کلمات بھی کہتے ہیں:

''**علی ولی اللّٰہ ووصی رسول اللّٰہ وخلیفتہ بلا فصل**''.

یہ کلمات تبرا میں داخل ہیں یا نہیں، اور پانچوں وقت اذان میں ہم لوگوں کو سننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ الفاظ اگر چہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہیں، مگر حدود تبرا میں داخل نہیں ہیں اور سنیوں کو ان کے سننے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی:۶۱/۳)

اذان میں ''حیّ علی الفلاح'' کی جگہ ''حیّ علیٰ خیر العمل'' کہنا کیسا ہے:

سوال: پنجگانہ نماز کی اذان میں بجائے ''**حی علی الفلاح**'' کے ''**حی علیٰ خیر العمل**'' کہنا درست ہے یا نہیں؟ کوئی حدیث موجود ہے یا نہیں اور متقدمین اور متاخرین کا کیا عمل رہا ہے؟

الجواب

پنجگانہ نماز کی اذان میں بجائے ''**حی علی الفلاح**'' کے ''**حی علیٰ خیر العمل**'' کہنا جائز نہیں ہے۔ تمام احادیث صحیحہ میں ''**حی علی الصلوٰۃ' حی علی الفلاح**'' وارد ہے، **ملک نازل من السماء** کی اذان میں یہی کلمات ہیں ''**حی علیٰ خیر العمل**'' نہیں ہے،(۲) اور فرشتہ ''**نازل من السماء**'' ہی کی اذان اس بارہ میں

(۱) والزیادۃ فی الأذان مکروھۃ، الخ. (البحر الرائق، باب الأذان: ۳۶۱/۱، ط: بیروت، لبنان)

(۲) دیکھئے مشکوٰۃ، باب الأذان: ۶۳-۶۴، نیز حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذان سکھائی ہے، اس میں ''حیّ علی الفلاح'' ہے:

عن أبی محذورۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: ألقی علیّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التأذین ھو بنفسہ فقال: قل: ''اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ، أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الخ، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ، باب الأذان: ۶۳-۶۴، ظفیر)

أخرجہ بھذا اللفظ الإمام أحمد فی مسندہ، فی باب: أبی محذورۃ المؤذن (ح: ۱۵۳۸۰) والإمام الشافعی فی السنن المأثورۃ، باب ماجاء فی الأذان: ۲۹۰/۱، ومسلم فی صحیحہ فی باب صفۃ الأذان (۳۷۹) بلفظ علمہ ھذا الأذان .../انیس)

اصل ہے، اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت وقائم رکھا، اس پر سب صحابہ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے اور ہے، خلاف سنت متوارثہ اور خلاف اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے ''مـن شـذّ شـذّ فی الـنـار'' (۱) حدیث شریف میں وارد ہے۔ تمام ائمہ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے، کسی کا اس میں خلاف نہیں، (۲) بجز روافض کے۔ (**خذلهم الله تعالٰی**) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۱۱۸/۲-۱۱۹)

اذان میں ''حی علٰی خیر العمل'' کا اضافہ اہل تشیع کی بدعت ہے:

سوال: ہمارے گاؤں میں مولانا عبد الستار تونسوی مدظلہ نے تقریر کی اور دوران تقریر کہا کہ شیعوں کی اذان کا قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں، تو اس پر اگلے دن شیعہ نے جواب دیا کہ دیکھو! تمہاری کتاب ''موطأ امام محمدؒ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ بھی اذان میں ''**حـی علٰی خیر العمل**'' کہتے تھے، اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ درست ہے؟ (امیر الدین۔ باقر شاہ، تحصیل: علی پور)

الجواب

شیعۂ مذکور کی بات درست نہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو اذان منقول ہے، اس میں کسی صحیح روایت میں ''**حی علٰی خیر العمل**'' کا اضافہ مذکور نہیں۔

قـال البیہـقی: لم یثبت هذا اللفظ عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیما علم بلالاً و أبا محذورة ونحن نکره الزیادة فیه، آه. (۳)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال اور حضرت ابومحذورہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو جو اذان سکھلائی، اس میں کہیں یہ لفظ ثابت نہیں اور ہم بھی اسے ناپسند سمجھتے ہیں۔

قـال الـنووی فی شرح المهذب: یکره أن یقال فی الأذان ''حی علٰی خیر العمل''؛ لأنه لم یثبت عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم والزیادة فی الأذان مکروهة عندنا. (۴)

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء فی لزوم الجماعة (ح: ۲۱۶۷)/السنة لابن أبی عاصم، باب ماذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم من أمره لزوم الجماعة (ح: ۸۰)/الکنیٰ والأسماء للدولابی، ذکر من کنیته أبوعبدالله (ح: ۱۴۳۱)/ المستدرک للحاکم، ومنهم یحیٰ بن أبی المطاع القرشی (ح: ۳۹۶)/الأسماء والصفات للبیهقی، باب ماجاء فی إثبات الیدین الصفتین (ح: ۷۰۱) انیس

(۲) فی شرح المهذب للشافعیة: یکره أن یقال فی الأذان: حی علٰی خیر العمل؛ لأنه لم یثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم و الزیادة فی الأذان مکروهة، آه، وقد سمعناه الآن عن الزیدیة ببعض البلاد. (البحرالرائق، باب الأذان: ۲۷۵/۱، ظفیر)

(۳) السنن الکبریٰ للبیهقی، باب ماروی فی حی علی خیر العمل: ۶۲۵/۱. فی ضمن رقم الحدیث: ۱۹۹۴، انیس

(۴) المجموع شرح المهذب، باب الأذان: ۹۸/۳. انیس

علامہ نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ اذان میں ”**حی علٰی خیر العمل**“ کا لفظ مکروہ ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اور اذان میں کوئی کلمہ زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

وفی منهاج السنة لأحمد بن عبد الحليم الشهير بابن تيمية: هم - أى الروافض - زادوا فى الأذان شعارًا لم يكن يعرف علٰى عهد النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وهو ”حى علٰى خير العمل“. (۱)

علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں کہ اہل تشیع نے ”**حی علٰی خیر العمل**“ کے کلمہ کو اپنی طرف سے اذان میں اپنا شعار بنالیا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہیں نہیں تھا۔

اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں یہ روایت ثابت بھی ہو جائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کا یہ کلمہ بطور تثویب کہتے تھے، تثویب کا معنی ہے اذان واقامت کے درمیانی وقفہ میں کسی لفظ یا عمل سے جماعت کی دوبارہ اطلاع دینا، اس میں علما کا اختلاف ہے کہ یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ لیکن حضرت ابن عمر اس کلمہ کو اذان کے جزو کے طور پر ہرگز نہ کہتے تھے۔

آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کے مؤذن جنہوں نے براہِ راست آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام سے اذان سیکھی اور آپ کی خدمت اقدس میں ایک عرصہ تک اذان دیتے رہے، ان کی اذان میں کہیں یہ لفظ منقول نہیں، اگر یہ اضافہ ہوتا تو ضرور کہیں نہ کہیں منقول ہوتا۔

ونحن نعلم بالاضطرار أن الأذان الذى كان يؤذنه بلال وابن أم مكتوم. رضى الله عنهما. فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة وأبو محذورة. رضى الله عنه. بمكة وسعد القرظى فى قباء لم يكن فى أذانهم هذا الشعار الرافضى ولو كان فيه لنقله المسلمون ولم يمهلوه كما نقلوا ماهو أيسر منه فلما لم يكن فى الذين نقلوا الأذان من ذكر هذه الزيادة علم أنها بدعة باطلة وهٰؤلاء الأربعة كانوا يؤذنون بأمر النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ومنه تعلموا الأذان و كانوا يؤذنون فى أفضل المساجد مسجد مكة والمدينة ومسجد قباء وأذانهم متواتر عند العامة والخاصة، آه. (۲) (كلها من التعليق الممجد علٰى موطأ محمد: ۸٤)

البحر الرائق میں ہے:

يكره أن يقال فى الأذان: ”حى علٰى خير العمل“؛ لأنه لم يثبت عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم والزيادة فى الأذان مكروهة، آه، وقد سمعناه الأن عن الزيدية ببعض البلاد، آه. (۲۷۵/۱) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۔ ۲۲/۳/۱۴۱۱ھ ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۳۷-۲۳۹)

(۱-۲) منهاج السنة النبوية، الردعلى الرافضى أن عثمان زاد الأذان: ۲۹۳/٦ - ۲۹٤. انیس

شیعوں کی اذان کافی ہے یا نہیں:

سوال: ایک مسجد کو اہل شیعہ نے صرف اپنے لئے بنایا اور بعد میں حنفیہ کو بھی اس مسجد میں نماز جماعت سے پڑھنے کی اجازت دیدی مگر شیعہ نے ایک شرط یہ کی کہ اذان صرف ایک ہوگی اگر تمہاری اذان پہلے ہوگئی تو ہم اپنی اذان نہیں کہیں گے، اگر ہماری اذان پہلے تو پھر تمہاری اذان نہیں ہوگی، اسی اذان سے نماز پڑھنی ہوگی تو شیعہ کی اذان سے حنفیہ اپنی نماز جماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہ؟

الجواب

شیعہ کی اذان (۱) سے سنیت اذان نہ ہوگی۔ لہٰذا دوبارہ کہنا اذان کا موافق اذان اہل سنت و جماعت ضروری ہے اور شیعہ کی اذان کافی نہیں ہے۔ لہٰذا شیعہ کی اس شرط کو تسلیم نہ کیا جائے اور اپنی اذان ہر ایک وقت میں کہی جائے اور اگر شیعہ اس کو نہ مانیں تو ان کی مسجد میں نماز نہ پڑھیں کہ اذان شعار اسلام سے ہے، (۲) ترک کرنا اس کا جائز نہیں ہے اور شیعہ کی اذان چونکہ شریعت میں معتبر نہیں ہے، لہٰذا وہ کالعدم ہے۔ بلکہ ان کی اذان کے بعض کلمات معصیت ہیں، اس سے احتراز لازم ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱۵/۲)

(۱) فی الأذان الشیعة یزیدون حی علی خیر العمل، مرتین بعد حی علی الفلاح ویثنون لاإله إلاالله وحالیاً یزیدون بعد الشهادتین أشهدأن علیاًولی اللّٰه، أشهد ان علیاًأمیر المؤمنین وأولاده المعصومین حجة اللّٰه. (الشیعة هم العدوفاحذرهم، آراء فقهیة شاذة فی دین الشیعة: ۱۰۱/۱. انیس)

(۲) الأذان سنة لأداء المکتوبات بالجماعة، الخ، الأذان خمس عشرة کلمة وآخره عندنا لا إلٰه إلا اللّٰه وهی اللّٰه أکبر اللّٰه أکبر، الخ. (الفتاویٰ الهندیة، ط: مصر، الباب الثانی فی الأذان: ۱/ ۵۰-۵۲)

(قوله کالواجب) بل أطلق بعضهم اسم الواجب علیه لقول محمد: لواجتمع أهل بلدة علیٰ ترکه قاتلتهم علیه ولو ترکه واحد ضربته وحبسته، الخ، والقتال علیه لما أنه من أعلام الدین وفی ترکه استخفاف ظاهربه، الخ. (ردالمحتار، باب الأذان: ۳۵۷/۱، ظفیر)

وفضائل الأذان ترجع إلی أنه من شعائر الإسلام وبه تصیر الدار دار السلام ولهذا کان النبی صلی الله علیه وسلم إن سمع الأذان أمسک وإلا أغار وأنه شعبة من شعب النبوة لأنه حث علی أعظم الأرکان وأم القربات، ولا یرضی اللّٰه ولا یغضب الشیطان مثل مایکون فی الخیر المتعدی واعلاء کلمة الحق، الخ. (حجة اللّٰه البالغة، الأذان: ۳۲٤/۱)

أقول: هذه العبادة من أعظم شعائر الإسلام وأشهر معالم الدین فإنها وقعت المواظبة علیها من شرعها اللّٰه - سبحانه وتعالیٰ - إلی أن مات رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فی لیل ونهار، وحضر وسفر، ولم یسمع بأنه وقع الاخلال بها أوالترخیص فی ترکها. (الدرر البهیة والروضة الندیة والتعلیقات، حکم الأذان: ۲٤٤/۱)

ویحصل من الأذان الاعلام بدخول الوقت والدعاء إلی الجماعة وإظهار شعائر الاسلام. (خلاصة الکلام شرح عمدة الأحکام، باب الأذان: ۵۸/۱. انیس)

اہل تشیع کی اذان کا جواب نہ دیا جائے:

سوال: شیعہ کی اذان کا جواب دیا جائے یا نہ؟

(سائل عبداللہ، میانوالی)

الجواب

نہ دیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس، ملتان۔ ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۲۸)

اذان واقامت کے اختتام پر محمد رسول اللہ کا اضافہ:

سوال: اذان واقامت اور دعا بعد صلوٰۃ جماعت کا اختتام صرف ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھنا چاہئے یا ''محمد رسول اللّٰہ'' بھی کہنا چاہیے؟

(المستفتی نمبر: ٦٦١، حمید الدین احمد، ضلع رنگپور۔ ۲۸/رجب ۱۳۵۴ھ، م ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۵ء)

---

(۱) ۸۷۔ ماحکم مایزیده بعض المبتدعة-الروافض وغيرهم-في الأذان من ألفاظ لم ترد في الشرع كقول بعضهم حي على خير العمل هل هذه الزيادة تبطل الأذان؟

ج: تبطل الأذان لأن الأذان قربة وعبادة لايجوزأن يدخل فيهاأحدزيادة على ماجاء عن النبي صلى الله عليه وسلم بل إن هذه الزيادة تعتبرتغييراًوبدعة محدثة فيبطل بهاالأذان وتبطل بهاهذه العبادةفالذي يزيدفي الأذان هوكالذي يزيد في الصلاة وفي أعمال الحج وماأشبه ذلك.(المفيدفي تقريب أحكام الأذان،القسم الخامس فتاوىٰ في مبطلات الأذان: ٦٤/١)

ولاخلاف في أن الأذان المشروع هوماكان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس لأحد أن يزيد فيه أوينقصمنه.

ولكنني عندماسمعت آذانهم وجدتهم يزيدون بعدالشهادتين:''أشهدأن علياًولي الله،أشهدأن علياً أمير المؤمنين،وأولاده المعصومين حجة الله''،بحثت في كتاب مستمسك العروةالوثقىٰ للمرجع السابق محسن الحكيم،فوجدته يقررأن الشهادة بالولاية ليست جزءاًمن الأذان والإقامة بلاخلاف ولاإشكال.

وينقل عن محكي الفقيه قوله:هذا هوالأذان الصحيح لايزادفيه ولاينقص منه، .والمفوضة لعنهم الله قدوضعوا أخباراً زادوابهافي الأذان:''محمد وآل محمد خيرالبرية''مرتين.وفي بعض رواتهم بعد''أشهدأن محمداًرسول الله''''أشهدأن علياًولي الله''مرتين.

ومنهم من روى بدل ذلك''أشهدأن علياًأميرالمؤمنين حقاً''مرتين،ولاشك في أن علياًولي الله وأميرالمؤمنين حقاً،وأن محمد وآل محمدصلى الله عليهم خيرالبرية لكن ليس ذلك في أصل الأذان.(مع الإثنىٰ عشرية في الأصول والفروع،ثانياًالأذان: ٩٧٦/١ .انيس)

الجواب

اذان اور اقامت کے آخر میں تو بے شک صرف ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' پر اذان و اقامت ختم ہوتی ہے،(۱) اس کے بعد ''محمد رسول اللّٰه'' کا اضافہ نہیں کرنا چاہئے اور بعد جماعت کے بھی ادعیۂ ماثورہ میں ''محمد رسول اللّٰه'' کا اضافہ اپنی طرف سے نہیں کرنا چاہئے، دعائے ماثورہ کے جتنے الفاظ حدیثوں میں ثابت اور منقول ہوں اس کو انہیں الفاظ پر رکھنا چاہئے، اگر اذان اور اقامت کے اخیر میں ''محمد رسول اللّٰه'' کا اضافہ اسی آواز اور لہجے سے کیا جائے جس آواز اور لہجے سے اذان و اقامت کہی ہے تو یہ اضافہ بدعت ہے اور اگر آہستہ سے کوئی اپنے دل میں ''محمد رسول اللّٰه'' بھی کہہ لے تو یہ مباح ہوگا۔ اسی طرح کسی دعائے ماثورہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ مکروہ ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۴۹/۳-۵۰)

---

(۱) جیسا کہ ملک نازل من السماء کی اذان میں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے! سنن أبی داؤد، باب کیف الأذان (ح: ۴۹۹)/ سنن ابن ماجة، باب بدء الأذان (ح: ۷۰۶)/ مسند أحمد، حدیث عبداللّٰه بن زیدبن عبدربه (ح: ۱۶۴۷۸)/ المنتقى لابن الجارود، باب ماجاء فی الأذان (ح: ۱۵۸)/ صحیح ابن حبان، ذکر الخبر المصرح بأن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (۱۶۷۹) انیس)

(۲) والزیادة فی الأذان مکروهة، الخ. (البحر الرائق، باب الأذان: ۲۶۱/۱، ط بیروت)

کلمات اذان میں غلطی

اذان میں تجوید کی غلطی کا حکم:

سوال: ایک شخص اذان دیتے ہوئے بہت غلطیاں کرتا ہے، تلاوت قرآن شریف بھی بہت غلط پڑھتا ہے۔ جابجا لحن جلی کرتا ہے (حی علی الصلاۃ) میں حاء کو ھاء پڑھتا ہے۔ایسا شخص اس منصب کے قابل ہے یا نہیں؟ فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ اس بارے میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب

موذن کا تقرر کرتے وقت اس بات کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے کہ موذن صحیح خواں ہو، اور کسی قسم کا لحن نہ کرتا ہو، پھر اگر وہ ایسی غلطی کرے جو معنی بگاڑ دے تو اذان ہی نہیں ہوتی،(۱) ”حی علی الصلوٰۃ“ کو ”ھَیَّ علی الصلوٰۃ“ پڑھنے سے معنی نہیں بگڑے، البتہ اس غلطی کی اصلاح کے بغیر موذن کا تقرر نہ کرنا چاہئے، لیکن اگر تقرر کرلیا گیا تو اذان ہوجائیگی، فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ بالکل درست ہے۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۹/۱۱/۱۳۸۷ھ۔ (فتویٰ نمبر: ۱۴۰۹/۱۸-الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۹۷)

اذان میں تجوید کی غلطی کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص اذان میں لحن جلی کرتا ہے۔ یعنی ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف ادا کرتا ہے، مثلاً ”حی علی الصلاۃ“ کے بجائے ”ھی علی الصلاۃ“ اور ”

(۱) وأحسن من لخص من كلامهم فى زلة القارى الكمال فى زادالفقيه فقال: إن كان الخطأ فى الإعراب ولم يتغير المعنى ككسر قواماكان فتحها وفتح نعبدمكان ضمها لاتفسد، وإن غير كنصب همزة العلماء وضم هاء الجلالة من قوله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَايَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸) تفسد على قول المتقدمين، واختلف المتأخرون فقال ابن الفضل وابن مقاتل وأبوجعفر والحلوانى وابن سلام واسماعيل الزاهدى لاتفسد، وقول هٰولاء أوسع، وإن كان بوضع حرف مكان حرف ولم يتغير المعنى نحو أياب مكان أواب لاتفسد، وعن سعيد تفسد، وكثيراً مايقع فى قراءة بعض القرويين والأتراك والسودان وياك نعبد بواو مكان همزة والصراط الذين بزيادة الألف واللام وصرحوا فى الصورتين بعدم الفساد وإن غير المعنى وتمامه فيه فليراجع واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم وأستغفر اللّٰه العظيم. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب مايفسد الصلاة: ۱/۳٤٠. انيس)

حی علی الفلاح" کے بجائے "ھی علی الفلاح" کہتا ہے، تلاوت قرآن میں بھی کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اور محلّہ کے چندلوگ اس غلط خواں شخص کو مؤذن بنانا چاہتے ہیں، یعنی اس آدمی کے حق میں اس کے ساتھ مل کر لوگوں سے ہمیشہ جھگڑا فساد کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس غلط خواں آدمی کو مسجد کا مؤذن مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اذان میں اس قسم کی غلطیوں سے جملہ کے معنی میں تغیر وتبدل ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور "فتاویٰ رشیدیہ" ص:۵۶، میں مؤذن کے بارے میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے، وہ صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

مہربانی فرما کر فیصلہ کن جواب دے کر اس محلّہ سے جھگڑا اور فساد کو دور کریں۔

الجواب

غلط خواں آدمی کو مؤذن مقرر نہ کیا جائے، صحیح خواں کو ہی مؤذن مقرر کیا جانا چاہیے۔ لحن اذان میں مکروہ ہے۔

کما قال فی الدر المختار مع شرحه رد المحتار: ۲۸۳۔۲۸۴ (باب الأذان):

(ولا لحن فيه) أي تغني يغير كلماته فإنه لايحل فعله وسماعه كالتغني بالقرآن وبلا تغيير حسن، وقيل: لا بأس به في الحيعلتين. (۱)

"فتاویٰ رشیدیہ" کے ص:۵۶، پر مؤذن کے بارے میں جو مسئلہ لکھا ہوا ہے، وہ درست ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۳۳۔۸۳۴)

اذان واقامت کے کلمات بھی تجوید کے قواعد سے ادا کئے جائیں گے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذن اور اقامت کے کلمات میں تجوید کے اصول وقواعد کے مطابق وقف اور غیر وقف کے احکام جاری ہوتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: رحمٰن الدین تحصیل وڈاکخانہ خاص دیر ضلع دیر...... ۶/۴/۱۹۸۵ء)

(۱) كما في البحر الرائق، باب الأذان: سن للفرائض بلا ترجيع. وفي حاشيته (ولحن) أي ليس فيه لحن أي تلحين، باب الأذان: ۱/۴۴۲۔۴۴۵، طبع رشيدية كوئٹة)

كما في مجمع الأنهر: يكره التلحين والمراد به التطريب ،الخ. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۱۵، طبع غفارية كوئٹة)

ولابأس بالتطريب في الأذان وهو تحسين الصوت من غير أن يتغير فإن تغير بلحنه أو ماأشبه ذلك كره. (المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ۱/۳۵۱)

عن يحيٰ البكاء قال: قال رجل لابن عمر: إني أحبك في الله، فقال ابن عمر: لكني أبغضك في الله، قال: ولم؟ فقال: إنك تنقى في أذانك وتأخذ عليه أجراً. (المعجم الكبير للطبراني، ذكر سنه ووفاته (ح: ۱۳۰۵۹) انيس)

(۲) تالیفات رشیدیہ، کتاب الاذان، اذان واقامت کا بیان: ۱/۲۵۹، طبع ادارۂ اسلامیات لاہور

الجواب

قواعد تجوید اور قواعد عربیہ تمام کلمات میں جاری ہوتے ہیں اور اذان واقامت کے کلمات میں بھی جاری ہوتے ہیں۔یدل علیه ما فی ردالمحتار: ۲۵۸/۱۔۲۵۹۔(۱)وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۱۷۶/۲)

اذان میں تجوید کی رعایت:

سوال: مؤذن جب اذان کہے،تو کلمات اذان کی ادائیگی میں تجوید اور قراءت کے قاعدوں کا امتیاز کرتے ہوئے اذان کہے، یا یوں ہی عربی لہجہ میں صرف اعلام پیش نظر رکھتے ہوئے اذان کہے؟

ھـــو المـصـــوب

اذان کا مقصد اعلام ہے۔

لأن الأصل فی مشروعیة الأذان الإعلام بدخول الوقت.(۲)

اس لئے اس کو مقصود وملحوظ رکھتے ہوئے عربی لہجہ میں تجوید کے ساتھ اذان دے،لیکن کلمات میں حرکت ومد کی زیادتی نہ ہو۔

(قوله یغیر کلماته)أی بزیادة حرکة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل والأواخر.(۳)

جہاں تک زیروبم کے ساتھ موسیقی کے انداز میں اذان دینا ہے،تو وہ شکل جائز نہیں ہے۔

أما الترجیع بمعنی التغنی فلایحل فیه.(۴)

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۳۷۰/۱)

---

(۱) قال العلامة الحصكفی:(ولا لحن فیه)أی تغنی یغیر كلماته فإنه لایحل فعله وسماعه كالتغنی بالقرآن وبلاتغییر حسن.

قال ابن عابدین:(یغیر كلماته)أی بزیادة حركة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل والأواخر. قهستانی.(الدر المختارمع رد المحتار، قبیل مطلب فی أول من بنی المنائرللأذان:۳۸۵/۱)

(قوله:ولحن)قال الشیخ باكیر-رحمه اللّٰه-عندقوله بلاترجیع ولحن :یقال:لحن فی القراء ة طرب وترنم مأخوذ من ألحان الأغانی فلاینقص شیئاًمن حروفه ولایزید فی أثنائه حرفاً،كذا لایزید ولاینقص من كیفیات الحروف والسكنات والمدات وغیرذلک لتحسین الصوت فأمامجردتحسین الصوت بلاتغییر فإنه حسن،آه.(تبیین الحقائق، باب الأذان:۹۰/۱.۶٪ونحوه فی جامع الرموز،كتاب الصلاة،فصل الأذان:۶۹،ط:مظهرالعجائب كلكته.انیس)

(۲) رد المحتار،باب الأذان:۴۷/۲۔

(۳-۴) رد المحتار، باب الأذان،قبیل مطلب فی أول من بنی المنائرللأذان:۵۳/۲۔

قراءت کے ساتھ اذان دینا:

سوال: میں نے لوگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں پڑھا ہے کہ قراءت سے اذان دینا مکروہ ہے، جس طرح کی ندوہ اور اس کے علاوہ اور مقامات پر اذان ہوتی ہے، اگر مکروہ ہے، تو علما حضرات اس طرح کیوں اذان دیتے ہیں؟

هــو المصــوب

اذان بہتر آواز میں اور ٹھہر ٹھہر کر کہنا مستحب ہے، ایسی کھینچ تان جس سے اذان کے کلمات بدلے ہوئے محسوس ہوں، مکروہ ہے، چنانچہ اگر ''الـلّـه أكبر''کو ہمزہ کے مد کے ساتھ ''آلـلّـه أكبر'' پڑھا جائے، تو اس طرح اذان دینا ناجائز ہے۔(۱)

(ولا تـرجيـع)فـإنـه مـكـروه،الخ(ولا لحن فيه)أى تغنى يغير كلماته فإنه لايحل فعله وسماعه كالتغنى بالقرآن وبلا تغيير حسن. (الدر المختار)

(قـولـه وبلا تغيير حسن):أى والتغنى بلا تغيير حسن،فإن تحسين الصوت مطلوب،ولا تلازم بينهما بحروفتح. (رد المحتار: ۵۳/۲،باب الأذان،مطلب فى الكلام علىٰ حديث،الخ)

ولابأس بالتطرب فى الأذان وهوتحسين الصوت من غيرأن يتغنى فإن تغنى بلحن أوحد أوما أشبه ذلک يكره. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۲۹/۱)

تحریر: مسعود حسن حسنی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱/۳۷۰-۳۷۱)

صحیح تلفظ ادا نہ کرسکنے والے کی اذان واقامت وامامت:

سوال: ایک سرکاری ادارے کی مسجد میں امام صاحب تو مقرر ہیں، لیکن مؤذن نہیں ہے۔ لہٰذا اذان واقامت کے فرائض ادارے کے ایک ملازم ضعیف بزرگ انجام دیتے ہیں۔

کچھ حضرات کو اس بات پر اعتراض ہے کہ الفاظ کی ادائیگی ان سے صحیح مخارج کے ساتھ نہیں ہوتی ہے، جو غیر مناسب ہے۔ کیوں کہ لفظ ''قد'' (کد) اور ''فلاح'' (پھلاہ) بالعموم ان کی زبان سے نکلتا ہے، جب ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی، تو انہوں نے کہا کہ وہ کوشش تو پورے طور پر کرتے ہیں، لیکن دانت نہ ہونے کے باعث مخارج کا اہتمام نہیں ہو پاتا، ایسی صورت میں اذان واقامت کا فریضہ وہ انجام دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کسی وجہ سے امام صاحب بروقت نہ آسکیں، تو ان کی اقتدا میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) **وفـى المجتبىٰ:المدفى أول التكبير كفر،وفى آخره خطأ،ولابأس بالتطريب فى الأذان وهوتحسين الصوت من غيرتغيير،وإن غيرولحن وإن مدكره.** (البناية شرح الهداية،مايسن فى الأذان والإقامة: ۹۶/۲. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر کوئی صحیح پڑھنے والا موجود ہو، تو اذان و اقامت اس کو کہنی چاہیے، ورنہ وہ معذور ہیں، جب کہ وہ کوشش کے باوجود صحیح تلفظ نہیں کر پاتے۔ یہی حکم ان کی امامت کا بھی ہے کہ اگر کوئی صحیح پڑھنے والا (باشرع آدمی) موجود ہو، تو امامت کے لیے اس کو آگے کریں، ورنہ ان کی اقتدا میں نماز پڑھ لی جائے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۴/۳)

کیا حضرت بلال اذان میں شین کو سین پڑھتے تھے:

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک صاحب سے سنا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے وقت **أشھد** کی بجائے **أسھد** یعنی شین کی سین پڑھتے تھے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگرچہ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کی جگہ سین پڑھتے تھے، لیکن علماء محققین نے اس کی تردید کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال فصیح اللسان اور تیز وتند آواز والی شخصیت تھے اور جو بات ان کے بارے میں مشہور ہو چکی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔

قال العلامة عبد الحیء اللکھنوی: اشتھر علیٰ ألسنة العوام أن بلالا کان یبدل الشین المعجمة سیناً مھملة ولیس کذلک، قال المزنی علیٰ ما نقله عنه البرھان السفاقشی: أنه قد اشتھر علی الألسنة ولم نره فی شیء من الکتب وقال ابن کثیر: لا أصل له ولا یصح. (السعایة، باب الأذان: ۲/ ۷) (فتاویٰ حقانیہ: ۶۹/۳)

اذان میں لفظ أکبر کو بالمد پڑھنا جائز نہیں:

سوال: زید اذان کہتے وقت "**اللّٰہ أکبر**" کو اس قدر کھینچتا ہے کہ اس کا تلفظ بڑھ کر "**اللّٰہ أکبار**" ہو جاتا ہے، تنبیہ کرنے پر وہ سوال کرتا ہے کہ کس قدر کھینچتا ہے اور کس صورت میں معنی بدل جاتا ہے؟

حامداو مصلیًا ،الجواب ــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

"**اللّٰہ أکبر**" میں شروع اللہ کے "الف" کو آللہ پڑھنا، ایسے ہی اخیر میں "با" پر "الف" یعنی "بار" کہنا جائز نہیں، "الف" صاف بڑھانے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ کوشش کر کے صحت حروف کی مشق کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) **وینبغی أن یکون المؤذّن رجلاً عاقلاً صالحًا تقیاً عالماً بالسُّنّة کذا فی النھایة ... والأحسن أن یکون إماماً فی الصلاة کذا فی معراج الدرایة. (الفتاویٰ الھندیة، باب الأذان: ۱/ ۵۳۔ ۵۴)**

شامی میں ہے:

”قوله(يغير كلماته)أى بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها فى الأوائل والأواخر،انتهى.(۱)

یعنی حرکت یا حروف مد وغیرہ کی زیادتی شروع کلمہ میں اور اخیر کلمہ میں جائز نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم (مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۲۳)

اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو لمبا کر کے پڑھنا:

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض مؤذنین اذان میں لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کر کے پڑھتے ہیں، تو کیا لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کر کے پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان میں لفظ اللہ کے الف کو لمبا کر کے پڑھنے سے ہمزہ استفہام پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے جو کہ تغیر معنی کا سبب ہے اس لئے فقہاء کرام نے لفظ اللہ اور اکبر کے الف کو لمبا کر کے پڑھنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں جگہ الف پر مدّ نہ کیا جائے۔

قال العلامة عبد الحيء اللكهنوى: لايقول المؤذن آللّٰه أكبر بمد الألف فإنه استفهام وإنه لحن شرعى،الخ. (السعاية، باب الأذان:۲/۱۵)(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۶۵،۶۶)☆

---

(۱) رد المحتار، قبيل مطلب فى أول من بنى المنائر للأذان: ۲/۵۳۔

(۲) وفى الهندية: والمد فى أول التكبير كفر وفى الآخر خطأ فاحش. (الفتاوىٰ الهندية،الفصل الثانى فى الأذان: ۱/۵۶)

عن إبراهيم النخعى قال: الأذان جزم والتكبير جزم والتسليم جزم والقرآن جزم. (كنز العمال،فضل الأذان وأحكامه وآدابه (ح:۲۳۲۱۵)

عن مغيرة قال: قلت لإبراهيم: إذا قال المؤذن قدقامت الصلاة أُكَبِّرُ مَكَانِى أوحين يفرغ؟قال: أى شئت قال: وقال إبراهيم: التكبير جزم يقول لايمد. (مصنف عبدالرزاق الصنعانى،باب متى يكبر المؤذن (ح:۲۵۵۳)انيس)

☆ **الفاظ اذان میں حرکت یا حرف کا اضافہ:**

مسئلہ: اذان دیتے وقت کسی لفظ میں حرکت کا اضافہ کرنا جیسے ”اَشْهَدُ“ کو ”اَشَهَدُ“ پڑھنا، یا حرف کا اضافہ کرنا جیسے ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کو ”آللّٰهُ اَكْبَرُ“ پڑھنا، یا مد کا اضافہ کرنا جیسے ”اَشْهَدُ أنْ لَّا إلٰهَ إلَّا اللّٰه“ کو ”اَشْهَدُ أنْ لَآ إلٰه إلَّا اللّٰه“ پڑھنا غلط ہے، لہٰذا ان سب سے بچنا ضروری ہے۔ (الحجة علىٰ ما قلنا: ما فى التنوير وشرحه مع الشامية: (ولا لحن فيه) أى تغنى يغير كلماته.

قال المحقق ابن عابدين فى الشامية: (قوله يغير كلماته)أى بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها فى الأوائل والأواخر. قهستانى. (۲/۴۸، مطلب فى الكلام علىٰ حديث ”الأذان جزم“، ط: ديوبند/البحر الرائق: ۱/۴۴۵-۴۴۶/ الموسوعة الفقهية: ۲/۳۶۴)(اہم مسائل:۶/۵۹)

اللہ اکبر میں واؤ کا اضافہ غلط ہے:

سوال: اذان اور نماز میں اللہ اکبر کہنا چاہیئے یا اللہ ہو اکبر؟

الجواب

اللہ اکبر پڑھنا چاہیئے، اللہُ کی ہاء کے آگے واو نہ بڑھانا چاہیئے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۹۸-۹۹)

اذان واقامت کی تکبیر میں راء پر پیش پڑھنا غلط ہے:

سوال: کیا فرماتے علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لفظ أکبر کی راء کا وصل اسم جلالہ سے درست ہے یا کہ نہیں؟ اگر درست ہے، تو فوراً مفتوح یا مضموم کونسا صحیح ہے؟ اور مفتوحہ کی وجہ بھی بیان ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب　　باسم ملهم الصواب

اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ راء کو ساکن پڑھا جائے، اس صورت میں لفظ ''اللّٰــــہ'' کا ہمزہ ساقط نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ راء کو فتح دے کر اسم اللہ سے ملایا جائے، اور ہمزہ ساقط کیا جائے، راء کو مرفوع پڑھنا غلط ہے، اس لئے کہ حدیث ''الأذان جزم'' کی وجہ سے راء ساکن اصلی کے حکم میں ہے۔ لہٰذا بحالت وصل التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے راء پر فتح پڑھا جائے گا۔ والتفصیل فی الشامیة. (۲) **فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم**

۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۲۹۶-۲۹۷)

''اللّٰہ أکبر'' کی راء پر ضمہ پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ اذان میں تکبیر کو ملا کر پڑھا جائے تو راء کو الف لام میں وصل کرتے ہوئے راء پر ضمہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر صورت جواز کیا ہے؟ مسئلہ مبرہن ہونا چاہیئے۔

الجواب

اذان میں تکبیر کو ملا کر پڑھا جائے، تو اکبر کی راء میں سکون، ضمہ، فتحہ تینوں جائز ہیں، لیکن سکون اولیٰ ہے، اس کے بعد ضمہ کا، پھر فتحہ کا درجہ ہے اور سکون کی اولیت کی وجہ یہ ہے کہ اذان کے کلمات کے آخری حروف میں وقف ماثور و منقول ہے اور ترمذی شریف میں حضرت ابراہیم نخعیؒ سے موقوفاً مروی ہے، ''الأذان جزم''. اور صحیح یہ ہے کہ یہ نخعیؒ کا

(۱) إذا أراد الشروع فی الصلٰوة کبّر لو قادرًا للافتتاح أی قال وجوباً اللّٰه أکبر، الخ. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب صفة الصلٰوة، فصل فی تألیف الصلٰوة: ۱/۴۴۷، ظفیر)

(۲) ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۳۸۵. انیس

قول موقوف ہے، مرفوع نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شامی) (۱) اور عمدۃ القاری میں ابو العباس مبرد سے منقول ہے کہ اذان میں وقف بلا اعراب مسموع ہے، (۲) اور ابن عابدین شامی نے روضۃ العلماء سے نقل کیا ہے کہ بقول ابن انباری عوام الناس اکبر میں راء کو ضمہ دیتے ہیں اور مبرد کہتے تھے کہ اذان اپنے مواقع قطع میں موقوف سنی گئی ہے اور اکبر کی راء میں وصل کی رو سے اسکان ہے، پھر لفظ اللہ کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف منتقل کیا گیا ہے، جیسا کہ "الــــم- الـلّٰه" میں ہے، اور مغنی میں ہے کہ راء کی حرکت فتحہ ہے، گو اس میں اصل بنیت وقف ہی کیا جائے، اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبرد سے جو راء کا فتحہ ماثور ہے، وہ پہلی تکبیر کے بارہ میں ہے، رہی دوسری تکبیر سو اس پر وقف ہے، اور اس سے مبرد کے دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، لیکن روایت سے فتحہ راء کی تائید ہوتی ہے۔ اور ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ یہ تمام بیان (راء کے اسکان اصلی اور فتحہ والا قول) ظاہر سے خارج ہے اور صواب یہ ہے کہ راء کی حرکت ضمہ اعرابیہ ہے، لیکن سماع کی رو سے کلمات اذان موقوف ہیں۔ (۳) ملخصاً (هذا كله مأخوذ من معارف السنن شرح سنن الترمذی: ۱۷۶/۲-۱۷۷) (۴) فقط واللہ اعلم

هو المصوب: اللّٰه أكبر اول کی راء کو ساکن کرے، یا مفتوح اور اللّٰه أكبر ثانی کو ساکن کرے۔

كما في الشامي: وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أو يصلها بالله أكبر الثانية فإن سكنها كفى وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فإن ضمها خالف السنة؛ لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيره كالساكن إصالة فحرك بالفتح، الخ. (رد المحتار: ۲۸٤/۱، عن رسالة السيد عبد الغني) (۵) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ مفتی محمود: ۸۳۲/۱-۸۳۳)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸٦/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی
أخرجه الترمذی، فی باب أن خذف السلام سنة فی ضمن (ح: ۲۹۷) بلفظ: وروى عن إبراهيم النخعي أنه قال: التكبير جزم والسلام جزم. انیس

(۲) وأجاز أبو العباس: اللّٰه أكبر، واحتج بأن الأذان سمع وقفاً لا إعراب فيه. (عمدة القاری، باب بدء الأذان: ۱۰۸/٥)
وأجاز أبو العباس اللّٰه أكبرُ اللّٰه أكبرُ، واحتج بأن الأذان سمع وقفاً لا إعراب فيه، كقولهم: حی على الصلاه، حی على الفلاح ولم يسمع: حی على الصلاةِ، حی على الفلاحِ، فكان الأصل فيه: اللّٰه أكبرْ، اللّٰه أكبرْ بتسكين الراء فألقوا على الراء فتحة الألف من اسم اللّٰه عزوجل، وانفتحت الراء وسقطت الألف، كما قال عزوجل: ﴿الٓمٓ- اللّٰه لا اله الا هو﴾ كان الأصل فيه واللّٰه أعلم: اَلَمْ-اللّٰه لا اله الا هو، بتسكين الميم فألقيت فتحة الألف على الميم وسقطت الألف. (الزاهر فی معانی كلمات الناس، وقولهم أشهد أن لا اله إلا اللّٰه: ۳۳/۱. انیس)

(۳) كما فی ردالمحتار: فائدة: فی روضة العلماء قال: ابن الأنباری، الخ. كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸٦/۱، طبع سعيد، كراچی. (كذا فی دررالحكام شرح غررالحكام، كيفية الأذان: ٥٥/۱. انیس)

(۴) معارف السنن، باب كيفية الأذان: ۱۷٦/۲-۱۷۷، طبع إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی

(۵) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی الكلام علىٰ حديث: "الأذان جزم": ۳۸٦/۱، ط: ايچ ايم سعيد كراچی

اذان میں 'را' کا غلط تلفظ:

سوال: ہم مچھ میں کافی تعداد میں مسلک حنفی (بریلوی) سے تعلق رکھتے ہیں، ہماری جامع مسجد کے امام صاحب پہلے جب اذان دیتے تھے، تو جیسے ہر جگہ، ہر مسجد سے جو اذان سنتے ہیں، ویسی ہی اذان دیتے تھے، لیکن اب تقریباً ایک ماہ سے ہمارے امام صاحب جب اذان دیتے ہیں، تو اذان کے پہلے الفاظ اس طرح پڑھتے ہیں: اللّٰـه أكبر، اللّٰـه أكبر، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، آخر میں ''ر'' اور ''ل'' کو اکٹھا پڑھتے ہیں اور اللہ کا ''الف'' اڑا دیتے ہیں، ایسے پڑھتے ہیں: اللّٰهُ أكبرَ اللّٰهُ أكبر.

الجواب

اذان میں اصل سنت تو یہ ہے کہ پہلے ''اللّٰه أكبر'' میں ''را'' کو ساکن پڑھا جائے، اور دوسرے کو لفظ ''اللّٰه'' کے ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے، اور جائز یہ بھی ہے کہ پہلی تکبیر کی ''را'' پر زبر پڑھی جائے اور اسم ''اللّٰـه'' کے ہمزہ کو حذف کر کے ''را'' کو ''لام'' کے ساتھ ملا دیا جائے، اور یوں پڑھا جائے: اللّٰهُ اَكبرَ اللّٰهُ أكبر''. (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۳/۳)

اذان میں 'را' کا صحیح تلفظ:

سوال: ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' صفحہ: ۱۶۲ میں لکھا ہے کہ ''اذان کے تلفظ میں ''را'' کو وصل کی صورت میں پڑھنا خلاف سنت ہے''۔ جناب کی خدمت میں عرض ہے کہ ''اللّٰه أكبر'' کی ''را'' پر کیا شرعی طور پر فتحہ پڑھنا سنت ہے؟ جس کی وجہ سے ضمہ پڑھنا خلاف سنت ہوگا۔ باقی ''را'' پر وقف کی صورت میں اگر نیت ایک دفعہ کیا، لاکھ دفعہ بھی کریں، تو وقف کی صورت میں ''را'' ساکن ہی پڑھی جائے گی، ورنہ وقف نہ ہوگا، لہٰذا علامہ شامیؒ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اس کی وضاحت فرمادیں، گرامر کے لحاظ سے تو ''اللّٰـه'' (مبتدا) أكبر (خبر) ہے، مبتدا اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں، یعنی ہر ایک کے آخر میں ضمہ ہی ہوتا ہے، وقف کی صورت میں ''را'' پر فتحہ کیسے ہوا؟ یہ فتحہ کیسے ہوا، جبکہ اصل حرکت ضمہ موجود ہے، اگر ضمہ نہ ہوتا تو پھر فتحہ کا سوچا جا سکتا تھا۔ گرامر کی کتابوں کے مطالعے کے حوالے سے کسرہ (زیر) بھی ''را''، پر ہوسکتا ہے، عربی زبان کا قانون ہے کہ ''جب دو ساکن اکٹھے آجائیں (دونوں میں سے کوئی حرف علت نہ ہو) تو پہلے ساکن کو کسرہ دے کر پڑھتے ہیں: (قَدِيْرُنِ الَّذِی) وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

(۱) وحاصلها أن السنّة أن يسكن الراء من اللّٰه أكبر الأوّل أويصلها باللّٰه أكبر الثانية فإن سكنها كفىٰ وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فإن ضمّها خالف السنّة. (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب فى الكلام علىٰ حديث ''الأذان جزم'': ۳۸٦/۱)

الجواب

علامہ شامی کے حوالے سے جو کچھ میں نے لکھا ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ اذان کے ہر کلمے پر وقف مسنون ہے۔ لہٰذا ''را'' پر ضمہ نہیں پڑھا جائے گا، اب دو صورتیں ہیں، یا تو ''را'' پر سکون ہو۔۲- یا اگر ملا کر پڑھنا ہو تو ''را'' پر فتحہ پڑھا جائے۔ یہ وصل بہ نیت فصل ہوگا اور فتحہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے، اس لیے ''**الساکن إذا حرّک حرّک بالکسر**'' کے قاعدے سے کسرہ نہیں پڑھا جائے گا، (۱) کسی عالم سے اس کو زبانی سمجھ لیا جائے۔ **واللہ اعلم** (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۲۹۴)

''اللّٰه أکبر'' میں راء کی حرکت:

سوال: اذان واقامت وتکبیرات میں لفظ ''اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر'' کی راء اول کو وصل کی حالت میں مفتوح پڑھنا چاہئے یا مضموم؟ ردالمحتار میں فتح کو سنت لکھا ہے۔

الجواب

''اللّٰه أکبر'' اول کی راء کو ساکن کرے یا مفتوح اور ''اللّٰه أکبر'' ثانی کو ساکن کرے، وقفاً۔

کما فی الشامی: وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من ''اللّٰه أکبر'' الأول أو یصلها باللّٰه أکبر الثانی فإن سکنها کفٰی وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة، فإن ضمّها خالف السنة لأن طلب الوقف علی أکبر الأول صیره کالساکن إصالةً فحرک بالفتح. (رد المحتار عن رسالة السید عبد الغنی) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۱۵-۱۱۶)

''اللّٰه أکبر'' کے ''را'' کا تلفظ:

سوال: اذان کے شروع میں ''اللّٰه أکبر'' اور ''اللّٰه أکبر'' دونوں ایک ساتھ ملا کر پڑھے جائیں، تو کیا ''را'' کے اوپر جو پیش ہوتی ہے، وہ ''ل'' کے ساتھ ملا کر پڑھی جا سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے ''اللّٰه أکبر'' کی ''راء'' کو ساکن پڑھا جائے اور اگر ملا کر پڑھنا ہو، تو ''را'' پر وقف کی نیت سے فتحہ پڑھا جائے، ضمہ کے ساتھ ملا کر پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/۲۹۴-۲۹۵)

(۱-۲-۳) **وحاصلها أن السنّة أن یسکن الراء من اللّٰه أکبر الأوّل أو یصلها باللّٰه أکبر الثانیة، فإن سکنها کفٰی وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة. (ردالمحتار، مطلب فی الکلام علیٰ حدیث ''الأذان جزم'': ۱/ ۳۸٦)**

اذان اور اقامت میں جزم اور ہر کلمہ پر وقف کا مسنون ہونا:

سوال: اذان واقامت میں ''حی علی الصلاة'' و''حی علی الصلاة'' اگر پہلے میں وصل کر کے ''حی علی الصلاة'' یعنی تاء کو ظاہر کیا اور ثانی ''حی علی الصلاة'' پر وقف کیا، تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب

اذان واقامت میں جزم مسنون ہے، پس ''حی علی الصلاة'' و''حی علی الفلاح'' کی تاء وحاء کو حرکت نہ دینا چاہئے، بلکہ ہر کلمۂ اذان پر وقف اور اقامت میں نیت وقف کرنا چاہئے۔

كما في مراقي الفلاح: ويسكن كلمات الأذان والإقامة في الأذان حقيقة وينوي الوقف في الإقامة لأنه لم يقف حقيقة لأن المطلوب فيه الحدر. (طحطاوی)

لقوله عليه السلام: الأذان جزم والإقامة جزم والتكبير جزم أي لافتتاح الصلوٰة، آه. (باب الأذان، ص: ۱۱۱) (امداد الاحکام: ۳۱/۲)

تکبیر کے ہر کلمہ کے آخر میں جزم پڑھی جائے:

سوال: تکبیر میں وصل ہے یا فصل؟ یعنی کلمۂ '' أشهد أن لا إله إلا الله'' کے آخری حرف پر ضمہ پڑھیں گے یا نہیں؟ جبکہ بغیر سانس توڑے دوسرا کلمہ ساتھ ملایا جائے؟

الجواب

دوسرا کلمہ '' أشهد أن لا إله إلا الله'' بغیر سانس توڑے پڑھا جائے، تو بھی پہلے کے آخر میں کوئی حرکت نہ پڑھی جائے۔ بلکہ تکبیر واذان کے تمام کلمات کے آخر میں اعراب نہ پڑھا جائے۔

روى ذلك عن النخعي موقوفاً عليه، ومرفوعاً إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: ''الأذان جزم والإقامة جزم والتكبير جزم'' آه. (۱) **فقط والله أعلم**

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ/الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۰۸/۲-۲۰۹)

---

(۱) رد المحتار، مطلب في الكلام علىٰ حديث ''الأذان جزم'': ۲۵۸/۱.

عن إبراهيم النخعي قال: كانوا يجزمون التكبير. (الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، حرف التاء (ح: ۱۷٤)/ كنز العمال، فضل الأذان وأحكامه وآدابه (ح: ۲۳۲۱٦)/المقاصد الحسنة، حرف التاء المثناة: ۲٦۳/۱. انيس)

وقول النبي صلى الله عليه وسلم: التكبير جزم أي مقطوع المد، وقيل: أي مقطوع حركة الآخر للوقف، وكذا قول النبي صلى الله عليه وسلم: الأذان جزم، فإن الصواب أن يقول: الله أكبرُ، بتسكين الراء ولا يقف على الرفع، وكذا في سائر كلماته الأواخر. (طلبة الطلبة في الاصطلاحات الفقهية، كتاب الطهارة: ٥/١- انيس)

کلماتِ اذان میں فصل وصل:

سوال: ہمارے یہاں اذان سننے کے بارے میں سخت اختلاف ہو چکا ہے، یعنی ایک شخص نے اذان کہتے وقت "اللّٰہ أکبر" کے کلمہ کو ایک سانس میں دو مرتبہ نہ کہا بلکہ ہر کلمہ کو چار مرتبہ علیحدہ علیحدہ کہہ دیا تو اس پر بعضوں نے کہا کہ اس کی اذان درست ہے، بعض نے کہا درست نہیں ہے، اس پر سخت جھگڑا ہو گیا، حقیقتاً یہ اذان درست ہوئی کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

شروع اذان میں جب مؤذن چار مرتبہ "اللّٰہ أکبر" کہتا ہے، تو اس کو چار آواز سے علیحدہ علیحدہ نہیں کہنا چاہئے، بلکہ دو آواز سے کہنا چاہئے یعنی ایک آواز میں دو مرتبہ "اللّٰہ أکبر" کہے۔ **ھکذا فی الطحطاوی.** (۱)

تاہم اگر سانس کم ہو اور ایک سانس میں دو مرتبہ نہ کہہ سکے تو اسی طرح کہے کہ جس سے دو مرتبہ "اللّٰہ أکبر" میں اتنا فصل نہ ہو جتنا چار مرتبہ میں ہوتا ہے، اس طرح اذان درست ہو جائے گی اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ کوئی بڑے سانس والا اذان کہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۲/۲/ ۱۳۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۳/ صفر ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۷/۵)

سوال مثل بالا:

سوال: شروع اذان میں "اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر" چار مرتبہ ہے، ان کو بغیر سکتہ کے ایک آواز میں دو بار پڑھے یا سکتہ کے ساتھ ایک آواز میں ایک بار، علی ھذا القیاس شھادتین وغیرہ، پوری ترکیب مع اقوال فقہا تحریر فرماویں؟ والسلام

(شریف احمد)

---

(۱) "یتمھل یترسل فی الأذان بالفصل بسکتة بین کل کلمتین ،ویسرع:أی یحدرفی الإقامة للأمربھما فی السنة ".(مراقی الفلاح)وقال الطحطاوی رحمه اللّٰه تعالٰی:"(قوله:بین کل کلمتین):أی جملتین إلا فی التکبیرالأول،فإن السکتة تکون بعد تکبیرتین".(حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،باب الأذان:۱۹٦،قدیمی)

(۲) "قوله:(ویترسل فیه ویحدرفیھا)أی یتمھل فی الأذان ویسرع فی الإقامة،وحده أن یفصل بین کلمتی الأذان بسکتة بخلاف الإقامة للتوارث،ولحدیث الترمذی أنه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال لبلال:"إذا أذنت فترسل فی أذانک،وإذا أقمت فاحدر"،فکان سنة فیکره ترکه".(البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب الأذان:۴۴۷/۱،رشیدیة)

أخرجه الترمذی فی باب ماجاء فی الترسل فی الأذان (ح:۱۹۵)/عبدبن حمید فی مسنده،من مسندجابربن عبداللّٰه (ح:۱۰۰٦)/والطبرانی فی الأوسط،من اسمه أحمد (ح:۱۹۵۲)/والحاکم فی المستدرک موقوفاً علی عمربن الخطاب قوله،باب فی فضل الصلوات الخمس (ح:۷۳۲)انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ایک سانس میں دومرتبہ لفظ ''اللّٰــه أكبر'' کواس طرح پڑھنا چاہیے کہ ''اکبر'' کی ''راء'' ساکن ہواوربغیر سکتہ کے دوبار پڑھا جائے، دومرتبہ پڑھ کر سکتہ کرکے پھر دوسری سانس میں اسی طرح دوبار پڑھنا چاہئے۔کلمہ شہادتین ایک سانس میں ایک مرتبہ پڑھ کر سکتہ کرکے دوسری سانس میں دوسری مرتبہ پڑھا جائے،غرض جس طرح لفظ''الله أكبر'' دومرتبہ ایک سانس میں پڑھ کر سکتہ کیا جاتا ہے،اسی طرح کلمہ شہادت ایک سانس میں ایک مرتبہ کہہ کر کرنا چاہئے۔یہی حکم تحلیل کا ہے۔

(ويترسل فيه ويحدرفيها):أى يتمهل فى الأذان ويسرع فى الإقامة،وحده أن يفصل بين كلمتى الأذان بسكتة بخلاف الإقامة ... ويسكن كلمات الأذان والإقامة''. (البحرالرائق: ۲۵۷/۱)(۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ۔
صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔ ۷رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۱۸/۵۔۴۱۹)

---

(۱) **البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۴۴۷/۱-۴۴۸۔**

(ويترسل)أى يسن له أن يترسل ،أى يتمهل فيه وهوأن يفصل بين كل كلمتين من كلماته كذا فى الفتح وغيره،زادفى العناية تبعاًللمطرزى مطولاًغيرمطرب من ترسل فى قراء ته إذا تمهل فيهاوتوقروجعله فى عقدالفرائد الإطالة فقط وقيل:هوأن يقف بين الكلمتين.وكذايحدربالمهملة من حدنصرأى يسرع فيها،أى فى الإقامة،حتى لوترسل فيها،قيل:يكره،وقيل:لا،والحق هوالأول كذا فى الفتح لأن المتوارث فيها،الخ.(النهرالفائق شرح كنزالدقائق،باب الأذان: ۱۷۳/۱)

ومقدار السكتة عنده قدر ما يتمكن من قراء ة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة وروى عنه قدر ما يخطوا ثلاث خطوات و عندهما يجلس مقدار الجلسة بين الخطبتين وذكرالحلوانى أن الاختلاف فى الأفضلية.(تبيين الحقائق ، التأذين للفائتة: ۹۲/۱) /كذا فى المحيط البرهانى فى الفه النعمانى،الفصل السادس عشر فى التغنى والألحان: ۳۴۶/۱)/والاختيارلتعليل المختار،باب الأذان والإقامة: ۴۴/۱)

عن جابرأن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال لبلال:يا بلال! إذا أذنت فترسل فى ذلك وإذا أقمت فاحدر. (سنن الترمذى،باب ماجاء فى الترسل فى الأذان(ح: ۱۹۵)/المنتخب من مسندعبدبن حميد،من مسندجابربن عبدالله (ح:۱۰۰۸)/المستدرك على الصحيحين،باب فى فضل الصلوات الخمس (ح:۷۳۲)

وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من''الله أكبر''الأول أويصلها بـ''الله أكبر''الثانية،فإن سكنهاكفى وإن وصلهانوى السكون فحرك الراء بالفتحة فإن ضمهاخالف السنة لأن طلب الوقف على''أكبر''صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح.(ردالمحتار،باب الأذان: ۳۸۶/۱.انيس)

اذان میں کلمات تکبیر دو دو کلمات ملا کر کہے جائیں گے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے سارے کلمات الگ الگ سانس کے ساتھ کہنا ضروری ہے یا "اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر"، دو دو کلمات کو ایک سانس میں کہنے کے لئے کوئی استثنا موجود ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عبدالحق ابو ہاسوات......۹/۴/۱۹۸۹ء)

الجواب

ہردو" اللّٰہ أکبر" کے بعد سانس لی جائے گی۔(۱) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۱-۲۱۲)

کلمات اذان میں وقفہ کی مقدار:

سوال: جناب مفتی صاحب! مؤذن اذان دیتے وقت کلمات اذان میں کتنی دیر وقفہ کرے؟ یا بلا وقفہ کے مسلسل اذان دیتا رہے؟ شریعت مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

یہ اذان کے آداب میں سے ہے کہ مؤذن کلمات اذان کے درمیان اتنی دیر وقفہ کرے کہ جواب دینے والا پڑھے گئے کلمات کا جواب آسانی سے دے سکے۔

قال العلامة عبد الحیء اللکھنوی: ویترسل فیه أی فی الأذان بأن یفصل بین کل الکلمتین و لایجمع بینهما فإنه سنة. (السعایة: ۲/ ۱۳، باب الأذان)(۲)(فتاویٰ حقانیہ: ۳/۶۴)

(۱) قال العلامة ابن نجیم (قوله: ویترسل فیه ویحدرفیها) أی یتمهل فی الأذان ویسرع فی الإقامة وحده أن یفصل بین کلمتی الأذان بسکتة بخلاف الإقامة للتوارث، الخ. وفی الظهیریة: ولوجعل الأذان إقامة یعید ولوجعل الإقامة أذاناً لایعید؛ لأن تکرار الأذان مشروع دون الإقامة. (البحر الرائق، باب الأذان: ۱/ ۲۵۷)

(ویتمهل) یترسل (فی الأذان) بسکتة بین کل کلمتین (ویسرع) أی یحدر (فی الإقامة) للأمر بهما فی السنة. (مراقی الفلاح، باب الأذان: ۷۸. انیس)

(۲) سنن الترمذی، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان (ح: ۱۹۵) انیس

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: (یتمهل) یترسل فی الأذان بالفصل بسکتة بین الکلمتین.

قال الشیخ السید أحمد الطحطاوی: (قوله بین کلمتین) أی جملتین إلا فی التکبیر الأول فإن السکتة تکون بعد تکبیرتین. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۵۸، باب الأذان)

ولأن الأذان لإعلام الغائبین بدخول الوقت والإعلام بالترسل أبلغ، أما الإقامة فلإعلام الحاضرین بالشروع فی الصلاة ویتحقق المقصود بالحدر. (الفقه الإسلامی وأدلته للزحیلی، سنن الأذان: ۱/ ۷۰۶-انیس)

اذان کے فقرے میں سانس لینا:

سوال: اذان کہنے میں اگر کسی فقرے پر سانس لے لی جائے، تو غلط تو نہیں؟

الجواب

اگر وقفہ زیادہ نہ ہو، تو اذان صحیح ہے۔ لیکن اذان کے فقروں کو اتنا کھینچنا کہ درمیان میں سانس لینے کی ضرورت پیش آئے، صحیح نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۹۸/۳)

اذان واقامت میں فرق کیا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان اور اقامت میں سوائے کلمات "قد قامت الصلاۃ" کے، کوئی اور فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد ازرم، تبوک، سعودی عرب......۷/۷/۱۴۰۱ھ)

(۱) وجعل أصبعيه فی أذنيه سنّة الأذان ليرفع صوت بخلاف الإقامة. (الفتاویٰ الهندية: ١/٥٦، كذا فی فتح القدير: ١/٢١٣، والبحرالرائق: ١/٢٦٠)

"ويكره للمؤذن أن يرفع صوته فوق الطاقة، كذا فی المضمرات. (الفتاویٰ الهندية: ١/٥٦)

عن عكرمة بن خالد، قال: قدم عمر مكة فأذن له أبو محذورة، فقال له: أما خشيت أن ينخرق مريطاؤک، قال: ياأمير المؤمنين! قدمت فأحببت أن أسمعكم أذانی، فقال له عمر: إن أرضكم معشرأهل تهامة حارة فأبرد ثم أبردمرتين أوثلاثاًثم أذن ثم ثوب آتک. (مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب وقت الظهر (ح: ٢٠٦٠)/خلق أفعال العباد للبخاری، ذكرصلاة مؤذنی المسجد الحرام يوم الجمعة (ح: ١٣١٧) انيس)

قلت: أ فتحب للمؤذن يرفع صوته بالأذان والإقامة؟ قال: نعم، يسمع ولايجهد نفسه. (الأصل المعروف بالمبسوط، باب من نسی صلاة ذكرهامن الغد: ١/١٣٧)

قال القرطبی: وحكم المؤذن أن يترسل فی أذانه ولايطرب به كمايفعله اليوم كثيرمن الجهال، بل وقدأخرجه كثيرمن الطغام والعوام عن حد الإطراب فيرجعون فيه الترجيعات، ويكثرون فيهاالتقطيعات حتى لايفهم مايقول، ولابمابه يصول. (أحكام القرآن للقرطبی، سورة المائدة: ٦/٢٣٠. انيس)

عن ابن عباس قال: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم مؤذن يطرب، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الأذان سهل سمح فإن كان أذانک سمحاً سهلاً وإلا فلا تؤذن. (الترغيب فی فضائل الأعمال وثواب ذلک لابن شاهين، باب فضل الأذان (ح: ٥٦٤)/سنن الدارقطنی، باب تخفيف القراء ة لحاجة (ح: ١٨٧٧)/الضعفاء والمجروحين لابن حبان: ١/١٣٧)

عن عمربن سعيدبن أبی حسين المكی أن مؤذناًأذن فطرّب فی أذانه فقال له عمربن عبدالعزيز: أذن أذاناً سمحاًوإلا فاعتزلنا. (مصنف ابن أبی شيبة، التطريب فی الأذان (ح: ٢٣٧٥)

الجواب

راجح یہ ہے کہ اذان پندرہ کلمات ہوں اور بلند آواز سے ہو، عجلت سے نہ ہو، بخلاف اقامت کے کہ اس میں راجح سترہ کلمات ہیں اور پست آواز اور عجلت سے ہو۔(۱) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۰۴)

☆☆☆

---

(۱) عن عبدالله بن زيد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد هم بالبوق وأمربالناقوس فنحت فأرى عبد الله بن زيد فى المنام، قال: رأيت رجلاً عليه ثوبان أخضران يحمل ناقوساً فقلت له يا عبد الله أتبيع الناقوس؟ فقال ماتصنع به؟فقلت أنادى به إلى الصلوٰة،قال:أفلا أدلك علىٰ خيرمن ذلك؟قلت ماهو؟ قال:تقول:"الله أكبر،الله أكبر،الله أكبر،الله أكبر،أشهد أن لاإلٰه إلا الله،أشهد أن لا إلٰه إلا الله،أشهد أن محمدًا رسول الله،أشهد أن محمدًا رسول الله،حى على الصلوٰة،حى على الصلوٰة،حى على الفلاح،حى على الفلاح،الله، أكبر،الله أكبر،لا إلٰه إلا الله". قال:فخرج عبد الله بن زيدحتى أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبره بما رأى،قال:يارسول الله!رأيت رجلاً عليه ثوبان أخضران يحمل ناقوسًا...فقص عليه الخبر،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"إن صاحبكم قدرأى رؤيًا،فاخرج مع بلال إلى المسجد فألقها عليه،وليناد بلال فإنه أندىٰ صوتاً منك". قال:فخرجت مع بلال إلى المسجد فجلعت ألقيها عليه و هوينادى به،الخ.(سنن ابن ماجة،كتاب الصلوٰة (ح: ٧٠٦)/سنن أبى داؤد، باب كيف الأذان (ح:٤٩٩)/مسند الامام أحمد (ح:١٦٥٢٤)/صحيح لابن خزيمة (ح:٣٧٠)

عن معاذ بن جبل قال:...فجاء عبدالله بن زيد إلى رجل من الأنصار،وقال فيه:فاستقبل القبلة قال:الله أكبر،الله أكبر، أشهد أن لاإلٰه إلا الله،أشهد أن محمدًا رسول الله،حى على الصلوٰة مرتين،حى على الفلاح مرتين، الله أكبر،الله أكبر،لا إلٰه إلا الله.ثم أمهل هنيئاًثم قام فقال مثلها،إلاأنه قال:زاد بعد ماقال حى على الفلاح:قدقامت الصلاة ،قدقامت الصلاة،قال:فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:لقنهابلالاً،فأذن بهابلال.(سنن أبى داؤد،باب كيف الأذان (ح:٥٠٧)

عن عبدالرحمن بن أبى ليلىٰ عن عبدالله بن زيد قال:كان أذان رسول الله صلى الله عليه وسلم شفعاًشفعاًفى الأذان والإقامة.(سنن الترمذى،باب ماجاء أن الإقامة مثنىٰ مثنىٰ (ح:١٩٤)انيس)

الأذان خمس عشرة كلمة وآخره عندنا لا إلٰه إلا الله،كذا فى فتاوىٰ قاضى خان ... والإقامة سبع عشرة كلمة خمس عشرة منها كلمات الأذان وكلمتان قوله:قدقامت الصلاة مرتين،كذا فى فتاوىٰ قاضى خان، و يترسل فى الأذان ويحدرفى الإقامة وهذا بيان الاستحباب كذا فى الهداية.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الثانى فى كلمات الأذان والإقامة: ١/٥٥_٥٦)

قوله:يسن التمهل فيه والإسراع فيها،المرادبالتمهل الترسل،قال فى الينابيع:الترسل أن يقول:الله أكبر،الله أكبر ويقف ثم يقول مرة أخرىٰ مثله،وكذلك يقف بين كل كلمتين إلى آخرالأذان،والمراد بالإسراع الحدروالوصل ولوترسل فى الإقامة وحدرفى الأذان أوترسل فيهما أوحدرفيهما لابأس به،كذافى التتارخانية،المراد من قوله:لابأس به كراهة التنزيه.(غمزعيون البصائر،مماافترق فيه الأذان والإقامة:٤/٨٤_انيس)

کلمات اذان واقامت کی ادائیگی

استفتا متعلق ادائیگی کلمات اذان واقامت:

سوال: اذان اور اقامت میں اگر اللّٰــه أكبر کی راء کو اللہ سے ملادیا جائے اور اسی طرح اور کلمات کو ساکن نہ کرتے ہوئے اُن کے اعراب کو ظاہر کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، میرے ناقص خیال سے جائز ہونا چاہئے؟

الجواب

اذان اور اقامت کے کلمات میں سکون ووقف مطلوب ہے، حرکت کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔

وفی الإمداد: ویجزم الراء فی التکبیر أی یسکھنا فی التکبیر، قال الزیلعی: یعنی علی الوقف، لکن فی الأذان حقیقة، وفی الإقامة ینوی الوقف، آه أی للحدر. (رد المحتار، مطلب فی الکلام علیٰ حدیث "الأذان جزم": ۱/ ۴۰۰) **واللّٰه أعلم**

۲۷/شعبان ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۵)

کلمات اذان واقامت کی ادائیگی کا صحیح طریقہ:

سوال: **الحمد للّٰه علیٰ آلائه والصلاة والسلام علیٰ نبیه وأصفیائه.**

اذان کی کیفیت ادا: شروع کی چار اور اخیر کی دو تکبیروں کے علاوہ باقی نو جملوں (**شهادتین أولیین، شهادتین أخریین، حیعلتین أولیین، حیعلتین أخریین، تهلیل**) کے آخری حرف پر آواز اور سانس کے انقطاع کے ذریعہ حقیقی واصطلاحی وقف کرنا مسنون ومستحب ہے۔ کیونکہ اذان کے کلمات میں ترسل وتمہل اور انفصال وتوقف اور قطع وسکتہ مستحسن ہے، چنانچہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:

"أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال لبلال: "إذا أذنت فترسل وإذا أقمت فاحدر". (۱)

(یعنی نبی علیہ السلام نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "جب تم اذان کہو، تو ٹھہر کر کہو اور جب اقامت کہو تو سرعت وتیزی سے کہو")

---

(۱) **أخرجه الترمذی فی باب ماجاء فی الترسل فی الأذان (ح: ۱۹۵)/عبد بن حمید فی مسنده، من مسند جابر بن عبدالله (ح: ۱۰۰۶)/والطبرانی فی الأوسط، من اسمه أحمد (ح: ۱۹۵۲)/والحاکم فی المستدرک موقوفاً علی عمر بن الخطاب قوله، باب فی فضل الصلوات الخمس (ح: ۷۳۲) انیس)**

نیز حدیث ''الأذان والإقامة فرادیٰ فرادیٰ'' (اذان دودودفعہ اور اقامت ایک ایک بار ہے) اور ''الأذان شفع شفع والإقامة وتر وتر'' (تحدیث بالمعنی۔یعنی اذان جفت جفت اور اقامت طاق ہے) کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اذان کے دو جملے الگ سانسوں میں اور اقامت کے دو حرف ایک ہی سانس میں تلاوت کئے جائیں گے، نیز ترجیع شہادتین والی حدیث بھی اسی پر محمول ہے۔کیونکہ زوج، شفعہ، ترجیع یہ تین اور اسی طرح وتر، فرد، طاق یہ تین مرادف ہیں۔(۱)

اور ترسل کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس سے مقصود اعلام واطلاع، احضار مصلین، اعلان وقت افطار وختم سحر ہے، پس اس میں ترسل وترتیل بلیغ تر اور مناسب تر ہے، ویسے حدر واسراع بھی بلا کراہت درست ہے اور اس صورت میں اعادۂ اذان نہیں، کیونکہ اصل مقصود حاصل اور کلام کامل ہے، زیادہ سے زیادہ زینت متروک ہوگئی۔(کذا فی المبسوط لشمس الأئمة السرخسی: ۱۳۱/۱)

رہی چھ تکبیریں، سو اس کا حکم یہ ہے کہ باتفاق جمیع فقہا اذان میں دو تک ہی کلمہ کے بمنزلہ ہیں، چنانچہ رد المحتار المعروف بالشامية: ۲۸۵/۱، پر ہے۔

''(ويترسل)...(قوله بسكتة)...وهٰذه السكتة بعد كل تكبيرتين لا بينهما. كما أفاده فی الإمداد، أخذًا من الحديث وبه صرح فی التاتر خانية'' .

(یعنی اذان کے ہر دو کلمات کے درمیان وقفہ کرکے ترسل کرے اور یہ وقفہ دو تکبیروں کے بعد ہوگا، نہ کہ ان کے درمیان، جیسا کہ حدیث سے اخذ کرکے ''امداد'' میں اس کا افادہ کیا ہے اور تتارخانیہ میں بھی اسی طرح تصریح کی ہے)

پس اب دو تکبیروں میں سے دوسری تکبیر کی راء کو توقف کی وجہ سے ساکن پڑھی جائے گی اور اس کا رفع خطا ہے اور پہلی تکبیر کی حرکت میں تین قول ہیں۔

(۱) فتحہ، یعنی ''اَللّٰهُ اَكْبَرَ اللّٰهُ اَكْبَرْ'' کیونکہ ترمذی کی حدیث میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے موقوفاً مروی ہے کہ ''الأذان جزم والإقامة جزم والتكبير جزم'' (یعنی اذان، اقامت، تکبیر تحریمہ تینوں جزم سے ہوں) پس جب اذان کے کلمات مجزوم وساکن ہیں، تو پہلی تکبیر کی راء بھی ساکن ہے، پھر اس کے وصل کے وقت اتصال بنیتِ وقف کے سبب دو ساکن (راء اور لام جلالہ) جمع ہوگئے اور اب یا تو اسم جلالہ (اللّٰه) کے ہمزہ کا فتحہ راء کی طرف نقل ہوگیا یا اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کے سبب پہلے ساکن (راء) پر فتحہ آگیا اور کسرہ اس لئے نہیں آیا کہ لام جلالہ کی صفت

(۱) فی المستخرج لأبی عوانة عن ابن عمر: كان الأذان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مثنىٰ مثنىٰ والإقامة فرادىٰ.(بيان أذان بلال وإقامته والدليل على أنه مثنىٰ، الخ (ح: ۹۵۹)

فی الصحيح للبخاری عن أنس بن مالک قال: ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهود والنصارىٰ، فأمر بلال أن يشفع الأذان ويوتر الإقامة.(باب بدء الأذان (ح: ۶۰۳) انيس)

تفخیم کی محافظت باقی ہے اور دونوں وجوہ کی نظیر "الـمّ-الـلّٰـه" (عمران، ع:۱) ہے، کیونکہ اس میں بھی میم کا فتحہ بعض حضرات نے بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے پر نقل کیا اور دوسرے حضرات کے قول پر التقاء سواکن کی وجہ سے ہے۔(أبو العباس المبرد، عبد الغني النابلسي صاحب الروضة والتنوير)

(۲) سکون، یعنی "اَللّٰـهُ اَکْبَرْ .اَللّٰهُ اَکْبَرْ" حرکت واعراب کے بغیر، اور اس کی دلیل بھی وہی حدیث موقوف "الأذان جزم" ہے، جوابھی نمبر ا میں گزری، کیونکہ جزم کے معنی مقطوع الأعراب والحركة کے ہیں، اور یہ معنی اسی صورت میں صادق آسکتے ہیں جب کہ اکبر کی راء کو ساکن پڑھا جائے۔(امداد، زیلعی، بدائع اور شافعیہ کی ایک جماعت کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے)

(۳) ضمہ، یعنی "اَللّٰهُ اَکْبَرُ .اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کیونکہ عربی ونحوی قواعد کا مقتضی یہی ہے، اور وجہ یہ ہے کہ أکبر اللہ کی خبر ہے اور خبر مرفوع ہی ہوتی ہے۔(ابن عابدین الشامی، صاحب المغنی، وعامۃ اسلامیین) اور یہی آخری قول راجح وظاہر اور اصح واقیس ہے۔ چنانچہ:

(الف) "المغنی" میں حرکت فتحہ اور اس کی وجوہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وكل هٰذا خروج عن الظاهر والصواب أن حركة الراء ضمة إعراب"... (رد المحتار: ۲۸٤/۱)

(یعنی یہ سب کا سب بیان ظاہر سے خارج ہے اور درست یہ ہے کہ راء کی حرکت اعرابی ضمہ ہے)

(ب) "شامی" میں تینوں قولوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "والـذي يظهـر الإعـراب" (یعنی ان اقوال میں سے اعراب (ضمہ) والا قول ظاہر ومتبادر ہے)

(ج) عربیت کے قواعد بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ كما لايخفٰى علٰى من له بصيرة بالعلوم العربية.

الجواب ————————

حدیث "الأذان جزم" کا جواب:

سوال: (۱) شامیہ، ج:۱رص:۲۸۴ میں ہے:

"فـي الأحـاديث المشتهرة للجراحي: أنه سئل السيوطي عن هذا الحديث فقال هو غير ثابت كما قال الحافظ ابن حجر وإنما هو من قول إبراهيم النخعي. (۱)

یعنی اعرابی ضمہ کے ظاہر وراجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جراحی کی "احادیث مشتہرہ" میں ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ یہ ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث (الأذان جزم): ۳۸٦/۱، طبع سعيد، كراچی

(۲) 'جزم' کے معنی اسکان نہیں؛ کیونکہ اعرابی حرکت کے خلاف کرنے پر اس کا اطلاق کرنا اصطلاح حادث ہے، جو صدر اول میں مستعمل نہیں تھی، بلکہ بعد میں نحویوں کے نزدیک مقرر ہوئی ہے، پس 'جزم' کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں، نیز 'نحاة' کی جدید اصطلاح میں بھی 'جزم' کا اطلاق اعرابی حرکت کے اس حذف پر ہوتا ہے جو جازم کی بنا پر ہو، نہ کہ مطلقاً، حالانکہ یہاں حذف وقف کی بنا پر ہے، نہ کہ جازم کی وجہ سے، اس لئے رافعی، ابن اثیر وغیرہ ایک جماعت کی رائے پر اس کے معنی مقطوع المد کے ہیں، یعنی مد کے بغیر مقصور پڑھنا، پس آ اکبر نہیں پڑھیں گے؛ کیونکہ یہ استفہام ہے، جو عمد کی صورت میں کفریہ کلمہ ہے اور لحن شرعی ہے۔(۱)

''کتاب الطلبة'' میں فتاویٰ صیرفیة باب: ۳۶، سے نقل کرکے ایک قول یہی نقل کیا ہے کہ 'جزم' کے معنی قطع مد کے ہیں، نہ کہ قطع حرکت کے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ چوں کہ حدیث پوری اذان کے لئے عام ہے اور یہ معنی مذکور فقط تکبیر ہی میں جاری ہوئے ہیں، نہ کہ باقی کلمات میں بھی، اس لئے یہ کہنا اولیٰ ہے کہ 'جزم' سے مقصود اس ''تلحین وتغنی'' سے روکنا ہے، جو اذان کے کلمات میں تغیر پیدا کردے، مثلاً کسی حرکت یا حرف کی زیادتی یا حرف مد وغیرہ میں اشباع، عام ہے کہ اول میں ہو یا آخر میں؛ کیونکہ ایسا کرنا نادرست ہے، اذان میں ہو، خواہ قراءت قرآن میں۔(۲) چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے ''تلحين في القراءة'' کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے کہا کہ ممنوع ہے، پھر پوچھا گیا کیوں؟ جواب دیا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا، محمد، آپ نے فرمایا: کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یا موحامادکہیں۔(کبیری)(۳)

(۳) اگر 'جزم' کوئی اعرابی حرکت نہیں کہ حذف واسقاط ہی کے لئے استعمال کریں، تو ''الأذان جزم'' کی تقدیر یا تو مجموع الاذان ہے، (کہ پوری اذان ساکن ہے، اس طرح کہ ساری اذان کے ہر کلمہ کو ساکن پڑھیں، ان میں سے اول تقدیر تو باجماع جمیع علما وفقہا باطل وغیر معتبر ہے، رہی دوسری تو سو اس میں بھی دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ کلمہ سے لفظ مفرد مراد ہو، دوسرا یہ کہ کلمہ سے پورا جملہ مقصود ہو، پس ان میں سے پہلا احتمال بھی باطل ہے؛ کیونکہ اس تقدیر پر

---

(۱) كما في الدرالمختار: "الأذان جزم"أي مقطوع المد، فلا تقول آللّٰه أكبر؛لأنه استفهام وأنه لحن شرعي.(كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۵/۱،طبع ايچ ايم سعيد، كراچى)

(۲) كما في البحرالرائق:(ولا لحن)أي ليس فيه لحن أي تلحين ...وفي الصحاح:اللحن الخطاء في الإعراب...وتحسين الصوت،لابأس به من غير تغن.(كتاب الصلاة: ۴۴۴/۱_۴۴۵،طبع رشيدية، كوئٹہ)

كما في الدرالمختار:(ولا لحن فيه)أي تغني يغير كلماته،أي بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها فإنه لايحل فعله وسماعه.(كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۷/۱،طبع ايچ ايم سعيد، كراچى)

(۳) كبيري،ص: ۳۶۰، مطبوعه مكتبة رحيمية ،يوپى

لازم آئے گا کہ ہر لفظ کو ساکن پڑھا جائے۔ ''أشهد،أن لا إلٰه،إلا،اللّٰه،حی،علی،الصلاة'' وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اب دوسرا احتمال متعین ہوگیا اور حاصل یہ ہے کہ اذان کا ہر ایک جملہ اور قطعہ ساکن الآخر ہے جو ایک سانس میں پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً ''أشهد أن محمدًا رسول الله وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ تمام فقہا کے قول پر دو تکبیریں ایک ہی جملہ کے حکم میں ہیں، اس لئے جزم واسکان کا اجراء دوسری ہی تکبیر کی رآء پر ہوگا، نہ کہ پہلی تکبیر کی رآء پر بھی۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد عاثر راقم آثم۔ (فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۲۴-۸۲۵)

دلائل فتحہ کا جواب:

اس قول کی بنیاد جن مقدمات پر ہے، ان میں سے ایک حدیث مذکور بھی ہے، جس کا جواب ماقبل میں درج ہو چکا ہے کہ اس سے مقصود یا تو اشباع وافراط حرکات سے منع کرنا ہے، یا ہر ایک جملہ مستقلہ کے آخری حرف کو ساکن پڑھنا ہے، نہ کہ ہر ایک لفظ مفرد کو موقوف وساکن پڑھنا، پس جب پہلی تکبیر کی رآء ساکن ہی نہ رہی، تو انتقال حرکت یا اجتماع ساکنین کے سبب اس پر فتحہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس رآء کے سکون وجزم کو تسلیم بھی کرلیں، تب بھی ان وجوہ کی بنا پر یہ قول صحیح نہیں۔ (۲)

(الف) قول نقل حرکت: قائلین نقل کے یہاں نقل کی توجیہ یہ ہے۔

''**الأذان سمع موقوفاً فی مقاطیعه و الأصل فی(أکبر)تسکین الراء فحولت حرکة ألف اسم(اللّٰه)إلی الراء کما فی ﴿ألم-اللّٰه﴾**(ردالمحتار ۱/۲۸٤)

(یعنی اذان اپنے مواقع قطع میں موقوف سنی گئی ہے اور اکبر میں رآء کا اسکان اصل ہے، پھر اللہ کے ہمزہ کے فتحہ کا رآء کی طرف منتقل کردیا ہے، جیسا کہ الم اللّٰہ میں ہے۔ مبرد)

جواب یہ ہے:

اولاً: خود لفظ موقوفاً ہی سے یہ نکلتا ہے کہ رآء کا سکون وقفی وغیرہ مستقل ہے نہ کہ اصلی لازمی۔

---

(۱) کما فی ردالمحتار:''أن التکبیر الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف...وأما التکبیرة الأولٰی... فقیل محرکة الراء بالفتحة''.(کتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۳۸٦،طبع ایچ ایم سعید،کراچی).

کما فی البحر الرائق:''ویسکن کلمات الأذان والإقامة الخ''.(کتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/٤٤۸،ط:رشیدیة کوئٹة)

کما فی حاشیة الطحطاوی:أی یتمهل ویترسل فی الأذان بالفصل بسکتة بین کل کلمتین أی جملتین إلا فی التکبیر الأول''.(کتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۱۹٦،طبع دار الکتب العلمیة،بیروت،لبنان)

(۲) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی الکلام علی حدیث (الأذان جزم): ۱/۳۸٦،طبع سعید،کراچی

چنانچہ طحطاوی، ص:۱۰۵ میں ہے:

(ویسکن کلمات الأذان والإقامة)یعنی للوقف والأولٰی ذکرہ(فی الأذان حقیقة)أی الوقف الذی لأجله السکون حقیقة فی الأذان لأجل الترسل فیه،الخ.(۱)

یعنی اذان واقامت کے کلمات کو ساکن پڑھے اور اولیٰ یہ ہے کہ وقف کی قید بھی ذکر کر دی جائے اور یہ وقف جس کی بنا پر سکون ہے، اذان میں حقیقۃً ہوتا ہے؛ کیونکہ اس میں ترسل کا حکم ہے۔

اور شامیہ، ص:۲۸۴ میں ہے:

"وقد کانت کلمات الأذان إعراباً إلا أنه سمعت موقوفة". روضة،نقلاً عن المغنی.(۲)

یعنی اذان کے کلمات میں حقیقۃً اعراب ہے، لیکن مسموع موقوفاً ہی ہیں۔

پس جب سکون دائمی نہیں ہے، تو وصل کی حالت میں یہ سکون زائل ہو کر اصلی اعراب (ضمہ) لوٹ آئے گا، اور وجہ یہ ہے کہ فقہاء کرام نے دونوں تکبیروں کو ایک ہی تکبیر کے بمنزلہ قرار دیا ہے اور ان کا بمنزلہ ایک تکبیر کے ہونا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ سکون مع انقطاع الصوت والنفس کا اجراء دوسری تکبیر کے اخیر پر کیا جائے، نہ کہ پہلی کے اخیر پر بھی، چنانچہ حقیقۃً بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہوتا ہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ ترک حرکت کے ساتھ ساتھ انقطاع نفس بھی ہو، پس معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر پر وقف مسموع نہیں، نہ حقیقی نہ معنوی جو انقطاع نفس ہے۔ اب اصلی اعراب (ضمہ) متعین ہو گیا۔(۱)

ثانیاً: نقل کے لئے لازم ہے کہ منقول عنہ کلام میں ثابت وقائم ہو، حالانکہ (اللہ) کا ہمزہ وصلیہ ہے، جو درج کلام میں ساقط ہو جاتا ہے، جب وہ خود ہی حذف ہو گیا، تو اب اس کی حرکت کے نقل کرنے کا کوئی معنی نہیں۔

شامی، ص ۲۸۴ میں ہے:

"ولیس لهمزة الوصل ثبوت فی الدرج فتنقل حرکتها، آه. نقلاً عن الروضة عن المغنی.(۴)

یعنی درج عبارت میں ہمزۂ وصل ثابت ہی نہیں رہتا کہ اس کی حرکت منتقل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ "وصل بنیت وقف" ہے، پس اب وقف کی نیت کے سبب درجیت فوت ہو کر ہمزۂ وصل ثابت

---

(۱) حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة،باب الأذان: ۱۹۵۔۱۹۶، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۶/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی

(۳) کما فی الشامیة:"والحاصل أن التکبیرة الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف حقیقة رفعها خطأً". (کتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۶/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی)

(۴) ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الأذان: ۱۹۶/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی

رہے گا اوراب اس کی حرکت کی نقل ممکن ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ ''وصل بنیت وقف''عقلی وقیاسی حکم ہے جس کا نقل سے کوئی ثبوت نہیں۔جیسا کہ ابھی طحطاویؒ کے حوالہ سے مذکور ہوا کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہے نہ کہ معنوی۔(۱)

نیز ملاعلی قاریؒ کی تصریح کے موافق منقول الیہ ومنقول عنہ میں لفظی اتصال وارتباط شرط ہے، ورنہ نقل ممکن نہیں، اور چونکہ وقف کی نیت کے وقت درجیت کے فوت ہوجانے کے سبب ان دونوں (محول إلیه و محول منه) میں اتصال نہیں رہتا، اس لئے نقل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور اگر وقف کی نیت اتصال کے ثبوت کے لئے مضر نہیں، تو درجیت وانشائیت کے لئے بھی مضر نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ جب دونوں میں لفظاً واداءً ارتباط ہوگیا، تو اس کے یہی معنی ہیں کہ ہمزۂ وصلی درج کلام میں واقع ہورہا ہے، پس جب درجیت ثابت ہوگئی، تو بقاعدہ عربیہ مشہورہ ہمزۂ وصلی ساقط ہوجائے گا اور نقل کا حکم منقطع ہوجائے گا۔(۲)

ثالثاً: مقیس علیہ (الٓمّ اللّٰه) میں بھی نقل کا حکم ضعیف ہے؛ کیونکہ قاضی بیضاویؒ کی رائے پر نقل کا سبب یہی ہے کہ حروف ہجا لفظاً مبنی اور حکماً معرب ہیں، جو اعراب کی قابلیت رکھتے ہیں اوراب وقف کی وجہ سے ساکن وموقوف ہیں، پس وصل کی صورت میں نیت وقف کی بنا پر درجیت فوت ہوجائے گی اور نقل کا حکم جاری ہوجائے گا، (۳) اور التقاء ساکنین کے سبب یہ فتحہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ وہ وقفاً محذور وممنوع نہیں ہے، قاضیؒ کی اس علت پر بھی وہی مناقشہ ہے جو ابھی دوسرے جواب میں گزرا، کہ اگر نیت وقف ثبوت اتصال کلام کے لئے مضر نہیں، تو درج کلام کے تحقیق پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور درج میں ہمزۂ وصلی ساقط ہوجاتا ہے ''فما معنٰی نقل حركة الهمزة الوصلية''؟ نیز جب حکمی معرب میں نقل ہوسکتی ہے، تو مبنی الاصل (حروف معانی وغیرہ) میں بطریق اولیٰ ہونی چاہیے، حالانکہ مـن اللّٰه میں کسی قاری یا نحوی کا قول بھی نقل کا نہیں، پس جب مقیس علیہ کی نقل غیر صحیح ہے، تو مقیس کا آپ خود اندازہ کرلیں اس میں نقل کا حکم کہاں تک درست ہے، علاوہ ازیں یہ کہ اذان اور الٓمّ اللّٰه کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان کے کلمات تو لفظاً وحکماً معرب ہی ہیں، صرف سماعاً موقوف وساکن ہیں، اورحروف ہجا یا تو صرف حکماً معرب ہیں، یا لفظاً وحکماً دونوں لحاظ سے مبنی ہیں۔

وبالجملة الفرق بين الأذان وبين(الٓمّ اللّٰه)ظاهر فإنه ليس لـ''الٓمّ اللّٰه''حركة إعراب أصلاً و قد كانت كلمات الأذان إعراباً إلا أنه سمعت موقوفة. (ردالمحتار نقلا عن الروضة عن المغني و للتفصيل مقام آخر: ۲۸٤/۱)(۳)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث (الأذان جزم): ۳۸٦/۱، طبع سعيد، كراچی

(۲) كما في إرشاد الصرف: ''حكم وصلی این كه دردرج كلام وبمتحرک شدن مابعد بيفتد''. (باب أول، صرف صغير ثلاثي مزيد فيه صحيح: ٤٥، طبع إدارہ اشاعت كتب)

(۳) كما في هداية النحو: ''فإنه مبني بالفعل على السكون ومعرب بالقوة''. (الباب الثاني في الاسم المبني: ٤٥، طبع رشيدية كوئٹة)

(٤) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸٦/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی

(ب) قول التقاء ساکنین: یہ حکم متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً: یہ کہ پہلا سکون عارضی ووقفی ہے، نہ کہ لازمی ووصلی، تاکہ اجتماع ساکنین متحقق ہو، جیسا کہ ابھی ''الف'' میں گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ لام جلالہ کی تفخیم تو رفع کی صوت میں بھی باقی رہتی ہے، پس فتحہ کی کیا خصوصیت ہے، اگر اخفیت فتحہ کا قول کیا جائے، تو حل یہ ہے کہ یہاں تو سرے سے اجتماع ساکنین ہی نہیں، تاکہ ثقل کے سبب خفت کا سوال پیدا ہو، اور بصورت تسلیم یہ کہنا ممکن ہے کہ ساکن اول کی تحریک اس حرکت سے مناسب تر ہے جو اصل کے موافق ہو، میم جمع وغیرہ کی طرح اور یہاں اصل اعراب ضمہ ہی ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

دلائل جزم کا جواب:

(۱) جزم کے معنی قطع مد کے ہیں، نہ کہ حذف اعراب کے؛ کیونکہ یہ تو اصطلاح جدید ہے۔(۲)

(۲) احقر کے ناقص ترین خیال میں یہ آتا ہے کہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ اذان واقامت کے تمام کلمات کو ایک ہی سانس میں بولے، دو تین سانسوں میں نہیں، بلکہ قاعدہ کے موافق متعدد سانسوں میں وقفاً وقفاً، جزماً جزماً تلاوت کرنا چاہئے، اور یہ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا ابراہیم نخعیؒ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ قرآن کی تلاوت کی طرح اذان واقامت کو بھی مسلسل ومربوط طور پر نہ کہیں، اس لئے انہوں نے یہ تاکید فرمادی، باقی اس حدیث سے بیان حرکت وسکون کا کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔ اب رہا یہ کہ مقامات وقف وجزم کیا کیا ہیں، سو حدیث میں ان کا بیان نہیں، اس کو فقہ سے معلوم کیا جائے گا، **فمن شاء الاطلاع فليراجع المطولات**۔ اور کسی قدر تفصیل مذکورۂ بالا تحریر میں بھی درج ہو چکی ہے۔ **فليتأمل و ليتنبه**.(۳)

(۳) وصل میں پہلی تکبیر کا سکون یا تو اس وقت درست ہے جب کہ وہ عامل جازم کی بنا پر بنائی ولازمی ووصلی ہو، یا اس صورت میں جب کہ اس کے عارضی ہونے کے باوجود ''وصل بنیت وقف'' کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں

(۱) كما في حاشية الطحطاوي: "وهو مخير فيما بين الضم والفتح...إذ لا يتعين الفتح في ذلك كما لا يخفى". (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۵، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان "حديث الأذان جزم" ص: ۲۰۹، جزء نمبر: ۲-۳ .

(۳) كما في الدر المختار: (ويترسل فيه) بسكتة بين كل كلمتين ويكره تركه. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۷/۱، طبع ايچ ايم، سعيد)

كما في حاشية الطحطاوي: "أو يتمهل "يترسل (في الأذان) بالفصل بسكتة بين كل كلمتين". (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۶، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

عامل جازم کوئی بھی نہیں، اس لئے جزم لازمی تو ہو نہیں سکتی، اور وصل بنیت وقف کا حکم قیاسی وعقلی ہے، جس کا نقل وسماع کوئی ثبوت نہیں، پس معلوم ہوا کہ وصلاً سکون وقفی زائل ہوکر اصلی محض اعرابی ضمہ عود کرآئے، اور وجہ یہ ہے کہ گو حدیث "الأذان جزم" سے اذان کے ہر جملہ پر وقفی جزم کا اجراء ثابت ہے، لیکن چونکہ تکبیر تین ایک ہی تکبیر کے حکم میں ہیں ۔اس لئے پہلی تکبیر پر وصل حکم کا جاری کرنا لازم ہے؛ کیونکہ قرآن کے بھی جن مقامات میں حدیث سے وقف مع انقطاع الصوت والنفس ثابت ہے، جیسا کہ قراءت فاتحہ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ!

"إن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کان إذا قرأ قطع قراء ته آیةً آیةً، یقول: "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، ثم یقف، الحمد للّٰہ رب العالمین، ثم یقف، الرحمٰن الرحیم، ثم یقف". (الإتقان فی علوم القرآن: ۸۷/۱)(۱) کہ جب تلاوت کیا کرتے تھے، تو ایک ایک آیت پر وقف کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **بسم اللّٰہ الخ** پڑھ کر وقف کردیتے، ان میں بھی وقف کرنا مسنون ومستحسن ہے نہ کہ واجب وضروری، چنانچہ فن کی رو سے ان مقامات کا وصل بھی بلا شبہ درست ہے، تو چہ جائیکہ جن مقامات میں وقف کی تصریح ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ قرآن کے مواقع ہیں، ان میں وقف حقیقی یا معنوی لازمی وضروری ہو اور ان میں وصل کی حالت میں اعراب کا جاری کرنا ممتنع ہو، یہ حکم عقل کے بھی نہایت خلاف ہے، لیکن عقل سلیم درکار ہے۔(۲)

﴿خلاصہ﴾ یہ کہ اذان میں ترسل مستحب ہے اور اس میں چھ تکبیروں کے علاوہ ہر جملہ پر وقف کرنا مسنون ہے اور چھ تکبیروں میں ہر دو دو ایک ایک جملہ کے حکم میں ہیں، (۳) پھر ان دو میں سے آخری تکبیر کی راء تو صرف ساکن پڑھی جائے گی اور پہلی میں ضمہ، فتحہ، جزم تینوں وجوہ کی گنجائش ہے۔(۴)

---

(۱) عن أم سلمة قالت: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذاقرأ قطع قراء ته آیةً آیةً ﴿بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم﴾ ﴿الحمدللّٰہ رب العالمین﴾ ﴿مالک یوم الدین﴾. (/مسندأبی یعلی الموصلی، مسندأم سلمة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم(ح: ۷۰۲۲)/الملخصات، الجزء العاشر من الملخصات (ح: ۲۲۰۰)/مسندالإمام أحمد، مسند أم سلمة (ح: ۲۶۵۸۳)/سنن أبی داؤد، کتاب الحروف والقراء ات (ح: ۴۰۰۱)/سنن الترمذی، باب ماجاء کیف کان قراء ته صلی اللّٰہ علیه وسلم (ح: ۲۹۲۷)/شرح مشکل الآثار (ح: ۵۴۰۶)/سنن الدارقطنی، باب وجوب قرأة بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم (ح: ۱۱۹۱)انیس)

(۲) کما فی ردالمحتار: وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من اللّٰہ أکبرالأول أویصلها باللّٰہ أکبرالثانیة فإن سکنها کفی وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة. (کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۶/۱، سعید. ومثله فی الفتاویٰ الهندیة: کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی کلمات الأذان: ۵۶/۱، رشیدیة کوئٹة)

(۳) تقدم تخریجه تحت عنوان (دلائل جزم کا جواب) ص: ۶۱۲، جزء نمبر ۴۔

(۴) تقدم تخریجه تحت عنوان (دلائل جزم کا جواب) ص: ۶۱۳، جزء نمبر ۲۔

لیکن قیاس وتفقہ اور قواعد عربیہ وادائیہ کی رو سے رفع والا قول ظاہر ومتبادر اور صواب اور مفتی بہ ہے اور تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

اقامت کی کیفیت ادا:

چونکہ اقامت میں اذان کے خلاف حدر واسراع اور عجلت وتیزی اور روانی اولیٰ اور مسنون ومحمود ہے، جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ "إذا أقمت فاحدر"(۲) میں گزر چکا ہے، اس لئے اس کے کلمات میں اتصال وارتباط کر کے ان کو شفعاً شفعاً ادا کرنا مستحب ہے، اس طرح کہ وہ دو دو کلمات وجمل جو اذان میں دو سانسوں میں انقطاعاً پڑھے جاتے ہیں، ان کو اقامت میں ایک ہی سانس میں جملاً وصلاً ادا کریں۔ پس اس کے سترہ کلمات کو سات سانسوں میں تلاوت کریں گے، یعنی (۱) **اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر (۲) شہادتین أولیین، (۳) شہادتین أخریین، (۴) حیعلتین أولیین، (۵) حیلعتین أخریین، (۶) إقامتین، (۷) تکبیرتین وتوحید** یعنی "**اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ**".

اور اذان کے خلاف اس میں یہ حکم حدر اس بنا پر ہے کہ اذان کا مقصود تو دعوت واعلام وتنبیہ واحضار، اظہار شعار اسلام وعظمت دین ہے، پس اس میں تو ہر جملہ کو مستقلاً ومفرداً بطور تقریر ہی کے ادا کرنا موزوں ہے، مگر اقامت کا مقصد محض قیام صلاۃ کی خبر ہے، نہ کہ احضار ودعوت، اس لئے اس میں حدر ہی مناسب ہے۔ (طحطاوی، ص: ۱۱۵)(۳)

اب رہا آخری حروف کے اعراب کا مسئلہ۔ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا سات موقعوں میں سے ہر ایک کے دوسرے کلمہ پر تو وقف حقیقی ہے، جو **انقطاع صوت ونفس مع ترک الحرکۃ وإبدال التاء بالہاء** کے ذریعہ ہوگا؛ کیونکہ ابراہیم نخعی کی حدیث موقوف میں "**والإقامۃ جزم**"(۴) وارد ہوا ہے۔(۵)

---

(۱)　**کما فی حاشیۃ الطحطاوی: وھو مخبر ما قبلھا بین الضم والفتح... إذ لایتعین الفتح فی ذلک کما لایخفیٰ. (کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/۱۹۵، طبع دار الکتب العلمیۃ)**

(۲)　**مسند عبد بن حمید، من مسند جابر بن عبداللّٰہ (ح: ۱۰۰۸)/ سنن الترمذی، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان (ح: ۱۹۵)/ المستدرک للحاکم، باب فی فضل الصلوات الخمس (ح: ۷۳۲) انیس**

(۳)　**حاشیۃ الطحطاوی: ذکر الأذان الذی ھو إعلام بدخولھا، وفی حاشیتہ؛ لأنہ ذکر معظم کالخطبۃ. (کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱۹۱-۲۰۰، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت)**

(۴)　**أخرجہ الترمذی، فی باب أن خذف السلام سنۃ فی ضمن (ح: ۲۹۷) بلفظ: وروی عن إبراھیم النخعی أنہ قال: التکبیر جزم والسلام جزم. انیس**

(۵)　**وفی رد المحتار: یعنی علی الوقف لکن فی الأذان حقیقۃ وفی الإقامۃ ینوی الوقف... وروی ذلک عن النخعی موقوفًا علیہ ... "الأذان جزم"... (کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید، کراچی)**

رہا یہ ٹکڑا کا پہلا حکم، مثلاً شروع کی چار تکبیروں میں سے دوسری کا اخیر، اور شہادتین اولیین میں سے پہلی شہادت کا اخیر وغیرہ وغیرہ۔ سو ان کے بارے میں فقہا کا ظاہر کلام یہی ہے کہ ان کے اخیر حرف پر معنوی وحکمی وقف ہے، جو انقطاع نفس کے بغیر ہے، یعنی **أللّٰه أكبر أللّٰه أكبر (وقف حکمی) ألـلّٰه أكبر أللّٰه أكبر، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه (وقف حکمی) أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، حي على الصلاة (وقف حکمی) حي على الصلاة وغير ذلک.** (۱)

چنانچہ طحطاوی، ص: ۱۱۵، میں ہے:

(وينوى الوقف في الإقامة)؛ لأنه لم يقف حقيقةً؛ لأن المطلوب فيها الحدر.

(یعنی اقامت کے پہلے پہلے کلمات پر وقف معنوی کرے؛ کیونکہ اس میں حدر وسرعت کے مقصود ہونے کے سبب حقیقی وقف نہیں ہے) اور اس سے کچھ سطور پہلے یہ عبارت ہے:

"ويسكن كلمات الأذان والإقامة". (۲)

اور فتاویٰ عالمگیری: ۱/۵۶ میں ہے:

ويسكن كلماتها على الوقف لكن في الأذان حقيقة وفي الإقامة ينوى الوقف، كذا في التبيين. (۳)

(یعنی اذان واقامت دونوں کے کلمات کو ساکن پڑھے، لیکن اذان میں حقیقۃً مع انقطاع النفس اور اقامت میں نیۃً وحکماً بلا تنفس۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان واقامت میں فرق کیوں ہے کہ اذان میں تو دو تکبیروں کے درمیان وقف معنوی وحکمی جائز نہیں لکھا گیا، بلکہ اس میں بحالت وصل، جزم وسکون کے بغیر اعرابی ضمہ کو راجح وظاہر قرار دیا ہے اور اقامت میں دو کلمات کے ما بین وقف معنوی جائز قرار دیا ہے، حالانکہ اصلی اعراب کی مخالفت اور قرآنی قواعد کی خلاف ورزی اس میں بھی ہے؛ کیونکہ معنوی وقف انقطاع سانس کے بغیر ہوگا، حالانکہ وقف میں قطع صوت ونفس ضروری ہے۔ تو اس کا حل یہ ہے کہ:

اولاً: تو یہ فرق خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ ان میں اذان کی دو تکبیروں کے درمیان تو نیت وقف کے خلاف تصریح موجود ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً پہلے درج ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو! شامی) (۴) اور اقامت کے ہر دو کلمات کے درمیان نیت وقف کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ ابھی گزرا۔

---

(۱) كما في البحر الرائق: ويسكن كلمات الأذان والإقامة ... وفي الإقامة ينوى الوقف. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ٤٤٨، طبع رشيدية، كوئٹة)

(۲) حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۹۳-۱۹٤، طبع دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الثاني: ۱/٥٦، طبع علوم إسلامية چمن

(۴) ردالمحتار: ويجزم الراء أي يسكنها في التكبير ... لكن في الأذان حقيقة. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸٦، طبع سعيد كراچي)

ثانیاً: وصل بنیت وقف بھی قراءت ادا کا ایک مستقل قاعدہ ہے، جو حسب مقام ونقل جاری ہوتا ہے اور اس میں انقطاع نفس نہیں ہوتا۔ پس قواعد قرآنیہ کی مخالفت لازم نہ آئی۔

ثالثاً: اگر قرآنی قواعد کی مخالفت تسلیم بھی کرلیں تو غیر قرآن میں اس کا تحمل ہوسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۲۲-۸۳۲)

اذان میں ’’اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر‘‘ پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اذان دیتے وقت ’’اللّٰہ أکبرُ اللّٰہ أکبر‘‘ یعنی پہلی ’’راء‘‘ پر پیش لگا کر لام سے ملا کر اذان دیتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے ’’اللّٰہ أکبرْ اللّٰہ أکبرْ‘‘، یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے، اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے، اگر پہلی راء پر حرکت پڑھتا ہے تو زبر پڑھے۔ اس طرح ’’اللّٰہ أکبرَ اللّٰہ أکبرُ‘‘ پیش لگا کر پڑھنے کو ردالمحتار: ۱/۲۵۹، میں خلاف سنت لکھا ہے۔(۲)

دوسرے ’’أکبر‘‘ کی ’’راء‘‘ کو بہر حال ساکن پڑھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۲/۵/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۰۹)

اذان واقامت کا صحیح طریقہ:

سوال: عام طور پر قاری صاحبان اقامت یوں کہتے ہیں ’’اللّٰہ أکبرُ، اللّٰہ أکبرْ‘‘، یعنی پہلی تکبیر کی را کو مرفوع پڑھتے ہیں، اور دوسری تکبیر میں اسم اللہ کے الف کو ساقط کر کے ملاتے ہیں۔ اسی طرح ہر پہلے کلمہ پر اعراب پڑھتے ہیں ’’أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ، أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ‘‘، اسی طرح ’’حی علی الصلٰوۃ، حی علی الفلاح‘‘، ’’قد قامت الصلٰوۃ‘‘ پڑھتے ہیں۔ یہ

(۱) ردالمحتار: وفی الإقامة ینوی الوقف. کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید، کراچی

(۲) ’’وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من ’’اللّٰه أکبر‘‘ الأول؛ أو یَصِلها ’’باللّٰه أکبر‘‘ الثانیة، فإن سکنها کفی، وإن وصلها نوی السکون، فحرک الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة؛ لأن طلب الوقف علیٰ ’’أکبر‘‘ الأول صیره کالساکن إصالة، فحرک بالفتح‘‘. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۶، سعید)

’’وقد صنف الشیخ النابلسی فی هٰذه المسئلة رسالة سماها: ’’تصدیق من أخبر بفتح راءِ اللّٰه أکبر‘‘، خلاصة ما ذکره فیها أن السنه أن یسکن الراء ویصلها، فإن سکنها کفی ذلک، وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة فلتراجع‘‘. (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۱۵، سهیل اکیڈمی، لاهور)

طریقہ اصول کے مطابق ہے۔مگر معلوم ہوا ہے کہ آپ اس کو خلاف سنت فرماتے ہیں۔لہٰذا اس کی وضاحت مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن پڑھا جائے۔اذان میں ہر کلمہ پر وقف کرے اور اقامت میں دو کلمات کے بعد،مگر پہلے کلمہ کو بھی بنیت وقف ساکن پڑھے،"قد قامت الصلوٰة" بھی دو مرتبہ اسی طرح کہے، اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے،اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلاف سنت ہے،اس کو ساکن پڑھنا چاہئے،یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔

قال فی شرح التنویر:وبفتح راء أكبر والعوام يضمونها.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ بعد ذكر النقول المختلفة:والحاصل أن التكبيرة الثانية فی الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة ورفعها خطأ،وأما التكبيرة الأولىٰ من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة فقيل محركة الراء بالفتحة علىٰ نية الوقف وقيل بالضمة إعراباً وقيل ساكنة بلا حركة علىٰ ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعی و البدائع وجماعة من الشافعية.

(وبعد أسطر): ثم رأيت لسيدی عبد الغنی رسالة فی هذه المسئلة سماها" تصديق من أخبر بفتح راء الله أكبر"أكثر فيها النقل.

وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أويصلها بالله أكبر الثانية فإن سكنها كفىٰ وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فإن ضمها خالف السنة لأن طلب الوقف علىٰ أكبر الأول صيره كالساكن إصالة فحرك بالفتح.(رد المحتار: ۳۵۸/۱)(۱)فقط والله تعالىٰ أعلم

۱۳/ذی قعدة ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۹۵-۲۹۶)

اذان دینے کا مسنون طریقہ:

سوال: اذان میں سب "اللّٰه أكبر" ایک سانس میں یا دو سانس میں یا چار سانس میں بہتر کونسا ہے۔ایک مولوی صاحب یہاں کہتے ہیں کہ!" الله أكبر" اگر مل کر کہا جائے،تو"رو الله أكبر" (یعنی راء کو لفظ اللہ میں ملایا جائے) تب بھی درست ہوگا،کیا یہ بات درست ہے؟اس سلسلہ میں یہاں اختلاف بڑھ رہا ہے۔آپ صحیح مسئلہ سے واقفیت فرماویں؟

---

(۱)　ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی الكلام علىٰ حديث:"الأذان جزم": ۳۸۶/۱.انيس

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شامی میں ہے:

(قوله بفتح راء أکبر)... وحاصلها: أن السنة أن یسکن الراء من اللّٰه أکبر الأول أو یصلها باللّٰه أکبر الثانیة فإن سکنها کفی وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة فإن ضمها خالف السنة لأن طلب الوقف علیٰ أکبر الأول صیره کالساکن إصالة فحرک بالفتح. (۱)

علامہ شامی نے اس موقعہ پر بہت عمدہ بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اذان کے شروع میں چار مرتبہ **اللّٰه أکبر** دو سانس سے کہنا سنت ہے، ایک سانس میں دو مرتبہ، پھر دوسری سانس میں دو مرتبہ اور ہر سانس میں پہلی **اللّٰه أکبر** کی راء کو ساکن پڑھیں (**اللّٰه أکبرْ اللّٰه أکبر**) یا پہلی **اللّٰه أکبر** کی راء کو فتحہ پڑھیں، یہ دونوں طریقہ سنت ہے اور پہلی **اللّٰه أکبر** کی راء کو ضمہ (پیش) پڑھنا خلاف سنت ہے۔ لہذا جو لوگ **اللّٰه أکبر** اول کی راء کو ضمہ (پیش) پڑھتے ہوئے "رو **اللّٰه أکبر**" پڑھتے ہیں، وہ غلط پڑھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۲۷/۴/۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۸۰-۸۱)

اذان اور اقامت میں "أکبر" کی "راء" کو "اللّٰه" کے "لام" کے ساتھ ملا کر پڑھنا:

سوال: "اللہ" کا ہمزہ اصلی ہے، اذان میں "اکبر" کی "راء" کو "ل" کے ساتھ ملا کر ہمزہ وصلی کو گرا کر پڑھنا یعنی "**اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر**"، پڑھنا اور اس طریقہ پر تکبیر میں پڑھنا پہلے "**اللّٰه أکبر**"، کے "**لام**" کے ساتھ ملا دیا جائے اور ہمزہ اصلی کو گرا دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح تکبیر "**حی علی الصلاة وحی علی الفلاح**" کا پڑھنا، الخ، کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ "اللّٰه أکبر" کی "راء" کو ساکن پڑھا جائے اور اس پر سکتہ کیا جائے، اگر ملایا جائے اس طرح کہ دوسرے "اللّٰه أکبر" کے "الف وہمزہ" کو ساقط کیا جائے اور "الف" کا فتحہ "راء" پر لے آیا جائے، اگر "راء" پر بجائے فتحہ کے ضمہ پڑھا جائے جو کہ ضمۂ اعراب ہے، تو بعض حضرات نے اس کی بھی اجازت دی ہے، بعض نے اس کو خلاف سنت فرمایا ہے، اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے؛ جس کا نام "تصدیق من أخبر لفتح راء اللّٰه أکبر"۔

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی الکلام علیٰ حدیث: "الأذان جزم": ۳۸۶/۱، انیس

شامی میں لکھا ہے:

"حاصلها أن السنة أن يسكن الراء من "الله أكبر" الأول؛أو يَصِلها "بالله أكبر" الثانية،فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوىٰ السكون،فحرك الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة؛لأن طلب الوقف علىٰ "أكبر" الأول صيره كالساكن إصالة،فحرك بالفتح". (رد المحتار: ۲۵۹/۱) (۱)

اذان واقامت دونوں کا حکم یہی ہے۔

اقامت میں "حی علی الصلاة" اور "حی علی الفلاح"، اور "قدقامت الصلاة" پر سکتہ اَنسب ہے،اگر مجرور پر جر اور مرفوع پر رفع پڑھیں تب بھی اقامت درست ہوجائے گی۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۰/۵-۴۱۱)

"الله أكبر" کی 'راء' کو لام کے ساتھ ملانا:

سوال: اذان واقامت میں "الله أكبر" کی 'راء' کو 'لام' کے ساتھ ملا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

اذان واقامت میں 'راء' پر جزم پڑھی جائے، 'لام' کے ساتھ نہ ملائی جائے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۹/۲۳/۷ ۱۴۰۰ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۱۱/۲)

اذان میں کلمات کو کھینچنا:

سوال: اگر کوئی مؤذن اذان کو کھینچ کر پڑھتا ہے اور آواز کو بناتا ہے اور الفاظ اذان صحیح ہیں تو کیا اذان ہوجاوے گی؟ اور اگر صحیح نہیں پڑھتا ہے صرف آواز اچھی ہے، اس وجہ سے عوام اس کو چاہتے ہیں تو کیا اس مؤذن کی اذان اور اقامت ہوجائے گی؟ آیا نماز ہوگی کہ نہیں اور اگر اذان صحیح طریقہ سے پڑھتا ہے اور تکبیر میں غلطی ہے تو کیا صورت ہے؟

الجواب　　　حامدًا ومصلياً

بے موقع کھینچنا جس سے الفاظ مسخ ہوجائیں، درست نہیں۔ (۳) ایسی اذان کا اعادہ کیا جاوے۔ (۴)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان،مطلب في الكلام على حديث: "الأذان جزم": ۳۸٦/۱،سعيد

(۲) "ويسكن كلمات الأذان والإقامة،لكن في الأذان ينوي الحقيقة،وفي الإقامة ينوي الوقف". "روي عن إبراهيم النخعي أنه قال:شيئان يجزمان كانوا لايعربونهما:الأذان والإقامة، يعني على الوقف". (البحر الرائق مع المنحة، كتاب الصلاة،باب الأذان: ٤٤٨/١،رشيدية)

(۳) ومنها ترك التلحين في الأذان؛لما روي أن رجلاً جاء إلى ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما فقال:إني أحبك في الله تعالىٰ،فقال ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما:إني أبغضك في الله تعالىٰ.فقال: لِمَ؟ ==

تکبیر میں بھی اگر ایسا ہی حال ہو وہ بھی درست نہیں ہے اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔(۱)
صحیح پڑھنے والے کو مؤذن ومکبر مقرر کیا جاوے۔(۲)

== قال: لأنه بلغني أنك تغني في أذانك، يعني التلحين". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان: ۶٤٤/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

"سنّ للفرائض بلا ترجيع ولحن". (كنز الدقائق)

وقال ابن نجيم: (قوله ولحن)... ولهٰذا فسره ابن الملك بالتغني بحيث يؤدى إلٰى تغيير كلماته، وقد صرحوا بأنه لايحل فيه، وتحسين الصوت لابأس به من غير تغن، كذا في الخلاصة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٤٢/۱-٤٤٦، رشيدية)

قال رحمه الله تعالٰى: بلا ترجيع ولحن. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق)

قال الشيخ الشلبي: (قوله ولحن) قال الشيخ باكير رحمه الله تعالٰى عند قوله؛ بلا ترجيع ولحن فيقال: لحن في القراءة طرب وترنم، مأخوذ من إلحان الأغاني، فلا ينقص شيئاً من حروف ولا يزيد في أثنائه حرفاً، وكذا لا يزيد ولا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغيرذلك لتحسين الصوت، فأما مجرد تحسين الصوت بلا تغيير، فإنه حسن، آه". (حاشية الشيخ الشلبي علٰى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲٤۱/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) "وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها". (الدر المختار)

قال ابن عابدين: " أقول: وقد ذكرنا في الإمداد بحثاً أن كون الإعادة بترك الواجب واجبة لايمنع أن تكون الإعادة مندوبة بترك سنة آه، ونحوه في القهستاني، بل قال في فتح القدير: والحق التفصيل بين تلك الكراهة كراهة تحريم فتجب الإعادة، أوتنزيه، فتستحب، آه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٥۷/۱، سعيد)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) "وإذا أراد الشروع في الصلا ة كبر... بالحذف إذ مد الهمزتين مفسد، وتعمده كفر، وكذا الباء في الأصح". (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ٤۷۹/۱-٤۸۰، سعيد)

"قال رحمه الله تعالٰى: وكبر بلا مد لما روينا، ولما روى عبد الله بن الزبير رضى الله تعالٰى عنهما أنه قال: صليت خلف رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم، فكان لايتم التكبير: أى لايمد. وكان إبراهيم النخعي يقول: التكبير جزم، ويروى خذم بالخاء والذال: أى سريع". (تبيين الحقائق)

وفي حاشية الشيخ الشلبي: "قوله: وكبر بلا مد لما روينا أى من أنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يكبر عند كل خفض ورفع". (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۹٦/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً ــ مجمع الأنهر ــ الأعلم بأحكام الصلاة ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراء ة". (الدر المختار)

وفي رد المحتار: "(قوله: ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا) أفاد بذلك أن معنٰى قولهم أقرأ أى أجود، لا أكثرهم حفظاً وإن جعله في البحر متبادرًا، ومعنى الحسن في التلاوة أن يكون عالماً بكيفية الحروف والوقف وما يتعلق بها، قهستاني". (كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٥٥۷/۱، سعيد) ==

”(ولا لحن فيه): أى تغنى يغير كلماته،فإنه لايحل فعله وسماعه،آه“.(الدر المختار)

”(قوله يغير كلماته): أى بزيادة حركة،أوحرف،أومد،أوغيرها فى الأوائل والأواخر،آه“. (رد المحتار)(۱)فقط واللّٰہ سبحانه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۱/۵-۴۱۳)

کیا اذان میں ’مد‘ کرنا جائز ہے:

سوال: موذن حضرات اذان کو اتنا لمبا کرکے پڑھتے ہیں کہ مد متصل سے بھی بڑھاتے ہیں، کیا یہ اذان جائز ہے؟ حالانکہ ”حی علی الصلاۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ پر کوئی مد نہیں ہے، یہ حضرات کیوں اتنا کھینچتے ہیں؟

الجواب

”حی علی الصلوٰۃ“ اور ”حی علی الفلاح“ پر وقف کی وجہ سے مد صحیح ہے، اذان کے کلمات کو اتنا کھینچنا جائز نہیں کہ حروف والفاظ میں خلل واقع ہوجائے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۹۷/۳)

اذان کے کلمات میں کتنا مد کیا جائے:

سوال: مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہ　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج فجر کی اذان کی آواز پر تحقیق کرنے پر ظاہر ہوا کہ دارالعلوم کی مسجد کی اذان ہے، اوراس طرح ہوئی ہے، متعدد کلمات میں مد زیادہ مسموع ہوا، نیز بعض کلمات میں تمطیط بھی ظاہر ہوئی، اس سلسلہ میں اپنی معلومات کی بنا پر ایسی اغلاط کی اصلاح کی سعی کرتا رہتا ہے۔ براہ کرم آپ بھی اپنی تحقیق سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں؟

== ”عن أبى مسعود الأنصارى رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

”يؤم القوم أقرأهم لكتاب اللّٰه،فإن كانوا فى القراء ة سواءً،فأعلهم بالسنة،فإن كانوا فى السنة سواءً، فأقدمهم هجرة،فإن كانوا فى الهجرة سواءً،فأقدهم سلماً.ولايؤمن الرجل الرجل فى سلطانه،ولايقعد فى بيته علٰى تكرمته إلا بإذنه“قال الأشج فى روايته مكان سلماً: سناً“.(الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب من أحق بالإمامة: ۲۳٦/۱، قديمى)

(۱) الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۷/۱،سعيد

(۲) ويكره التلحين وهوالتغنّى بحيث يؤدّى إلٰى تغير كلماته كذا فى شرح المجمع لابن الملك،وتحسين الصوت للأذان حسن ما لم يكن لحنا،كذا فى السراجية.وهٰكذا فى شرح الوقاية.(الفتاوىٰ الهندية: ٥٦/۱،الفصل الثانى فى كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما)

(ويكره التلحين)أى التغنى بحيث يؤدى إلى تغيير كلماته ولولم يلحقه تغيرلابأس به.(مجمع البحرين وملتقى النيرين مع شرح المجمع لابن ملك،فصل فى الأذان: ۱۱۱/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

”ومن ثم تأكد على المؤذنين أن يحترزوا من أغلاط يقعون فيها فإن بعضها كفر وبعضها لحن خفى كترك إدغام دال محمد فى راء رسول الله صلى الله عليه وسلم ومد ألف الله والصلوٰة والفلاح،إلخ. (المرقاة شرح المشكوٰة، ج: ١، باب الأذان) (أى المد الطبعى)مقدار ألف وصلاً ووقفاً نقصه عن ألف حرام شرعاً فيعاقب علىٰ فعله ويثاب علىٰ تركه.فمايفعله بعض أئمة المساجد وأكثر المؤذنين من الزيادة فى المد الطبعى علىٰ حده العرفى أى عرف القراء فمن أقبح البدع وأشد الكراهة وقد يقتدى بهم بعض الجهلة من القراء.(نهاية القول المفيد فى علم التجويد)

(المستفتى:ابرارالحق)

(حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم (رحمہ اللہ)،خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

الجواب ———— وباللّٰه التوفيق

محترمی المحترم دامت برکاتهم وعمت وتمت بالخيروالعافية السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

جناب والا احقر کے نزدیک مستند ہیں اورآپ کی سب باتیں سند کے درجہ میں سمجھتا ہوں، پس جتنی باتیں آنجناب نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے نقل فرمائی ہیں، وہ سب بھی صحیح ہیں، جناب کا اتنا فرمادینا بھی کافی تھا کہ مؤذنین کی غلطیوں کی اصلاح کرواوراس طرح کرواوربس،مگر جناب نے فرمادیا کہ اپنی تحقیق سے مطلع کرو،اس کی تفصیلات تتميماً للفائدة چندروایات جواذان سے متعلق ہیں، پہلے نقل کردی جاتی ہیں۔مثلاً:

(۱) أبوداؤد شريف،باب كيف الأذان يرفع، کہ صاحب رؤیا عبداللہ بن زید کوخوداذان دینے کا حکم دینے کے بجائے حضرت عبداللہ بن زید کوحکم فرمایا کہ!”قم مع بلال فألق عليه مارأيت فليؤذن به فإنه أندىٰ صوتًا منک“ فقمت مع بلال،إلخ.(۱)

اسی حدیث پاک کے اندراشارہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پرشارح مشکوٰۃ صاحب”أشعة اللمعات“باب كيف الأذان میں أندىٰ صوتًا منک کاترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

”زیرا کہ بدرستی تیزتر وبلندتر وشیریں تراست“۔(۲)

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:” المؤذن يغفرله مدى صوته ويشهد له كل رطب ويابس وشاهد الصلوٰة“.(مشكوٰة المصابيح:۱)(۳)

---

(۱) سنن أبى داؤد،باب كيف الأذان (ح:٤٩٩)انيس)

(۲) أشعة اللمعات شرح مشكاة المصابيح،باب كيف الأذان:

(۳) سنن ابن ماجة،باب فضل الأذان وثواب المؤذنين (ح: ٧٢٤)/سنن أبى داؤد،باب رفع الصوت بالأذان (ح:٥١٥)/سنن النسائى،باب رفع الصوت (ح:٦٤٥)انيس)

قال فی التعلیق: ... مدی الشیء غایته، والمعنی أنه یستکمل مغفرة اللّٰه تعالٰی إذا استوفی وسعه فی رفع الصوت.(۱)

(۳) اسی کی تشریح (البحر الرائق: ۲۷۹/۱) میں اس باب میں ہے:

وإن کان فی الصحراء أویرفع(الصوت)للترغیب الوارد فی الحدیث فی رفع صوت المؤذن "لایسمع مدی صوت المؤذن إنس ولا جن ولا ملک إلا شهد له یوم القیامة".

(۴) زیرتشریح اسی حدیث پاک:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"إذا نودی للصلٰوة أدبر الشیطان له ضراط حتٰی لایسمع التأذین" إلخ.عن الشیخین.(مشکوٰة شریف،ص:٦٤)(۲)

(۵) عن قتادة قال:سئل أنس کیف کانت قراء ة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم،فقال: کانت مدًا مدًا ثم قرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم بمد بسم اللّٰه وبمد الرحمٰن وبمد الرحیم". رواه البخاری.(مشکوٰة شریف،ص:١٩٠)(۳)

وتحت قول بمد بسم اللّٰه کانت مدًا:أی ذات مد والمراد منه تطویل النفس فی حروف المد واللین عند الفصول والغایات وفی غیرذلک مما یحسن المد لفظه.(التعلیق الصبیح:٢٩/٣)

اس روایت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ تلاوت کرنا سراً بھی بلا کراہت جائز ہے،لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہراً قراءت فرماتے تو بکثرت مد فرماتے،حتی کہ بسم اللہ کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے اور الرحمٰن کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے اور رحیم کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے،اور شراح حدیث رحیم کے مد کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی(کانت)ذات مد والمراد منه تطویل النفس فی حروف المد واللین عند الفصول والغایات وغیرذلک مما یحسن المد لفظه.(التعلیق الصبیح:٢٩/٣)

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تلاوت ہمیشہ جہراً ہونا لازم نہ ہونے کے باوجود جب جہراً تلاوت کا موقع آیا،تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مداً مداً تلاوت فرماتے تھے۔کما مرفی روایة البخاری ومسلم.اوراسی طرح"بسم اللّٰه" میں بھی مد فرماتے،"رحمٰن" میں بھی مد فرماتے،"رحیم" میں بھی مد فرماتے،نیز موقع بموقعہ ہر جگہ مد فرماتے

(۱) التعلیق الصبیح علی مشکوٰة المصابیح،باب فضل الأذان وإجابة المؤذن: ٢٩٩/١،دمشق.انیس

(۲) موطأالإمام مالک ت:أبومصعب الزهری،باب ماجاء فی النداء (ح: ١٨٥)/الصحیح للبخاری،باب فضل التأذین (ح:٦٠٨)/الصحیح لمسلم،باب السهوفی الصلاة والسجودله (ح:٣٨٩)انیس)

(۳) الصحیح للبخاری،باب مدالقراء ة (ح: ٥٠٤٦)/المعجم الصغیر للطبرانی،من اسمه عبدالعزیز (ح:٧١٥)/المستدرک للحاکم،أماحدیث أنس (ح:٨٥٢)انیس)

اور یہ مد کرنا اگر چہ فن تجوید کے اعتبار سے مد اصطلاحی نہیں ہوتا تھا، بلکہ تحسین صوت کے لیے تطویل نفس اس طرح ہوتا تھا کہ سننے والے اس کو مد سمجھتے تھے، پس تلاوت جس میں جہر ہر حال میں لازم نہیں، مگر جب جہر فرماتے تو تحسین صوت کے لیے بشکل تطویل نفس مد فرماتے، خواہ لغوی ہی ہو، تو اذان صلوٰۃ میں **مدیٰ صوتہ** وغیرہ روایات (۱) کے مطابق مؤذن کا اپنی پوری طاقت وقوت کے ساتھ جہر کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ اس لیے اس جہر میں تحسین صوت کے لیے حدود شرع میں رہتے ہوئے مد کرنا شرعاً مطلوب ہوگا، انہی وجوہ سے (فقہ ائمۂ اربعہ: ۱/۳۲۱) میں "**بیان مندوبات الأذان و سننه**" میں حنفیہ کا قول بایں الفاظ منقول ہے:

"**قالت الحنفية: التغني في الأذان حسن إلا إذا أدّى إلٰى تغير الكلمات بزيادة حركة أوحرف فإنه يحرم ما فعله لايحل سماعه**".

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "**مرقاة شرح مشكوٰة، باب الأذان**" وغیرہ سے جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، وہ سب **واجب اللحاظ والعمل** ہیں اور ان سب روایات وعبارت ودلائل کا حاصل یہ نکلا کہ اذان کے کسی کلمہ میں کسی حرکت یا حرف کی زیادتی وکمی کے بغیر اور آواز بگاڑنے کے بغیر "**مدی صوته**" وغیرہ دلائل کے پیش نظر اپنی بلند سے بلند آواز سے اسی طرح اذان دی جائے کہ اس میں گانے کی آواز بن جانے کا کوئی شائبہ نہ آوے، ہاں اگر تحسین صوت کے لیے تطویل نفس (سانس کھینچنا) کرنے سے مد لغوی کی صورت پیدا ہو جائے، تو اس میں مضائقہ نہ ہوگا، جیسا کہ عبارت...... سے ظاہر ہے، بشرطیکہ اہل تجوید اور مجودین کے اصول کے خلاف اور ان کا اصطلاحی مد نہ ہو جائے۔

اس تمہید کے بعد اب احقر اپنے عامیانہ اور سادے الفاظ میں بعض ان خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے، جو بعض مؤذنین میں پائی جاتی ہیں، مثلاً لفظ "**أشهد**" کو "**أشدو**" پڑھ رہے ہیں، ان میں لحن جلی ہو جاتا ہے، جو ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح لا إلٰه میں لآ کو اتنا کھینچ دیتے ہیں جو إلٰه سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے، یہ فعل تقطیع کہلاتا ہے، جو حرام وناجائز ہے۔ مانا کہ **لا إلٰه** میں لام کے اندر مد طویل اصلی ہے، مگر اس کو اہل تجوید کے مد اصلی سے زائد نہ ہونا چاہیے، ورنہ تقطیع مذکور ہو کر ممنوع وحرام ہو جائے گا۔

اسی طرح لفظ "**اللّٰه**" کے الف کو، صلاۃ وفلاح کے الف کو اس طرح اتار وچڑھاؤ سے ادا کرتے ہیں کہ تطریب اور ارتعاش پیدا ہو کر، بسا اوقات تقطیع بھی پیدا ہو کر ہمزہ کی زیادتی بھی معلوم ہو جاتی ہے اور آواز الف میں اَءَ اَءَ کی آواز پیدا ہو کر، لحن جلی بھی پیدا ہو کر ممنوع وحرام وناجائز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی اور جو بعض خرابیاں بعض مؤذنین میں پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ مرقاۃ شریف، مشکوۃ شریف کی شرح میں مذکور ہے، ان سب سے بھی احتراز واجب ہے، چوں کہ

(۱) أخرجه ابن ماجة في سننه، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين (ح: ٧٢٤)/وأبو داؤد، في باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٥١٥)/والنسائي، في باب رفع الصوت (ح: ٦٤٥) انیس)

استفتا میں بعض ائمۂ مساجد کی تلاوت فی الصلوٰۃ کی کوتاہیوں اوران کی اصلاح کی جانب بھی اشارہ ہے۔اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موٹی موٹی بعض کوتاہیوں کو بتلا کر اصلاح کی جانب ان کی توجہ مبذول کرادی جائے، بعض اچھے خاصے قاری، مگر نماز میں اس طرح قراءت فرماتے ہیں کہ ان کی قراءت منہ کے اندر ہی رہ جاتی ہے، پتہ نہیں چلتا ہے کہ کیا پڑھ رہے ہیں، پس اگر بھاری آواز ہے،تو بسا اوقات غل بل غل بل پر کراونٹ کی آواز کے مثل آواز ہوجاتی ہےاوراگر باریک آواز ہے،تو کبوتر وقمری کی آواز کی طرح ہوجاتی ہے۔حالاں کہ یہ آیت کریمہ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآن ﴾(۱) کا مفہوم یہ ہے کہ ہر لفظ اپنے صحیح مخرج سے اس طرح نکلے کہ ہر کلمہ متبین ومتمیز ہوکر الگ الگ موتی کی طرح بکھرے ہوئے اورصاف مسموع ہوں کہ سننے والے کا ذہن ان کے مفاہیم کی جانب متوجہ ہوسکے،جیسا کہ مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے،اسی طرح بعض حضرات صاف تو پڑھتے ہیں،مگر طریقہ پڑھنے کا غلط ہوتا ہے۔

مثلاً:''الحمد'' ایک الگ کلمہ ہے،اس کوالگ متبین ومتمیز ہونا چاہیےاور ''للّٰہ'' الگ کلمہ ہے،اس کوالگ متبین ومتمیز ہونا چاہیےاور ''رب العالمین '' الگ کلمہ ہے،اس کوالگ متبین ومتمیز ہونا چاہیے،مگر پڑھنے میں '' الحم ''کی میم پراس طرح زوردیتے ہیں کہ اس کی دکٹ کرالگ اور ''للّٰہ'' کے ساتھ مل کر ''دُللّٰہ'' کی آواز بن جاتی ہے،اسی طرح'' لِلّٰہ'' ایک الگ کلمہ ہے،مگر ''لِلّٰہ'' میں لام کواتنا زور دیتے ہیں کہ وہ کٹ کر ''رب العالمین'' کے ب کے ساتھ مل جاتی ہےاور متصل ہوجاتی ہے۔ ''رب العالمین ''ایک الگ کلمہ ہے،اس کوصرفی ونحوی قواعد کی رعایت کے ساتھ ہونا چاہیے،مگر تلفظ بگڑ کر ترتیل الحم الگ اور للہٖ الگ اور ہا الگ اور ''رب العالمین ''کا ربّ الگ ہوکر غتر بود ہوجاتا ہے۔'' العالمین ''معرف باللام ہے، یہ اس لیے صرفی ونحوی ضابطہ کے مطابق ب''العالمین'' سے مل گئی اور لغوی وصرفی ضابطہ معانی کے مطابق پڑھنے کی وجہ سے غلطی شمار نہ ہوگا، پھر ''اِیَّاکَ'' کاف فتحہ کے ساتھ ایک الگ اور مستقل لفظ ہے، محض ''ایـا ''کوئی لفظ نہیں ہے،مگراس کے پڑھنے میں ''ایّـا'' کو اتنا زور دیتے ہیں کہ کاف کا فتحہ رواں نہیں رہا، بلکہ ک ''نستعین'' کے ساتھ ملحق ہوکر معنی میں بگاڑ پیدا ہوجائے،اسی طرح ''مغضوب علیھم''میں ضؔ ہے،ضؔ کو دالؔ سے بدل کر صاف ''مغدوب علیھم ''پڑھ دیتے ہیں،اس غلطی سے یہ کلمہ سہل ہوجاتا ہےاورقرآنی لفظ نہیں رہتا ہے،اسی طرح'' ولا الضآلّین ''ضؔ سے ہے،مگر ضؔ کو دالؔ سے بدل کر صاف'' ولا الدّالّین ''پڑھ دیتے ہیں،جس سے معنی کفری پیدا ہوجاتے ہیں،اس لیے کہ '' ولا الضآلّین ''کے معنی ہیں،ہم کو گمراہوں کا راستہ نہ دکھا اور ''ولا الدّالّین'' کے معنی ہیں،راہبروں اور راہنماؤں کا راستہ نہ دکھائے۔

پھر اس سوال کا جواب کہ پھر نماز کے فاسد ہوجانے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا، یہ جواب کتب فقہ میں دیکھئے، یہ بحث خارج ازموضوع ہے، یہاں تو صرف دکھانا مقصود ہے کہ فن تجوید سے کیا کیا غلطیاں اور کس درجہ کی سرزد ہوتی ہیں۔

(۱) سورۃ المزمل: ٤ ـ انیس

چنانچہ عربی زبان میں ''ض، ظ، ذ، ز''، ہر ایک الفاظ ہیں اور ان سب کے صفات لازمہ الگ الگ ہیں اور صفات لازمہ ہی سے آواز پیدا اور متمیز ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ضؔ کے اندر پانچ صفات لازمہ ہیں، ان میں سے تین صفات لازمہ وہی ہیں جو ''ظ'' کے صفات لازمہ ہیں، لہذا ''ض، ذ، ظ''، کی آواز میں تو کچھ مشابہت ہوسکتی ہے، نہ کہ ذ، ز، د، کی آواز کے ساتھ، اس لیے کہ ان کے صفات لازمہ میں سے بعض حروف میں کوئی مشابہت نہیں ہے، جو انہیں میں اس کے مشارکۃ فی الذات کا اور بعض میں دیگر مشارکت ہے، تو حروف دو ایک وصف میں سے ہے کہ یہ مشارکت صفات لازمہ کی 'ذ' کے ساتھ نہ ہونے کے باوجود 'ض' کو 'ذ' کی آواز کیوں اور کہاں سے پڑھا جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ عرب کے لوگ آج کل اسی طرح پڑھتے ہیں تو یہ کوئی شرعی وجہ نہیں، اس لئے کہ بہت سے عرب کے لوگ آج کل 'ق' کو 'گ' پڑھتے ہیں اور بہت حاء حطی، خاء ثخذ پڑھتے ہیں وغیرہ، بلکہ احقر کے تجربہ ومشاہدہ میں تو یہ ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں لفظ 'ض' ہے، اگر اس کو لفظ 'ذ' سے پڑھا جائے، تو پھر یا تو معنی کفری پیدا ہوجائیں گے۔ جیسے: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾(۱) میں '' فَتَرْذٰى ''، پڑھنے میں کفری معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور ایسا ہی حال اور بھی بہت سی آیات میں ہوتا ہے اور بعض آیات میں معنی فاسد ہوجاتے ہیں۔ جیسے: ﴿اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (الآیۃ)(۲) میں ض کو بدل کر د پڑھ دیں گے، تو ''اَقْرِدُوا اللّٰهَ قَرْدًا حَسَنًا'' ہوجائیں گے اور معنی یہاں متغیر ہوجائیں گے۔ پس قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

حدر پڑھانے والے قاری حضرات کو اس طرف خاص توجہ رکھنا اور توجہ دلانا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۲/۱۲/۱۴۱۳ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۸۱-۸۷)

کلمات اذان میں مد کا مسئلہ:

سوال: اذان ایک عبادت ہے، اس کے کلمات میں ایک طویل زمانہ سے تطویل سے کام لیا جارہا ہے، اسی افراط وتفریط کے باعث عرصہ سے اس قسم کی اذان ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے اطراف ملک سے اکثر وبیشتر سوالات آتے رہتے ہیں کہ کلمات اذان میں جو تطویل سے کام لیا جارہا ہے اور ضرورت سے بہت زیادہ کھینچ وتان ہورہی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

یہ سوال وقتاً فوقتاً احقر سے بھی ہوتا رہا ہے، لہذا ضروری ہے کہ ارباب فن اس مسئلہ پر اجتماعی طور پر غور وفکر کر کے مسئلہ کا ایسا حل نکالیں کہ یہ سوال ختم ہوجائے، ساتھ ہی علم قراءت کے ماہرین نے اس مسئلے میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اسے بھی پیش نظر رکھیں اور تطابق کی کوئی راہ نکالیں۔ بینوا توجروا۔

تحقیق سائل: اس بارے میں ماہرین قرأت اور ائمہ فن تجوید نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اور جو کچھ صراحت ان کی کتابوں میں ملتی ہے احقر نے اپنی محدود معلومات کی حد تک اسے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش ہے:

(۱) سورۃ الضحیٰ: ۵. انیس (۲) سورۃ الحدید: ۱۸. انیس

اذان میں مد والے کلمات کی دونوعیت ہے ایک یہ کہ جن کلمات میں مدفرعی ہے یعنی حروف مدہ کے بعد اسباب مد (ہمزہ وسکون) میں سے کوئی سبب ہے جیسا کہ ''لا إلٰـہ إلا اللّٰہ'' شہادت توحید میں اور آخر میں، اسی طرح شہادتین پر بصورت وقف ''اللّٰہ'' پر مد، نیز ''الصلاۃ، الفلاح'' پر وقف یہ سب مدفرعی ہیں (مدِ منفصل ومدِ عارض)

دوسرے وہ کلمات جن میں مد اصلی وطبعی ہے جیسے: ''اللّٰہ أکبر'' میں لام کے بعد الف۔ اسی طرح ''الصلاۃ خیر من النوم'' میں الصلوٰۃ کے لام کے بعد الف۔

واضح ہو کہ مد طبعی اور اصلی میں مقدار کشش صرف ایک الف ہے، اس پر زیادتی ثابت نہیں، اسی طرح مدِ فرعی میں اس کے مقررہ حدود کے اندر ہی مد کرنا صحیح ہے، چنانچہ ''لا إلٰـــہ إلا الـلّٰـــہ'' میں ''لا'' پر مدِ منفصل ہے جس میں توسط ہوتا ہے (بقدر دوڈھائی چار الف علی اختلاف الاقوال) اور ''اللّٰہ'' پر وقف کرتے ہوئے مدِ عارضی وقفی ہے، جس میں طول جائز ہے، جس کی آخری وانتہائی مقدار پانچ الف ہے اس سے زیادہ کا کوئی قول نہیں۔

ایک وضاحت: جیسا کہ مد کا ایک سبب ظاہری ہوتا ہے یعنی ہمزہ وسکون کا آنا حرف مد مقروءۃ کے بعد، اسی طرح ایک سبب باطنی ومعنوی بھی ہوتا ہے مثلاً نفی میں مبالغہ کرنا جیسے ''لا إلٰـہ إلا اللّٰہ'' اور ''لا إلٰـہ إلا أنت'' وغیرہ اس میں مد اس نیت سے کرنا کہ غیر اللہ سے بالکلیہ نفی ہوجائے اور پھر اثبات ذات الٰہی ہو، اہل عرب کے نزدیک مد کا یہ بھی ایک قوی سبب مانا جاتا ہے، محقق ابن الجزری فرماتے ہیں:

(السبب المعنوی) وھوقصد المبالغة فی النفی وھوسبب قوی مقصود عند العرب وإن کان أضعف من السبب اللفظی عند القراء، ومنه مد التعظیم فی نحو ''لا إلٰه إلا اللّٰه، لا إلٰه إلا أنت'' وھوقد ورد عن أصحاب القصر فی المنفصل لھذا المعنی... ویقال له أیضاً مد المبالغة؛ لأنه طلب للمبالغة فی نفی إلٰھیة غیر اللّٰه سبحانه، وھذا معروف عند العرب؛ لأنھا تمد عند الدعاء ومنه الاستغاثة فی نفی شیء ویمدون مالا أصل له بھذه العلة. (باب المدو القصر: ۱/۳۴۴)(۱)

اس سلسلے میں دوروایتیں بھی ملتی ہیں: ایک حضرت ابن عمر سے اور ایک حضرت انس سے محقق جزری ان دونوں روایتوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں (حوالۂ بالا) تاہم یہ مدود جن کے اسباب معنوی ہیں، بطریق شاطبی اور جمہور قراء معمول بہا نہیں ہیں۔ (الجواھر النقیة شرح المقدمة الجزریة، از: مقری اظہار احمد تھانوی، لاہور: ۱۶۵)

اس قسم کی عبارتوں کو دیکھ کر لوگوں نے عام طور پر کلمات اذان میں مد کرنا شروع کردیا، آج کل کی اذانوں میں جو بے انتہا مد کیا جاتا ہے اور آوازوں میں خوب اتار چڑھاؤ ہوتا ہے، اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ مدات وحرکات کو ان کی مقررہ حد سے زیادہ کھینچنا جسے تمطیط وتطویل کہتے ہیں، یہ مکروہ ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ (تسہیل القواعد از مقری فتح محمد صاحب پانی پتی: ۹۶...... القرآن از قاری محمد اسماعیل صاحب پانی پتی، النفحة العنبریة شرح المقدمة الجزریة: ۲۲)

(۱) کذا فی شرح طیبة النشر للنویری: والبعض للتعظیم عن ذی القصر مدالمنفصل: ۱/۳۸۸۔ انیس

سابق شیخ القراء جامعہ ازہر مصر: قدیم اورشہرۂ آفاق علمی ادارہ جامعہ ازہر مصر کے سابق شیخ القراء شیخ محمد مکی نصر کی اپنے موضوع پر معتبر ترین کتاب ''نهاية القول المفيد في علم التجويد'' ہے، موصوف اس قسم کے غلط مدوں کی تردید میں فرماتے ہیں:

''وحده مقدار ألف وصلاً ووقفًا ونقصه عن ألف حرام شرعًا يعاقب علىٰ فعله ويثاب علىٰ تركه، فما يفعله بعض أئمة المساجد وأكثر المؤذنين من الزيادة فى المد الطبعى عن حده العرفى أى عرف القراء فمن أقبح البدعة وأشد الكراهة لاسيما وقد يقتدى بهم بعض الجهلة من القراء ة''. (طبع جديد المكتبة العلمية، لاهور: ١٦٦)

علامہ مرعشی المعروف بہ ساچقلی زادہ اپنی کتاب ''جهد المقل وشرحه: ١٥١''میں مد متصل ومنفصل سے متعلق کلام کرتے ہوئے، اس طرح کی عبارت لکھتے ہیں۔(۱)

حضرت ملاعلی قاریؒ: احناف میں ملاعلی قاری کی شخصیت مشہور زمانہ ہے، متاخرین نے آپ کو حنفیہ کا مجدد مانا ہے آپ اپنی مقبول ترین کتاب ''المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية''میں (مدلازم اورواجب میں قصر کے غیر جائز ہونے کے بارے میں لکھتے ہوئے) فرماتے ہیں:

فإنه لايجوز قصر أحدهما عند جميع القراء ولوقرأ بالقصريكون لحنًا جليًا وخطأً فاحشًا مخالفًا لما ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم بالطرق المتواترة وكذا إذا زاد فى المد الأصلى والطبيعى علىٰ مده العرفى من قدر ألف بأن جعله قدر ألفين أو أكثر كما يفعله أكثر الأئمة من الشافعية والحنفية فى الحرمين الشريفين، فإنه محرم قبيح لاسيما وقد يهتديهم بعض الجهلة و يستحسن ما صدرعنهم من القراء ة. (ص: ٥٦)

---

(۱) یہاں اصل کتاب میں جهد المقل وشرحہ کی کوئی عبارت موجود نہیں ہے۔علامہ مرعشی جهد المقل میں لکھتے ہیں:

القسم الثانى: أن يقع حرف المدآخر كلمة والهمزة أول كلمة أخرىٰ نحو ﴿بِمَاۤ اُنْزِلَ﴾ (البقرة: ٩٠) و ﴿فِىۤ اَنْفُسِكُمْ﴾ (البقرة: ٢٣٥) و ﴿قُوْلُوْۤا آمَنَّا﴾ (البقرة: ١٣٦) ولا مدّ هٰهنا إلا فى الوصل، فلووقف على كلمة حرف المدّ فلا مدّ فيه لأحد من القراء، كذاقال الجعبرى. ويسمىٰ المدّ الزائد فى هذا القسم مدًّا منفصلاً ومدًّا جائزاً. قال: وإنماسمى هذا المدّ جائزًا لاختلاف القراء فيه، فابن كثير والسوسى يَقصُرانه البتة وقالون والدورى يقصُرانه ويمدّانه والباقون يمدّونه البتة، انتهىٰ. ولم يقل أحد من العلماء إن الذين يمدّونه من القراء هٰهنا يمدّونه قدراً واحداً مشبعاً فالمنقول هنا عن القراء ليس إلا التفاوت فى المدّ. قال: وتفاوت الزيادة فى المنفصل كتفاوته فى المتصل كما مر، انتهىٰ. قال أبو شابة: حكى السخاوى عن الشاطبى أنه كان يرىٰ فى المنفصل مدّين طولى لورش ووسطىٰ لمن بقى، انتهىٰ وقد عرفت تقديرهما.

أقول: وجاء فى هذا القسم أربع مراتب أيضاً لمن مدّ كما صرح به، فى التيسير الأطول لورش وحمزة والطول لعاصم والتوسط لابن عامر والكسائى، ومافوق القصر لقالون والدورى وتقديرهذه المراتب كما عرفت فى القسم الأول.

قال: فلايجوز الزيادة على خمس ألفات إجماعاً يعنى فى شىء من القسمين فما يفعله بعض الأئمة وأكثر المؤذنين من الزيادة فمن أقبح البدع وأشد الكراهة، الخ. (جهدالمقل، ٢١٦-٢١٨، الفصل الأول فى المدالفرعى الزائد على المد الأصلى لحروف المد، دراسة وتحقيق: د. سالم قدورى الحمد، ط: دارعمار للنشر والتوزيع عمان) انيس)

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کا قدر مشترک ایک ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح مدلازم اور مدواجب میں قصر کسی کے نزدیک جائز نہیں اور اگر اس میں قصر کیا گیا تو لحن جلی، خطأً فاحش اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے طریقۂ منقول ومتواتر کے خلاف ہوگا، اسی طرح مدِطبعی اور اصلی میں ایک الف کی مقدار سے زائد مد کرنا بھی خطاء فاحش اور لحن جلی ہوگا، اکثر حضرات جو شوافع اور احناف میں سے حرمین شریفین میں ایسا کرتے ہیں، یہ بلاشبہ حرام اور قبیح ہے۔ دور جدید کے عربی عالم ماہر تجوید قراءت ''حسینی شیخ عثمان'' اپنی مقبول ومعتبر کتاب ''حق التلاوۃ'' (ص:۱۵۱) میں شیخ محمد مکی نصر المذکور کی عبارت کی تائید فرماتے ہوئے تقریبا ویسی ہی عبارت لکھتے ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکاۃ: حضرت ملاعلی قاریؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مرقاۃ شرح مشکاۃ'' میں ارقام فرماتے ہیں:

وإطلاق مد ألف اللّٰه وما بعده غير صحيح: لايجوز قصره وتوسطه ومده قدر ثلاث ألفات حالة الوقف. (باب الأذان: ۴۱۸/۱)

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ ''آداب اذان واقامت'' (ص:۴۸) میں لکھتے ہیں:

''اذان میں لفظ اللہ کو تو ایک الف تک کھینچنا چاہئے جیسا کہ علامہ طحطاوی اور مفتی عنایت احمد صاحب نے ارقام فرمایا ہے۔ (اس عبارت پر حاشیہ تحریر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں):

بلکہ علامہ ابن حجر ہیثمی تو اذان میں اللّٰہ، الصلاۃ، الفلاح'' میں مطلقاً کھینچنے کو لحن خفی قرار دیتے ہیں، (۱) ملا علی قاری نے حالت وقف میں یعنی جہاں مدعارض وقفی ہے، ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا ہے، البتہ جہاں مدِاصلی (جس کے بعد مد کا کوئی سبب نہیں ہے، جیسے ''اللّٰہ وصلا یا ''الصلاۃ خیر من النوم '' میں) ہے، اس میں ابن حجر کے قول کو برقرار رکھا ہے، لہٰذا اذان دینے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے اور تکبیر کے لفظ ''اللہ'' کو زیادہ نہیں کھینچنا چاہئے، بعض مؤذنوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب تک سانس میں گنجائش رہتی ہے کھینچتے رہتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ شامی میں ہے:

''الترجيع بالقرآن والأذان بالصوت الطيب طيب إن لم تزد فيه الحروف وإن زاد كره له''. (باب الأذان: ۲۷۰/۱)

---

(۱) (قوله: والتمطيط والتغني فيه) أي تمديد الأذان والتطريب به، نهاية ومغني، (قوله: مالم يتغير المعنى، الخ) قال ابن عبدالسلام: يحرم اللحن أي إن غير المعنى أو أوهم محذوراً كمد همزة أكبر ومن ثم قال الزركشي: وليحزر من أغلاط تقع للمؤذنين كمد أشهد فيصير استفهاماً ومد باء أكبر فيصير جمع كبر بفتح أوله وهو طبل له وجه واحد ومن الوقف على إله، والابتداء بإلّا اللّٰه لأنه ربما يؤدي إلى الكفر كالذي قبله ومن مد ألف اللّٰه، والصلاة والفلاح لأن الأذان في حرف المد، واللين على مقدار ماتكلمت به العرب لحن وخطأ ومن قلب الألف هاء من اللّٰه ومد همزة أكبر ونحوها وهو خطأ ولحن فاحش وعدم النطق بهاء الصلاة لأنه يصير دعاءً على النار شرح بافضلٍ. (تحفة المحتاج في شرح المنهاج، فصل في الأذان والإقامة: ۴۸۳/۱. انيس)

اچھی آواز سے اذان دینا اور قرآن پڑھنا پسندیدہ ہے، اگر اس کے لحن سے حرف میں اضافہ نہ ہو، اگر حروف میں اضافہ ہوجاتا ہے، تبدیلی ہوجاتی ہے تو مکروہ ہے۔

ذخیرہ میں ہے:

إن كانت الإلحان لا تغير الكلمة عن وضعها ولا تؤدى إلى تطويل الحروف التى حصل التغنى بها حتى يصير الحرف حرفين بل لتحسن الصوت وتزئيين القراء ة لايوجب فساد الصلاة وذلك مستحب عندنا فى الصلاة وخارجها، وإن كان يغير الكمة عن موضعها يفسد الصلاة؛ لأنه منهى وإنما يجوز إدخال المد فى حروف المد واللين والهوائية والمعتل. (ردالمحتار: ۱/ ۲۷۰)

اگر الحان سے کلمہ اپنی اصلی ہیئیت سے نہ بدلے اور نہ حروف میں تطویل ہو کہ ایک حرف دوحرف بن جائیں، بلکہ محض آواز کو بہتر بنانے کے لئے ہے تو یہ مستحب ہے اور اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائے، کلمہ اپنے معنی سے نکل جائے تو یہ مکروہ یعنی حرام ہے، اور مد، حروفِ مد، لین، ہوائیہ، اور معتل میں ہوتا ہے''۔ (انتهت الحاشية)

موجودہ صدی کی معروف ومشہور شخصیت، امام فنِ تجوید وقرأت المقری محبّ الدین احمد الہ آبادی سے اسی قسم کا سوال کیا گیا تھا۔

سوال: اذان میں عام طور پر مؤذنین لفظ ''اللہ'' پر مد کرتے ہیں اور ایسا تعامل حرم شریف اور بڑے علمی اداروں میں بھی ہے، جب کہ کتبِ فقہیہ دیکھنے سے پسندیدہ نہیں معلوم ہوتا......کیا قراءت کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے؟

الجواب: اذانوں میں مد کا تذکرہ نہیں، ایک معمول ہوگیا ہے کہ بغرض اعلان اذان کے وقت لفظ ''اللہ'' میں مد کرتے ہیں، حالانکہ اسباب مد میں سے کوئی بھی سبب نہیں پایا جاتا، فقط۔

موجودہ زمانہ کے معتبر عالم حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری مہاجر مدنی مدظلہ العالی اپنی نفیس کتاب ''**التحفة المرضية فى شرح المقدمة الجزرية**'' میں رقم طراز ہیں:

''مدِ طبعی کو ایک الف سے زیادہ کھینچ دینا غلط اور خطأ فاحش ہے، جیسا کہ اکثر ائمہ ایسا کرتے ہیں، یہ حرام اور قبیح ہے، جاہل لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں، ان کی قرأت کو اچھا سمجھتے ہیں، اس اعتبار سے ان کا اس طرح پڑھنا اور زیادہ قبیح ہے''۔

حضرت ملاعلی قاریؒ کی مذکورہ عبارت کا یہ تلخیصی ترجمہ ہے، راقم الحروف سے آج سے تیرہ سال قبل (جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ) اسی عنوان سے متعلق سوال کیا گیا تھا، اس زمانہ میں محقق ابن جزری کی مشہور نظم ''**المقدمة الجزرية**'' پر تشریحی کام کررہا تھا، سوال کا جواب معمولی ترمیم کے ساتھ ''**النفحة العنبرية شرح المقدمة الجزرية**'' بعنوان تنبیہ درج کردیا گیا، ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے:

''واضح ہو کہ کلماتِ اذان میں سے جس کلمہ پر مد کا کوئی سبب نہیں اور صرف مدِ اصلی اور طبعی ہے جیسے ''**الله اكبر**''

میں لفظ ''اللّٰہ'' اور ''الصلاة خیر من النوم'' میں لفظ ''الصلاة'' میں لام کے بعد الف اس میں مد کرنے اور بڑھانے کا کوئی جواز نہیں، پس مساجد کے مؤذنین اور ائمہ حضرات کو احتراز ضروری ہے، یہ عام ابتلاء ہے، اس سے کوئی جگہ محفوظ نہیں، حتی کہ علمی اور مرکزی جگہوں میں بھی یہ غلطی ہورہی ہے...... آگے ملا علی قاریؒ اور شیخ محمد مکی نصرؒ کے مذکورہ بالا دونوں اقتباس نقل کیے گیے ہیں''۔ (ص:۳۲۸)

''اذان میں راگ پیدا کرنا'' اس عنوان کے تحت ''**كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، التغني بالأذان**'' میں یہ عبارت ہے:

''التغني والترنم في الأذان بالطريقة المعروفة عند الناس في زماننا هذا لايقرها الشرع؛لأنه عبادة يقصد منها الخشوع لله تعالىٰ علىٰ أن في حكم ذلك تفصيل في المذاهب...''.

''الشافعية'' قالوا: التغني هو الانتقال من نغم إلىٰ نغم آخر، والسنة أن يتغنى المؤذن في أذانه علىٰ نغم واحد.

''الحنابلة'' قالوا: التغني هو الإطراب بالأذان، وهو مكروه عندهم.

''الحنفية'' قالوا: التغني بالأذان حسن إلا إذا أدى إلىٰ تغيير الكلمات بزيادة حركة أوحرف فإنه يحرم فعله ولايحل سماعه.

''المالكية'' قالوا: التطريب في الأذان مكروه لمنافاته الخشوع إلا إذا تفاحش عرفاً فإنه يحرم. (۳۲۱/۱)

ترجمہ: اذان میں راگ اور لے پیدا کرنا جیسا کہ فی زمانہ عام طور پر ہورہا ہے کوئی شرع کی مقرر کردہ بات نہیں ہے؛ کیونکہ اذان عبادت ہے، اس سے غرض خشوع ہے (نہ کہ راگ نکالنا) مذاہب کے اعتبار سے مزید اس میں تفصیل ہے جس کو ہم ذیل میں درج کررہے ہیں:

شافعیہ کہتے ہیں: تغنی کے معنی راگ نکالنے کے ہیں، حالانکہ سنت یہ ہے کہ مؤذن پوری اذان میں ایک ہی لَے کو برقرار رکھے۔

حنابلہ کہتے ہیں: تغنی کے معنی اذان میں سر نکالنا ہے اور یہ فعل ان کے نزدیک (بہرحال) مکروہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اذان میں لَے کا نکالنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ امر خشوع کے خلاف ہے اور اگر یہ کیفیت زیادہ ہوجائے تو حرام ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: اذان میں غنائی کیفیت اچھی بات ہے لیکن اس طرح نہیں کہ کسی حرف یا حرکت کی زیادتی سے الفاظ کچھ سے کچھ ہوجائیں، ایسا کرنا حرام ہے اور ایسی اذان کا سننا بھی جائز نہیں۔

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلماً

پورا رسالہ از اول تا آخر دیکھا، حوالے وغیرہ تلاش کیے اور بعد مطالعۂ کتب جورائے قائم ہوئی، وہ عرض کی جاتی ہے، جس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ مسلکِ حق اور مسلک جمہور وہی ہے جو آپ نے پیش فرمایا ہے، البتہ گنجائش معمولی ہی سہی، دوسرے پہلو کی بھی ہے۔ لہذا صحیح صورت اور واقعی مسلک تو بیان کر دیا جائے، لیکن مروجہ اذان پر نکیر میں شدت نہ برتی جائے اور اختلاف کا ایک اور دروازہ نہ کھولا جائے، ساتھ میں مولانا اعجاز صاحب کا رسالہ ''**المد التعظيمي**'' کی نقل بھی ارسال ہے۔ ملاحظہ فرمالیا جاوے، اب عرض کرتا ہوں:

رسالہ ''**حق التلاوة**''میں اذان کی تجوید کو قرآن کریم کی تجوید کے مطابق رکھنے کا حکم لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

كما ينبغي للمؤذن أن يجوز الأذان والإقامة فيطبق في تجويد الأذان مايطبق في تجويد القرآن سواء بسواء. (ص:۱۸۹)(۱)

لیکن اذان میں مد کرنے کا حکم ذرا قواعدِ تجوید سے مختلف بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

''**المدود: في مقدار المدود في الأذان خلاف بين المذاهب وأطول مد سمعوا به (١٠) حركات وقيل (١٤) حركة (سبع ألفات)**''. (ص:۱۹۰)(۲)

مضمون میں جو''حق التلاوۃ:۱۵۱'' کا حوالہ دیا ہے، ہمارے کتب خانہ کے موجودہ نسخے میں اس قسم کا مضمون اس صفحہ یا اس کے آس پاس نہیں ملا۔ واللہ اعلم

شامی، بحر، فتح القدیر، ہندیہ سب میں **تلحین** کو مکروہ لکھا ہے۔ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

ومنها ترك التلحين في الأذان لما روى أن رجلا جاء إلى ابن عمر. رضي الله عنهما. فقال:"إني أحبك في الله تعالىٰ، فقال ابن عمر. رضي الله عنهما: إني أبغضك في الله تعالىٰ، فقال: لِمَ؟ قال: لأنه بلغني أنك تغني في أذانك يعني التلحين، أما التفخيم فلا بأس به؛ لأنه أحد اللغتين. (باب الأذان: ۱/۱۵۰)(۳)

اور اس لحن کی تفسیر میں طحطاوی علی الدر میں اس طرح ہے:

اللحن إخراج الحرف عما يجوزله في الأداء من نقص من الحروف أومن كيفياتها وهي الحركات والسكنات أوزيادة شيء فيه ويطلق على الخطأ في الإعراب وصرح الزيلعي بكراهية. (۴)

(۱-۲) حق التلاوة، الوحدة الدرسية السادسة عشرة، تجويد الأذان والإقامة: ١٦٤، مكتبة المنار، الأردن

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۵۰، دارالكتاب، ديوبند

والحديث أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، في ذكر سنه ووفاته (ح: ١٣٠٥٩) بتغيريسير. انيس)

(۴) طحطاوى على الدر، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۵۹ ـ

اور شامی میں ہے:

”(ولا لحن فیه)أی تغنی یغیر کلماته فإنه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن وبلا تغییر حسن،وقیل لا بأس به فی الحیعلتین.(الدرالمختار)

(قوله:یغیر کلماته)أی بزیادة حرکة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل و الأواخر. قهستانی.

(قوله:بلا تغییر حسن)أی والتغنی بلا تغییر حسن،فإن تحسین الصوت مطلوب ولا تلازم فیهما.(بحروفتح)

(قوله:وقیل)أی قال الحلوانی:لا بأس بإدخال المد فی الحیعلتین لأنهما غیرذکروتعبیره بلابأس، یدل أن الأولیٰ عدمه.(ج:۱/ص:۲۵۹)

وفی المراقی:(یترسل فی الأذان)بالفصل وقیل بتطویل الکلمات کما فی البحرعن عقد الفرید،وکل ذلک مطلوب فی الأذان فیطول الکلمات بدون تغن وتطریب،کما فی العنایة... وهوالتطریب أی التغنی به بحیث یؤدی إلیٰ تغییر کلمات الأذان.(إلیٰ قوله)لأن فیه مشابهة بفعل الفسقة فی حال فسقهم فإنهم یترنمون.(مراقی الفلاح:۱۰۷)(۲)

عبارت بالا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تلحین یعنی تغنی گانے،راگ کے مشابہ ہو،وہ تو مکروہ ہے،لیکن تطویل کلمات اور مدود میں قراء کی بیان کردہ حد سے تجاوز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ حق التلاوۃ اور مراقی کی عبارت سے معلوم ہوا،البتہ شامی میں جو حلوانی کا قول نقل کیا ہے کہ حیعلتین میں (متجاوز عن حد القراء کما هو المتبادر) مد کے ادخال میں مضائقہ نہیں اور اس سے جو یہ پتہ چلتا ہے کہ بقیہ میں گنجائش نہیں ہے اور حیعلتین میں بھی عدم ادخال ہی اولیٰ ہے،تو اس میں تاویل کی گنجائش ہے؛ کیونکہ ادخال مد کو صاحب مراقی نے مطلوب فرمایا ہے،اور اس کے خلاف کی تصریح سے ساری کتب فقہ خالی ہیں،البتہ تغنی وتطریب وتلحین کو مکروہ فرمایا گیا ہے اور اگر ادخال مد سے مراد مطلقاً مد ہو جیسا کہ عبارت کا ظاہر ہے،تو پھر اس قول کے غلط ہونے میں شبہ نہیں،یعنی وہ مد جو قراء کی تحدیدات کے خلاف ہو،البتہ حق التلاوۃ میں ایک عبارت یہ ہے:

ویخطیء بعض المصلین،وبخاصة المبلغون وراء الأئمة (المکبرون المبلغون التکبیر)

(۱) الدر المختارمع رد المحتار، قبیل مطلب فی أول من بنی المنائرللأذان: ۲۸۵/۱.انیس

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،باب الأذان:۱۹۶-۱۹۸.

وفی العنایة:(ویترسل فی الأذان بیان السنن التی فیه وهی نوعان:مایرجع إلی نفس الأذان ومایرجع إلی صفات المؤذن فالأول هو أی یأتی به رافعاًصوته ویفصل بین کلمتی الأذان بسکتة مطولا غیرمطرب وهوالترسل من ترسل فی قراءته إذا تمهل فیهاوتوقف ولایفصل بین کلمتی الإقامة بل یجلعها کلاماًواحداًوهوالحدرویکون صوته أخفض من صوت المؤذن ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة کماشرع ==

فيـزيـدون فـى وزن مد ألف لفظ الجلالة عند قوله"اللّٰه أكبر"أو قوله"سمع اللّٰه لمن حمده" عن حركتين،وهذا لايجوزبل ينبغي أن ينبه من يفعله كى يجتنب الوقوع فيه،ويحافظ علىٰ مد الألف وزن حركتين. (ص:۱۹۲)(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدار محدودہ عن القراء سے تجاوز جائز نہیں،لیکن یہ عبارت نمازی کے ساتھ مخصوص ہے، اذان سے متعلق اس میں کچھ نہیں ہے اور گنجائش اذان ہی میں مطلوب ہے

رہا یہ سوال کہ جس طرح اذان سے مقصود اعلام ہے اسی طرح تکبیراتِ انتقالیہ میں امام کے پیچھے کے مکبرین کا مقصود بھی اعلام ہی ہوتا ہے، پھر دونوں کے حکم میں فرق کیوں ہے؟

اس کے دو جواب ہیں: ایک تو یہ ہے کہ "اللّٰـه أكبر" کے لفظ جلالہ میں حکم اذان وتکبیر کا دونوں میں یکساں ہے اور اگر فرق ہے تو اس وجہ سے کہ اذان میں اعلام کا پہلو غالب ہے اور تکبیر فی الصلاۃ میں ذکر کا۔

قولہ: ضرورت ہے کہ اربابِ فن اس مسئلہ پر الخ

قلت: غالبا یہ اس قدر اہم ضرورتوں میں سے نہیں ہے کہ دوسرے اور اہم ضروری مسائل کے بجائے اس مسئلہ پر اجتماعی غور وفکر کی دعوت دی جائے، جب کہ کسی حد تک اگرچہ مرجوح ہی سہی مروجہ اذان کی اجازت ملتی ہے۔

قولہ: مدِ اصلی اور طبعی میں مقدار کشش صرف ایک الف ہے، زیادتی ثابت نہیں ہے۔

قلت: علی الاطلاق یہ قول درست نہیں ہے، جب کہ بعض قراء اذان کے مدود کو مستثنیٰ کرتے ہیں، حتی کہ "اللّٰـه أكبر" کے اسمِ جلالہ میں سات الف تک کی اجازت دیتے ہیں۔

قولہ: جس میں طول جائز ہے، اس کی آخری اور انتہائی مقدار پانچ الف ہے اس سے زیادہ کا قول نہیں۔

قلت: اذان میں ثابت ہے، جیسا کہ "حق التلاوة" اور "مفيد الاقوال" وغیرہ میں ہے۔

قولہ: تاہم یہ مدود جن کے اسباب معنوی نہیں بطریق شاطبی اور جمہور قراء معمول بہا نہیں ہیں۔

قلت: لیکن ثبوت تو ہو گیا اور اذان میں معمول بہا بھی ہیں، قرأت میں البتہ متروک ہیں۔

قولہ: اور اذانوں میں خوب اتار چڑھاؤ ہوتا ہے، اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔

قلت: بے شک اس کا ثبوت نہیں ہے بلکہ فسقہ کی مشابہت کی وجہ سے یہ ترنم وغنا جس کو عام طور پر فقہاء تلحین و لحن سے تعبیر فرماتے ہیں، مکروہ ہے۔ كمافي عامة كتب الفقه.(۲)

== فإن قدم بعضاً وأخر بعضاًفالأفضل مراعاة للترتيب وأن يوالى بين كلمات الأذان والإقامة حتى لوترك الموالاة فالسنة أن يعيد الأذان ويستقبل بهماالقبلة إلا فى الصلاة والفلاح.(باب الأذان: ۲۴۴/۱.انيس)

(۱) حق التلاوة،الوحدة الدرسية السادسة عشرة، تجويد الأذان والإقامة: ۱۶۴،مكتبة المنار، الأردن

(۲) فى الدر: (ولا لحن فيه)أى تغنى يغير كلماته فإنه لا يحل فعله وسماعه كالتغنى بالقرآن وبلا تغيير حسن.(الدرالمختارمع الرد، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۵۹/۱،نعمانية،ديوبند)

قوله: وأما قول الشيخ محمد مكی نصر: ”عن حده العرفی أی عرف القراء اهـ“.

قلت: وجوزه بعض القراء إلٰی سبع ألفات، وقد تم تقريره.

”المنح الفكرية“ سے نقل کی گئی عبارت تکبیرات نماز پر خصوصیت سے محمول ہوسکتی ہے، جیسا کہ ہم نے ماقبل میں ”حق التلاوۃ“ کے حوالے سے ایک عبارت اسی طرح کی نقل کی ہے۔

حسینی شیخ محمد عثمان کی وہ عبارت جو شیخ محمد مکی کی عبارت کی تائید میں ہو یا اس جیسی ہو، صفحہ (۱۵۱) یا اس کے آس پاس نہیں ملی، مضمون کے صفحہ (۲) پر مرقاۃ کی عبارت پوری نقل نہیں ہوئی، اگر چہ عبارت صاحب مضمون کی مؤید ہے، لیکن نقل کردہ عبارت کا جو متبادر مفہوم ہے، وہ مراد نہیں ہے، عبارت پوری نقل کرنا چاہیے، پھر اس کی تشریح کردینی چاہیے تھی، صفحہ (۳) پر شامی کی عبارت کا جو حوالہ دیا گیا ہے (۱/۲۷۰) میں اور اس کے آس پاس اور جہاں جہاں ہوا دیکھا، اس طرح کی عبارت نہیں ملی، البتہ مجموعہ رسائل ابن عابدین کے تحت ایک رسالہ ”تنبيه ذوی الأفهام“ میں وہ عبارت ملی، ملاحظہ ہو! ”رسائل ابن عابدین“۔(۱)

المقری محبّ الدین الہ آبادی نے مد کرنے کو منع نہیں لکھا ہے، صرف اپنے علم کی نفی کی ہے، مولانا عاشق الٰہی صاحب کی عبارت امامت پر خصوصیت سے محمول ہوسکتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس تمام تر تنقید میں دوسری طرف صرف گنجائش کا پہلو بتایا گیا ہے، ورنہ اصل اور مطابق جمہور وہی بات جس کو مضمون میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کی تائید میں ”السعایۃ“ کی عبارت پیش ہے، جس کا ظاہر وباطن دیکھنے سے دونوں پہلوؤں کی حیثیت ظاہر ہوجاتی ہے، صفحہ (۱۴) پر فرماتے ہیں:

(قوله: فلاينقص شيئا من حروفه)هذا بظاهريفيد أنه يكره التلحين فی جميع كلمات الأذان و عليه الجمهور، ونقل فی البحروغيره عن الحلوانی: أن كراهيته إنما هی فی الذكر والثنائی، أما لو لحن فی الحيعلتين بأن زاد المد لتحسين الصوت ونحوه فلا يكره.

قلت: (أی العلامة اللكهنوی) وما أجهل مؤذنی زماننا حيث يلحنون فی الأذان، فبعضهم يحذفون الواوفی ”رسول الله“ وبعضهم يضمون الراء فی ”رسول الله“ وبعضهم يحذفون الألف فی ”اللّٰه أكبر“ وبعضهم يمدون الياء فی ”حی على الصلاة“ وكل ذلك لحن ممنوع عنه بالاتفاق. (۱۵/۲)(۲)

(قوله: فأما مجرد تحسين الصوت)أی بلا تغيير لفظه فهو حسن، ظاهرعبارة الخلاصة حيث

---

(۱) مجموعه رسائل ابن عابدين، تنبيه ذوی الأفهام: ۱۴۴، دار إحياء التراث العربی، بيروت

(۲) السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية: ۱۵/۲۔

قال: تحسين الصوت لابأس به من غيرتغن، وعبارة قاضی خان حيث قال فی فتاواه: لا بأس بالتطريب فی الأذان وهوتحسين الصوت من غيرأن يتغير، فإن تغيربلحن أومد وما أشبه ذلک كره يشهد بأن تركه أولٰى لكن الشارح نص علٰى أنه حسن.(۱)

وفی فتح القدير: تحسين الصوت مطلوب.(۲)

أقول: حسن الصوت يرقق القلب ويسيل الدموع ولذلک أمررسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: زينوا القرآن بأصواتكم.(۳)

وفی رواية أخرى: "ليس منا من لم يتغن بالقرآن"(۴)

فحسن الصوت أمرمرغوب، فالجزم بحسن الصوت كما لايخفى.

"مفيد الأقوال" اور" فتح الملک المتعال" جو 'تحفة الأطفال' کی شرحیں ہیں، ان سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اللّٰـه أكبر" کے اسم جلالہ میں فقہا نے سات کے برابر مد کرنے کی اجازت دی ہے، تو اب تک باوجود تلاشِ بسیار کے کسی فقیہ کا قول اس طرح کا نہیں ملا۔

حاصل یہ ہے کہ مسلکِ جمہور وہی ہے؛ جو آپ نے بیان فرمایا، البتہ گنجائش دوسرے پہلو کی بھی ہے اگرچہ ضعیف ہی سہی، لہٰذا نکیر میں شدت نہ کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ۔ ۲۰/۱/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۰۰-۳۱۳)

---

(۱) كذا فی تبيين الحقائق، باب الأذان: ۹۰/۱/ والبحر الرائق عن الخلاصة، باب الأذان: ۲۷۰/۱/ وتبيين الحقائق ناقلاًعن فتاویٰ قاضی خان، كيفية الأذان والإقامة: ۹۱/۱/ والمحيط البرهانی، الفصل السادس عشرفی التغنی والألحان: ۳۵۱/۱. انيس

(۲) فتح القدير، باب الأذان: ۳۴۸/۱. انيس

(۳) مسندأبی داؤدالطيالسی، البراء بن عازب (ح: ۷۷۴)/ مسندابن الجعد، قيس بن الربيع الأسدی (ح: ۲۰۷۷)/ مصنف ابن أبی شيبة، باب فی حسن الصوت بالقرآن (ح: ۸۷۳۷)/ مسند الإمام أحمد، حديث البراء بن عازب (ح: ۱۸۴۹۴)/ سنن الدارمی، باب التغنی بالقرآن (ح: ۳۵۴۳)/ سنن ابن ماجة، فی حسن الصوت بالقرآن (ح: ۱۳۴۲)/ سنن أبی داؤد، باب استحباب الترتيل فی القراءة (ح: ۱۴۶۸)/ سنن النسائی، تزيين القرآن بالصوت (ح: ۱۰۱۵) انيس)

(۴) مسندأبی داؤدالطيالسی، أحاديث سعدبن أبی وقاص (ح: ۱۹۸)/ مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب النائم والسكران والقراءة على الغناء (ح: ۴۱۷۰)/ مسندالحميدی، أحاديث سعدبن أبی وقاص (ح: ۷۶)/ مسندالإمام أحمد، مسندأبی اسحاق سعدبن أبی وقاص (ح: ۱۵۱۲)/ الصحيح للبخاری، باب من لم يتيغن بالقرآن (ح: ۷۵۲۷)/ أخبارمكة للفاكهی، ذكررباع بن عبدشمس بن عبدمناف، الخ (ح: ۲۱۵۴)/ سنن أبی داؤد، باب استحباب الترتيل فی القراءة (ح: ۱۴۶۹)/ الآحادوالمثانی لابن أبی عاصم، أبولبابة بشيربن عبدالمنذرمن بنی عمرو (ح: ۱۹۰۳)/ المسندللشاشی، رجل غيرمسمیٰ عندسعد (ح: ۱۸۴) انيس)

اذان میں لفظ ''اللّٰہ'' کے ''لام'' کو کھینچنا:

سوال: جو لوگ اذان کے دوسرے ''اللّٰہ أکبر'' کے ''لام'' کو کھینچتے ہیں اور ''الصلاۃ خیر من النوم'' میں ''لام'' کو خوب کھینچ کر پڑھتے ہیں، اذان میں خوب چڑھاؤ اُتار کیا جاتا ہے، آج کل اکثر مسجدوں میں ایسی ہی اذانیں پڑھی جاتی ہیں، شرعی طور پر لفظ ''اللّٰہ أکبر'' کے ''لام'' کو کتنا کھینچا جا سکتا ہے؟

الجواب ______________ حامدًا و مصلیاً

لفظ ''اللّٰــــــہ أکبـــــر'' کے ''لام'' پر مدِ تعظیمی کرنے کو بعض قراء نے درست لکھا ہے اور اذان میں مدِ صوت مقصود بھی ہے تاکہ دور تک آواز پہنچے، فقہا نے بھی اطالتِ کلمات کی تصریح کی ہے۔(۱) مگر موسیقی کے طور پر اتار چڑھاؤ کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۴/۵)

اذان میں اللہ کو زیادہ کھینچنا غلط ہے:

سوال: آج کل اذانیں عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ کو خوب کھینچتے ہیں، اور الٰہ کو بھی خوب کھینچتے ہیں، اور بھی کلمات اسی طرح تو کیا یہ صورت جائز ہے، بینوا توجروا۔

الجواب ______________ باسم ملهم الصواب

اللہ اور الٰہ کے لام کو ایک الف کی مقدار سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔

---

(۱) ''ويجوز إجراء وجه مد ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' عند من أجرى المد للتعظيم كما قدمنا في باب المد، بل كان بعض من أخذنا عنه من شيوخنا المحققين يأخذون بالمد فيه مطلقاً مع كونهم لم يأخذوا بالمد للتعظيم في القرآن...وهو المد للتعظيم في الذكر''. (النشر في القراء ات العشر، حكم الإتيان بالتكبير وسببه: ۴۳۹/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) ''وفسر الترسل في الفوائد بإطالة كلمات الأذان والحدر قصرها وإيجازها ''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۸/۱، رشيدية)

''وقيل بتطويل الكلمات ... كل ذلك مطلوب في الأذان، فيطول الكلمات بدون تغن وتطريب''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۶، قديمي)

سن للفرائض بلا ترجيع ولحن أي ليس فيه لحن: أي تلحين وهو كما في المغرب التطريب والترنم يقال: لحن في قراء ته تلحيناً طرب فيها وترنم ... ولهٰذا فسره ابن الملك بالتغني بحيث يؤدي إلٰى تغيير كلماته، وقد صرحوا بأنه لا يحل فيه، وتحسين الصوت لابأس به من غير تغن، ... فظهر من هذا أن التلحين هو إخراج الحرف عما يجوز له في الأداء من نقص من الحروف أو من كيفيتها، وهي الحركات والسكنات أو زيادة شئ فيها''. (البحر الرئق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۴۵/۱-۴۴۶، رشيدية)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: إن المد إن كان فى الله فإما فى أوله أووسطه أوآخره (إلىٰ قوله) وإن كان فى وسطه فإن بالغ حتى حدث ألف ثانية بين اللام والهاء كره، قيل: والمختار أنها لاتفسد وليس ببعيد. (رد المحتار: ۱/۴۴۸)

اسی طرح "الصلوٰة خير من النوم"، میں "الصلوٰة" کے لام کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ / شوال ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/ ۲۹۰)

کلمات اذان میں اللہ کے لام پر مد کرنا:

سوال: کلمات اذان وتکبیرات انتقالیہ میں اللہ کے لام پر مد کرنا کیسا ہے؟ آیا مد اصلی کی رعایت ضروری ہے، یا اس سے زیادہ مد کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامدا ومصليا ومسلما

فقہا نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ تکبیرات انتقالیہ رکن اول کی انتہا سے رکن ثانی کی ابتدا تک ممتد ہونی چاہیے، مثلاً قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے پورے درمیانی وقفہ میں تکبیر ہونی چاہئے۔

كما فى الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار:

ويقوم مستويا الخ ثم يكبر مع الخير مع الخرور ويسجد واضعًا ركبتيه.

وفى الشامي: قوله مع الخرور بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهائه عند انتهائه. شرح المنية. (۱/۳۳۴)(۱)

اور ظاہر ہے کہ ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی حرف طویل نہ کیا جائے، اور تطویل حروف کے سلسلہ میں البحر الرائق میں ہے:

وفى المبسوط: لومد ألف الله لايصير شارعًا وخيف عليه الكفر إن كان قاصدًا وكذا لومد ألف أكبر أوباءه لايصير شارعًا؛ لأن إكبار جمع كبر وهو الطبل وقيل اسم للشيطان ولومد هاء الله فهو خطأ لغة وكذا لومد راءه ومد لام الله صواب وجزم الهاء خطأ؛ لأنه لم يجيء إلا فى ضرورة الشعر. (۱/۳۳۲)(۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ "الله أكبر"، میں سوائے لام کے اور کہیں مد کرنا درست نہیں ہے، البتہ اس میں بلا

(۱) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۴، نعمانيه، ديوبند

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۳۲، دار الفكر، بيروت

شبہ درست ہے، اور جب تکبیرات انتقالیہ میں مد کی اجازت ہے، تو اذان میں بدرجۂ اولیٰ ہوگی؛ کیوں کہ اذان کا مقصد عام اعلان ہے، اور یہ بغیر مد صوت کے حاصل نہیں ہوتا، **کما فی بدائع الصنائع .(۱۴۹/۱):**

منها أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به ألاترى أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال لعبد اللّٰه بن زيد علّم بلالا فإنه أندى وأمد صوتًا منك ولهذا كان الأفضل أن يؤذن فى موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوه.(۱)

اس میں اُمدّ صوتا کی تصریح ہے، جس سے اذان میں مد صوت کا زیادہ مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے، اور سانس کا زور صرف کیے بغیر آواز قدرے بلند تو ہوسکتی ہے، مگر رفع صوت میں مبالغہ جو مطلوب و مستحسن ہے، مشکل ہے، اور ''**فتح الملک المتعال شرح تحفة الأطفال: ۳۵**'' پر ہے:

وله سبب معنوى كالتعظيم ولأجله أجاز الفقهاء مد ألف الجلالة أربع عشر حركة فى ''اللّٰه أكبر''.(فتح الملک المتعال شرح تحفة الأطفال: ۳۵)

ان مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ کلمات اذان اور تکبیرات انتقالیہ میں اللہ کے لام پر مد اصلی سے زیادہ چودہ حرکات بمعنی سات الف مد کر سکتے ہیں۔(۲) **واللّٰه أعلم بالصواب**

کتبہ: محمد اسرائیل نوادوی۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد اسماعیل غفرلہ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۱۳/۲-۳۱۵)

کلمہ میں ''محمدٌ'' اور اذان میں ''محمداً'' کیوں ہے:

سوال: کلمہ میں ''محمدٌ رسول اللّٰه'' اور اذان میں ''محمدًا رسول اللّٰه'' یہ کیوں؟ اور اگر اذان میں پیش کہے اور کلمہ میں زبر کہے تو غلط ہے، کیوں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

عربی زبان کے قواعد کا تقاضہ یہی ہے، اس کے خلاف پڑھنا غلط ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۸/۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۱۴۹/۱، دارالكتاب، ديوبند

(۲) فى فتاوىٰ محمودية: لفظ ''اللّٰه أكبر'' کے ''لام'' پر مد تعظیمی کرنے کو بعض قراء نے درست لکھا ہے اور اذان میں مد صوت مقصود بھی ہے تا کہ دور تک آواز پہنچے، فقہا نے بھی اطالت کلمات کی تصریح کی ہے، مگر موسیقی کے طور پر اتار چڑھاؤ کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، الفصل الثانی فی ما یتعلق بکلمات الاذان: ۴۱۴/۵، ادارۃ صدیق ڈابھیل)

(۳) الأسماء المنصوبة اثنا عشر قسمًا المفعول المطلق ...اسم إن وأخواتها.(هداية النحو، المقصد الثانى فى المنصوبات، ص: ۳۱، سعيد)

''الأسماء المرفوعات ثمانية أقسام، الفاعل ... والمبتداء والخبر''.(هداية النحو، المقصد الأول فى المرفوعات، ص: ۱۸، سعيد)

اذان میں ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' میں منصوب پڑھا جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں ''أَشْهَدُ أنّ مُحَمّدًا رَسُوْلُ اللّٰه'' پڑھا جائے گا یعنی زبر کے ساتھ، یا'' مُحَمَّدُ رّسُوْلُ اللّٰهِ '' یعنی پیش کے ساتھ، کیونکہ کلمہ طیبہ میں پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو اذان میں پیش کیوں نہیں ہے بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد سلیم صدیقی، عمان، مسقط......۱۱/۵ /۱۹۷۴ء)

الجواب

اذان میں إنَّ (عامل ناصب) کی وجہ سے محمدًا (زبر کے ساتھ) پڑھا جائے گا۔(۱) وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲۰۸/۲)

کیا کلمۂ شہادت کی طرح اذان میں بھی نون ساکت ہوتا ہے:

سوال: کلمۂ شہادت میں ''ن'' ساکت ہے، اذان میں بھی بعض حضرات فرماتے ہیں ''نون'' کو استعمال نہیں کرنا چاہیے؟

الجواب

''نون'' کی آواز نہیں آنی چاہیے، ''نون'' کا ''لام'' میں ادغام ہوجاتا ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل ۲۹۳/۳)

اذان کے کلمات کے آخر میں ہا، ہا، ہا لحن اورنا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں مؤذنین جب اذان میں '' أشهد أن لا إله إلا الله'' پر پہنچتے ہیں تو آخر میں ہا، ہا وغیرہ پڑھتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجرو۔

(المستفتی: یوسف نمبردار واہ کینٹ، راولپنڈی......۱۸/۸ /۱۴۰۱ھ)

(۱) قال العلامة جمال الدين عثمان بن الحاجب: المنصوبات فمنه اسم إنَّ وأخواتها هوالمسند إليه بعد دخول لها مثل أنَّ زيدًا قائم. (الكافية لابن الحاجب، المنصوبات: ٤٩)

(۲) وأما القراء فقد أجازوا إدغام النون والتنوين فى اللام لتقارب مخرجيهما، لأن كليهما من طرف اللسان، وهما من الالأصوات الأسنانية اللثوية فى نظر المحدثين. (الكنز فى القراء ات العشر، ومن الأمثلة التى وردفيها التأثر المقبل: ١/٦٦)

وأما النون فكان يدغمها فى اللام والراء إذا تحرك ماقبلها لاغير. (جامع البيان فى القراء ات السبع، إدغام النون: ١/٤٥٤. انيس)

الجواب

چونکہ ہا، ہاوغیرہ آخر میں لحن ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔

لما فی الدر المختار: ۳۵۹/۱:

"(ولا لحن فیه)أی تغنی یغیر کلماته فإنه لایحل فعله ولا سماعه کالتغنی بالقرآن.

وفی رد المحتارتحت قوله یغیر کلماته:

أی بزیادة حرکة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل والأواخر.(۱)

معلوم ہوا کہ زیادت حرکت یا زیادت حرف یا مدآخر یا اول میں لحن ہے، **وهو لایجوز. وهو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ:۱۹۵،۱۹۴/۲) ☆

(۱) **الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۲۸۵/۱۔**

☆ **اذان میں "شہادتین" اور "حیعلتین" کو کھینچ کر پڑھنے کا حکم:**

سوال: آج کل ہمارے علاقہ میں مؤذن، اذان بڑی لمبی کرتے ہیں، گو یہ جائز ہے، مگر جب "**أشهد أن لا إلٰه إلا الله**" کہتے ہیں، تو ہاہاہا کی زیادتی کرتے ہیں، ہاہا کبھی اونچی طرز پر اور کبھی مدھم کرکے، اسی طرح "**حی علی الفلاح**" پر ہاہاہا کرتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

چونکہ ہاہاوغیرہ "شہادتین" کے آخر میں لحن ہے، لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

لما فی الدرالمختار:(ولا لحن فیه)أی تغنی یغیر کلماته فإنه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن، آہ.

وفی الرد تحت قوله یغیر کلماته:

أی بزیادة حرکة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل و الأواخر.(ردالمحتار، باب الأذان: ۳۵۹/۱)

معلوم ہوا کہ زیادۃ حرکت وحرف یا مدآخر یا اول میں لحن ہے۔ **وهو لایجوز**۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

رشید احمد صدیقی، دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور، مغربی پاکستان

اللہ کے لام کو ایک الف کی مقدار سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

اعلم أن المد إن کان فی الله فإما فی أوله أوأوسطه أوآخره......(إلیٰ قوله)وإن کان فی وسطه فإن بالغ حتیٰ حدث ألف ثانیة بین اللام والهاء کره، آہ.(ردالمحتار: ۴۴۸/۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے لام کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا مکروہ ہے۔

ایسے ہی "حیعلتین" کو بھی زیادہ نہ کھینچا جائے۔

قال الحلوانی: لا بأس بإدخال المد فی الحیعلتین؛ لأنهما غیرذکروتعبیره بلا بأس یدل علیٰ أن الأولیٰ عدمه.(ردالمحتار: ۳۵۹/۱)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس، ملتان، ۱۷/۹/۱۴۰۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۱۸/۲، ۲۱۹)

اذان کا صحیح تلفظ:

سوال: اذان میں لوگ ’’أشهد‘‘ میں ’’هاء‘‘ کوادا نہیں کرتے ہیں، ’’حی علی الصلوٰة‘‘ میں ’’ع‘‘ کوادا نہیں کرتے ہیں، ’’أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه‘‘ میں ’’أنّ‘‘ کے بعد الف کو کھینچتے ہیں، ’’قد قامت الصلوٰة‘‘ میں بڑے قاف کی جگہ چھوٹا قاف پڑھتے ہیں، یہ عام عمل ہے۔ صحیح مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب

یہ غلطیاں سنگین ہیں، ان کی اصلاح ہونی چاہیے، ’’أن‘‘ کے ساتھ الف پڑھنے سے معنی بالکل ہی بدل جاتے ہیں۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲۹۳/۳)

غلط اذان کا کفارہ:

سوال: غلط اذان دینے یا اس میں غیر ارادی طور پر الفاظ شامل ہونے پر کیا کرنا چاہیے؟

(۱) مؤذن کو الگ کرنا درست ہے؟

(۲) ہم نے جو اَب تک غلط اذانیں (میری نظر میں) سنی ہیں، ان کا کفارہ یا کوئی گناہ ہے؟

الجواب

آپ نے جو صورت لکھی ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو لحن کہتے ہیں، اور یہ ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ ایسی اذان کا سننا بھی حلال نہیں، (۲) اس لیے مسجد کی انتظامیہ کو لازم ہے کہ ایسے مؤذن کو تبدیل کردیں۔

اوراب تک جو غلط اذانیں سنی گئیں، اگر ان کی اصلاح پر آپ کو قدرت تھی، تب تو گناہ ہوا، جس کا تدارک استغفار سے ہونا چاہیے، اور اگر آپ کو اصلاح پر قدرت نہیں تھی، تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔(۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۰۹/۳)

☆☆☆

---

(۱) ویکره التلحین وهو التغنّی بحیث یؤدی إلٰی تغیّر کلماته. (الفتاویٰ الهندیة: ۵٦/۱، کتاب الصلاة، باب الأذان)

(۲) وأشار إلٰی أنه لایحل سماع المؤذّن إذا لحن کما صرحوا به، ودلّ کلامه أنّه لا یحل فی القراءة أیضاً بل أولٰی قراءة وسماعاً، إلخ. (البحرالرائق: ۲۷۰/۱، کتاب الصلاة، باب الأذان)

(۳) عن أبی سعیدالخدری قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: من رأی منکم منکراً فلیغیر بیده ،فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه وذلک أضعف الإیمان. (الصحیح لمسلم،باب باب بیان کون النهی عن المنکرمن الإیمان (ح: ۴۹)انیس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پر بدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ رمولانا عبدالکریم گمتھلویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد وغیرہ رحمہم اللہ	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

کتاب	مصنف	ناشر
(۱۷) کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	حفیظ الرحمن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸) فتاویٰ باقیات صالحات	مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹) فتاویٰ احیاء العلوم	مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰) منتخبات نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱) نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	مولانا عبدالحق صاحبؒ پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پاکستانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلیؒ	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳، لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانیؒ	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان

(۳۷)	آپ کے مسائل اوران کا حل	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸)	مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوریؒ	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبدالحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹)	فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰)	فتاویٰ شاکرخان	مولانا مفتی شاکرخان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر۱۴۲، شوکامیوز کے پیچھے، پونہ۴۸، انڈیا
(۴۱)	فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲)	فتاویٰ بسم اللہ	مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہؒ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحئی نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳)	فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

☆☆☆

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	تاریخ وفات
	﴿علوم قرآن (مع شروحات)﴾		
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	معانی القرآن وإعرابہ	ابواسحاق ابراہیم بن السری بن سہل الزجاج	۳۱۱ھ
(۳)	أحکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۴)	جامع البیان فی القراءات السبع	ابوعمرو عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر الدانی	۴۴۴ھ
(۵)	التفسیر الوسیط	ابوالحسن علی بن أحمد بن محمد بن علی الواحدی النیسابوری الشافعی	۴۶۸ھ
(۶)	الجامع لأحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر الانصاری القرطبی	۶۷۱ھ
(۷)	الکنز فی القراءات العشر	ابومحمد عبداللہ بن عبدالمؤمن بن الوجیہ بن عبداللہ بن علی بن المبارک الواسطی	۷۴۱ھ
(۸)	تفسیر القرآن العظیم	ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر	۷۷۴ھ
(۹)	طیبۃ النشر /النشر فی القراءات العشر	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۱۰)	المقدمۃ الجزریۃ	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۱۱)	شرح طیبۃ النشر	محمد بن محمد بن محمد ابوالقاسم محبّ الدین النویری	۸۵۷ھ
(۱۲)	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی عبدالرحمٰن بن کمال الدین ابوبکر بن محمد الخضیری	۹۱۱ھ
(۱۳)	المنح الفکریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۴)	تفسیر القرآن	مقری محبّ الدین احمد الہ آبادی	۱۰۵۸ھ
(۱۵)	جہد المقل فی تجوید القرآن العظیم	محمد بن ابی بکر المرعشی المعروف بہ ساچقلی زادہ	۱۱۵۰ھ
(۱۶)	فتح الملک المتعال شرح تحفۃ الاطفال لسلیمان	علامہ محمد المیہی الأحمدی الشافعی	۱۲۰۴ھ
(۱۷)	تحفۃ الاطفال فی تجوید القرآن	سلیمان بن محمد الجمزوری	بعد ۱۲۰۹ھ
(۱۸)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۹)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ

(۲۰)	فتح البیان فی مقاصد القرآن	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۲۱)	نھایۃ القول المفید فی علم التجوید	شیخ محمد مکی نصر الجریسی الشافعی	بعد ۱۳۰۷ھ
(۲۲)	بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۳)	فوائد تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۲۴)	المدا لتعظیمی	مولانا اعجاز امروہوی	۱۳۷۴ھ
(۲۵)	القرآن	قاری محمد اسماعیل صاحب پانی پتی	۱۹۸۴ء
(۲۶)	تسہیل القواعد	فتح محمد بن محمد اسماعیل بن نور محمد پانی پتی	۱۴۰۷ھ
(۲۷)	الجواہر النقیۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ	مقری اظہار احمد تھانوی، لاہور	۱۴۱۲ھ
(۲۸)	النفحۃ العنبریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری	۱۴۳۰ھ
(۲۹)	التحفۃ المرضیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریۃ	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری	۱۴۳۰ھ
(۳۰)	حق التلاوۃ	حسنی شیخ عثمان	مدظلہ
(۳۱)	مفید الاقوال شرح تحفۃ الاطفال	ـــــــ	ـــ

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

(۳۲)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۳۳)	منھاج السنۃ النبویۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۳۴)	الاعتصام فی اہل البدع والضلالات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۳۵)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۳۶)	الابداع فی مضار الابتداع	محمد محفوظ حنفی	۱۴۲۱ھ
(۳۷)	الشیعۃ ھم العدو فاحذرھم	شحاتۃ محمد صقر	مدظلہ
(۳۸)	مع الاثنیٰ عشریۃ فی الأصول والفروع	ڈاکٹر علی بن احمد علی السالوس	مدظلہ

﴿علوم حدیث وسیرت (مع شروحات)﴾

(۳۹)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۴۰)	الجامع	معمر بن ابی عمرو راشد الازدی	۱۵۳ھ

	کتاب	مصنف	وفات
(۴۱)	موطأ امام مالک، ت: عبدالباقی	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر	۱۷۹ھ
(۴۲)	الآثار	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتة انصاری	۱۸۲ھ
(۴۳)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۴۴)	کتاب الآثار بروایة امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۴۵)	موطأ امام مالک / موطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۴۶)	مسند الشافعی بترتیب السندی السنن الماثورة بروایة المزنی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۴۷)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۴۸)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۴۹)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۵۰)	الصلاة	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۵۱)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۵۲)	مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۵۳)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راہویہ	۲۳۸ھ
(۵۴)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۵۵)	فضائل الصحابة	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۵۶)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۵۷)	صحیح البخاری / خلق أفعال العباد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۵۸)	تخریج الاحادیث المرفوعة المسندة فی کتاب التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۵۹)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۰)	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج بن داؤد القشیری	۲۶۱ھ

(۶۱)	أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکہی	۲۷۲ھ
(۶۲)	سنن ابن ماجه	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۶۳)	سنن ابوداؤد	امام حافظ سلیمان بن الاشعث السجستانی الأزدی	۲۷۵ھ
(۶۴)	سنن الترمذی رشمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۶۵)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۶۶)	الآحاد والمثانی رالسنة	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۶۷)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۶۸)	تعظیم قدر الصلاة	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۶۹)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۷۰)	سنن النسائی رعمل الیوم واللیلة	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۷۱)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۷۲)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۷۳)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۷۴)	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسا فوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۷۵)	السنة لابن أبی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۷۶)	مسند السراج رحدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۷۷)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۷۸)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۹)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(۸۰)	کتاب الضعفاء	ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی بن حماد العقیلی	۳۲۲ھ
(۸۱)	العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن أبی حاتم	۳۲۷ھ
(۸۲)	المنتقی من مکارم الأخلاق ومعالیها	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۸۲)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۸۳)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ

(۸۴) صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۸۵) المعجم الکبیر/المعجم الأوسط	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳٦۰ھ
(۸٦) مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳٦۰ھ
(۸۷) عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳٦۴ھ
(۸۸) سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۹) الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۹۰) شرح مذاہب أہل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۹۱) فوائد ابن أخی میمی الدقاق	ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ بن ہارون البغدادی الدقاق	۳۹۰ھ
(۹۲) الایمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰ بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۹۳) المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۹۴) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۹۵) المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۹٦) مسند الشہاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۷) السنن الکبریٰ/شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۸) الأسماء والصفات/معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۹) المنتقیٰ شرح الموطأ	ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد الباجی الاندلسی	۴۷۴ھ
(۱۰۰) مناقب علی	ابوالحسن الواسطی، علی بن محمد بن محمد بن الطیب بن ابی یعلی بن الجلابی، ابن المغازلی	۴۸۳ھ
(۱۰۱) الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۱۰۲) شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱٦ھ
(۱۰۳) اکمال المعلم بفوائد مسلم	ابوالفضل، عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی	۵۴۴ھ
(۱۰۴) سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام التیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
(۱۰۵)	المعجم	ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰٦)	الطیوریات/المشیخۃ البغدادیۃ	صدرالدین ابوطاہر السّلفی احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم الاصفہانی	۵۷٦ھ
(۱۰۷)	کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۸)	الروض الأنف	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی	۵۸۱ھ
(۱۰۹)	زادالمعاد فی ہدیۃ خیرالانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	٦۲۰ھ
(۱۱۰)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۱۱)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۱۲)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۱۳)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷٦۲ھ
(۱۱۴)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۱۵)	البدرالمنیر	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۱٦)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۷)	مواردالظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۸)	المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی الموصلی	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۹)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۰)	بلوغ المرام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۱)	المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۲)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۳)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۴)	شرح سنن أبی داوٗد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۵)	المقاصدالحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۲٦)	الدررالمنتثرۃ فی الأحادیث المشتھرۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ

	کتاب	مصنف	سنہ
(۱۲۷)	شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۲۸)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۲۹)	الموضوعات الکبریٰ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۰)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۱)	التیسیر بشرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۲)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۱۳۳)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۳۴)	شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالک	محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری الازہری	۱۱۲۲ھ
(۱۳۵)	کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتہر من الأحادیث علی ألسنۃ الناس	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۳۶)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳۷)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۳۸)	التعلیق المجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۳۹)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۴۰)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۴۱)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۴۲)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۴۳)	فیض الباری شرح البخاری	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۴۴)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۴۵)	الکوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری	محمد الخضر بن سید عبداللہ بن احمد الجکنی الشنقیطی	۱۳۵۴ھ
(۱۴۶)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۴۷)	التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ

(۱۴۸) اِعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ
(۱۴۹) معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۵۰) أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۵۱) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۵۲) منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۵۳) تکملۃ فتح الملہم	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ

﴿کتب فقہ احناف﴾

(۱۵۴) الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۵۵) الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۵٦) مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۵۷) شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۵۸) مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۵۹) النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴٦۱ھ
(۱٦۰) المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱٦۱) تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱٦۲) خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱٦۳) المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱٦۴) فتاویٰ العتابی علی ھامش مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن عمر، ابونصر العتابی البخاری	۵۸٦ھ
(۱٦۵) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱٦٦) فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱٦۷) بدایۃ المبتدی	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱٦۸) الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱٦۹) قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	٦۵۸ھ

(۱۷۰) تحفۃ الملوک	محمد بن ابی بکر الرازی	۶۶۶ھ
(۱۷۱) مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین الدمنوی /المداینی	۶۶۷ھ
(۱۷۲) الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۷۳) الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجدالدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۷۴) الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۷۵) مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۷۶) منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدیدالدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۷۷) کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۱۷۸) الفتاویٰ الولوالجیۃ	ابوالحسن علی بن عیسیٰ الولوالجی	۷۱۰ھ
(۱۷۹) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخرالدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۸۰) شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۸۱) النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدرالشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۸۲) الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۱۸۳) النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۱۸۴) الفتاویٰ السراجیۃ	سراج الدین عمر بن اسحٰق الغزنوی	۷۷۳ھ
(۱۸۵) شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۱۸۶) الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۱۸۷) السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۱۸۸) الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۱۸۹) شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۱۹۰) جامع الفصولین	محمود بن اسرائیل بن عبدالعزیز، بدرالدین الشہیر ابن القاضی سماونۃ	۸۲۳ھ
(۱۹۱) خزانۃ الروایات	حسن بن نصوح الشہیر قاضی جگن گجراتی حنفی	۸۴۲ھ
(۱۹۲) معین الحکام	ابوالحسن علاءالدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ

(۱۹۳) البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۹۴) منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۹۵) فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۱۹۶) حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی	ابن امیر الحاج، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الحلبی الحنفی	۸۷۹ھ
(۱۹۷) کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابو العدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۱۹۸) درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملا خسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۱۹۹) ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح صدر الشریعۃ العظمٰی	یوسف بن جنید التوقانی الرومی المعروف بہ اخی چلپی	۹۰۲ھ
(۲۰۰) شرح النقایۃ	ابو المکارم عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۰۱) حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۰۲) ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۰۳) غنیۃ المستملی المعروف بالکبیری	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۰۴) الصغیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۰۵) جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمی بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۰۶) البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۰۷) الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد آفندی القونوی	۹۸۵ھ
(۲۰۸) تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب التمر تاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۰۹) النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۱۰) شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۱۱) حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۱۲) نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۳) امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۴) مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ

کتاب	مصنف	سن وفات
(۲۱۵) غنیۃ ذوی الأحکام فی بغیۃ درر الحکام	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۱۶) مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۱۷) الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۱۸) الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۱۹) الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (و جماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۲۰) سکب الأنہر علی ہامش مجمع الانہر	ـــــــــ	ـــــ
(۲۲۱) حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۲۲) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۲۳) مالا بد منہ (فارسی)	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۲۴) ردالمحتار حاشیۃ الدر المختار (شامی)	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۵) العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۶) مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۷) منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۲۸) مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۲۹) غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	ـــــ
(۲۳۰) التحریر المختار حاشیۃ ردالمحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۳۱) اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۳۲) النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۳) السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۴) عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۵) حاشیہ علی الھدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

(۲۳۶) نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۳۷) رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۳۸) بوادر النوادر ربہشتی گوہر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۳۹) فتاویٰ اشرفیہ (جامعہ فاروقیہ کراچی)	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۴۰) جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۴۱) امعان النظر فی اذان القبر	مولانا محمد منظور نعمانی	—
(۲۴۲) عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۴۳) آداب اذان واقامت	مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری	مدظلہ
(۲۴۴) طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل	مولانا اویس احمد قاسمی	مدظلہ
(۲۴۵) اہم مسائل	جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر رمرتب مولانا محمد جعفر علی	—

﴾ دیگر مسالک کی کتب فقہ ﴿

(۲۴۶) متن الرسالۃ	ابومحمد عبداللہ بن أبی زید عبدالرحمٰن القیر وانی المالکی	۳۸۶ھ
(۲۴۷) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد	محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد	۵۹۵ھ
(۲۴۸) المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۴۹) تحفۃ المودود باحکام المولود	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۵۰) المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۵۱) روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۵۲) التوضیح فی شرح مختصر ابن الحاجب	علامہ خلیل بن اسحاق مالکی	۷۷۶ھ
(۲۵۳) إعلام الساجد باحکام المساجد	ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی المصری	۷۹۴ھ
(۲۵۴) التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۵۵) الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ

کتاب	مصنف	وفات
(۲۵۶) اسنی المطالب شرح روض الطالب	زین الدین ابو یحییٰ، زکریا بن محمد بن زکریا انصاری سنیکی	۹۲۶ھ
(۲۵۷) تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج	شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی شافعی	۹۷۳ھ
(۲۵۸) نھایۃ المحتاج فی شرح المنہاج	شمس الدین محمد بن ابوالعباس احمد بن حمزہ شہاب الدین رملی	۱۰۰۴ھ
(۲۵۹) الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن أبی زید	احمد بن غانم بن سالم بن مہنا، شہاب الدین النفر اوی الازہری المالکی	۱۱۲۶ھ
(۲۶۰) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہاج	سلیمان بن عمر بن منصور عجیلی ازہری معروف بالجمل	۱۲۰۴ھ
(۲۶۱) تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب	سلیمان بن محمد بن عمر بجیرمی شافعی	۱۲۲۱ھ
(۲۶۲) التجرید لنفع البرید	سلیمان بن محمد بن عمر بجیرمی شافعی	۱۲۲۱ھ
(۲۶۳) حاشیہ جواہر ذکیہ	علامہ یوسف بن سعید ثقفی مالکی	—
(۲۶۴) مجموع فتاویٰ ابن باز	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	۱۴۲۰ھ
(۲۶۵) المفید فی تقریب احکام الاذان	ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن بن ملہی بن محمد العریفی	مدظلہ

فقہ مقارن

کتاب	مصنف	وفات
(۲۶۶) الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف	ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری	۳۱۹ھ
(۲۶۷) اختلاف الائمۃ العلماء	ابوالمظفر، عون الدین، یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ الذہلی الشیبانی	۵۶۰ھ
(۲۶۸) الدرر البھیۃ والروضۃ الندیۃ والتعلیقات	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۲۶۹) الفقہ علی المذاہب الأربعۃ	عبدالرحمٰن بن محمد بن عوض الجزیری	۱۳۶۰ھ
(۲۷۰) خلاصۃ الکلام شرح عمدۃ الأحکام	فیصل بن عبدالعزیز بن فیصل بن احمد المبارک الحریملی النجدی	۱۳۷۶ھ
(۲۷۱) الفقہ الاسلامی وادلّتہ	ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ الزحیلی	مدظلہ
(۲۷۲) الموسوعۃ الفقہیۃ	وزارت اوقاف کویت	—

اصول فقہ

کتاب	مصنف	وفات
(۲۷۳) الفصول فی الأصول	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۲۷۴) اصول البزدوی	ابوالحسن علی بن محمد بن الحسین، فخر الاسلام البزدوی	۴۸۳ھ
(۲۷۵) اصول السرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابوسہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۷۶) الحسامی فی اصول الفقہ	حسام الدین محمد بن محمد بن عمر الأخسیکثی	۶۴۴ھ

(۲۷۷) قواعد الاحکام فی مصالح الانام	ابومحمد عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام بن ابوالقاسم بن الحسن السلمی	۶۶۰ھ
(۲۷۸) کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۷۹) الأشباہ والنظائر	ابونصر تاج الدین عبدالوھاب بن علی بن عبدالکافی السبکی	۷۷۱ھ
(۲۸۰) الموافقات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۲۸۱) منار الانوار	سعدالدین مسعود بن عمر بن محمد بن ابوبکر بن محمد بن ابوسعید الغازی التفتازانی	۷۹۲ھ
(۲۸۲) شرح التلویح علی التوضیح	سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۳ھ
(۲۸۳) التحریر فی اصول الفقہ	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید، ابن ہمام	۸۶۱ھ
(۲۸۴) التحبیر شرح التحریر	علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی الدمشقی الصالحی الحنبلی	۸۸۵ھ
(۲۸۵) الأشباہ والنظائر	جلال الدین سیوطی عبدالرحمٰن بن کمال الدین ابوبکر بن محمد الخضیری	۹۱۱ھ
(۲۸۶) الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۸۷) تیسیر التحریر	محمد امین بن محمود البخاری المعروف بأمیر بادشاہ الحنفی	۹۷۲ھ
(۲۸۸) إفاضة الأنوار علی اصول المنار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۸۹) غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۲۹۰) نور الأنوار فی شرح المنار	احمد بن ابی سعید ملاجیون الحنفی	۱۱۳۰ھ
(۲۹۱) نسمات الأسحار شرح افاضة الانوار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۹۲) النامی شرح الحسامی	محمد عبدالحق بن شاہ ہندی	۱۳۳۳ھ
(۲۹۳) مجموعۃ قواعد الفقہ	مولانا مفتی سید عمیم الاحسان برکتی مجددی	۱۳۹۵ھ
(۲۹۴) تسہیل الوصول إلی علم الأصول	عطیہ بن محمد سالم	۱۴۲۰ھ
	ابوعبداللہ حمود بن عبداللہ بن عقلاء بن محمد بن علی بن عقلاء الشعبی	۱۴۲۲ھ
	عبد المحسن بن حمد بن عبدالمحسن بن عبداللہ بن حمد بن العثمان البدر، العباد	مدظلہ

﴿تزکیہ واحسان﴾

(۲۹۵) مکائد الشیطان	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن قیس البغدادی الاموی القرشی المعروف بابن ابی الدنیا	۲۸۱ھ
(۲۹۶) قوت القلوب فی معاملة المحبوب	ابوطالب المکی محمد بن علی بن عطیہ الحارثی	۳۸۶ھ

(۲۹۷) اِحیاء علوم الدین — حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی — ۵۰۵ھ

(۲۹۸) الترغیب والترہیب — ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی — ۶۵۶ھ

(۲۹۹) الأربعون النوویۃ — محی الدین ابوزکریا یحيٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی — ۶۷۶ھ

(۳۰۰) الکبائر — شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذھبی — ۷۴۸ھ

(۳۰۱) الزواجر عن اقتراف الکبائر — شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی السعدی الانصاری — ۹۷۳ھ

(۳۰۲) الطریقۃ المحمدیۃ والسیرۃ الاحمدیۃ — محمد آفندی الرومی البرکلی مولیٰ محمد بن پیر علی — ۹۸۱ھ

(۳۰۳) مجالس الابرار ومسالک الاخیار — احمد بن عبدالقادر الرومی الحنفی — ۱۰۴۱ھ

سیر وسوانح

(۳۰۴) سیرت ابن ہشام — ابومحمد جمال الدین عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری — ۲۱۳ھ

(۳۰۵) الطبقات الکبریٰ — ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری البغدادی المعروف بابن سعد — ۲۳۰ھ

(۳۰۶) البدایۃ والنہایۃ — ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر — ۷۷۴ھ

(۳۰۷) مناقب الاسد الغالب علی بن ابی طالب — شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف — ۸۳۳ھ

﴿لغات، معاجم وادب﴾

(۳۰۸) الزاھر فی معانی کلمات الناس — ابوبکر الانباری، محمد بن القاسم بن محمد بن بشار — ۳۲۸ھ

(۳۰۹) غریب الحدیث — ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی — ۳۸۸ھ

(۳۱۰) تفسیر غریب مافی الصحیحین — محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی — ۴۸۸ھ

(۳۱۱) طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیۃ — ابوحفص نجم الدین النسفی، عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل — ۵۳۷ھ

(۳۱۲) معجم البلدان — شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی — ۶۲۶ھ

(۳۱۳) لسان العرب — علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری — ۷۱۱ھ

(۳۱۴) القاموس المحیط — مجد الدین ابوطاہر محمد بن محمد بن عمر الشیرازی الفیروزآبادی — ۸۱۷ھ

(۳۱۵) مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار — علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی — ۹۸۶ھ

علم نحو وصرف

(۳۱۶) الکافیۃ	ابوعمرعثمان بن عمر بن ابوبکر بن یونس الدوینی الشہیر بابن الحاجب	۶۴۶ھ
(۳۱۷) ہدایۃ النحو	ابوحیان محمد بن یوسف بن علی	۷۴۵ھ
(۳۱۸) ارشادالصرف	منظورشاہ بنوری	—

﴿علم ہیئت، فلکیات وغیرہ﴾

(۳۱۹) الہیئۃ (چغمینی)	محمود بن محمد عمر چغمینی خوارزمی	۷۴۵ھ
(۳۲۰) شرح ملخص الچغمینی	موسیٰ بن محمد بن القاضی محمود الرومی، قاضی زادہ، چلپی	۸۴۰ھ

﴿متفرقات﴾

(۳۲۱) مشارق الأنوار علی صحاح الآثار	ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی	۵۴۴ھ
(۳۲۲) الحدیقۃ الندیۃ	علامہ عبدالغنی نابلسی الدمشقی الحنفی	۱۱۴۳ھ
(۳۲۳) حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۴) الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۳۲۵) تنویرالحق	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۳۲۶) ایضاح الادلۃ	شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی	۱۳۳۹ھ
(۳۲۷) ازالہ اوہام/حقیقت الوحی/روحانی خزائن	میرزا غلام احمد قادیانی	۱۳۲۶ھ

نوٹ: فتاویٰ علماء ہند جلد-۵ کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ ان کے مطبوعات ومکتبات کی تفصیل درج ہے۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)

☆☆☆